بحرِ اسود کے اُس پار

ادریس آزاد

Marfat.com

Marfat.com

بحرِ اسود کے اُس پار

Marfat.com

Marfat.com

بحرِ اسود کے اُس پار

ادریس آزاد

اسٹاکسٹ :۔
مکتبہ القریش ۞ سرکلر روڈ
اردو بازار۔ لاہور۲۔ فون: 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

Marfat.com

98231

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام: محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراوّل ——— 2006ء

مطبع ——— نیراسد پریس

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— وسیم احمد قریشی

قیمت ——— -/275 روپے

Marfat.com

محترم قارئین! ''بحر اسود کے اُس پار'' کی کہانی ایک لحاظ سے صلیبی جنگوں کے معروف سلسلے کی آخری کہانی ہے۔ دستاویزی طور پر ہم مجبور ہیں کہ ''دریائے پرتھ'' کے کنارے ہونے والی اس عظیم جنگ کو آخری صلیبی جنگ کا نام دیں۔ کہنے کو تو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ صلیبی جنگیں ختم کہاں ہوئیں؟ کیا امریکہ اور عراق کی جنگ صلیبی جنگ نہیں؟ لیکن میرا جواب یہ ہے کہ وہ آخری جنگ جو صلیبی پرچم کے سائے میں لڑی گئی، یہی تھی جسے میں نے اپنے ناول کی کہانی کے طور پر چنا ہے۔ روس کے شہنشاہ یعنی ''زارِ روس پیٹر اعظم المعروف پیٹر دی گریٹ'' کے پرچم پر لکھا تھا:۔

''خدا اور مسیحیت کے لئے''

یہ جنگ 1711ء میں ہوئی اور مسلمانوں نے ہلالی پرچم کے سائے تلے پیٹر دی گریٹ سے یہ جنگ جیت لی۔

دریائے پرتھ کے کنارے ہونے والی اس عظیم جنگ کے بعد یورپی لشکروں نے نیشنلزم کا نعرہ لگا دیا اور یورپ کے تمام اتحاد، مذہب کی بجائے قومیت کی بنیاد پر بننے لگے۔ چنانچہ بعد کی تمام جنگوں کو معرکہ صلیب و ہلال کا نام نہیں دیا جاتا۔

اس ناول کی کہانی انتہائی سنسنی خیز ہے اور سچ کہوں تو یہ میرے فطری تجسّس کا عمدہ شاہکار ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ تجسّس میرے بدن میں خون بن کر دوڑتا ہے۔ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ کب کوئی کہانی بننا شروع ہوئی اور کب ختم ہوگئی۔ میں نے متعدد بار اپنے اسسٹنٹ قاسم یاد سے کہا ہے:۔

''قاسم! مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں بھی ماضی کا ہی کوئی کردار ہوں۔''

فی الحقیقت جب میں کسی کردار کو حوالہ قرطاس کرتا ہوں تو مجھ پر ایک عجب سی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ میں لہلہاتے ہوئے گندم کے کھیتوں میں پھولوں سے لدی پگڈنڈیوں کے بیچوں بیچ ٹہلتا رہتا ہوں اور قاسم سیاہ روشنائی کے ساتھ بیس تیس آٹھویں سائز کے کاغذ پر میری زبان سے نکلے الفاظ اتارتا چلا جاتا ہے۔ ٹہلتے ٹہلتے میں کھو جاتا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں ہوتا کہ میں بول رہا ہوں۔ شاید وہ خود کلامی ہوتی ہے جسے قاسم کہانی اور مکالموں کی صورت چہرۂ

Marfat.com

قرطاس پر رقم کر دیتا ہے۔

میری آنکھوں کے سامنے منظر بدلنے لگتے ہیں۔ آہنی خود پہنے ہوئے گھڑ سوار، زرہ بکتر سے لیس سپاہی، ہنہناتے ہوئے گھوڑے، زرق برق لباس، جواہرات سے مرصع تاج وتخت اور منقش محلات، بالکونیوں میں بیٹھی ہوئی شہزادیاں اور جانوروں کے مجسمے، تالابوں پر پانی بھرتی دوشیزائیں اور وادیوں میں چھن چھن کرتی پائلیں، وسیع وعریض جنگل، صحرا، سمندر، بیابان اور ویرانے سب میری آنکھوں کے سامنے اپنے حقیقی وجود کے ساتھ آ ٹھہرتے ہیں۔ کبھی میں تاریک سرنگوں میں جھلململ کرتی مشعل لئے خود کو دور تک جاتا ہوا محسوس کرتا ہوں تو کبھی شاہی محلات کی مرمریں راہداریوں پر مجھے اپنے ہی ٹہلنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ آپ کہنا چاہیں تو مجھے خوابوں کی دنیا میں رہنے والا ایک مصنف یا ادیب کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں جواب میں اتنا ضرور کہوں گا کہ خواب وہی دیکھتے ہیں جو ان کی تعبیر حاصل کرنے کی ہمت بھی رکھتے ہوں۔ میرا یہ ناول بھی ایسے ہی کسی خواب کی تعبیر ہے۔

قارئین کرام! عام طور پر ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ شاید مسلمان ممالک صدیوں سے ذلت وپستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے ابتدائی عرصہ تک خلافتِ اسلامیہ کا سورج پوری دنیا پر چمکتا تھا اور ترکوں کا لوہا دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے طور پر مانا جاتا تھا تو ہم دنگ رہ جاتے ہیں۔ ہم صدیوں سے پستی کی زندگی میں نہیں۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ہم صدیوں سے غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ بغداد کی پہلی تباہی تاتاریوں کے ہاتھوں عمل میں آئی لیکن بغداد کی برکتوں سے ایک دن ایسا آیا کہ تاتاری خود مسلمان ہو گئے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ کا ایک شعر ہے ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اب بغداد کی تباہی دوسری بار عمل میں آئی ہے۔ اس مرتبہ حملہ آور فوج امریکی ہے۔ کیا ہم ایسی توقع کر سکتے ہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی؟

یہ ناول ترکوں کے دورِ شجاعت کی آخری کہانیوں میں سے ایک ہے جب ترک دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھے اور درفشِ کاویانی (ترک فوج کا جھنڈا) کا سایہ پورے یونان، مصر، عراق، یمن، کریمیا اور بلغاریہ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ کہانی یونان کے ایک شہر مقدونیا سے شروع

Marfat.com

ہو کر کوہِ بلقان کی سیر کرتی ہوئی قسطنطنیہ (استنبول) میں داخل ہوتی ہے اور پھر آبنائے باسفورس کے راستے بحر اسود میں تیرتی ہوئی کریمیا تک چلی جاتی ہے۔ دریائے پرتھ کے کنارے روس کے عظیم بادشاہ پیٹر دی گریٹ اور ترک سپہ سالار بلطہ جی کا آمنا سامنا ہوتا ہے۔ دریا پرتھ کے کنارے ہی یہ کہانی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن افسانہ چند قدم آگے چل کر دوبارہ مقدونیا کے مضافات میں آکر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

آخر میں اپنے قارئین کا شکر گزار ہوں جو میری تحریر کو پسند کرتے ہیں اور مجھے ایک اچھا مصنف بننے میں مدد دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتا ہوں۔ اللہ حافظ

ادریس آزاد

Marfat.com

فہرست ابواب

مقدونیا کی بغاوت	9
بیس سال بعد	42
استنبول کا ساہوکار	74
وینس کی حسینہ	120
قاتل کا فرار	158
پراسرار گھڑ سوار	188
دولت عثمانیہ	223
صدر اعظم کے جاسوس	259
افرازون	310
دریائے پرتھ کے کنارے	353
مکافاتِ عمل	404
ملاقات	449

Marfat.com

مقدونیہ کی بغاوت

ادھیڑ عمر غلام کا جسم لہولہان تھا۔ ہر کوڑے پر اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلتی اور فضا کو دردانگیز بناتی ہوئی دور تک پھیلتی چلی جاتی۔گھوڑوں کی منڈی میں موجود ہر بیوپاری ان کراہوں اور چیخوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔آن کی آن میں منڈی کا وسطی میدان ایک تماشہ گاہ بن گیا۔لوگوں کا بے پناہ ہجوم زخمی ہوتے ہوئے غلام کے گرد اکھٹا ہونے لگا۔ادھیڑ عمر غلام کے نیم برہنہ جسم پر کوڑوں کے نشانات، ہر ضرب کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔مجمع میں موجود ہر شخص کے چہرے پر حیرت اور تجسس کے آثار نمایاں تھے۔ سب کی نظریں کوڑہ بردار پر تھیں۔کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس حسین کوڑہ بردار کو آگے بڑھ کر روک لے۔

تھروشیا کے غضب ناک چہرے پر آتش کے شعلے لپکتے دکھائی دے رہے تھے۔اس کے پنکھڑی جیسے نازک ہونٹوں سے کف اُڑ رہا تھا اور وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح بے قابو ہو کر،ادھیڑ عمر غلام پر کوڑے برسا رہی تھی۔ ہر کوڑے پر اس کا ہاتھ بلند ہوتا تو اس کے سڈول جسم کا توازن دیکھ کر اہل مجمع دنگ رہ جاتے۔

شڑاپ......شڑاپ......شڑاپ۔ادھیڑ عمر غلام پر کوڑے برس رہے تھے اور وہ چیختے ہوئے گلے کے ساتھ،معافی کیلیے منت سماجت کر رہا تھا۔اس کے دونوں ہاتھ معافی طلب کرنے کے انداز میں جڑے ہوئے تھے۔لیکن غضب ناک تھروشیا پر اس کی کسی منت اور لجاجت کا کوئی اثر نہ پڑ رہا تھا۔تھروشیا کے حلق سے ایک ہی جملہ بار بار نکل رہا تھا۔

''اب بتاؤ!.....کہاں گیا،وہ عرب بیوپاری،جس کے ہاتھ تم نے میرا گھوڑا بیچا۔میں کہتی ہوں، مجھے وہ بیوپاری ابھی اور اسی وقت اپنے سامنے چاہیے۔تم نے میرا گھوڑا ایک مسلمان کے ہاتھ کیوں بیچا؟......بتاؤ! تم نے میرا گھوڑا ایک مسلمان کے ہاتھ کیوں بیچا؟''

سب لوگ حیرت سے تھروشیا کی بات سن رہے تھے۔غلام بری طرح رو رہا تھا اور بار بار ایک ہی جواب دے رہا تھا۔

Marfat.com

''مادام!.......مادام! مجھے معاف کردیجیے، مجھ سے غلطی ہوگئی۔میں اس بیوپاری کوڈھونڈ نکالوں گا۔وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔مادام! خدا کیلیے مجھے معاف کردیجیے''۔

لیکن تھروشیا کا غصہ تھا کہ بڑھتا چلا جارہا تھا۔وہ تھی ہی اتنی غصہ ور۔آخر جنرل ڈیگاس کی بیٹی تھی۔''آسٹریا'' کے شاہی خاندان کا فرداور مسلح افواج کا پانچواں بڑا جرنیل۔تھروشیاجنرل ڈیگاس کی اکلوتی بیٹی تھی۔بے حد خودسر اور منہ زور۔تھروشیا کے تکبر میں سب سے زیادہ دخل اس کے شجرۂ نسب کو تھا۔اس کا سلسلۂ نسب ہسپانیہ کی عظیم ملکہ ازابیلہ سے ملتا تھا۔اس کا خاندان پندرہویں صدی کے اختتام پر آسٹریا میں آکر آباد ہوگیا تھا۔جب سے تھروشیا کا مغرور باپ، جنرل ڈیگاس، ویانا کی جنگ میں ہلاک ہوا تھا،تھروشیا کی نفرت،مسلمانوں کے خلاف دوچند ہوگئی تھی۔اسے اپنے باپ سے بے حد محبت تھی۔

جنرل ڈیگاس ویانا کی جنگ میں بہادروں کی طرح لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔تھروشیااپنے باپ کی موت کا واقعہ آج تک بھلانہیں پائی تھی۔آج سے پانچ برس قبل جنرل ڈیگاس،مسلمان ترکوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھالیکن تھروشیا ابھی تک اس کے انتقام میں لمحہ لمحہ سلگ رہی تھی۔

وہ دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ اس آرزو کا اعادہ کرتی کہ وہ مسلمانوں سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے کررہے گی۔اسے اسلام اور مسلمانوں کے نام سے ہی نفرت تھی۔وہ اکثر اپنے خوابوں میں.......ترک سپہ سالاروں کوموت کے گھاٹ اتارتی اور.......اس طرح اپنے انتقام کی آگ کوٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔آج اس کے غلام نے اس کا گھوڑا ایک مسلمان عرب تاجر کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔یہی وجہ تھی کہ تھروشیا کا غصہ آسمان کو چھورہا تھا۔تھروشیا کے ہاتھ نہ رکے، یہاں تک کہ ادھیڑعمر غلام بے ہوش ہوکر گرپڑا۔

آج صبح ہی تھروشیا نے اپنا ایک گھوڑا،گھوڑامنڈی میں فروخت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔اسے معلوم نہیں تھا کہ منڈی میں کوئی مسلمان بیوپاری بھی اس کا گھوڑا خرید سکتا ہے۔چنانچہ اس نے اپنے غلام کوکسی قسم کی کوئی ہدایت دیے بغیر ہی گھوڑا بیچنے کیلیے روانہ کردیا۔غلام نے تھروشیا کا گھوڑا بڑے اچھے داموں میں فروخت کیااور خوشی خوشی اپنی مالکن کے پاس لوٹا،لیکن تھروشیا اس کی کارگزاری سن کربھڑک اُٹھی۔اسے جونہی پتہ چلا کہ گھوڑا خریدنے والا سوداگرایک عرب مسلمان تھا،اس کا خون کھول اُٹھا۔وہ دیوانہ وار اپنے غلام کو پیٹنے لگی۔تھروشیا نے اسی وقت ادھیڑعمر غلام کوحکم دیا کہ وہ.......فی الفور گھوڑوں کی منڈی میں

Marfat.com

جائے اور عرب سوداگر سے اس کا گھوڑا واپس خرید لائے۔ لیکن اس کا غصہ تھا کہ کم ہونے کو نہ آتا تھا، چنانچہ غلام کے پیچھے پیچھے وہ بھی آندھی اور طوفان کی طرح منڈی کی طرف آنکلی۔ اس کی شاندار بگھی دیکھتے ہی لوگ اِدھر اُدھر ہٹنے لگے۔ اور وہ منڈی کے عین وسط میں پہنچ کر کسی بھوکی شیرنی کی طرح نیچے اتری، لیکن عرب سوداگر تو گھوڑا خریدنے کے بعد منڈی سے جا چکا تھا۔ بپھری ہوئی تھروشیا اور اسکے غلام، عرب سوداگر کو ڈھونڈنے میں ناکام ہوگئے۔ تب تھروشیا کی حالت، غصے سے غیر ہوگئی اور اس نے ادھیڑ عمر غلام پر بری طرح کوڑے برسانے شروع کردیے۔

تھروشیا کی نفرت عجیب تھی، اس کا باپ جنرل ڈیگاس بے شک جنگِ ویانا میں ہلاک ہوا تھا۔ لیکن جنگِ ویانا میں فتح تو......... بالآخر عیسائیوں کے حصے میں ہی آئی تھی۔ اس لحاظ سے تھروشیا کا انتقام بے معنی تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اسے اپنے باپ کی موت کا صدمہ، ویانا کی فتح پر بھاری محسوس ہوتا تھا۔ ۱۶۸۳ء میں جب قرہ مصطفےٰ نے ویانا پر حملہ کیا تو وہ بڑے طمطراق کے ساتھ وارد ہوا، لیکن اسے ایک شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے اپنی تعداد اور طاقت پر غرور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب سلطنتِ عثمانیہ کے امراء اور وزراء کی عادات بگڑ چکی تھیں۔ اور عثمانی حکمرانوں کو تعیش کی لت پڑ چکی تھی۔ سترہویں صدی عیسوی ''اسلامی سپر پاور'' کی آخری صدی تھی۔ یورپ کے عیسائی، خصوصاً برطانیہ، روس اور فرانس ترقی کی راہ پر انتہائی تیزی کے ساتھ گامزن تھے۔ اور مسلمان، تساہل پسندی کی بدولت اُتنی ہی تیزی کے ساتھ اپنی عظیم طاقت کھوتے جا رہے تھے۔ ہندوستان میں مغلِ اعظم کی سلطنت کا ''ڈنکا'' بھی ماند پڑ چکا تھا اور انگلستان کے تاجر ہندوستان کی سرزمین پر اپنا انوکھا ''دھندا'' خوب مہارت سے سرانجام دے رہے تھے۔

جب سے مغربی یورپ کے آخری ملک اندلس سے مسلمانوں کو نکالا گیا تھا...... پورے یورپ میں یہ تحریک زور پکڑ گئی کہ مسلمانوں کو برِ اعظم یورپ سے نکال دو۔ اندلس میں مسلمانوں نے علوم و فنون کے میدان میں ایسے ایسے اشجارِ ثمر بار لگائے تھے کہ یورپ ان کا پھل آنے والی کئی صدیوں تک کھا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یورپ میں جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے...... علوم مادی کے تابناک اجالوں میں بدل گئے اور اہلِ یورپ ضروریاتِ زندگی میں تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگے۔ جب کہ مسلمان بحیثیتِ قوم اپنا تشخص کھو چکے تھے۔

Marfat.com

انہوں نے بدلتے ہوئے حالات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ان کے سامنے مظاہر فطرت اور عبرو بصائر کا انبار تھا لیکن انہوں نے آنکھیں کھول کر نہ دیکھا۔ ان کے مذہبی پیشواؤں نے انہیں آنکھیں بند رکھنے کا حکم دے رکھا تھا۔ مسلمانوں نے آنکھیں بند رکھیں اور اسی دوران اہل یورپ نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ اہل یورپ صدیوں کی نیند سے بیدار ہوئے تھے،اور انہیں بیدار کرنے والا کوئی اور نہیں تھا بلکہ وہ از خود بیدار ہوئے تھے۔انہوں نے اپنی حالت خود بدلی تھی۔اس سے قبل انہیں احساس ہی نہیں تھا کہ انکی حالت کس حد تک خستہ ہے۔ مسلمانوں نے ان کے تاریک ممالک کو فتح کیا اور چند صدیوں میں ہی یورپ کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں علوم کے آفتاب روشن ہو گئے۔ تب اہل یورپ کو معلوم ہوا کہ وہ کس حد تک جاہل، گنوار، وحشی اور جنگلی ہیں۔۱۰۳۰ء تک لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بکتا تھا۔[۱] مسلمانوں کی آمد سے مغربی دنیا، کی کایا پلٹ گئی۔لیکن مسلمان خود قعر مذلت میں گرتے چلے گئے۔ وہ اپنی اساس کو بھلا چکے تھے۔اور اُس کتابِ مبین کو پس پشت ڈال چکے تھے، جس کے درخشندہ اسباق کو پڑھ کر ان کے آبا ؤ اجداد نے اسلام کے پودے کو نشوونماء دی تھی۔ مذہبی انتہاپسندوں کی وہی جہالت جس نے اہلِ یورپ کو صدیوں تک اندھیروں میں رکھا تھا......اب مسلمانوں میں در آئی تھی۔سلطنتِ عثمانیہ کے...مفتیٔ اعظم کو وہی درجہ حاصل تھا جو عیسائی دنیا میں اب تک پوپ کو حاصل رہا تھا۔

آسٹریا ہی وہ ملک تھا، جہاں عیسائیت کی مذہبی انتہا پسندی نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی تھی۔لیکن اب حالات بدل رہے تھے۔ جمہوریہ وینس کی جمہوری اقدار، جرمنی، فرانس اور انگلستان کے ترقی پذیر افکار اور عیسائی عوام کی اپنے مذہبی پیشواؤں سے نفرت، وہ عناصر تھے جنہوں نے مسیحی عوام کے دل و دماغ کو بدلنا شروع کر دیا تھا۔ یہ صدی گویا وہ مرکزی نقطہ تھی، جو مغرب کے عروج اور مشرق کے زوال کے مابین حدِ فاصل تھا۔ترکی، یورپ کا حصہ تھا۔ترکی دارالحکومت، استنبول (قسطنطنیہ)........ برِاعظم یورپ کا پہلا شہر تھا۔مشرقی یورپ پر مسلمانوں کا تسلط تھا۔ وہ ممالک جو کبھی عیسائی دنیا کے سرخیل تھے اب تاتاری اور ترک سپاہ کے قدموں تلے تھے۔یونان کسی زمانہ میں پوری دنیا پر حکمران تھا لیکن اب قدیم یونان کا دارالحکومت ''ایتھنز'' اور سکندرِ اعظم کا شہر مقدونیہ، مسلمانوں کے قبضے میں تھے۔

---

[۱] بحوالہ:۔اسلام کے یورپ پر احسانات از ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔

Marfat.com

بے شک عثمانی سپاہ نے ''ویانا'' کی جنگ میں شکست کھائی تھی ۔لیکن ترکی کی طاقت کا جو رعب ،یورپی حکمرانوں کے دلوں پر تھاوہ ایک آدھ شکست سے رفع ہونے والانہیں تھا۔ تھروشیا جانتی تھی ....کہ ترک سپاہی جب چاہتے اپنے مقبوضات کو دشمن کے حوالے کردیتے اور جب چاہتے واپس لے لیتے۔اس کی برہمی اور غصے کی اصل وجہ مسلمانوں کا تسلط تھا۔ مسلمان، گزشتہ کئی صدیوں سے مشرقی اور مغربی یورپ پر قابض تھے۔اور .....راسخ العقیدہ عیسائیوں کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔تھروشیا بھی انہی لوگوں میں شامل تھی جوکسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو یورپی ممالک میں دیکھنانہیں چاہتے تھے۔

ویانا کی جنگ میں مسلمانوں کوشکست ہوئی ۔ویانا کا محاصرہ ۱۵جولائی ۱۶۸۳ء کے روز شروع ہوا۔شہنشاہ ''لیوپولڈ'' اپنے خاندان سمیت بھاگ کر ''بوریا'' چلا گیا۔لیکن محصورین نے ''کاؤنٹ سٹارمبرگ''(Stahremberg) کی سرکردگی میں نہایت دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا۔شہر کے بیس ہزار باشندے بھی سپاہیوں کے دستوں میں شامل ہوگئے۔انہوں نے فوج کے ساتھ جانبازی کے جوہر دکھائے ،تاہم ترکی توپخانوں نے شہر کی دیواروں کوکئی مقام پر بالکل مسمار کردیا۔اگرقرہ مصطفےٰ ،ایک عام حملے کاحکم دے دیتا،تو شہر کے فتح ہوجانے میں کوئی شبہہ نہیں تھا،لیکن اس کی حرص وہوس نے یہ نادر موقع کھودیا۔وہ اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ اہل شہر محاصرہ سے عاجز آکر بالآخر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے اور پھر شہر کی تمام دولت پر وہ اکیلا قابض ہوگا،جب کہ ایک عام حملہ کی صورت میں ایسا ہونا ممکن نہیں تھا،کیونکہ عام حملہ کی صورت میں تمام شہر،عام سپاہیوں کے سامنے ہوتا اور مالِ غنیمت میں سب کا حق ہوتا۔اسی توقع اور ہوس میں قرہ مصطفےٰ نے آخر تک حملے کاارادہ ملتوی رکھا۔

اس دوران عیسائیوں کا عظیم جرنیل ''سوبیسکی'' تیزی کے ساتھ ویانا کی طرف کوچ کرتا رہا،اور آخرکار........سوبیسکی.........شہزادہ ''چارلس آف لورین'' سے آملا جوآسٹریا کی فوج کا سپہ سالار تھا۔آسٹریا کی اسی فوج میں تھروشیا کا باپ ایک بڑے بازو کا جرنیل تھا۔شہزادہ چارلس ویانا سے کچھ فاصلے پرسوبیسکی کا انتظار کررہا تھا۔ان دونوں سپہ سالاروں نے متحد ہوکر دریائے ڈینیوب کو ....ٹالم(Talm) کے مقام پر عبور کیااور پھر.....وہ ایک ،نہایت دشوارگذار راستہ سے ہوکرترکی لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔قرہ مصطفےٰ آسانی کے ساتھ شہزادہ

Marfat.com

چارلس یا سوبیسکی کو دریا عبور کرنے سے روک سکتا تھالیکن اپنی طاقت پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد نے اس کو غافل رکھا، اور وہ اس وقت متنبہ ہوا جب غنیم اسکی پشت پر پہنچ چکا تھا۔

سوبیسکی کو عثمانی لشکر کی ترتیب دیکھ کر اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔اس نے بڑی حقارت کے ساتھ، ترک لشکر کی جانب دیکھا اور اپنے پہلو میں کھڑے ......آسٹروی جرنیل ڈیگاس سے مخاطب ہو کر کہا:۔

''قرہ مصطفےٰ نے اپنے لشکر کی ترتیب غلط طریقہ پر دی ہے۔وہ جنگ کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہم ضرور اس کو شکست دیں گے۔''

پھر اس نے اپنی فوج سے مخاطب ہو کر کہا:۔

''ویانا......تمام، مسیحی یورپ کا قلب ہے جس کی مدافعت ایک مقدس فرض ہے۔ویانا کو ترکوں سے چھڑا لینا......حقیقتاً پورے یورپ کو محفوظ کر لینا ہے۔''[1]

فوج کے دینی جوش کو برانگیختہ کرنے کے بعد اس نے حملہ کا حکم دیا۔حملہ اس قدر شدید تھا کہ عثمانی لشکر اس کی تاب نہ لا سکا۔حملہ کی شدت سوبیسکی کی موجودگی کے باعث اور زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔اس کی فاتحانہ شہرت کا غلغلہ تمام یورپ میں پھیلا ہوا تھا۔سب سے پہلے تاتاریوں کے قدم اُکھڑے، ان کے اس طرح بھاگنے کا اثر ترکی فوج پر پڑا اور پوری فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔قرہ مصطفےٰ نے ینی چری کو شہر کے سامنے خندقوں میں چھوڑ دیا اور بقیہ فوج کے ساتھ سوبیسکی اور شہزادہ چارلس کے متحدہ حملہ کا مقابلہ کرنے لگا، یہ حملہ اُس کے عقب سے ہوا تھا۔ترکی فوج، باوجود اپنی کثرت کے اس حملہ کا مقابلہ نہ کر سکی اور اُسکے قدم اکھڑ گئے۔

عیسائیوں نے ترکوں کے تمام، خیموں اور سامان پر قبضہ کر لیا۔اس کے بعد وہ ینی چری دستوں کی طرف بڑھے جن پر اب دونوں طرف سے حملہ ہونے لگا تھا۔پشت سے سوبیسکی کی فوج حملہ کر رہی تھی اور سامنے سے آسٹریا کی شاہی فوج گولیاں برسا رہی تھی۔ینی چری اپنی بے مثل جانبازی سے ان حملوں کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ایک ایک فرد دادِ شجاعت دیتا ہوا مارا گیا۔سوبیسکی کی فتح اب مکمل ہو چکی تھی۔تین سو توپیں، نو ہزار گولہ بارود کی گاڑیاں اور پچیس ہزار خیمے مال غنیمت میں اس کے ہاتھ لگے۔اس جنگ میں عیسائی جان توڑ کر لڑے تھے اور ان کا اپنا بھی بے پناہ مالی نقصان ہوا تھا۔تھروشیا کا باپ جنرل ڈیگاس، ینی چری کے

---

[1] بحوالہ:۔دولتِ عثمانیہ جلد اول از ڈاکٹر محمد عزیر (علیگ)

Marfat.com

دستوں سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

ویانا میں ترکوں کی شکست سے تمام یورپ میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور اُن عیسائی حکومتوں نے جو سلطنتِ عثمانیہ کی مغربی سرحدات پر واقع تھیں متحد ہو کر ترکوں کو یورپ سے نکال دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس اتحاد میں روس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور یوں شمال کا وسیع ترین ملک روس ...... ترکوں کے مقابلے میں عظیم طاقت بننے کیلئے پر تولنے لگا۔

تھروشیا ابھی تک غیر شادی شدہ تھی۔ وہ شاہی خاندان کی فرد تھی۔ اور اپنے باپ جنرل ڈیگاس کی موت کے بعد مستقل طور پر شاہی محل میں آ کر رہنے لگی تھی۔ وہ بالطبع ایک مغرور اور کینہ پرور عیسائن تھی۔ آسٹریا ...... ترکوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کا طاقتور ترین ملک تھا۔ اور اس ملک کا دارالحکومت ''ہیبز برگ'' (Habsberg) تھا۔ تھروشیا، اِس وقت اسی شہر کی بڑی منڈی میں موجود تھی۔ لیکن اسے ہزار کوشش کے باوجود ..... وہ عرب تاجر کہیں دکھائی نہ دیا جس نے اس کے غلام سے گھوڑا خریدا تھا۔ بالآخر غصہ ور تھروشیا پیر پٹختی ہوئی، واپس لوٹ آئی۔

آسٹریا ...... وسطی یورپ کا ملک تھا۔ اس سے آگے مغربی یورپ کے ممالک تھے۔ انگلستان، سپین، جرمن اور پرتگال ...... آسٹریا سے زیادہ دور نہیں تھے۔ لندن کے اکثر امراء اور سوداگر عام طور پر آسٹریا آتے رہتے تھے۔ انہیں امراء میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا، جو مادام تھروشیا کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ وہ جب بھی آسٹریا آتا، اس کا قیام شاہی محل میں ہوتا تھا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سے مادام تھروشیا کے سامنے آنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ تھروشیا اس کی چور نگاہوں سے اچھی طرح واقف تھی، وہ بھی اس حسین انگریز کو پسند کرتی تھی، لیکن اس کا روایتی غرورِ بانکپن ہمیشہ اس کے آڑے آتا تھا اور وہ اس انگریز نوجوان کو زیادہ بھاؤ نہیں دیتی تھی۔ ویسے بھی آسٹریا کے عوام میں انگلستان کے انگریزوں کیلیے کچھ زیادہ محبت کے جذبات نہیں تھے۔ لیکن بہر حال، ہم مذہب ہونے کے ناطے، تمام عیسائی دنیا ...... برطانیہ کے انگریزوں سے متاثر تھی، کیونکہ اسی زمانہ میں انگریزوں کا تسلط نو دریافت براعظم، امریکہ پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ ...... ایشیا کے عظیم ملک ''ہندوستان'' میں بھی قائم ہو رہا تھا۔ اس انگریز نوجوان کا نام ''سٹن'' (Sutton) تھا۔ آج سٹن نے تھروشیا کو یوں آگ بگولا دیکھا تو وہ دل ہی دل میں سہم کر رہ گیا۔ آج اُسے حسین تھروشیا ...... کسی بھڑکتے ہوئے شعلۂ آتش کی، مثال دکھائی دے رہی تھی۔

♦ ...... ♦

Marfat.com

آسٹریا کے دارالحکومت .... ہیبز برگ (Habsberg) کے شاہی دربار میں گرما گرم بحث جاری تھی۔ اس شہر کو ساری عیسائی دنیا عزت کی نظر سے دیکھتی تھی اور عرفِ عام میں اسے ''ہولی رومن ایمپائر'' (Holy roman empire) یعنی ''مقدس رومی شہنشاہت'' کہا جاتا تھا۔ گذشتہ تین صدیوں سے یہی شہر مسیحی سرگرمیوں کی آماجگاہ تھا۔ اہلیانِ دربار کسی مسئلے پر بڑے زور وشور سے بحث کررہے تھے۔ ہیبز برگ کا دربار، اہلیانِ دربار سے بھرا ہوا تھا۔ مغربی دیوار کے ساتھ تختِ شاہی بچھا تھا، جس پر آسٹریا کا ''شہنشاہ لیوپولڈ'' بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے دائیں، بائیں .... عمائدینِ سلطنت، بیرونی ممالک کے مہمان، یونانی صوبہ جات اور جزائر کے نمائندہ سفیر اور حلیف جنگی ممالک کی سربرآوردہ شخصیات براجمان تھیں۔ جنوبی دیوار کے ساتھ پرنس ''یوجین'' آف سوائے .... کیلیے الگ تخت بچھا تھا۔ اس کے بالکل سامنے شمالی دیوار کے ساتھ ''ڈچس'' (duchess) یعنی شہزادیوں اور شاہی خواتین کی نشستیں تھیں۔ ان نشستوں میں، ایک پر .... شعلہ جوالا حسینہ تھروشیا، براجمان تھی۔

اہلیانِ دربار اس بات پر بحث کررہے تھے، کہ ترک مسلمانوں کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے کیلیے کیا کیا اقدامات ممکن ہیں۔ شہنشاہ لیوپولڈ نے سر دربار .... مقدونیہ کے یونانی سرداروں کو مخاطب کر کے طعنہ دیا تھا کہ وہ مذہبِ عیسوی کیلیے کچھ تگ ودو نہ کررہے تھے۔ رومن کیتھولک چرچ کے پادری بھی یونانیوں کو اسی طرح کے طعنے دیا کرتے تھے۔ سترہویں صدی عیسوی تک یونانی کلیسا اور رومن کیتھولک چرچ کے مابین اختلافات بے پناہ تھی۔ یونانی کلیسا کو

Marfat.com

''آرتھوڈکس چرچ'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔اس زمانہ تک مارٹن لوتھر کی تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا فرقہ 'پروٹیسٹنٹ''، پوری عیسائی دنیا میں بہت برا شمار کیا جاتا تھا۔ اور تمام عیسائی پادری پروٹیسٹنٹوں کو ملحد سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پروٹیسٹنٹ فرقہ کی پیداوار کے بعد یونانی کلیسا اور رومن کیتھولک چرچ میں بعض اشتراکات رونما ہونے لگے تھے۔

شہنشاہ لیوپولڈ نے یونانی سرداروں کو مذہبِ عیسوی کی خدمت نہ کرنے کا طعنہ دیا تو یونانی سردار اور ان کا بطریق جوش میں آگئے۔ یہی وجہ تھی کہ دربار مں گرما گرم بحث چھڑ گئی تھی۔معاًایک بزرگ یونانی سردار نے اُٹھ کر بہ آوازِ بلند شہنشاہ کو مخاطب کیا تو اہلیانِ دربار یکدم خاموش ہوگئے۔ بزرگ یونانی سردار نے کہا:۔

''شہنشاہِ معظم!.........یونان کے عیسائی،آج بھی اپنے قدیم مذہب کی خدمت کیلیے ہمہ وقت اپنے سر اپنی ہتھیلیوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ساتھ تین صدیاں قبل ہمارے عیسائی بھائیوں نے وفا نہیں کی ،ورنہ آج ہم مسلمانوں کے غلام نہ ہوتے۔لیکن گذشتہ ایک سو سال سے عیسائی دنیا نے ہمیں ''دینِ مسیح'' کی خدمت کیلیے جو فریضہ سونپا،ہم نے اسے پوری طرح ادا کیا۔لیکن آج بھرے دربار میں شہنشاہِ معظم نے یہ کہہ کر کہ ہم یونانی ،دینِ عیسوی کی خدمت نہیں کر رہے ،اہلِ یونان کو گہرا صدمہ پہنچایا ہے۔ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آخر وہ کون سی خدمت ہے جو ہمیں سونپی گئی اور ہم اس پر پورے نہیں اترے''۔

عمر رسیدہ یونانی کا لہجہ چونکا دینے والا تھا۔اس نے بھرے دربار میں شہنشاہِ وقت کو بڑے سخت لہجے میں مخاطب کیا تھا۔سب اہلیانِ درباریوں خاموش ہوگئے ،گویا انہیں سانپ سونگھ گیا تھا۔اسی اثناء میں شہنشاہ لیوپولڈ کی آواز گونجی:۔

''ٹھیک ہے ....اگر تم لوگ ،اپنے زیرِ اثر عیسائیوں کو بھڑکا کر ....مقدونیہ میں بغاوت کھڑی کردو تو ہم مان جائیں گے کہ اہلِ یونان ''دینِ مسیح'' کے ساتھ مخلص ہیں۔تم مقدونیہ کے رہنے والے ہو،اس لیے میں نے تمہیں مقدونیہ میں بغاوت ابھارنے کا کام سونپا ہے۔اگر مقدونیہ میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی تو بہت جلد پورا یونان ....عثمانیوں سے باغی ہوجائیگا۔اور یہ ہمارے لیے اتنی بڑی کامیابی ہوگی کہ ہم اسقدر عظیم کامیابی کسی بڑی جنگ کی مدد سے بھی حاصل نہیں کرسکتے''۔

Marfat.com

شہنشاہ کی حکمتِ عملی سن کر تمام وزراء اور امراء عش عش کر اُٹھے۔لیکن مقدونیہ کے تمام سردار یکدم خاموش ہوگئے۔شہنشاہ انہیں ایک انتہائی خطرناک ذمہ داری سونپ رہا تھا۔یونان گذشتہ ڈھائی صدیوں سے عثمانیوں کے زیرِ تسلط تھا،بے شک یونانی عیسائی،مسلمانوں سے چھٹکارا چاہتے تھے،لیکن اتنا بڑا اقدام کہ وہ مقدونیہ میں بغاوت کھڑی کر دیں ....ان کیلیے ممکن نہیں تھا۔یونانی سرداروں کو یوں لگا جیسے شہنشاہ ،جو مذہباً رومن کیتھولک تھا،جان بوجھ کر ان کا ٹھٹھہ اُڑانا چاہتا تھا۔یونانی سردار خاموش ہوگئے۔اسی اثناء میں ایک آسٹروی جنرل نے اُٹھ کر بڑی متانت کے ساتھ کہا:۔

''شہنشاہِ معظم نے کمال حکمتِ عملی تجویز کی ہے۔اگر مقدونیہ میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہو تو عثمانیوں کیلیے موت کا اعلان ہوگا۔ہمارے نقطہء نگاہ سے مشرقی یورپ میں،جہاں ترک مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہے ....یونان ہی ایک ایسی دھرتی ہے،جسے ترکوں نے سب سے پہلے فتح کیا۔اگر اہلِ یونان مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔تو خداوندِ یسوع مسیح کی قسم !.....عثمانی سلطنت ایک دن بھی یورپ میں باقی نہ رہ سکے۔''

آسٹروی جنرل کی بات سن کر سب اہلیانِ دربار خوشی سے جھوم اُٹھے۔خواتین کی نشستوں میں بیٹھی ....اسلام دشمن تھروشیا،اپنی جگہ شدتِ جذبات سے بے قرار ہوکر پہلو بدلنے لگی۔اب تمام لوگوں کی نظریں،یونانی سرداروں پر جمی ہوئی تھیں۔جبکہ یونانی سردار ....چپ چاپ بیٹھے ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔یونانی سرداروں کو یوں خاموش بیٹھا دیکھ کر اہلِ دربار ان پر آوازے کسنے لگے۔اور مقدونیہ کے امیر سرداروں کو پورے دربار میں اپنی توہین محسوس ہونے لگی۔معاً .....ایک نوجوان،یونانی سردار اپنی نشست سے اُٹھا اور شہنشاہ کو مخاطب کرکے بڑے بااعتماد لہجے میں کہنے لگا:۔

''شہنشاہِ معظم ! آپ فکر نہ کریں۔آپ نے جو کام مقدونیہ کے سرداروں کو سونپا ہے،اسے میں سرانجام دونگا۔میں مقدونیہ میں عثمانیوں کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کرونگا اور اپنی قوم کو ترکوں سے آزادی دلواؤنگا۔''

نوجوان سردار کی بات ختم ہونے کی دیر تھی کہ دربار ....تالیوں کی زوردار آواز سے گونج اُٹھا۔تمام یونانی سردار اپنے ساتھ آئے ہوئے،اس نوجوان سردار کو عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔آخر یہ ناتجربہ کار سردار کس طرح عثمانیوں سے ٹکر لے گا؟ اُن عثمانیوں سے،

Marfat.com

جن کی بہادری پورے یورپ میں ضرب المثل تھی۔لیکن نوجوان، تمام خدشات سے بے پرواہ ......تالیوں کی گونج میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔تھروشیا اس نوجوان کی جرأت اور ہمت پر ششدر رہ گئی۔اُسے یہ سرخ و سفید نوجوان سب سے الگ دکھائی دیا۔سب مردوں سے الگ۔تھروشیا کو اپنا جیون ساتھی چننے کیلیے کسی ایسے ہی مرد کی تلاش تھی۔جو مسلمانوں کو یورپ سے نکالنے کی قسم کھائے اور تھروشیا کے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کو پورے یورپ سے نکال باہر کرے۔وہ سپین کی عظیم ملکہ ازابیلہ اور عظیم بادشاہ فرڈیننڈ کی اولاد میں سے تھی۔اس کے دادی ، دادا......یعنی ملکہ ازابیلہ اور شاہ فرڈیننڈ نے اندلس سے مسلمانوں کو یوں باہر نکال دیا تھا، کہ اب پورے سپین میں ایک بھی مسلمان باقی نہیں تھا۔اُسے یہ بھی معلوم تھا، کہ اندلس سے مسلمانوں کو نکالنے کیلیے ملکہ ازابیلہ نے بھی قسم کھائی تھی اور ملکہ کی یہ قسم اس کے عظیم شوہر فرڈیننڈ نے پوری کی تھی۔اسی طرح کی قسم تھروشیا بھی کھانا چاہتی تھی لیکن کسی ایسے مرد کے ساتھ مل کر، جو اس کی قسم پوری کر سکے۔آج اسے ......اِس خوبرو یونانی نوجوان کی شکل میں اپنے خوابوں کی تعبیر دکھائی دے رہی تھی۔اس کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اس نوجوان کو سینے سے لگا لے۔جس نے اتنا بڑا اور مقدس کام بے پناہ بہادری کے ساتھ اپنے ذمہ لیا تھا۔وہ اپنی جگہ پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدلنے لگی۔شہنشاہ نے نوجوان مقدونی سردار کی بات سنی تو اُسے......مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ مبارکباد دینے لگا۔شہنشاہ نے اہلیانِ دربار کی تالیوں کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور نوجوان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"بہت خوب!......صرف اسی طرح کا جذبہ ہی، مسلمانوں کو یورپ سے نکالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ہم ایک عرصہ سے اس بات کے آرزومند تھے کہ اہلِ مقدونیہ عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کا اعلان کریں، لیکن ہمیشہ سے مقدونی سرداروں نے ہمارے اس مشورے کو نظر انداز کیا۔آج ہمارا سینہ خوشی سے پھول گیا ہے۔اے بہادر نوجوان!.....ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہیں۔ہم تمہارا نام جاننا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ سکندرِ اعظم کے شہر میں پیدا ہونے والے اس بہادر نوجوان کا خوبصورت نام کیا ہے؟"۔

نوجوان مقدونی سردار نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا:۔

"شہنشاہِ معظم!......اِس، ناچیز کا نام......کارپوس ہے۔میں مقدونیہ کے قدیم سوداگروں کے خاندان سے ہوں۔لیکن مجھے میرے ملک کے حالات نے ایک سوداگر سے

Marfat.com

سپاہی بنا دیا ہے۔ میں اپنی قوم کو تُرک عثمانیوں کے چنگل سے آزاد کروانا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ اُسی صورت ممکن ہے جب آسٹریا کی حکومت، میری سرپرستی کرے۔ کیونکہ تنہا میرے لیے ترکوں کی طاقت سے ٹکرانا ممکن نہیں"۔

تمام اہلیانِ دربار نے تحسین آمیز نظروں سے نوجوان مقدونی "کارپوس" کی طرف دیکھا لیکن مادام تھروشیا کا دیکھنا سب سے مختلف تھا۔ اس کی آنکھوں میں امید کے دیے جھلملا رہے تھے۔ اور وہ کارپوس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اپنے سارے خوابوں کی تعبیر دیکھ رہی تھی۔

ہیبز برگ (Habsberg) کا سازشی دربار برخاست ہوا۔ تو تھروشیا اس مقدونی سردار سے ملنے کیلیے بے قرار ہوگئی۔ وہ شاہی محل میں موجود اپنی حویلی میں آئی ہی تھی کہ اس نے اپنے خاص خادموں کو محل کے اُس احاطہ کی طرف دوڑا دیا، جہاں بیرونی ممالک کے امراء اور مہمان مقیم تھے۔ برطانوی نوجوان امیر "سٹن" بھی اسی مہمان خانے میں مقیم تھا۔ اس کی نظر جونہی تھروشیا کے خاص خادموں پر پڑی، وہ خوشی سے جھوم اُٹھا، اسے یوں لگا جیسے تھروشیا نے اسے بلوانے کیلیے اپنے خدام کو بھیجا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ اُٹھا اور دوڑ کر تھروشیا کے خادموں کے سامنے آ گیا۔ لیکن تھروشیا کے خدام تو کسی اور کو تلاش کر رہے تھے۔ برطانوی نوجوان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ مادام تھروشیا کے خدام ....اُس مقدونی سردار کی طرف بڑھ رہے تھے، جس نے آج شہنشاہ کے دربار میں ایک مشکل ذمہ داری قبول کی تھی۔ تھروشیا کے خدام مقدونی سوداگر کو اپنے ہمراہ لے کر واپس چل دیے۔

برطانوی نوجوان ......سٹن، مہمان خانے کے فرش پر کھڑا، اپنی ہی نظروں میں اپنی خفت مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ تھروشیا اب اس کی طرف کبھی مائل نہ ہوگی۔ وہ تھروشیا کو جانتا تھا۔ اور یہ بھی جانتا تھا کہ مادام تھروشیا مقدونی سردار کی مردانگی سے زیادہ اس کے اسلام دشمن جذبہ سے متاثر ہوئی تھی۔ اس نے ایک روز قبل ہی مادام تھروشیا کی نفرت کا منظر دیکھا تھا، جب تھروشیا نے اپنے ایک ادھیڑ عمر غلام کو محض اس لیے مار مار کر ادھ موا کر دیا کہ اس نے مادام تھروشیا کا گھوڑا ایک عرب تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس کے دل میں تھروشیا سے متعلق مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

♦ ...... ♦

Marfat.com

مادام تھروشیا کا تکبر اور خود سری ضرابُ المثل تھے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ تقدیر کے فیصلے کی طرح اٹل ہوتا تھا۔ سرخ وسفید چہرہ، دراز قد، سڈول بدن، اور بڑی بڑی شعلے برساتی آنکھیں اس کے جاہ وجلال میں سونے پر سہاگے کا کام کرتیں۔ کوئی بھی خلاف طبیعت بات اسے آناً فاناً آگ بگولا کر دیتی۔ اور یہی عادات تھیں جن کی بدولت بیگمات کے حلقے میں مادام تھروشیا کو معزور لیڈی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ کرّ وفر اسے ورثے میں ملا تھا۔ جب مادام تھروشیا لاکھوں کا جہیز لے کر سردار کارپوس کے ساتھ دلہن کے روپ میں آئی تھی تو دیکھنے والی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کی شادی کا یہ دوسرا سال تھا۔ لیکن وہ ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔ اسے بیٹا چاہیے تھا۔ مقدونیہ کے تخت پر کارپوس کا جانشین.....بیٹا۔

مادام تھروشیا نے سردار کارپوس کے ساتھ شادی کا فیصلہ اسی روز ہی کر لیا تھا، جب سردار کارپوس نے آسٹریا کے دربار میں شہنشاہ کے سامنے اپنی مسلم دشمنی کا اظہار کیا تھا۔ مادام تھروشیا نے ازخود کارپوس کو شادی کا پیغام دیا تھا۔ سردار کارپوس کیلیے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی تھی کہ وہ مادام تھروشیا جیسی عظیم اور خاندانی خاتون کے ساتھ شادی کرتا۔ چنانچہ کارپوس اور تھروشیا کی شادی آسٹریا میں ہی انجام پائی اور پھر یہ شادی بھی سچ مچ ملکہ ازابیلہ اور فرڈیننڈ کی شادی جیسی ثابت ہوئی۔ کیونکہ شادی کے پہلے سال ہی کارپوس نے مقدونیہ میں بغاوت کی سازش مکمل کر لی تھی۔ کارپوس کو مادام تھروشیا کا ساتھ ملا تو وہ اور شیر ہو گیا اور یہ بھول گیا کہ وہ کس قوم کے ساتھ ٹکر لینے لگا ہے۔ مادام تھروشیا کی صلاحیتیں مقدونیہ پہنچتے ہی نکھرنے لگیں۔ اس نے چند ہی مہینوں میں مقدونیہ شہر کے بڑے بطریق (یعنی یونانی آرتھوڈکس کلیسا کے بڑے مذہبی پیشواء) کو اپنا ہمنواء بنا لیا۔ مادام تھروشیا کی شان وشوکت اور حسن سے متاثر ہو کر مقدونیہ کے عیسائی شہری بھی اس بغاوت میں شامل ہونے کیلیے تیار ہو گئے۔ اب بغاوت کی سازش پوری طرح تیار تھی۔

Marfat.com

اس دوران آسٹریا کے دربار کے ساتھ مادام تھروشیا کا برابر رابطہ رہا تھا۔ تیز رفتار قاصد ہمہ وقت ہیمز برگ جانے کیلیے تیار رہتے۔ آسٹریا کی حکومت، مقدونیہ کو عسکری مدد دینے کیلیے تیار تھی۔ سردار کارپوس نے پہلے روز ہی آسٹریا کے دربار سے یہی مطالبہ کیا تھا کہ اگر آسٹریا، مقدونیہ کو فوجی امداد فراہم کرے تو وہ مقدونیہ میں بغاوت کرنے کیلیے رضامند ہے۔ چنانچہ شہنشاہ مان گیا کہ اگر اس کی دیرینہ آرزو پوری ہو، اور مقدونیہ جیسے مشرقی صوبے میں بغاوت کے آثار یقینی ہوں تو آسٹریا .... مقدونیہ کی طرف اپنی فوجیں روانہ کرے گا۔ کارپوس اور مادام تھروشیا نے بڑھ چڑھ کر سرگرمی دکھائی اور بہت جلد بغاوت کیلیے مقدونیہ کی فضاء سازگار ہوگئی۔ اب صرف آسٹریا کی فوجوں کا انتظار تھا۔ مادام تھروشیا نے دن رات اپنے ملکہ بننے کے خواب دیکھنے شروع کردیے۔

زیادہ تر عیسائیوں کو اس بات کا احساس ہونے لگا تھا کہ عنقریب ان کے حق میں کوئی بڑی تبدیلی ہونے والی ہے۔ چنانچہ وہ پہلے سے زیادہ شیر دل ہوگئے اور مقدونیہ کے مسلمان باشندوں کے ساتھ زیادتیوں پر اُتر آئے تھے۔ مقدونیہ کی مسلمان حکومت کو ان حالات کا احساس بہت بعد میں ہوا، جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اور پھر وہی ہوا۔ مادام تھروشیا کی سازش پوری طرح کامیاب ہوگئی۔ مقدونیہ میں اچانک بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مقدونیہ کے عیسائی باشندوں نے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کردیا۔ مسلمان شہری بھاگ کر نزدیکی پہاڑیوں میں پناہ گزین ہوئے اور مقدونیہ کے صوبہ دار .... پاشا........ نے قسطنطنیہ کی جانب فرار ہوکر جان بچائی۔ آسٹریا کی فوجیں مقدونیہ تک آپہنچی تھیں، جو قسطنطنیہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ مقدونیہ کی کامیاب بغاوت سے پوری اسلامی دنیا میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ مقدونیہ چھن جانے کا مطلب تھا مسلمانوں کی یورپ سے واپسی۔ ۱۴۹۲ء میں مغربی یورپ یعنی اندلس تو مسلمانوں سے چھین ہی لیا گیا تھا۔ اور اندلس کا مسلمانوں کے ہاتھ سے چلا جانا پوری اسلامی دنیا کیلیے ایک بھیانک صدمہ تھا۔ لیکن مشرقی یورپ کے بہت سے ممالک پر ابھی تک ترک مسلمانوں کی حکومت برقرار تھی۔ شمال میں روس کے اندرون تک..... مسلمانوں، خصوصاً تاتاریوں کا طوطی بولتا تھا۔ اور تاتاریوں کے تمام علاقے خلافتِ عثمانیہ کے مضبوط صوبے تھے۔ خصوصاً کریمیا، جو پرفضا پہاڑی مقام تھا اور جہاں کی تجارت پوری دنیا میں مشہور تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ کا ایک مضبوط صوبہ تھا۔ جنوب میں

98231

Marfat.com

یونان کی آخری سرحدات.... حتیٰ کہ ایتھنز تک، عثمانی سلطنت کے زیر فرمان تھے۔ مشرق میں عرب، عراق، شام اور ایران کے بہت سے علاقے عثمانی سلطنت کا حصہ تھے۔ جبکہ مغرب یعنی یورپ میں .... بلغاریہ، یوکرائن ہنگری، تیونس، اٹلی اور جمہوریہ وینس کے زیادہ تر صوبہ جات مسلمانوں کے زیر تسلط تھے۔ ان حالات میں عثمانیوں کے دارالسلطنت استنبول (قسطنطنیہ) کے نزدیکی صوبہ مقدونیہ میں بغاوت کسی بھیانک طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ اس بغاوت سے جہاں پوری اسلامی دنیا لرز کر رہ گئی، وہاں پوری عیسائی دنیا خوشی کے شادیانے بجانے لگی۔ مادام تھروشیا کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

بغاوت کی کامیابی پر کارپوس کو شاہی اعزازات کے ساتھ مقدونیہ کا حکمران تسلیم کرلیا گیا۔ اور کارپوس نے اپنے لیے ''کرال'' (Karal) کا قدیم شاہی لقب پسند کرکے، اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔[1]

مادام تھروشیا مقدونیہ کی ملکہ بن چکی تھی۔ اس کے خواب پورے ہو چکے تھے اور وہ بالآخر مسلمان ترکوں کو ایک کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اب اس کے دل میں صرف ایک ہی آرزو تھی کہ وہ بھی ملکہ ازابیلہ کی طرح یورپ سے مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلیے نکالنے میں کامیاب ہو جائے۔ چند دن بعد اس آرزو کے ساتھ ایک اور خواہش نے بھی جنم لیا۔ اور وہ تھی ایک عدد جانشین کی خواہش۔ بغاوت کی کامیابی کے تیسرے مہینے میں ہی مادام تھروشیا کا پیر بھاری ہوگیا۔

حالانکہ پہلے پہل تو مادام تھروشیا نے خود یہ جھنجھٹ پالنے سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ کارپوس تو چاہتا تھا...... کہ ان کا بچہ ہو لیکن مادام تھروشیا کے چال چلن ''ماؤں'' جیسے نہ تھے۔ وہ کچھ اور ہی سوچا کرتی تھی لیکن بعد میں قدرت نے اسے شاید ستانے کا فیصلہ کرلیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مادام تھروشیا حاملہ ہوگئی۔ ایک ننھی سی جان اس کے بطن میں آکر رہنے لگی........ تو مادام تھروشیا کا دل بھی ایک جانشین پیدا کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اب، جب وہ ملکہ بن ہی گئی ہے تو ان کی نئی سلطنت کا وارث بھی پیدا ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ مادام تھروشیا جیسی جذباتی عورت کا پاگل پن تھا۔ مسلمان مقدونیہ پر ضرور حملہ کرنے والے تھے۔ وہ اپنی سلطنت کے قلب میں عیسائیوں کا ملک برداشت نہیں کر سکتے۔

---

[1] بحوالہ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیر علیگ

Marfat.com

کارپوس انتہائی معقول اور بردبار شخصیت کا حامل تھا۔ خاندانی رئیس تھا۔ لیکن تکبر نامی شے کا وجود اس کی شخصیت میں نہیں تھا۔ خاصا کم گو تھا۔ اور تحمل مزاجی اس کی فطرت کا خاصہ تھی۔ مادام تھروشیا اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس لیے بعض لوگ اس جوڑی کو آگ اور پانی کا ملاپ سمجھتے تھے۔ کارپوس نے کبھی مادام تھروشیا سے بحث نہ کی تھی۔ اور نہ ہی وہ اس کے فیصلوں میں ردوبدل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مادام تھروشیا بھی شوہر کے معاملے میں خاصی معقولیت کا مظاہرہ کرتی۔ لیکن کبھی کبھی اپنی فطرت کے مطابق بھڑک اُٹھتی تو کارپوس معاملے کو انتہائی خوبی سے سنبھالنے کی کوشش کرتا۔ دوسرے سال مادام تھروشیا کی ''دایہ'' نے اسے ماں بننے کی خبر سنائی تو مادام تھروشیا سکتے میں آ گئی۔ حیرت، خوشی اور نئے تجربے کے خوف نے اسے سُن کر دیا، کچھ سنبھلی تو انتہائی رعونت سے بولی۔

''اگرچہ تم نے مجھے خوشخبری سنائی ہے۔ لیکن سن لو!......... مجھے مقدونیہ کیلیے جانشین چاہیے، تم میری بات سمجھ رہی ہو نا!''

لیکن دایہ مادام تھروشیا کی بات بالکل نہ سمجھی تھی، اس نے بڑے بھولپن سے نفی میں سر ہلا دیا۔ تب مادام تھروشیا نے قدرے غصہ بھرے لہجے میں کہا:۔

''مجھے بیٹا چاہیے، بیٹا............ اور بس............ یہ میرا آخری فیصلہ ہے''

''مادام!....... یہ فیصلے آپ کے یا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔ بیٹے اور بیٹیاں دینے والی ذات، ہمارے فیصلوں کی پرواہ نہیں کرتی۔ آپ خداوند کا شکر ادا کریں، جس نے آپ کو ماں بننے کا موقع بخشا۔ چرچ سے وابستہ دایہ، آدھی سے زیادہ ''نن'' تھی۔ اس نے پورے سلیقے سے مادام تھروشیا کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں مجھ میں تقدیر کے فیصلے بدلنے کی ہمت ہے۔ تم دیکھنا اگر تقدیر نے میرے مقدر میں بیٹی لکھی ہوگی تو میں تقدیر کا فیصلہ اپنے حق میں بدل دونگی، تم مجھے ابھی جانتی نہیں ہو! میرا نام تھروشیا ہے۔''

مادام تھروشیا نے گردن اکڑاتے ہوئے جواب دیا۔ اور ادھیڑ عمر دایہ، دم بخود رہ گئی۔

''حیرت ہے!...... مادام یہ کیسی باتیں کرنے لگی ہیں آپ؟۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا؟''

دایہ نے حیرت اور بے قراری کے ملے جلے جذبات سے کہا۔ تو مادام تھروشیا بھڑک کر بولی:۔

Marfat.com

"جو کچھ بھی ہو مجھے بیٹا چاہیے۔ ہمارے خاندان میں ہر عورت نے پہلے بیٹے کو جنم دیا ہے۔ میں بیٹی پیدا کر کے ملکہ ازابیلہ کے خاندان کے نام پر کالک نہیں لگوا سکتی۔"

مادام تھروشیا نے کھڑے ہو کر بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ یہ ایک طرح سے اشارہ تھا، دایہ .... کے لیے، کہ اب وہ چلی جائے۔ دایہ نے زچ ہونے کے انداز میں کندھے ڈھیلے چھوڑے اور "خداوندِ یسوع مسیح آپ پر رحم کرے" کہہ کر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

"ٹھہرو"

مادام تھروشیا نے تحکمانہ لہجے میں .... دایہ کو آواز دی اور دایہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

"تمہارے ساتھ میری جو باتیں ہوتی رہیں، یہ شاہی راز ہیں، سمجھی؟۔ اور یہ میرا حکم بھی ہے"۔

دایہ نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر بولی۔

"جی ...... مادام بہت بہتر! جیسا آپ کا حکم"۔

سمجھدار، دایہ نے ڈھیلے سے انداز میں کہا اور تیزی سے نکل گئی۔ اس کے لیے مادام تھروشیا کا یہ فیصلہ انتہائی بچگانہ تھا۔ اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ شاید قدرت بھی مادام کو بیٹی ہی دے گی۔ یا پھر شاید یہ اس کی اپنی خواہش تھی۔

مادام تھروشیا نے اپنی نئی تبدیلی کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ یہاں تک کہ کارپوس کو بھی اس سے بے خبر رکھا۔ البتہ اس کی شخصیت میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ اس کا زیادہ وقت محل میں گزرنے لگا تھا۔ اس سے پہلے وہ سارا دن مقدونیہ کے عمائدین، امراء اور مذہبی پیشواؤں سے ملتی رہتی تھی۔ لیکن جب سے اس کے پیٹ میں ایک بچہ سانسیں لینے لگا تھا، اس نے محل سے زیادہ باہر جانا ترک کر دیا۔ سارا دن نوکروں کی شامت آئی رہتی۔ تقریبات میں بھی وہ اب کم ہی جاتی تھی۔ کارپوس نے اس کی اس تبدیلی پر غور کیا لیکن کچھ اظہار نہ کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے مادام تھروشیا نے اندر ہی اندر کوئی بڑا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس کے اس پراسرار اور خاموش انداز نے کیا گل کھلایا۔ اور اس کے بے رحم جذبات کے طوفان نے کون سا رخ اختیار کیا، یہ منظر آسمان نے اس دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، جب مادام تھروشیا نے ایک غریب ماں سے اس کی ممتا خرید لی۔

دراصل جب مقدونیہ میں بغاوت پھیلی تو زیادہ تر مسلمان شہر سے چند میل کے فاصلے پر

Marfat.com

نزدیکی پہاڑیوں میں پناہ گزین ہو گئے۔طبقہء اشرافیہ کے لوگ تو استنبول کی طرف کوچ کر گئے لیکن ....متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ اپنی زمینوں، دکانوں اور گھر بار کو چھوڑ کر زیادہ دور نہ جا سکتے تھے۔چنانچہ جونہی شہر کے حالات قدرے سنبھلے وہ لوگ واپس آ گئے۔اب ہر طرف امن تھا۔بے شک مسلمانوں کی حکومت نہ رہی تھی،لیکن کارپوس بھی ایک اچھا انسان تھا،چنانچہ اس نے عام شہری مسلمانوں کو واپس مقدونیہ میں آ کر آباد ہونے کی اجازت دے دی تھی۔یہی وجہ تھی کہ مسلمان خاندان پہاڑیوں کی پناہ گاہوں سے لوٹ آئے تھے۔لیکن اب کی بار وہ اپنے گھروں کو لوٹے تو ان کے شہر کی حالت بدلی ہوئی تھی۔

اب وہ آزاد نہیں رہے تھے۔مسلمانوں کے طبقہء امراء نے تو اس غلامی پر ہجرت کو ترجیح دی اور استنبول کی طرف نکل گئے،لیکن غریب طبقہ کیلیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔وہ مہاجر ہو کر کہاں جاتے ....استنبول میں ان کیلیے کون سے خزانے پڑے تھے۔یہی شہر تھا جہاں ان کے پرکھوں کی قبریں تھیں اور جہاں انہوں نے تین صدیاں گزاری تھیں۔چنانچہ متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ واپس لوٹ آئے۔

انہیں واپس آنے والے خاندانوں میں ''صغریٰ'' ....کا خاندان بھی شامل تھا۔صغریٰ کا خاوند ایک غریب لوہار تھا۔یہ خاندان نسلاً یونانی ہی تھا۔دراصل آج سے تقریباً تین صدیاں قبل جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے،صغریٰ کا خاندان انہی میں شامل تھا۔یونان کے تمام علاقے، موریا، ایتھنز اور مقدونیہ وغیرہ، مسلمان تُرکوں نے بہت پہلے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیے تھے۔پندرہویں صدی کے وسط میں جب ''سلطان محمد فاتح'' [1] نے قسطنطنیہ فتح کیا تو .....گویا مشرقی یورپ میں ترکوں کی فتوحات کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔صغریٰ کا خاندان پندرہویں صدی کے آخری ربع میں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔

صغریٰ کا خاوند محض ایک مزدور تھا،اس کی آمدن پہلے ہی سے بے حد کم تھی،اُوپر سے مقدونیہ کے موجودہ حالات نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔زیادہ تر عیسائی گاہک اس سے زبر دستی کام کروا لیتے۔ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ان کے مالی حالات پہلے سے ابتر ہوتے جا رہے تھے۔اس پر ظلم یہ ہوا کہ گذشتہ بغاوت میں صغریٰ کا خاوند بری طرح زخمی ہو گیا۔وہ ہنر مند تھا،اور اس کے ہاتھ ہی اُس کی روزی کا وسیلہ تھے لیکن بغاوت کے دنوں میں ایک روز چند

---

[1] سلطان محمد فاتح سے متعلق مصنف کا ناول ملاحظہ فرمائیے ''سلطان محمد فاتح''، از مکتبہ القریش۔

Marfat.com

عیسائی لڑکوں نے صغریٰ کے خاوند ''ارزخ اعجاز'' کو یوں بری طرح زدوکوب کیا کہ اس کے بائیں بازو کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔ بغاوت کے دنوں میں مقدونیہ کے زیادہ تر مسلمان پہاڑیوں میں جا چھپے تھے لیکن ''ارزخ اعجاز''........ان لوگوں میں شامل تھا، جو شہر سے فرار نہ ہوئے تھے۔صغریٰ اور ''ارزخ اعجاز'' اس لیے بھی دیگر مسلمانوں کے ہمراہ فرار نہ ہوئے تھے کہ ....یہ لوگ نسلاً یونانی الاصل ہی تھے۔انہیں امید تھی کہ ان کے ہم وطن یونانی انہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بغاوت کے دنوں میں اگر زیادہ خطرہ تھا تو عرب یا تُرک مسلمانوں کے لیے تھا۔یونانی نسل کے مسلمان خود کو محفوظ تصور کرتے تھے۔

بغاوت کے دن آئے ....نوجوان لوہار ''ارزخ اعجاز'' اپنے کام پر معمول کے مطابق جاتا رہا۔ایک روز چند منچلے لڑکوں نے اس یونانی الاصل مسلمان کو دیکھا تو اسے ستانے اور زدوکوب کا فیصلہ کیا۔اعجاز خود ایک نوجوان آدمی تھا۔لوہار ہونے کی وجہ سے اس کا جسم بھی خاصا مضبوط اور گھٹا ہوا تھا۔لیکن دس بارہ لڑکوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔اس پر مستزاد یہ کہ لڑکے مسلح تھے۔ چنانچہ اعجاز کو بہت سے زخم آگئے۔ایک لڑکے نے لکڑی کا موٹا ڈنڈا، اعجاز کے پہلو میں دے مارا، جس سے اعجاز کے بائیں بازو کی ہڈی، کہنی کے قریب سے ٹوٹ گئی۔اب وہ اپنے بائیں ہاتھ سے کوئی بھاری کام نہ کرسکتا تھا۔

رفتہ رفتہ ....صغریٰ کے گھر میں فاقے ہونے لگے۔دونوں میاں بیوی، بے حد پریشان اور غمگین رہنے لگے۔انہیں ایام میں تقدیر نے ایک اور کرشمہ دکھایا اور صغریٰ پیٹ سے ہوگئی۔اب اس کی پریشانی دوچند ہوگئی۔اب وہ اکیلی نہیں تھی، بلکہ ایک ننھی سی جان اُس کے اندر پرورش پانے لگی تھی۔وہ دن رات اپنے بچے کی غذاء پوری کرنے کی فکر میں رہنے لگی۔ یہ اس کا پہلا بچہ تھا، صغریٰ کا بچہ ابھی اُس کے پیٹ میں ہی تھا کہ صغریٰ کی مامتا بے تاب ہوگئی۔ وہ ہمہ وقت یہی سوچتی رہتی کہ وہ.........کیسی ماں ہے؟ جو اپنے پیٹ کے بچے کو بھی صحیح غذا فراہم نہیں کرسکتی ۔وہ ایک وفادار بیوی بھی تھی اور اپنے بیمار خاوند کو زیادہ تکلیف بھی نہ دینا چاہتی تھی۔

صغریٰ، ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ کمزور سے کمزور ہوتی گئی۔اس کا چہرہ سُوکھ کر کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح زرد دکھائی دینے لگا۔اعجاز اپنی خوبصورت اور پیاری بیوی کی حالت دیکھتا تو اس کا دل کٹنے لگتا، لیکن وہ اپنی بیوی کے لیے کچھ نہ کرسکتا تھا۔ وہ ایک معمولی لوہار

Marfat.com

تھااور ایک ہاتھ سے قریب قریب معذور بھی تھا۔ یہی حالات تھے جن کی وجہ سے صغریٰ نے ایک عجیب سودا کیا۔

مادام تھروشیا کی دیکھ بھال کرنے والی "دایہ" (نرس)..........نے تمام معاملہ طے کیا تھا۔ چرچ سے متعلق دایہ "روفیسہ"......دل ہی دل میں مادام تھروشیا سے نفرت کرنے لگی تھی۔اسے مادام تھروشیا کا غرور بھرا چہرہ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔مادام تھروشیا نے دایہ روفیسہ کو اس انوکھی سوداگری پر مامور کیا تھا۔اس عجیب وغریب سودے سے صرف تین عورتیں آگاہ تھیں۔ان کے علاوہ پورے مقدونیہ میں کوئی چوتھا شخص ایسا نہ تھا جو اس تجارت سے باخبر ہوتا۔ یہ تین عورتیں ......مادام تھروشیا،اس کی دایہ روفیسہ اور یونانی النسل ،صغریٰ تھیں۔مادام تھروشیا نے دایہ روفیسہ سے لاکھ کہا کہ......وہ ہر قیمت پر کسی عیسائی زچہ کی کوکھ پر نظر رکھے۔لیکن دایہ روفیسہ نے جان بوجھ کر ایک مسلمان عورت کے ساتھ بات پکی کی تھی۔مادام تھروشیا کو صرف لڑکے کے ساتھ دلچسپی تھی۔اسے اپنی کوکھ میں لڑکی کا وجود بالکل گوارا نہیں تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغرب کی عیسائی دنیا اس قسم کی جہالتوں مین سرتا سر غرق تھی۔مادام تھروشیا کی ضد کے سامنے دایہ روفیسہ کا اصرار بے معنی ہو کر رہ گیا۔حالانکہ روفیسہ نے تھروشیا سے بہ اصرار کہا تھا:۔

"مادام!.........اس طرح تو شاہی خون ،خالص نہیں رہے گا۔ کسی اور کا لڑکا مقدونیہ کا بادشاہ بنے.........اِس سے تو بہتر ہے کہ خالص شاہی خون حکمرانی کرے چاہے وہ ایک بیٹی کا ہی کیوں نہ ہو"۔

لیکن مادام کا دماغ اس طرح کی باتیں سوچنے سے قاصر تھا۔اس کے لیے بیٹی کا نام ایک گالی کے برابر تھا۔اس نے سختی سے انکار کر دیا اور دایہ روفیسہ کو حکم دیا:۔

"دیکھو روفیسہ! تم مجھے مشورہ مت دو! میں خوب سمجھتی ہوں کہ کون سی چیز مقدونیہ کے لیے ضروری ہے اور کون سی نہیں ۔میں نے جو کام تمہارے سپرد کیا ہے ،تم اُسے خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دو.......سمجھیں!"

دایہ نے آخری مرتبہ مذہبی عقائد کا سہارا لیا:۔

"مادام!........مریم بھی تو ایک لڑکی ہی تھی۔کیا مریم کی مثال کے ہوتے ہوئے بھی کسی عیسائی کو چاہیے کہ وہ لڑکیوں کی پیدائش سے نفرت کرے"۔

لیکن مادام تھروشیا کا جواب بڑا عجیب تھا۔اس نے خلافِ توقع دایہ کی بات پر کسی قسم کے

Marfat.com

غصہ کا اظہار نہیں کیا اور کسی قدر تحمل کے ساتھ کہا:۔

”نہیں !.........مریم لڑکی نہیں تھی۔ وہ تو خداوند کی ماں تھی۔ اور خداؤں کی مائیں صرف خدا ہی ہو سکتی ہیں، انسان نہیں۔ کیا تم خداوند یسوع مسیح کو انسان سمجھتی ہو؟ کیا تم خداوند یسوع مسیح کی ماں کو خدا نہیں سمجھتیں؟“۔

چرچ سے وابستہ دایہ لا جواب ہو گئی۔ عیسائیوں کے عقائد اسی قسم کے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اور مریم کو اپنے خداؤں کی تثلیث میں ایک خدا مانتے تھے۔ مادام تھروشیا کا جواب سن کر دایہ روفیسہ سوچ میں پڑ گئی۔ اب وہ مزید کچھ نہ کہنا چاہتی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا، کہ مادام تھروشیا ماننے والوں میں نہیں۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مادام تھروشیا کا ....کام سرانجام دے۔ کام کیا تھا؟.........کسی ایسی عورت کی تلاش، جو مادام تھروشیا کے ساتھ ساتھ ....ایامِ حمل کے دن گزار رہی ہو۔ شہر میں ایسی بہت سی عورتیں تھیں۔ مادام تھروشیا کا حکم تھا کہ ہر صورت میں کسی عیسائی عورت کا بچہ قبول کیا جائے۔ لیکن کوئی عیسائی عورت بھی اپنا بچہ بدلنے کیلیے راضی نہ ہوئی۔ آخر کون ایسی ماں تھی جو اپنی مرضی سے اپنا بچہ کسی اور کے حوالے کر دیتی، چاہے وہ بچہ وقت کے حکمرانوں کی تحویل میں ہی کیوں نہ جا رہا ہوتا۔ تلاشِ بسیار کے بعد بالآخر ....روفیسہ کو ایک ایسی عورت مل گئی، جو نسلاً یونانی تھی۔ مقدونیہ کے زیادہ تر باشندے عیسائی ہی تھے اور تقریباً سب کے سب یونانی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلمان، عموماً عرب یا ترک ہی ہوتے تھے۔ دایہ روفیسہ نے سوچا کہ ایک یونانی نسل کی عورت کا بچہ یقیناً محل میں نہیں پہچانا جا سکے گا۔ چنانچہ اس نے غریب اور بد حال صغریٰ کے ساتھ معاملہ طے کر لیا۔ ان کے درمیان بڑی عجیب باتیں ہوئی تھیں۔ یہ ایک حیران کن تجارت تھی۔ دایہ روفیسہ نے صغریٰ سے کہا تھا:۔

”تمہیں اپنے پیٹ کا بچہ پالنا مشکل ہو رہا ہے تو تم نومولود کی کیا پرورش کرو گی؟ تم ایک شرط پر میرے ساتھ سودا کر لو۔ اگر مادام تھروشیا کے ہاں لڑکے نے جنم لیا۔ تو تمہارا بچہ تمہارے پاس ہی رہے گا۔ لیکن اگر مادام تھروشیا کے ہاں بچی کی پیدائش ہوئی اور تمہارے پیٹ سے بچے نے جنم لیا تو تمہیں مادام تھروشیا کی بچی کے ساتھ اپنا بچہ بدلنا ہوگا۔ اس کام کیلیے تمہیں بہت بڑی رقم ملے گی۔ اور جب تم چاہو گی، اسی وقت ملے گی۔ اگر تم ابھی چاہتی ہو تو میں تمہیں ابھی بھی رقم دلوا سکتی ہوں۔“

Marfat.com

دایہ کی عجیب وغریب بات سن کر غریب صغریٰ سوچ میں پڑ گئی۔ یہ تو سچ تھا کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ پالنے سے بھی معذور رہی تھی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے، مادام تھروشیا کے ہاں لڑکا ہی پیدا ہو جائے اور اسے اپنا بچہ مادام تھروشیا کو نہ دینا پڑے۔ اسی خیال نے اس کے دل میں گھر کر لیا اور اس نے دایہ روفیسہ کی پیشکش کو قبول کر لیا۔

مادام تھروشیا........ اس بات سے بے خبر تھی کہ اُس کی دایہ نے کس کے ساتھ معاملہ طے کیا تھا۔ اسے تو صرف .... لڑکے سے دلچسپی تھی۔ اس نے تمام کام کی ذمہ داری، دایہ روفیسہ پر ڈالے رکھی۔ البتہ وہ خود ہمہ وقت انہی دعاؤں میں مشغول رہتی کہ خداوندا سے اپنا بیٹا دے، جو مسلمانوں کو یورپ سے نکالنے میں پیش پیش ہو اور اپنی ماں کا خواب پورا کرے۔

دایہ روفیسہ کی بات سن کر صغریٰ نے کہا تھا:۔

''اور اگر ہم دونوں نے ہی بچیوں کو جنم دے دیا۔ تب مادام تھروشیا کیا کریں گی؟''

یہ سوال بڑا عجیب تھا۔ دایہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑی رہی اور پھر اس نے انتہائی افسردہ لہجے میں جواب دیا:۔

''تب یہ ہوگا کہ مادام تھروشیا مجھے قتل کروا دے گی۔ وہ اپنی شکست دیکھنے کی عادی نہیں، تمہیں معلوم نہیں اس نے مجھے آخری بار کیا کہا تھا۔ اس نے کہا تھا............ اگر اللہ نے مجھے بیٹا دیا تو میں تمہیں ضرور نوازوں گی۔ اور اگر میرے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو تمہیں اُسی وقت ایک نومولود بچے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اس کام کے عوض میں تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں گی۔ لیکن اگر تم میرے حکم کے باوجود کچھ نہ کر سکیں تو............ تو میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ تم جانتی نہیں ہو کہ میرا انتقام کس درجہ غضب ناک ہے.......... آخری مرتبہ مادام تھروشیا نے مجھ سے یہی کہا تھا۔''

دایہ روفیسہ کے منہ سے مادام تھروشیا کا کردار سن کر .... صغریٰ کانپ گئی۔ وہ حقیقت میں ایسا کوئی سودا نہ کرنا چاہتی تھی، لیکن اپنے خاوند کی معذوری کے سبب اِسکے سوا اُس کے پاس چارہ بھی نہیں تھا''۔

کارپوس........ کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ باپ بننے والا ہے اور اس کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ وہ جب بھی مادام تھروشیا کے سامنے آتا شعلہ جوالا مادام تھروشیا کو بڑھتے ہوئے پیٹ کے ساتھ دیکھ کر مسرت سے جھوم جاتا....... کارپوس ایسی عورت کے بچے کا باپ بننے والا

Marfat.com

تھا جو فرڈیننڈ کے خاندان سے تھی۔ کارپوس کے لیے یہی فخر ہی کم نہ تھا۔ وہ پھولے نہیں سمارہا تھا۔

"میری تو خواہش ہے کہ اللہ مجھے چاندی بیٹی دے تو میں اس کا نام رکھوں گا....ازابیلہ۔"
ایک دن اس نے دھیمے سے لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اور وہ بھی مادام تھروشیا کے سامنے۔ اب اسے کیا معلوم کہ اس کی بیگم صاحبہ تو بیٹے کے معاملے میں اس حد تک جذباتی ہے کہ تمام اخلاقی حدود بھی پھلانگنے کے لیے تیار بیٹھی ہے۔
"کیا کہا؟؟ ....تم ہوش میں تو ہو؟.........کارپوس! ۔۔۔۔۔خبر دار جو آئندہ زبان پر بیٹی کا لفظ آیا تو.............مجھے بیٹا چاہیے، صرف بیٹا"
مادام تھروشیا دھاڑتے ہوئے بولی۔ کارپوس، مادام تھروشیا کی اس جذباتی کیفیت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور بالکل گم صم ہو کر اسے کافی دیر تک گھورتا رہا۔
"حیرت ہے؟"
کارپوس نے صرف اتنا ہی.........کہا اور کمرے سے نکل گیا
اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ مادام تھروشیا نے ٹھیک ....بغاوت کی سالگرہ کے دن آدھی رات کے بعد ایک بچی کو جنم دیا۔ مادام تھروشیا کی دولت رنگ لائی اور انتہائی راز داری کے ساتھ مادام تھروشیا کی بچی کو صغریٰ کے بچے سے بدل دیا گیا۔

♦ ...... ♦

Marfat.com

عثمانی سلطنت کے صدرِ اعظم کی حیثیت سے ''مصطفیٰ کوپریلی'' کا تقرر سلطنت کے لیے ایک نیک شگون تھا۔ اس سے قبل عثمانی سلطنت کی حالت اتنی نازک ہوگئی تھی کہ عام عوام بھی اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہر ذی شعور شہری کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ یورپ میں مسلمانوں کے دن گنے جا چکے ہیں۔ لیکن مصطفیٰ کوپریلی کے صدرِ اعظم بننے سے ترکوں کے حوصلے ایک مرتبہ پھر بلند ہونے لگے۔ مصطفیٰ کوپریلی سے قبل قرہ مصطفیٰ نامی ایک صدرِ اعظم پہلے بھی گزرا تھا، جو ''جنگِ ویانا'' میں مسلمانوں کی شکست کا باعث بنا تھا۔ قرہ مصطفیٰ نے اپنی، کارکردگی کو نظر انداز کرتے ہوئے شکست کا سارا الزام چند فوجی سالاروں پر عائد کر کے انہیں موت کی سزا دے دی تھی، حالانکہ شکست کا ذمہ دار وہ خود تھا۔ چنانچہ جب وہ موسم سرما گزارنے کے لیے بلغراد پہنچا تو وہاں سلطان کے حکم سے خود قتل کر دیا گیا۔ حکومت نے قرہ مصطفیٰ کے قتل کے بعد اُس لالچی صدرِ اعظم کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔

قرہ مصطفیٰ کے بعد یہ دوسرا...... مصطفیٰ تھا، جو صدرِ اعظم بنا تھا۔ عثمانی سلطنت میں صدرِ اعظم کا عہدہ سب سے بڑا تھا۔ سلطان کے بعد مملکت کا سب سے بڑا عہدہ صدرِ اعظم کا تھا، صدرِ اعظم کے بعد......... دینی پیشوا، مفتیٔ اعظم کا عہدہ تھا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ مفتیٔ اعظم کے اختیارات صدرِ اعظم سے بڑھ جاتے اور کبھی یوں ہوتا کہ مفتیٔ اعظم اور صدرِ اعظم کے اختیارات کو برابر سمجھا جاتا۔ سلطان، خالص عثمانی ہوتا تھا، یعنی خاندانِ عثمانی کے اُس سلسلے کا فرد جو عثمان کے زمانے سے ''عظیم ترکی'' کا حکمران خاندان چلا آتا تھا۔ عثمانی سلطنت کا سربراہ نہ صرف سلطان ہوتا تھا، بلکہ ملتِ اسلامیہ کیلیے خلیفہ بھی وہی ہوتا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا ایک نام ''خلافتِ عثمانیہ'' بھی تھا۔

مصطفیٰ کوپریلی صدرِ اعظم بنا تو .... استنبول (قسطنطنیہ) کے عوام خوشی سے ناچنے لگے۔ مصطفیٰ کوپریلی سلطنت کے لائق ترین خاندان کا فرد تھا۔ اس کے باپ، دادا بھی سلطنت کے صدورِ اعظم رہ چکے تھے۔ اور انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں ملتِ اسلامیہ کی خوب خدمت

Marfat.com

کی تھی۔ مصطفیٰ کوپریلی سچ مچ ایک لائق انسان تھا۔ اس نے صدرِ اعظم کا عہدہ سنبھالتے ہی ،عنانِ حکومت کا اجلاس طلب کیا۔ اس کے سامنے مملکت کے حالات تھے۔ ہر طرف بغاوتوں کا شور تھا۔ شمال سے روسی افواج سلطنت کی طرف بڑھنے کے لیے زور لگا رہی تھیں۔ جنہیں تاتاری دستے بڑی مستعدی کے ساتھ روکے ہوئے تھے۔ لیکن مغرب کی طرف سے حالات بہت مخدوش تھے ،اور سب سے بُری صورتحال یہ تھی ،کہ سلطنت کے مشرقی صوبہ مقدونیہ میں عیسائیوں نے ایک کامیاب بغاوت پایہء تکمیل تک پہنچائی تھی۔

مصطفیٰ کوپریلی نے سب سے پہلے مقدونیہ کی طرف توجہ دینا مناسب سمجھا۔ کیونکہ مقدونیہ مشرق میں تھا اور مشرق میں کسی صوبہ یا ریاست کا بغاوت کرنا ،گویا سلطنتِ عثمانیہ کے قلب پر وار کرنے کے برابر تھا۔ مصطفیٰ کوپریلی نے عمائدینِ سلطنت کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس عثمانی سلطنت کی تقدیر میں بہت اہم ثابت ہونے والا تھا۔ اس اہم ترین اجلاس میں شمالی صوبہ کریمیا کے حکمران ''خان آف کریمیا ،سلیم گرائی'' کے علاوہ ''ہنگری'' کی فوجوں کے ایک مشہور سالار ''تکیلی'' کو بھی خاص طور پر مدعو کیا گیا۔ ہنگری گذشتہ جنگوں میں سلطنتِ عثمانیہ کا حلیف رہا تھا ،یہاں تک کہ ''جنگِ ویانا'' میں بھی ہنگری کے دستے سلطانی افواج کے ہمراہ تھے۔

اس اہم اجلاس میں فوج کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے شرکت کی اور سب نے مصطفیٰ کوپریلی کی قیادت میں نہایت اہم فیصلے کیے۔ لیکن ان میں سب سے اہم فیصلہ مقدونیہ کی بازیابی سے متعلق تھا۔ مصطفیٰ کوپریلی نے اپنی تقریر میں مقدونیہ کا قضیہ سرفہرست رکھا اور تمام سرداروں کو یونان ،موریا اور مقدونیہ کی اہمیت بتا کر اس بات پر قائل کرلیا کہ سب سے پہلے مقدونیہ اور دیگر یونانی صوبہ جات کو بازیاب کرایا جائے ،جہاں اب آسٹروی اور البانوی افواج دندناتی پھر رہی تھیں۔ چنانچہ طے کیا گیا کہ بہت جلد ایک بڑا لشکر ،جس میں شمالی صوبہ کریمیا.....کی بڑی تاتاری فوج کے علاوہ استنبول کے ترک دستے شامل ہوں گے ،موریا کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ جس کی قیادت کا فریضہ ،صوبہ کریمیا کا حکمران سلیم گرائی خان آف کریمیا سرانجام دے گا۔ چنانچہ مجلس ،منعقد ہونے کے چند روز بعد ہی عثمانی لشکر .....مقدونیہ کی جانب روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔

مادام تھروشیا کا غرور ٹوٹنے کا وقت آگیا تھا۔ عثمانی افواج خوابِ غفلت سے بیدار ہوچکی

Marfat.com

تھیں۔ اب ان کا سربراہ مصطفیٰ کوپریلی تھا، جسے فتح کے سوا کوئی چیز پسند نہ تھی۔ مصطفیٰ کوپریلی نے خان آف کریمیا کے زیر قیادت ایک بڑی فوج موریا اور مقدونیا کی طرف روانہ کردی تھی۔ اور یہ خبر، مادام تھروشیا کے لیے انتہائی بُری تھی۔ اگرچہ اُسے اندازہ تھا کہ ایک نہ ایک دن عثمانی افواج اپنے مقبوضات واپس لینے کے لیے مقدونیہ کی طرف ضرور آئیں گی، لیکن سچ تو یہ تھا کہ جب سے اس نے ایک بچی کو جنم دیا تھا اور اسے انجانے ہاتھوں میں سونپ کر اُس کے بدلے ایک اجنبی بچے کو گود لیا تھا، نہ جانے کیوں وہ پہلے سے بھی زیادہ........ کریہہ الفطرت ہوگئی تھی۔ مادام تھروشیا نے کبھی بھی اس نومولود کو ایک ماں بن کر گود میں نہیں اُٹھایا تھا۔ بچے کا سارا کام خادمائیں سنبھالتی تھیں۔ مادام تو سارا دن اپنی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھی۔

مادام تھروشیا کو جونہی خبر ملی کہ عثمانی افواج مقدونیہ کی طرف مارچ کررہی ہیں، اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ ابھی اُسے مقدونیہ کی ملکہ بنے عرصہ ہی کتنا گزرا تھا۔ شاید دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے۔ عثمانی افواج کے مارچ کی خبر گویا........ مادام تھروشیا کے زوال کی خبر تھی۔ لیکن اس کا بہادر خاوند کارپوس مطمئن تھا۔ اُسے یقین تھا کہ آسٹروی اور البانوی افواج کے ساتھ مل کر وہ ترکوں کو زبردست شکست دے گا۔ اس نے مادام تھروشیا سے کہا تھا، وہ بالکل بھی فکر نہ کرے، مسلمان اب مقدونیہ کا صوبہ ان سے نہیں چھین سکتے۔ کارپوس، جوان تھا، بہادر تھا، اس کے دل میں حوصلہ تھا، لیکن مادام تھروشیا ایک کینہ پرور اور وہمی عورت تھی۔ وہ ترکوں کی آمد سے تڑپ اُٹھی اور دن رات .... شہنشاہ آف آسٹریا کو پیغامات بھجوانے لگی کہ وہ ترکوں سے نمٹنے کیلیے ...... مقدونیہ کی طرف مزید فوج بھیجے۔

اور پھر ایک دن ترک افواج مقدونیہ کی دیواروں تلے آ پہنچیں۔ تاتاری دستوں کی سپہ سالاری کا فریضہ سلیم گرائی .... سرانجام دے رہا تھا اور ترک افواج کا سپہ سالار خالد پاشا تھا۔ اہل مقدونیہ نے شہر کے دروازے بند کرلیے۔ کارپوس کے دل میں ذرہ بھر خوف بھی نہیں تھا۔ اس کے پاس کئی ماہ تک کامیاب محاصرہ جاری رکھنے کیلیے رسد کا ضرورت سے زیادہ سامان تھا۔ اس کے علاوہ البانوی اور آسٹروی افواج شہر سے باہر، قدرے ہٹ کر ایک مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ کارپوس نے محاصرے کے پہلے دن اپنی چہیتی ملکہ مادام تھروشیا سے کہا:۔

''تھروشیا!...... میں کئی دن سے دیکھ رہا ہوں کہ تم اداس اور پریشان ہو۔ تم یہ سوچتی ہو کہ

Marfat.com

ہماری فتح عارضی ثابت ہوئی اور مسلمان آپہنچے۔ لیکن ....تھروشیا!......میری بات غور سے سنو!......میں کسی قیمت پر مسلمانوں کو مقدونیہ نہیں دونگا۔ میں اپنی آخری سانسوں تک ان سے جنگ کروں گا۔ آج محاصرے کا پہلا دن ہے۔میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ فصیل پر چلو۔تا کہ اہلیانِ شہر ہمیں دیکھ کر اپنے حوصلے بلند رکھیں۔ میرے ساتھ شہر کی حفاظت کے لیے آسٹریا کے جنگجو دستوں کی امداد ہے۔کیا تم سوچتی ہو کہ ہم شکست کھا جائیں گے، نہیں تھروشیا ایسا نہیں ہوگا۔"

ترک اور تاتاری افواج شہر کو محاصرے میں لیے ہوئے تھیں۔محاصرے کے پہلے روز ہی ترک دستوں نے اپنی توپوں کے منہ کھول دیے۔وہ بڑی بے باکی سے لڑ رہے تھے،اور سرِعسکر خالد پاشا ہر قیمت پر مقدونیہ عیسائیوں سے دوبارہ چھیننا چاہتا تھا۔لیکن کارپوس کے جانباز بھی کسی سے کم نہ تھے۔تمام یونانی نوجوان کارپوس کی ذاتی سپاہ میں شامل ہو چکے تھے۔ شہر کا مذہبی پیشوا ''بطریق'' خود بہ نفس نفیس فصیلِ شہر پر شہریوں کے حوصلے بڑھانے کیلیے آیا تھا۔شام تک دونوں طرف سے خوب گولہ باری ہوتی رہی۔غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے خالد پاشا نے گولہ باری روک دینے کا حکم دیا۔خالد پاشا نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔لشکر کا ایک حصہ سلیم گرائی خانِ کریمیا کی سرکردگی میں آسٹروی لشکر کی جانب نکل گیا تھا۔

اگلی صبح خالد پاشا کے پاس پیغام پہنچا........کہ تاتاری سپاہ نے آسٹروی فوج کو ایک شدید حملہ کے بعد کئی میل پیچھے کی طرف پسپا کر دیا ہے۔یہ خبر جہاں ترک فوج کے لیے خوشی کا پیغام تھی، وہاں شہر کے اندر موجود ....آتش صفت مادام تھروشیا کے لیے بے پناہ دردانگیز تھی۔ تھروشیا ایک سال میں ہی خود کو پورے یونان کی ملکہ سمجھنے لگی تھی۔ لیکن اس کی حکومت کے دوسرے سال ہی مسلمان ترکوں نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔تھروشیا.......آسٹروی فوج کی پسپائی کا سن کر آگ بگولہ ہوگئی۔اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ پڑا۔وہ نالائق عیسائیوں کو کوس رہی تھی۔جنہوں نے ترک مسلمانوں کی بہادری کا ہوّا اپنے دلوں پر طاری کر رکھا تھا۔تھروشیا......حد سے زیادہ بے قرار تھی۔اسے اپنے خوابوں کی دنیا ویران ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

تقدیر.......غالباً،تھروشیا سے ناراض ہو چکی تھی۔تیسرے روز ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔خالد

Marfat.com

پاشا کی توپوں نے مقدونیہ کے قلعے کو بیخ و بن سے ہلا کر رکھ دیا۔ کارپوس کے جانباز، جان توڑ کر لڑے لیکن مقدونیہ کی تقدیر کا فیصلہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے حق میں ہو چکا تھا۔ چوتھا روز، محاصرے کا آخری روز ثابت ہوا۔ کارپوس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ وہ آخر وقت تک میدان سے نہ بھاگا۔ چوتھے روز سہ پہر سے جب مقدونیہ کی دیواریں مسمار ہوئیں، تو کارپوس اپنے دس ہزار جانبازوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا .... اب وہ دشمن سے کلّہ بکلّہ لڑنا چاہتا تھا۔ اس کے ہمراہ آسٹروی فوج کے بہادر سپاہی تھے۔ اسے آج بھی یقین تھا کہ وہ جیسے ہی دشمن پر حملہ کرے گا، خداوند یسوع مسیح کی مہربانی سے اسی وقت .... آسٹروی فوج کی کمک اُس تک آ پہنچے گی۔ لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ آسٹروی فوج تو مقدونیہ شہر سے بہت دور ایک کھلے میدان میں خان آف کریمیا کی تاتاری فوج کے حملوں کی زد میں تھی۔ کارپوس کو باہر آتا دیکھ کر مسلمان سپہ سالار خالد پاشا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ اسے یقین ہو گیا تھا، کہ مقدونیہ کے یہ ناتجربہ کار نوجوان بہت جلد میدان سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اُس نے ترکوں کی مشہور فوج ''ینی چری'' کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ینی چری کے مایہ ناز سپاہیوں نے اپنے مخصوص انداز میں کارپوس کا حملہ روکا۔ کارپوس کے ہمراہ آسٹروی شمشیر زن موجود تھے، جو ینی چری کے حملہ کرنے اور جنگ لڑنے کے انداز سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ تھی .... کہ کافی دیر تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ کارپوس کی سپاہ پوری بہادری سے مقدونیہ کی حفاظت کیلئے لڑ رہی تھی، لیکن تعداد کی کمی اور ناتجربہ کار نوجوان یونانیوں کی وجہ سے اس کی پیش نہ گئی۔ کارپوس خود دیوانہ وار اپنی شمشیر گھماتا رہا۔ دو گھنٹہ سے زیادہ وقت تک گھمسان کا رن پڑا اور پھر بالآخر، جنگ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو گیا۔ خالد پاشا کے ذاتی دستے نے کارپوس کو گھیر کر گرفتار کر لیا۔ اور ایک سال تک خود کو مقدونیہ کا بادشاہ سمجھنے والا، کارپوس، پابہ زنجیر .... خالد پاشا کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔

خالد پاشا نے مقدونیہ کے باغیوں کو سزائے موت کا حکم سنایا، اور یہ فیصلہ کیا کہ مقدونیہ کی بغاوت کے ذمہ دار یونانی سرداروں کو ..... سرِ بازار قتل کر دیا جائے، تاکہ آئندہ کسی یونانی سردار کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہو۔ لیکن خالد پاشا نے اپنی فوج کو سختی کے ساتھ حکم دیا تھا کہ شہریوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ اس نے سب سپاہیوں کو علی الاعلان حکم دیا کہ اگر کوئی سپاہی رعایا میں، کسی کے ساتھ زیادتی کا مرتکب پایا گیا تو اسے بھی

Marfat.com

سزائے موت ہی دی جائے گی۔ چنانچہ جونہی شہر فتح ہوا، خالد پاشا نے عوام کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ مقدونیہ کے مسلمان باشندے، انتہائی جوش اور تپاک کے ساتھ اپنی ترک فوج کا استقبال کر رہے تھے۔ عیسائی رعایا اگرچہ اپنی بغاوت پر شرمندہ تھی لیکن خالد پاشا نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ شہر کی املاک کو کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا۔ حتیٰ کہ مقدونی سرداروں کے بیوی ، بچوں کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا۔ اس کے برعکس خالد پاشا نے ان یونانی سرداروں کے اہلِ خانہ کے خصوصی وظائف کا اعلان کیا، جنہیں اگلے روز سرِ بازار سزائے موت دی جانے والی تھی۔

سرداروں کی بیویوں کو نہایت عزت اور احترام کے ساتھ ان کی حویلیوں میں رہنے دیا گیا۔ دراصل یہی یونانی تاجر ہی تھے .... جن کے وسیع کاروبار کی بدولت ترکوں کو بہت فوائد پہنچتے تھے۔ سترہویں صدی عیسوی میں یونانی سرداروں کی تجارت عروج پر تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ میں ایسے ہزاروں یونانی سوداگر اور ساہوکار تھے جن کے پیسے سے بڑے بڑے صوبوں اور سراپیوں کا نظام چلتا تھا۔ خالد پاشا کو صدرِ اعظم مصطفیٰ کوپریلی نے سب سے زیادہ تاکید کے ساتھ یہی حکم دیا تھا کہ یونانی تاجروں اور ان کے خاندانوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے ۔البتہ باغیوں کا سر کچلنے کی اُسے کھلی اجازت تھی۔ خالد پاشا .... کارپوس کی بیوی، یعنی مادام تھروشیا کے ساتھ بھی نہایت عزت کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آج مادام کا سارا غرور خاک میں مل چکا تھا۔

مادام تھروشیا کا سارا زور ٹوٹ چکا تھا۔ اس سے پہلے تو اس نے مسلمان فاتحین کی باتیں صرف لوگوں کی زبانی سنی تھیں لیکن آج اس نے اپنی آنکھوں سے ترک دستوں کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ اس کے دل میں ترکوں سے نفرت کا جوالا مکھی پیدا ہو رہا تھا، لیکن وہ اپنی نفرت کا اظہار نہ کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس کے دل میں آئی کہ کسی سپاہی سے تلوار چھینے اور مسلمانوں کے سپہ سالار خالد پاشا کا سر قلم کر دے، جو اُس کے نزدیک ہی کھڑا تھا۔ وہ سن چکی تھی کہ اُس کے خاوند .... کارپوس کو اگلے روز سزائے موت دی جانے والی تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے منصوبے جنم لینے لگے۔ کبھی وہ سوچتی کہ کارپوس کو بچانے کے لیے کوئی گوریلا کاروائی عمل میں لائے اور کبھی سوچتی کہ کارپوس کی جان بخشی کے لیے مسلمانوں کے سپہ سالار سے درخواست کرے۔ لیکن اس کا پیدائشی غرور، اُسے

Marfat.com

اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے سامنے جھکے۔

مادام تھروشیا کا محل مسلمانوں کے قبضے میں جاچکا تھا۔اس کے بدلے خالد پاشا نے کارپوس کی بیوی کیلیے ......اشرافیہ کے محلہ میں ایک عظیم الشان حویلی کا بندوبست کیا اور شام ہونے سے پہلے ترک سپاہیوں نے باغی سردار کی بیوی کو اس کے نئے گھر پہنچا دیا۔محل کی زیادہ تر خادمائیں ،مادام تھروشیا کی حالت دیکھ کر رونے لگیں۔وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ مادام جیسی مغرور عورت کا غرور اور تکبر بھی کبھی خاک میں مل جائے گا۔محل کی بہت خادماؤں میں سے چند ایک تھروشیا کے ساتھ اس کی نئی حویلی میں منتقل ہوگئیں۔آسٹریا سے جو غلام اور خادمائیں مادام کے ساتھ آئی تھیں۔وہ بھی نئی حویلی میں منتقل ہوگئیں۔ مادام تھروشیا خاموش تھی۔اس کے ہونٹوں پر ،جیسے چُپ کی مہر لگ چکی تھی۔صبح سے اب تک اُس نے نہ کچھ کھایا تھا اور نہ ہی کسی سے بات کی تھی۔اس کا دماغ سارا دن اسی اُدھیڑ بُن میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے بہادر خاوند ......کارپوس کی جان بخشی کروالے۔لیکن کسی مسلمان سردار کے سامنے جھکنا اُسے گوارا نہیں تھا۔اُس کی خادماؤں نے اُسے دلاسہ دینے کی کوشش کی ،لیکن اس نے سب کو باہر چلے جانے کا حکم دے دیا۔

ضد اور ہٹ کی پکی .....مادام تھروشیا آخر وقت تک مسلمان سپہ سالار کے سامنے نہ جھک سکی ۔حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ مسلمان سپہ سالار سے منت اور سماجت کرے تو اس کے سہاگ کی زندگی بچ سکتی تھی ،لیکن وہ ایسا نہ کرسکی اور اس کے بہادر شوہر کو ....خالد پاشا نے موت کے حوالے کردیا۔ باغی سرداروں اور بغاوت میں شامل لوگوں کو اگلے دن موت کی سزا دی گئی اور ان کی لاشیں شہر کے چوراہے میں لٹکا دی گئیں ،تاکہ آئندہ کیلیے لوگ عبرت حاصل کرسکیں۔

اپنے باپ جنرل .....ڈیگاس کے بعد تھروشیا نے اپنے خاوند کی عبرت ناک موت کا منظر دیکھا تو اُس کا ذہن پہلے سے بھی زیادہ مسلمانوں کا دشمن ہوگیا۔اُس نے بازار کے چوراہے میں کارپوس کا مردہ جسم لٹکا ہوا دیکھا ....لیکن ایک آنسو بھی نہ بہایا۔بلکہ اس نے اپنے دل میں قسم کھائی کہ اب وہ اپنی باقی ماندہ ساری زندگی ....مسلمانوں سے انتقام لینے میں صرف کردے گی۔کارپوس کی موت کے بعد تھروشیا کے لیے مقدونیہ میں رہنا غیر ضروری تھا،لیکن اس نے پھر بھی مقدونیہ میں رہنا ہی قبول کیا۔وہ اپنے بچے کو تیار کرنا چاہتی تھی۔اُسے بتانا

Marfat.com

چاہتی تھی کہ.....کس طرح ظالم مسلمانوں نے اُس کے بہادر باپ کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔

خالد پاشا نے تھروشیا کے لیے ضرورت سے زیادہ وظیفہ مقرر کردیا تھا۔اس کی حویلی بڑی اور شاندار تھی۔ اُس کے پاس اُس کا بیٹا تھا،جو فی الحقیقت اُس کا بیٹا ہی نہیں تھا۔لیکن وہ آج بھی اپنے سابقہ فیصلے پر مطمئن تھی۔ بلکہ ایک طرح وہ اپنے سابقہ فیصلے پر خوش تھی۔کہ اُس نے لڑکی کی جگہ ،لڑکا قبول کرکے اچھا کیا تھا۔کارپوس کی موت کا بدلہ لینے کے لیے اُسے ایک لڑکے کی ہی ضرورت تھی۔ آج اگر اُس کی بیٹی اُس کے پاس ہوتی تو شاید ....وہ مقدونیہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتی۔مادام تھروشیا نے مقدونیہ میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا۔اُس نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ وہ مسلمان سپاہ کے چلے جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر شہر میں بغاوت پیدا کرنے کی کوشش کرے گی ۔اُسے معلوم تھا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں ،لیکن وہ ایسا کرنے کے لیے تیار تھی۔اس نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ایک دن وہ اسی شہر میں مسلمانوں کے سرداروں کو پھانسی کے پھندے پر لٹکائے گی۔

مقدونیہ کی فتح کے بعد تاتاری اور ترک سپاہ کی تمام تر توجہ انہی علاقوں کی طرف مبذول ہوگئی،جن میں بغاوتیں پیدا ہوچکی تھیں اور جن علاقوں میں گذشتہ تین سال سے البانوی اور آسٹروی افواج دندناتی پھر رہی تھیں۔ترک سپاہ نے آسٹروی فوج کا تعاقب شروع کردیا۔ مقدونیہ کے گردونواح میں موجود تمام علاقے عیسائیوں نے تاراج کردیے تھے۔ترکوں نے تمام کھوئے ہوئے علاقے ایک ایک کرکے واپس لینے شروع کردیے۔

اب مقدونیہ ایک بار پھر مسلمانوں کا تھا۔دو سال قبل مقدونیہ سے ہجرت کر جانے والے مسلمان امراء بھی واپس لوٹنے لگے۔ بغاوت اور جنگ کی وجہ سے شہر کو جو نقصان پہنچا تھا، صدرِاعظم کے خصوصی احکامات سے وہ پورا کیا جانے لگا۔ چند ہی دنوں میں ،شہر کا نقشہ ہی بدل کررہ گیا۔صدرِاعظم مصطفیٰ کوپریلی نے اپنی دوراندیش بصیرت سے مقدونیہ میں بغاوت کے اسباب کے بارے میں یہی اندازہ لگایا کہ مسلمان امراء نے عیسائی رعایا کے ساتھ بعض ناانصافیاں روارکھی تھیں۔چنانچہ مصطفیٰ نے پوری سلطنت کے لیے ایک جیسا حکم لاگو کردیا اور وہ حکم ....یہ تھا

کہ پوری سلطنتِ عثمانیہ میں کہیں بھی عیسائیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے ، بلکہ اُن کے

Marfat.com

حقوق کا خیال، مسلمانوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ خالد پاشا نے مقدونیہ کے یونانی عیسائیوں اور مادام تھروشیا جیسے لوگوں کو مراعات سے نوازا تھا۔

مصطفیٰ کوپریلی کو تمام رعایا کی فلاح و بہبود کا بے حد خیال تھا۔ اور وہ سب کے ساتھ یکساں عدل وانصاف سے پیش آتا تھا۔ اس کی عدالت میں مذہب وملت اور رنگ ونسل کی کوئی تمیز نہ تھی، اس عموم میں سلطنت کی عیسائی رعایا کو ایک خاص خصوص حاصل تھا، مصطفیٰ پاشا، ان کے ساتھ خاص رعایتیں کرتا تھا وہ دیکھتا تھا کہ جو مسیحی حکومتیں ترکی پر حملہ آور ہو رہی ہیں، انہیں دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا سے بہت کچھ مدد مل رہی ہے چنانچہ البانیا کی عیسائی رعایا وینس کی فوجوں میں شامل ہو رہی تھی، اور سرویا کے باشندے، شہنشاہ آسٹریا کی مدد کے لیے تیار تھے، یونان میں موروسینی کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے عیسائیوں نے حملہ آوروں کا استقبال کیا، اور ان کے لیے ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائیں، ان واقعات کو دیکھ کر مصطفیٰ پاشا نے عیسائیوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی خاص طور پر کوشش کی، چنانچہ اس نے اپنے تقرر کے بعد فوراً ہی تمام پاشاؤں کے نام احکام جاری کیے کہ عیسائی رعایا پر کسی قسم کی سختی نہ کیجائے، اور ان کو پوری مذہبی آزادی عطا کی جائے۔ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس نے سخت سزائیں دینا شروع کیں، عیسائی رعایا پر مختلف محصول عائد تھے، اس نے جزیہ کے علاوہ تمام محصول معاف کر دیے، جزیہ کی بھی آمدنی کے لحاظ سے تین تقسیمیں کردیں، طبقہ امراء پر چار ''دوکات'' فی شخص مقرر کیے، متوسط درجہ کے لوگوں پر دو ''دوکات'' اور ادنیٰ طبقہ والوں پر ایک ''دوکات''۔ پہلے عیسائی رعایا کو صرف اپنے قدیم کینسوں (کلیسا) کی مرمت کا حق حاصل تھا۔ وہ کوئی نیا کینسہ تعمیر نہیں کر سکتے تھے۔ مصطفیٰ پاشا نے یہ پابندی اٹھادی اور انہیں جدید کینسوں کی تعمیر کا حق بھی دیدیا، چنانچہ اس کے دورِ وزارت میں بہت سے

Marfat.com

کینسے تعمیر کیے گئے ، ان تمام رعایتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی رعایا میں دولت عالیہ کے ساتھ ایک عام ہمدردی پیدا ہوگئی ، خصوصاً اُن عیسائیوں میں ، جو کلیسائے یونان کے پیرو تھے ، کیونکہ مغرب کی عیسائی حکومت جو کلیسائے رومہ کی متبع تھیں، ان پر قابو پانے کے بعد نہایت ظالمانہ برتاؤ کرتی تھی اور انہیں بجبر اپنے مذہب کا پیرو بنانا چاہتی تھی، چنانچہ یونان کے عیسائیوں کو موروسینی کی حکومت کا ایسا ہی تلخ تجربہ ہوا اور انہوں نے اس کی تعدیوں سے عاجز آکر بغاوت کر دی، مصطفےٰ کوپریلی نے لائبریس، نامی ایک یونانی کو جو سات سال سے ترکوں کی قید میں تھا آزاد کر کے ایک ترکی فوج کے ساتھ موریا روانہ کیا، باغیوں نے اس فوج کی مدد سے اہل وینس کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا اور پھر بطیبِ خاطر دولت عالیہ کی حمایت میں آگئے کیونکہ یہ اُن کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتی تھی۔

مصطفےٰ کوپریلی کا طرزِ زندگی نہایت سادہ تھا ،اور نمود و نمائش سے اسے بالطبع نفرت تھی ،ضروری باتوں کے علاوہ وہ گفتگو نہ کرتا تھا ، اس کے متعلق مشہور تھا کہ نہ اس نے کبھی کوئی جرم کیا اور نہ کوئی غیر ضروری لفظ استعمال کیا ،لڑائیوں میں دوسرے سپاہیوں کے ساتھ وہ عام طور پر پیدل ہی کوچ کرتا تھا ، اس کا خیمہ اپنی سادگی اور بے تکلفی میں ممتاز رہتا تھا ، مطالعہ سے اسے خاص ذوق تھا ، اور اس سے کبھی نہ تھکتا ، حتیٰ کہ دورانِ جنگ بھی جب وہ اپنے خیمہ میں واپس آتا تو کتابیں دیکھا کرتا تھا ، اس کے اوصاف حمیدہ کی بناء پر لوگ اسے ''کوپریلی صالح'' کے لقب سے پکارتے تھے۔[1]

♦ ...... ♦

[1] بحوالہ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیر علیگ

Marfat.com

بیس سال بعد

یکلخت گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز فضا میں گونجی اور پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔تیز رفتار بگھی نے ایک معصوم بچی کو کچل دیا تھا۔بچی کھلی سڑک پر پڑی کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی طرح تڑپ رہی تھی۔صبح صبح کا وقت تھا.....بچے، اپنے اپنے مدارس کی طرف جارہے تھے۔یہ، ۱۷۱۰ء کا سال تھا۔بگھی کا کوچوان حادثہ ہوتے ہی فرار ہوگیا تھا۔آن کی آن میں تڑپتی ہوئی بچی کے گرد لوگوں کا جم غفیر لگ گیا۔یاسمین سڑک کے بیچ،خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔لوگ بگھی کے کوچوان کو برا بھلا کہنے لگے۔لیکن کسی نے ابھی تک ،تڑپتی ہوئی بچی کو ہاتھ لگانے کی تکلیف گوارا نہ کی تھی۔پورا ہجوم پھٹی پھٹی آنکھوں سے بچی کو دیکھ رہا تھا۔یاسمین کی حالت دیکھ کر اس کی ہمجولی لڑکیاں بری طرح چیخ رہی تھیں۔اُنہوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھالیا۔یاسمین کی عمر زیادہ سے زیادہ بارہ تیرہ سال رہی ہوگی۔

معاً بگھی کا پردہ سرکا.......اور ایک ادھیڑ عمر خاتون نے باہر جھانکا۔ادھیڑ عمر خاتون کا چہرہ ،مارے خوف کے ،ہلدی کی طرح زرد تھا۔ادھیڑ عمر خاتون .....بگھی کا پردہ سرکا کر باہر نکل آئی۔اس کے جسم پر بہترین تراش خراش کا.........قیمتی لباس تھا۔لوگوں نے ادھیڑ عمر، امیر خاتون کو بگھی سے باہر آتے دیکھا تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔یاسمین ،ابھی تک تڑپ رہی تھی۔ادھیڑ عمر خاتون کی نظر تڑپتی ہوئی بچی، پر پڑی.......تو وہ اپنی جگہ کانپ کر رہ گئی۔اس کی بگھی نے ایک معصوم بچی کی جان لے لی تھی،یہ سوچ کر اُس کے اوسان خطا ہوگئے۔ٹھیک ،اُسی وقت چیختی ہوئی ،نوعمر لڑکیوں میں سے ایک لڑکی آگے بڑھی اور اُس نے ....ادھیڑ عمر خاتون ،کے لباس کو تھام لیا:۔

''تم نے یاسمین کو مارا.........یاسمین تمہاری بگھی کے نیچے آئی ،میں تمہیں نہیں چھوڑونگی۔تم ظالم ہو.........ارے کوئی ،تو یاسمین کو بچاؤ........وہ مر رہی ہے۔خدا کیلیے ! کوئی تو اُس بے چاری کی خبر لو!.....تم سب، کھڑے، تڑپتی ہوئی بچی کا تماشہ دیکھ رہے ہو،ارے خدا کیلیے کوئی تو اُسے بچاؤ۔''

Marfat.com

یاسمین کی ایک سہیلی، شکیلہ.......حواس باختہ ہوچکی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ اُس نے ادھیڑ عمر خاتون پر اپنا غصہ اُتارنا چاہا، لیکن فوراً ہی اُسے یاسمین کا خیال آ گیا.........چنانچہ اُس نے لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔ یاسمین کے توجہ دلانے پر، سویا ہوا مجمع جیسے جاگ اُٹھا۔ بہت سے مرد بچی کی طرف دوڑے۔ ایک نوجوان تیزی سے تڑپتی ہوئی یاسمین کے نزدیک آیا.......اور اُس نے لپک کر یاسمین کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا لیا، معصوم بچی کسی گڑیا کی طرح ہلکی پھلکی تھی۔ نوجوان نے تڑپتی ہوئی یاسمین کو.....اُسی بگھی کی پچھلی نشست پر لٹا دیا اور خود بڑی تیزی سے گھوم کر بگھی کی اگلی طرف کو نکل آیا، وہ خود، کوچوان کی نشست پر بیٹھنا چاہتا تھا، تاکہ فوری طور پر بگھی کے گھوڑوں کو حرکت میں لا سکے۔ وہ جلد سے جلد زخمی، بچی کو کسی شفا خانے تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اِس سے پہلے کہ نوجوان، کوچوان کی نشست پر بیٹھ کر بگھی کو دوڑاتا، معصوم یاسمین کی وہی سہیلی، جو سب سے زیادہ چیخ رہی تھی، اُچھل کر بگھی کے عقبی حصے میں سوار ہوگئی۔ کسی نے کہا؛ اس بچی کو فوری طور پر شہر کے بڑے شفا خانے میں لے جایا جائے۔ ادھیڑ عمر خاتون ....احمقوں کی طرح ایک ایک شخص کا منہ دیکھ رہی تھی۔ جونہی بگھی روانہ ہونے لگی .....ادھیڑ عمر خاتوں، جیسے اپنے خیالوں سے بیدار ہوگئی، اُس نے چونک کر اپنے اردگرد کھڑے مجمع کی طرف دیکھا اور یہ سوچ کر کہ بگھی کے چلے جانے کے بعد وہ اتنے بڑے مجمع کے درمیان اکیلی رہ جائے گی.........حرکت کرتی ہوئی بگھی کے پیچھے دوڑی ....اور پھر، بڑی مشکل سے چلتی ہوئی بگھی میں سوار ہوگئی۔

وہ نوجوان جو فوری طور پر حرکت میں آیا تھا۔ ''لائی سیئم''[1] (lyceum) کا ایک طالب علم تھا۔ یہ ''پارتھی نن'' قوم کا قائم کیا ہوا، ایک قدیمی مکتب تھا۔ عرب اور ترک اس مکتب کو ''الکُلیہ'' کہہ کر پکارتے تھے۔ نوجوان بڑی سرعت کے ساتھ شہر کے سب سے بڑے

---

[1] لائی سیئم (lyceum) ایک خاص قسم کے کالج کو کہا جاتا تھا۔ ارسطو نے سکندرِ اعظم کے زمانہ میں سب سے پہلا لائی سیئم، ایتھنز میں کھولا۔ اس کالج کے طالب علم کو ''پیری پیٹے ٹک''(Peripatetics) کہا جاتا تھا۔ اس کالج کی خاص بات یہ تھی کہ طلباء اور اساتذہ، دن بھر، کالج کی روشوں پر ٹہلتے رہتے اور ٹہلنے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے کائناتی علوم پر بحثیں بھی کرتے رہتے۔ اسی نسبت سے اس کالج کا نام ہی لائی سیئم پڑ گیا، اور اس کے طالب علم کو ''پیری پیٹے ٹک'' Peripatetics کہا جانے لگا۔ جس کا معنی ہے، پیدل چلنے والا۔ بحوالہ انسائیکلو پیڈیا آف انکارٹا۔

Marfat.com

شفا خانے میں پہنچا...... یہ اٹھارویں صدی کے آغاز کا زمانہ تھا اور مشرقی یورپ میں "نیشنلزم" کا عروج تھا۔ اقوامِ عالم اجتماعی طور پر بیدار ہو رہی تھیں۔ اور تمام ترقی یافتہ ملکوں کے ہر بڑے شہر میں معقول شفا خانے قائم ہو چکے تھے۔ زخمی، یاسمین کی حالت پہلے سے بھی زیادہ غیر ہو چکی تھی۔ اَب اس نے ماہئ بے آب کی طرح تڑپنا بند کر دیا تھا، اور اُس کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ رہی تھی۔ بگھی کے عقبی حصے میں سوار یاسمین کی سہیلی ......شکیلہ بے حد غصیلی نظروں کے ساتھ اپنے سامنے بیٹھی ادھیڑ عمر عورت کو گھور رہی تھی۔ ادھیڑ عمر عورت، راستے بھر ،شکیلہ سے آنکھیں چراتی رہی تھی۔ جونہی بگھی شفا خانے میں پہنچ کر رُکی ....وہی نوجوان بھاگم بھاگ پیچھے کی طرف آیا اور انتہائی، پھرتی کے ساتھ آخری سانسیں لیتی ہوئی یاسمین کو گود میں اُٹھا لیا، اب وہ شفا خانے کے بیرونی فرش پر انتہائی تیزی سے دوڑتا چلا جا رہا تھا۔

زخمی لڑکی ......شفا خانے تک پہنچ گئی تھی۔ یہی سوچ کر ادھیڑ عمر خاتون کی سانسیں درست، ہونے لگیں۔ حالانکہ اِس حادثہ میں اُس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ساری غفلت تو اُس کے کوچوان سے ہوئی تھی۔ لیکن یہ آدھیڑ عمر، امیر کبیر، خاتون ....زخمی، یاسمین کی حالت دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ اب اُس کی حالت دھیرے دھیرے سنبھلنے لگی۔ اور اُسے خیال آنے لگا، کہ اِس حادثہ میں تو اُس کا ذرہ بھر بھی قصور نہ تھا، پھر وہ کیوں ہراساں تھی۔ اُس نے فوری طور پر خود کو سنبھالنا شروع کر دیا۔ وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی، کہ یہاں سے چلی جائے۔ زخمی لڑکی کو شفا خانے تک پہنچانے کے بعد اُس کی ذمہ داری ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اسی اثناء میں اُسے ......وہی نوجوان اپنی جانب آتا ہوا دکھائی دیا۔ جس نے اُس زخمی لڑکی کو بروقت بچانے کی کوشش کی تھی۔ وہ سیدھا اِسی طرف ہی آ رہا تھا۔ ادھیڑ عمر، امیر، کبیر خاتون اب پوری طرح خود کو سنبھال چکی تھی۔ چنانچہ یکا یک اُس کے چہرے پر دولتمندوں جیسی رعونت دکھائی دینے لگی۔ نوجوان اُس کے نزدیک آیا تو ....اُس نے نوجوان کے بولنے سے پہلے ہی کسی قدر سخت لہجے میں نوجوان کو مخاطب کیا:۔

"تم کون ہو نوجوان!.........اور زخمی لڑکی کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

نوجوان کو......امیر خاتون کے لہجے میں تبدیلی محسوس ہوئی، تو اُس کی تیوری پر بل پڑ گئے ۔ وہ سوچنے لگا کہ اتنا بڑا حادثہ کر کے بھی، یہ خاتون اس انداز میں بات کر رہی تھی؟۔ اس نے روکھے سے لہجے میں جواب دیا:۔

Marfat.com

''میرا نام شیراز ہے۔اور میرا اُس لڑکی کے ساتھ انسانیت کا رشتہ ہے، جو سب سے مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔''

اتنا کہہ کر نوجوان خاموش ہوگیا.......ادھیڑ عمر، خاتون، نوجوان کے جواب سے سٹپٹا گئی کہ.......اَب وہ کیا کہے۔اسی اثناء میں اُسی نوجوان.......''شیراز'' نے پھر کہا:۔

''محترمہ!.....کیا آپ، میرے ساتھ اندر چلیں گی؟.......شفاخانے کے منتظمین نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔وہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ حادثہ کس طرح پیش آیا۔''

نوجوان کی بات سن کر امیر خاتون........کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔وہ کہنے لگی۔''مجھے بُلایا ہے؟؟.....میرا وہاں کیا کام۔بچی یہاں تک پہنچ چکی ہے۔اب میری ذمہ داری.....ختم۔میں اِس حادثے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔میں تو بگھی کے پچھلے حصے میں تھی۔''

شیراز کو امیر خاتون کا لہجہ بہت بُرا لگا.....لیکن اُس نے اپنا لہجہ مؤدب رکھتے ہوئے پھر کہا۔''خاتون!........شفاخانے میں تو آنا ہی پڑے گا۔ایک معصوم بچی کی جان کا معاملہ ہے۔آپ ایسے کیسے.....جاسکتی ہیں۔ابھی تو کوتوالی کے سپاہی بھی نہیں پہنچے۔آپ، کوتوال شہر کو حادثہ کی کارگزاری سنائے بغیر کیسے جاسکتی ہیں؟۔''

نوجوان کی بات سن کر ادھیڑ عمر عورت بُری طرح چونکی:۔

''کوتوال شہر؟؟........یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟۔کوتوال شہر کو مجھ سے کیا پوچھنا ہے؟ کیا میں نے جان بوجھ اِس بچی کو مارا ہے........اور تم کون ہوتے ہو، مجھ سے اس طرح بات کرنے والے۔تم جانتے نہیں، میں کون ہوں؟؟........میرا نام ''مادام تھروشیا'' ہے........مادام تھروشیا، کس میں جرأت ہے کہ میری طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھے۔میں پورے مقدونیہ کے تمام عیسائی باشندوں کی نمائندہ ہوں، اور تم جانتے ہو کہ مقدونیہ میں کتنے عیسائی ہیں۔کیا تم نے مادام تھروشیا........کا کبھی نام نہیں سنا؟۔''

یہ مادام تھروشیا تھی۔رسی جل گئی تھی لیکن اُس کے بل نہ گئے تھے۔آج سے بیس برس قبل ملکہ بننے کے خواب دیکھنے والی مادام تھروشیا........گذشتہ بیس سال، مقدونیہ میں مقیم تھی۔اِس عرصہ میں مسلمانوں سے اُس کی نفرت، پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔اُس نے بیس سال کا یہ طویل عرصہ فارغ بیٹھ کر نہ گزارا تھا۔وہ بظاہر........مقیم، تو مقدونیہ میں تھی۔لیکن اُس کی اسلام دشمن، جاسوسی کا جال قسطنطنیہ تک پھیلا ہوا تھا۔یہ وہی مادام تھروشیا تھی، جس نے آج سے

Marfat.com

بیس سال پہلے مقدونیہ میں بغاوت کروائی تھی، جس بغاوت کو دو سال کے اندر اندر مصطفیٰ کوپریلی کی افواج نے سبوتاژ کر دیا تھا۔ اب زمانہ بہت بدل چکا تھا۔ مقدونیہ سمیت پورے یونان کے عیسائی، ایک مرتبہ پھر پَر پُرزے نکال رہے تھے۔ اور سلطنت کا نیا خلیفہ ان حالات سے بے خبر تھا۔

مادام تھروشیا...... شیراز کے ساتھ، نہ چاہتے ہوئے بھی، چل دی۔ راستے میں ایک مرتبہ پھر مادام تھروشیا نے شیراز سے پوچھا:۔

''کیا نام بتایا تھا...... تم نے نوجوان؟.....''

شیراز نے بے اعتنائی کے ساتھ اپنا نام دہرا دیا:۔

''جی...... میں نے اپنا نام شیراز بتایا تھا۔''

مادام تھروشیا، شیراز کا نام سن کر یکدم رُک گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ وہ اِس طرح شیراز کو گھور رہی تھی گویا اُسے پہلے سے جانتی ہو۔ اچانک اُس نے شیراز کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے...... پھر سوال کیا:۔

''تم کون سے خاندان سے ہو؟...... اور کیا کام کرتے ہو؟''

وہ واقعی اِس طرح سوال کر رہی تھی گویا شیراز کو پہلے سے جانتی ہو۔ اب شیراز بھی حیران ہونے لگا۔ لیکن اُس نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ مادام کو جواب دیا:۔

''جی..... میں یونانی النسل مسلمان ہوں۔ میرے والد فوت ہو چکے ہیں اور میں ...... لائی سیئم (Lyceum) میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔''

لائی سیئم کا ذکر سنتے ہی مادام ...... کی آنکھوں میں پہلے سے بھی زیادہ غصہ دکھائی دینے لگا۔ اُس نے کھا جانے والی نظروں سے شیراز کی جانب دیکھا اور نہ جانے کیا سوچ کر چُپ ہو گئی۔ اب وہ دونوں، شفاخانے کی اندرونی عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔

لیکن جونہی ...... شیراز شفاخانے کے برامدے میں داخل ہوا، اُسے دور سے ہی شکیلہ کی چیخ سنائی دی۔ شکیلہ بری طرح رو رہی تھی۔ اِس کا مطلب تھا کہ شفاخانے کے اطباء معصوم یاسمین کی جان بچانے میں ناکام رہے تھے۔ مادام تھروشیا نے صورتحال ملاحظہ کی..... تو اُس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ اب وہ مزید ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رُکے گی۔ چنانچہ شیراز یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مادام تھروشیا...... اُس کے ساتھ کوئی بات کیے بغیر، واپسی کیلیے مڑی اور شفا

Marfat.com

خانے سے باہر کی جانب چل دی۔ شہزادہ اُسے پیچھے سے انتہائی غصیلی نظروں کے ساتھ دیکھتا رہا ،لیکن وہ اُسے آواز نہ دے سکا۔ مادام تھروشیا کے طور اطوار دیکھ کر اُسے ایسا لگا تھا، جیسے اِس عورت کی فطرت میں رحم اور ہمدردی نام کی کوئی چیز، سرے سے تھی ہی نہیں۔

مادام تھروشیا، شفا خانے سے پیر پٹختی ہوئی، چلی آئی۔ اُس کی بگھی شفا خانے میں کھڑی رہ گئی اور وہ پیدل ہی اپنی حویلی کی جانب چل دی۔

بغاوت کی ناکامی کے بعد سے لے کر اب تک مادام تھروشیا نے عیسائیت کے لیے بہت کام کیا تھا۔ اُس نے ایتھنز سے لے کر مقدونیہ تک، حتیٰ کہ موریا کے تمام علاقوں میں ایک اور خطرناک بغاوت کا بیج اچھی طرح سے بو دیا تھا۔ اب تو اُس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ استنبول (قسطنطنیہ) میں اُس کے خاص کارندے موجود تھے۔ جو عثمانی سلطنت کی ذرا ذرا سی خبر اُس تک پہنچاتے اور وہ ہر خبر انتہائی ذمہ داری کے ساتھ ......شہنشاہِ آسٹریا تک پہنچاتی۔ مادام تھروشیا نے گزشتہ بیس سال کتنی مشکل سے کاٹے تھے، یہ تو صرف وہی جانتی تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اِس تمام عرصہ میں وہ اپنے بیٹے .... ''کلاڈیوس'' .... کے جوان ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اور اب کلاڈیوس ایک کڑیل نوجوان بن چکا تھا۔ اُس نے آسٹریا اور جرمنی میں تعلیم حاصل کی تھی، تعلیم کے ساتھ ساتھ، اُس نے شمشیر زنی، گھڑسواری اور بندوق چلانے کی ایسی تربیت حاصل کی تھی کہ پورے مقدونیہ میں اُس کا ثانی کوئی نہیں تھا۔

مادام تھروشیا کو اپنے بیٹے پر بے پناہ فخر تھا۔ وہ کبھی کبھی سوچتی کہ کاش ......کلاڈیوس سچ مچ اُس کا بیٹا ہوتا۔ وہ نہ جانتی تھی کہ کلاڈیوس حقیقت میں کس کا بیٹا ہے۔ اُس کی دایہ، روفیسہ نے اُسے یہی بتایا تھا، کہ بچہ یونانی النسل ہے، اور لاوارث ہے۔ بغاوت کے بعد مادام تھروشیا نے دایہ، روفیسہ کو تلاش کرنا چاہا، لیکن نہ جانے، دایہ کو زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا کہ وہ پھر کبھی کسی کو نہ دکھائی دی۔ حقیقت میں دایہ روفیسہ ......مادام تھروشیا کے غیض وغضب سے ڈر کر بیس سال قبل ہی، مقدونیہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اُس نے سوچا تھا کہ مادام تھروشیا جیسی خطرناک عورت سے کچھ بعید نہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دایہ ......اگر مقدونیہ میں رہتی تو مادام تھروشیا اُسے محض اِس لیے قتل کروا دیتی کہ وہ مادام کے ایک خطرناک راز سے واقف تھی۔ یہی سوچ کر دایہ روفیسہ ایسی غائب ہوئی کہ پھر کبھی کسی کو دکھائی نہ دی۔

♦ ...... ♦

Marfat.com

شیراز ایک لائق طالب علم تھا۔لائی سیئم تک وہ اپنی محنت اور غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے پہنچا تھا۔ اسے لائی سیئم میں تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔حالانکہ وہ مسلمان تھا،لیکن اُس نے دل میں تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ لائی سیئم میں ہی تعلیم حاصل کرے گا۔ وہ ابتدائے شباب ہی میں مسلمانوں کی خامیوں اور کمزوریوں سے آگاہ ہو چکا تھا۔اُسے اس بات کا احساس ستا تا رہتا تھا کہ عثمانی خلفاء مسلمانوں کی مجموعی حالت کی طرف مطلق توجہ نہیں دے رہے تھے۔وہ جانتا تھا کہ عیسائی، انتہائی تیزی کے ساتھ جدید علوم کی طرف متوجہ تھے،اور اسی وجہ سے تمام عیسائی ملک ،دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے تھے۔اسلامی دنیا میں ابھی مدارس کا نظامِ تعلیم ہی رائج تھا۔ مسلمان مذہبی پیشوا جدید سائنسی تعلیم کے حق میں نہ تھے۔ مقدونیہ کی مسلم آبادی میں اُن لوگوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا، جو لائی سیئم میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لائی سیئم ایک قدیم طرز کا یونانی مدرسہ تھا لیکن اُس میں جدید سائنسی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ مقدونیہ کے وہ عیسائی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو یورپ کے مغربی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے لیے نہیں جاسکتے تھے۔وہ لائی سیئم میں ہی اپنی پیاس بجھا لیتے تھے۔ایک مسلمان ہونے کے ناطے،شیراز کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ علومِ مادی میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے ......عیسائی ممالک کا سفر کرے۔ عیسائی ممالک میں اُسے قدم قدم پر خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا ،جب ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگیں عروج پر تھیں۔یورپ کے تمام عیسائی ممالک اِس بات کے لیے اتحاد کر چکے تھے کہ مسلمانوں کو یورپ کے تمام ملکوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلیے نکال دیا جائے ۔سب سے زیادہ سرگرم ....روس کا عظیم شہنشاہ"

Marfat.com

پیٹر اعظم'' تھا۔ حالانکہ روس، خود یورپ کا حصہ نہیں تھا، لیکن ایک ''کٹر'' عیسائی ملک ہونے کے ناطے، وہ ترکوں کو یورپ سے نکالنے کے درپے تھا۔ روس کا شہنشاہ ''پیٹر اعظم'' ۱۷۱۰ء کے زمانے میں پوری عیسائی دنیا کا ہیرو اور مردِ میدان مانا جاتا تھا۔

مغرب کے تمام ممالک تیزی کے ساتھ علومِ مادی میں ترقی کرتے جارہے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا سب سے مضبوط ملک ترکی، جو خلافتِ اسلامیہ کا مرکز بھی تھا...... سائنسی علوم میں سب سے پیچھے تھا۔ شیراز، دن رات یہی باتیں سوچتا رہتا۔ یہی کچھ سوچ کر اُس نے لائی سیئم میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ لائی سیئم میں داخلہ لینا ایک مشکل کام تھا۔ اول تو شیراز کے اہلِ محلہ اور برادری کے بزرگوں نے اُسے لاکھ سمجھایا کہ کافروں کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے سے تمہارا ایمان خراب ہوجائے گا۔ دوسرے، خود لائی سیئم کے مکتب میں اُسے داخلہ ملنا ایک دشوار عمل تھا۔ یہ مکتب ..... ایک ''پارتھی نن'' نے ایک صدی قبل قائم کیا تھا۔ ''پارتھی نن'' اُن یونانیوں کو کہا جاتا تھا جو آج تک اپنے قدیم یونانی مذہب پر قائم تھے۔ یہ لوگ عیسائی بھی نہ ہوئے تھے اور ابھی تک اپنے قدیمی دیوی، دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ شیراز نے لائی سیئم میں داخلہ لینے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا تھا یہ تو صرف وہی بتا سکتا تھا۔

سائنس، ریاضی، علمِ فلکیات، قانون اور فلسفہ اس کے محبوب موضوعات تھے۔ جماعت میں دوسرے طلبا اسے ''افلاطون'' کہا کرتے تھے۔ شیراز کے والد عرصہ ہوا اِس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے اور والدہ ان پڑھ گھریلو خاتون تھی۔ شیراز سے بڑی ایک بہن تھی ''نورین'' نورین نے اسلامی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور اب طالبات کے ایک مدرسہ میں معلّمہ کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ شیراز، کی ماں نے زندگی میں بہت دُکھ سہے تھے۔ لیکن جب سے اُس کا بیٹا پیدا ہوا تھا، تقدیر نے اُس کے حالات بدل دیے۔ ابھی اُس کے بچے چھوٹے چھوٹے ہی تھے کہ شیراز کی والدہ اور والد ..... مالدار ہوگئے اور غربت وافلاس کا عذاب اُن کے سروں سے ہمیشہ کے لیے ٹل گیا۔ یہی وجہ تھی کہ شیراز کی ماں ''صغریٰ'' نے اپنے دونوں بچوں، یعنی بیٹے اور بیٹی کو اچھی تعلیم وتربیت دلوائی تھی۔ اور اُس کا بیٹا اپنی مرضی سے لائی سیئم میں تعلیم حاصل کررہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اُس کا بیٹا، ایک سچا مسلمان ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس بھی ویسی ہی سائنسی طاقت آجائے، جیسی مغرب کے عیسائی ملکوں کے پاس آچکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے شیراز کو لائی سیئم میں تعلیم حاصل کرنے سے منع نہیں کیا

Marfat.com

تھا۔

تین افراد پر مشتمل یہ مختصر سا خاندان اپنے حالات پر بہت خوش تھا۔ شیراز کی شخصیت بے حد پرکشش تھی۔ لیاقت و ذہانت کے ساتھ ساتھ اس کی مردانہ وجاہت بھی، ہر کسی کو اسکی طرف متوجہ کر لیتی۔ ہنسنا اور ہنسانا تو اس کا من پسند مشغلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تمام طلباء خواہ وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے یا......اساتذہ اُسکے قریب رہ کر اچھا محسوس کرتے تھے۔ شیراز کا سب سے زیادہ قریبی تعلق، لائی سیئم کے ایک "پارتھی نن" معلم، "پاتھے اوڈیسا" سے تھا۔ فلسفے کے گھنٹے میں اساتذہ کے ساتھ اس کی اچھی خاصی مکالمہ بازی ہوتی۔ وہ کسی نقطے پر سوال کرتا تو انتہائی مہارت کے ساتھ سوال میں سے سوال نکالتا چلا جاتا۔ وہ ارسطو اور افلاطون کے نظریات پر مسلمان فلسفیوں کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالتا۔ سعدیؒ، رومیؒ، غزالیؒ، وغیرہ کے اشعار اسے زبانی یاد تھے۔ یونانی فلسفیوں میں سقراط اس کی پسندیدہ شخصیت تھا۔

شیراز کی ایک ہم جماعت طالبہ عموماً نگاہوں کا مرکز رہتی۔ اپنی دلکش اور پروقار شخصیت کی وجہ سے اُسے شیراز کا ہم پلہ کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اُس کے اور شیراز کے درمیان بہت بڑا فرق تھا اور وہ تھا مذہب کا فرق۔ تھیوڈورا......کارپوس کی حقیقی بیٹی تھی۔ دراصل مادام تھروشیا نے کارپوس کی موت کے بعد ایک اور بچی کو جنم دیا تھا۔ جن ایام میں ترک افواج مقدونیہ کو محاصرے میں لیے ہوئے تھیں، مادام تھروشیا کے پیٹ میں تھیوڈورا پرورش پا رہی تھی۔ کارپوس اپنی دونوں بیٹیوں کو نہ دیکھ سکا تھا۔ پہلی بیٹی مادام تھروشیا کے پاگل پن کی نظر ہو چکی تھی، اور دوسری نے جنم ہی اُس وقت لیا جب، اُس کا باپ اِس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ کارپوس تو جب تک زندہ رہا کلاڈیوس کو ہی اپنا بیٹا سمجھتا رہا۔ وہ ننھے کلاڈیوس سے بے حد پیار کرتا تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا۔ مادام تھروشیا کے دل میں اپنی سگی بیٹی کو کھونے کی اگر کچھ خلش تھی بھی، تو وہ تھیوڈورا کی پیدائش کے بعد دور ہو گئی۔ تھیوڈورا مادام تھروشیا کی اپنی بیٹی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اپنے خاندان اور نسب پر مان کرنے والی مادام تھروشیا نے دونوں مرتبہ بیٹیوں کو ہی جنم دیا تھا۔ تھیوڈورا کے دل میں بھی اپنے باپ کو نہ دیکھ پانے کا ملال تھا اور اِس پر مستزاد اُس نے اپنے باپ کی دردناک موت کا واقعہ بھی لوگوں سے سن رکھا تھا۔ لیکن اُسے اپنے بہادر باپ پر فخر تھا اور اسی فخر کی بدولت وہ اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ کا نام بھی لکھتی تھی۔ لائی سیئم میں سب طلباء اور طالبات اُسے تھیوڈورا کارپوس کہہ کر ہی پکارتے

Marfat.com

تھے۔لیکن ایک عجیب بات تھی کہ مادام تھروشیا ، جتنی آتش صفت تھی تھیوڈورا اتنی ہی نازک اور کومل طبیعت کی مالک تھی۔اُس کے باپ کو مسلمانوں نے سزائے موت دی تھی لیکن وہ پھر بھی مسلمانوں کے خلاف نہ تھی ، وہ ہمیشہ اپنے باپ کا واقعہ سن کر یہی کہتی تھی کہ...... جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی ہے۔مقدونیہ کے بہت سے مسلمانوں کے ساتھ اُس کے اچھے تعلقات تھے۔اُس کے برعکس ، کلاڈیوس بالکل ماں پر گیا تھا۔اُس کی طبیعت میں وہی نفرت اور شدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو اُس کی ماں کی طبیعت کا خاصہ تھی۔

شیراز اور تھیوڈورا کے درمیان خاصے خوشگوار تعلقات تھے۔بعض طلبہ کا تو یہ بھی خیال تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے یہ اُنکی غلط فہمی ہو لیکن اُن کی طرح بعض دوسرے لوگوں کو بھی یہی غلط فہمی تھی۔البتہ کبھی کبھی جماعت میں ان کی نوک جھوک دیدنی ہوتی۔لائی سیئم کا ماحول ایسا ہی تھا۔یہاں مردوزن کا لحاظ ملحوظ نہ تھا۔یہ ''پارتھی نَنوں'' کا آشرم تھا۔کسی تعلیمی درجہ کی جماعت میں رسمی قاعدوں کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔یہاں مسلمانوں کے نوجوان بہت کم داخلہ لیتے تھے اور لیتے بھی تھے تو صرف لڑکے۔کسی مسلمان لڑکی کے یہاں تعلیم حاصل کرنے کا تصور بھی نہیں تھا۔یہاں سب زیادہ پارتھی نن قوم کے طلبہ اور طالبات تعلیم حاصل کرتے تھے۔لیکن عیسائیوں کی بھی کم تعداد نہ تھی۔مسلمان آبادی کے لحاظ سے بھی مقدونیہ میں اقلیت تھے اور اُسی تناسب سے یہاں لائی سیئم میں بھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔مسلمان نوجوان اعلیٰ تعلیم کے لیے استنبول اور بغداد کے دینی مدارس میں جایا کرتے تھے۔پارتھی ننوں کا لائی سیئم صرف غیر مسلموں میں مقبول تھا ، یہی وجہ تھی کہ بہت کم مسلمان طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرتے تھے۔یہاں صرف اُن مسلمان گھرانوں کے طلبہ داخلہ لیتے تھے جو مغربی علوم کے فوائد سے آگاہ تھے اور ایسے مسلمانوں کی تعداد خاص طور پر اٹھارویں صدی عیسوی میں نہ ہونے کے برابر تھی۔بہرحال پارتھی ننوں کے اِس مکتب میں ....اٹھارویں صدی میں بھی مخلوط تعلیم کا نظام تھا۔

لائی سیئم ....ارسطو کے مکتب کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ارسطو کا مکتب چوتھی صدی قبل مسیح میں ایتھنز میں تھا۔یہ سکندرِ اعظم کا زمانہ تھا۔ارسطو سکندرِ اعظم کا اُستاد تھا۔ارسطو نے سکندرِ اعظم کی تعلیم مکمل ہونے تک ....اِسی شہر مقدونیہ میں قیام کیا تھا اور پھر سکندرِ اعظم کی تربیت مکمل ہونے کے بعد ارسطو نے ایتھنز کو اپنا مرکز بنالیا تھا۔ارسطو نے ایتھنز میں لائی سیئم کی

Marfat.com

بنیاد رکھی، جہاں تمام طلبہ سڑک کے کنارے چلتے چلتے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ اِس مکتب کے طلبہ کو "چلتے پھرتے طلبہ Peripatetic" کہا جاتا تھا۔گذشتہ صدی میں مقدونیہ کے ایک پارتھی نن عالم نے اپنی پرانی ثقافت کو زندہ کرنے کا عزم کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ لائی سیئم کی بنیاد رکھے گا۔ارسطو کے مکتب میں بھی فلسفہ، سائنس، حیاتیات، ارتقاء، ریاضی اور منطق کی تعلیم دی جاتی تھی۔لائی سیئم میں انہیں موضوعات کی اعلیٰ تعلیم کا اہتمام تھا۔مکتب میں زیادہ تر پارتھی نن عالم ہی استاد تھے۔کچھ انگریز پروفیسر بھی تعینات تھے، جو جدید علوم کی تعلیم دیتے تھے۔

شیراز اور تھیوڈرا کی بحث خوب جمتی تھی۔دونوں طرف سے بھرپور دلائل دیے جاتے تھے۔ تھیوڈورا؛ شیراز کی ذہانت کا لوہا مانتی تھی۔لیکن وہ خود بھی کسی سے کم نہ تھی۔دونوں کے درمیان زیادہ تر اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر ہی بحث رہتی تھی۔کبھی کبھار بحث کا رُخ مڑتا اور دونوں ایک دوسرے کو نشانہ بنانے لگتے:۔

ایک مرتبہ شیراز نے اپنی گفتگو کے دوران کہا:۔

"محترم پاتھے!........محترمہ تھیوڈورا کارپوس، کی شخصیت اتنی زوردار ہے کہ ان کا نام تھیوڈورا کارپوس کی بجائے زورا کارپوس ہونا چاہیے تھا"

شیراز کی چوٹ کافی خوبصورت تھی، پوری جماعت کا قہقہہ نکل گیا۔

"محترم پاتھے!.....شیراز صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ زورا کارپوس، فرعونوں کے لیے تازیانہ ہوتی ہے۔"

تھیوڈورا نے برجستگی سے جواب دیا۔لائی سیئم کے طلبہ اپنے اساتذہ کو محترم پاتھے.....کہہ کر پکارتے تھے۔

"محترم پاتھے!........زورا کارپوس کی غائبانہ حقیقت کیا ہے یہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں تھا۔اچھا ہوا آج انہوں نے خود ہی بتا دیا۔"

شیراز نے ترکی بترکی جواب دیا۔پوری جماعت کا ایک مرتبہ پھر قہقہہ نکل گیا،لیکن یہ چوٹ اتنی زوردار تھی کہ تھیوڈورا کا چہرہ غصے اور شرم سے انگارہ بن گیا۔جن طلباء کو اس ذومعنی جملے کی سمجھ آئی وہ مسکرا رہے تھے اور تھیوڈورا کینہ توز نظروں سے شیراز کو گھور رہی تھی۔پاتھے نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے بڑی مشکل سے جماعت کے ماحول کو قابو میں کیا۔

Marfat.com

اس طرح کی نوک جھوک ان کا روز مرہ کا معمول تھا۔ جماعت میں بھی اور جماعت سے باہر بھی۔ اکثر ان کی محفل لائی سیئم کی روشوں اور میدانوں میں جم جاتی یا پھر کسی پیڑ کے نیچے۔
یہ خوبصورت دن اپنے معمول کی رفتار سے خراماں خراماں گزرتے چلے جا رہے تھے۔ کہ ایک صبح ....ایک صبح.........لائی سیئم میں یہ خبر، بارود کی طرح پھٹی کہ شیراز نے ''جانسن'' کو قتل کر دیا ہے۔ تمام طلبہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ خبر یہ تھی کہ شیراز نے جانسن کو خنجروں کے پے در پے وار کر کے چھلنی کر دیا اور خود فرار ہو گیا ہے۔ اُس دن لائی سیئم میں ہنگامے کا سا سماں تھا۔ ہر زبان پر یہی قصہ تھا۔ بھانت بھانت کے بیانات سننے میں آ رہے تھے۔ پورا لائی سیئم حیران و ششدر تھا۔ یہ واردات صحیح طور پر کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ جانسن اور شیراز کا نہ کبھی دوستی کا رشتہ رہا تھا اور نہ کبھی دشمنی کا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے غیر متعلق اور غیر جانبدار تھے۔ یہاں تک کہ جانسن کی اور اس کی جماعتیں بھی الگ الگ تھیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ سیاسی قتل ہو سکتا ہے۔ یہ اتفاق تھا یا اس میں بھی کچھ تھا......... کہ اس دن تھیوڈورا......... بھی لائی سیئم، نہ آئی تھی۔ شیراز نے لائی سیئم سے باہر ہی جانسن کے سینے پر پے در پے وار کیے تھے۔ ٹھیک اُس وقت جب وہ........علی الصبح، لائی سیئم آ رہا تھا۔ اُسے یوں بے دردی سے قتل کیا گیا کہ ابتدائی، ایک دو، واروں کے بعد ہی وہ لڑھک گیا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ شیراز فرار ہو چکا تھا۔ لائی سیئم کا ہر طالب علم، غم زدہ اور اداس تھا۔ سب سے زیادہ رنجیدہ دل منتظم، پاتھے.... تھا۔ کسی کو شیراز سے اس قسم کے اقدام کی توقع نہ تھی۔ پاتھے، فلسفے کا معلم تھا اور چہروں پہ لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے کا ڈھنگ اُسے خوب آتا تھا۔ اُس کے حساب سے شیراز کی شخصیت میں ایسا کوئی نفسیاتی راز پوشیدہ نہ تھا، جس کی بناء پر کہا جا سکے کہ وہ کبھی اتنا انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔ اُسے اِس واقعہ کی صحت پر یقین نہیں تھا۔ وہ شیراز کو ایک بے ضرر اور معصوم نوجوان سمجھ رہا تھا۔ لیکن یہ الجھا ہوا سوال اُس سے حل نہ ہو رہا تھا، کہ آخر شیراز جیسے سلجھے ہوئے نوجوان نے ایسا گھناؤنا قدم کیوں اُٹھایا؟ اُس نے جانسن کو کیوں قتل کیا؟ آخر تنگ آ کر پاتھے نے شیراز کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔
شیراز کے گھر پہنچ کر اُسے ایک دھچکا لگا۔ یہاں صورتحال انتہائی حیرت انگیز تھی۔ صحیح معنوں میں کہا جا سکتا تھا کہ یہاں قیامت برپا تھی۔ مکان کے باہر ہی لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھڑے تھے۔ کوتوالی کے اعلیٰ افسران، کے گھوڑے بھی یہاں موجود تھے اور مکان سے چیخ و پکار اور بین

Marfat.com

کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے سمجھا، شاید شیراز کو بھی کچھ ہو گیا ہے۔ اُس نے اپنا گھوڑا ایک طرف کھڑا کیا اور تیزی سے مجمع کی طرف بڑھا۔ اُس نے کوتوالی کے ایک افسر کو سلام کیا اور پوچھنے لگا:۔

''بھائی یہاں کیا ہوا ہے، اس قدر بھیڑ لگی ہے اور پولیس بھی موجود ہے''

''اس گھر کی ایک لڑکی کو ''اجتماعی جنسی تشدد'' کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا ہے اور اس کے بھائی نے فوری طور پر جوابی کاروائی کرتے ہوئے قاتل کو جہنم رسید کر دیا ہے۔ لیکن آپ کی تعریف؟''

کوتوالی کے افسر نے ادھیڑ عمر پاتھے کو سر سے پاؤں تک گہری نظروں کے ساتھ گھورتے ہوئے جواب دیا۔ معزز پاتھے ایک سادہ دِل انسان تھا۔ وہ شیراز سے بے حد محبت کرتا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور پولیس اُس پر بھی کسی قسم کا شک کر سکتی ہے، یہی سوچ کر اُس نے تیزی کے ساتھ اپنا تعارف کروا دیا:۔

''جی........میں پاتھے ہوں۔ لائی سیئم کا پاتھے۔ شیراز میرے لائق طلباء میں سے تھا۔''

''پاتھے!!!.........اوہ!....اچھا! آپ اُس قدیمی یونانی مکتب کے استاد ہیں۔ کیا وہ لڑکا آپ کے مکتب میں پڑھتا تھا۔ میں نے سنا ہے قتل ہونے والا عیسائی لڑکا بھی آپ کے مکتب میں زیرِ تعلیم تھا۔ آپ نے اچھا کیا، آپ تشریف لے آئے ....پاشا کو آپ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

وہ غالباً اپنے کوتوال کو ''پاشا'' کہہ کر پکار رہا تھا۔ ترکوں میں یہ لفظ بہت عام تھا۔ ویسے تو صوبوں کے گورنروں کو بھی پاشا کہا جاتا تھا لیکن زیادہ تر معزز لوگ بھی پاشا ہی کہلاتے تھے۔ یہ لفظ شاید فارسی کے لفظ پادشاہ کا مخفف تھا۔ پاتھے.......پولیس افسر کی بات سن کر چونک سا گیا۔ شیراز کی بہن کے ساتھ اجتماعی جنسی تشدد کا سن کر اُس کے حواس ٹھکانے نہ رہے۔ وہ تو یہاں شیراز کے معاملہ کی اصل صورتحال جاننے آیا تھا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ کوتوالی کی ساری پولیس یہاں موجود ہوگی۔ اسی اثناء میں اُسے پولیس افسر کی آواز پھر سنائی دی، وہ کہہ رہا تھا:۔

''پاتھے صاحب!.......میں تو کہتا ہوں کہ اس لڑکے شیراز نے بہت اچھا کیا۔ اپنی بہن کی رسوائی کا بدلہ فوراً لے لیا۔ ورنہ بات عدالت تک جاتی، تو عثمانی عدالت کا حال آپ جانتے ہی ہیں، کسی یونانی سردار کے خزانے کا منہ کھل جاتا اور.........بیچارے لڑکے کی بہن کا

Marfat.com

قاتل کھلے عام پھرتا رہتا۔لڑکا عمر بھر عدالت کے چکر کاٹتا رہتا مگر اسے کبھی انصاف نہ مل پاتا“
مسلمان پولیس افسر کے لہجے میں کھلا طنز تھا، جسے یونانی النسل پاتھے نے صاف محسوس کیا پولیس افسر نے اُسے سر سے لے کر پاؤں تک گھورتے ہوئے انتہائی تفصیل سے سمجھایا تھا۔
اب صورتحال پاتھے پر واضح ہوگئی ۔اُس کے دماغ میں جیسے زلزلہ سا آگیا۔شیراز کی بہن ”نورین“ بڑی سلیقہ مند بچی تھی ۔اس کی موت کا سن کر پاتھے کے دل پر گھونسا پڑا۔وہ نورین کو اچھی طرح جانتا تھا،ایک پاتھے ہونے کے ناطے وہ کئی مرتبہ شیراز کے گھر آچکا تھا۔یہ سب سن کر بھی اُسے یقین نہ آیا کہ شیراز نے جانسن کو قتل کیا ہوگا۔وہ شیراز کا مزاج اچھی طرح جانتا تھا۔شیراز کا ذہن لڑائی، بھڑائی اور مار دھاڑ جیسے کاموں کے خلاف تھا۔شیراز تو عالمی امن کا داعی تھا۔
بہر حال وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا مکان کے قریب پہنچا۔شیراز کے گھر کی چوپال کا دروازہ پورا کھلا تھا۔اور اندر صفِ ماتم بچھی تھی ۔شیراز کے عمر رسیدہ ملازم ”نیاز احمد“ کے دائیں بائیں پولیس کے لوگ کھڑے تھے ۔اور باقی اہل محلہ ان کے ساتھ کسی معاملے میں بحث کررہے تھے ۔پاتھے اُن کے قریب پہنچا تو اُس نے سب کو سلام کیا۔سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔پاتھے خاموشی سے اُن کے نزدیک کھڑا ہوگیا۔باقی لوگ چوپال میں بچھی کھاٹوں پر بیٹھے تھے۔
”جناب ہم بچی کی میت کو مزید رسوا نہیں کرنا چاہتے ۔اللہ کو جو منظور تھا، ہوگیا۔ہم بچی کی لاش پولیس کے اہلکاروں کو نہیں دکھا سکتے۔باقی رہی شیراز کی بات تو وہ یہاں نہیں ہے ۔اور نہ ہی وہ گزشتہ نصف شب سے یہاں آیا ہے۔آپ اس کی جگہ اُس کے بزرگ خادم کو بھی اس وقت تک نہیں لے جاسکتے جب تک ،بچی کا کفن دفن حتیٰ کہ آخری رسومات تک نہیں ہوجاتیں ویسے بھی آپ کو شیراز کے اہل خانہ کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے ۔آپ بھی تو بچیوں کے باپ ہوسکتے ہیں۔“
اہل محلہ میں سے ایک معقول صورت بزرگ نے کوتوال شہر سے بات کی ۔ پاتھے نے محسوس کیا کہ جب اس بزرگ نے بچی کی لاش، پولیس کو نہ دکھانے کی بات کی تھی،تو کوتوالِ شہر کے چہرے پر اطمینان کی لہر رقص کرنے لگی تھی۔
”ہمارا لاش کو دیکھنا محض، رسمی کارروائی کے لیے ہی تو ہوگا۔آپ کہتے ہیں تو ہم لاش نہیں

Marfat.com

دیکھتے، لیکن شیراز کا برآمد ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ نہیں جانتے مقتول لڑکے کا باپ کتنا بڑا آدمی ہے۔"

کوتوال شہر نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ محلے کا وہی بزرگ پھر بولا:۔

"ہم شیراز کو کہاں سے برآمد کریں۔ ہمیں تو خود معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے"

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں .... شیراز کا بوڑھا خادم تو خاموش ہے۔ اور پھر شیراز کی والدہ بھی تو ہے۔ آپ اس سے معلوم کریں۔ یقیناً اُسے علم ہوگا کہ شیراز کہاں چھپا ہوا ہے۔ آخر وہ اس کا بیٹا ہے۔"

کوتوال شہر نے اُسی لہجے میں پھر بات کی .... تب ایک اور محلے دار بزرگ نے کہا:۔

"شیراز کی والدہ اِس وقت دوہرے صدمے سے نڈھال ہے۔ ہم تو حیران ہیں کہ اتنا بڑا سانحہ گزر جانے کے بعد بھی وہ ابھی تک زندہ کیسے ہے۔"

"ہم پر اُوپر ...... سے دباؤ ہے اور ہم نے شام تک ہر حال میں شیراز کو گرفتار کرنا ہے۔ آپ ایسا کریں، شیراز کے بزرگ ملازم کو ہمارے ساتھ کوتوالی تک چلنے دیں۔ وہاں اعلیٰ افسران کو مطمئن کرنے کے بعد ہم اِسے واپس بھیج دیں گے۔"

ایک پولیس، افسر نے اپنی خشونت کا مظاہرہ کیا۔ شیراز کے بوڑھے خادم نے نم آلود پلکیں اٹھائیں اور اُس افسر کی طرف دیکھا۔ عمر رسیدہ ملازم کے چہرے پر غم و اندوہ کی گہری پرچھائیاں ثبت تھیں۔ پھر اس نے بے چارگی کے عالم میں سب کی طرف دیکھا، لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ پاتھے سے نہ رہا گیا۔ چنانچہ لائی سیئم میں شیراز کے استاد، پاتھے نے پولیس افسر کو مخاطب کر کے کہا:۔

"محترم کوتوال! آپ کیسی انہونی باتیں کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قتل شیراز نے کیا ہے۔ آپ اسی کو تلاش کریں۔ آپ کسی قاعدے کے تحت بھی، اس کے ملازم کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ "نورین" کی لاش کا معائنہ سرکاری طور پر ہونا چاہیے۔ اگر معائنہ نہ ہو سکا تو بے چارے، شیراز کا مدعا کمزور پڑ جائے گا۔ قتل کا جواز ختم ہو گیا تو شیراز کو موت کی سزا ملے گی۔ یہ اشتعالی قتل ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح خطوط پر تفتیش کی جائے تو شیراز بچ سکتا ہے۔"

پاتھے نے پہلی مرتبہ زبان کھولی، تو سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ خاص طور پر

Marfat.com

شیراز کا بوڑھا ملازم انتہائی عاجزی سے اُسے تکنے لگا۔

"آپ کا تعارف؟"

کوتوالی کے بڑے افسر نے زہر خند لہجے میں پاتھے سے پوچھا:۔

"میں شیراز اور جانسن دونوں کا استاد ہوں۔ لائی سیئم میں فلسفے اور دیگر علوم کا معلم ہوں۔ اور میرا نام پاتھے......اوڈیسا...... ہے۔آپ تو جانتے ہی ہوں گے ،لائی سیئم میں پاتھے استاد کو کہا جاتا ہے۔"

پاتھے نے محتاط انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔اب کوتوال کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔وہ انتہائی رعونت کے ساتھ بولا:۔

"کیا میں کہہ دوں کہ آپ کی جانبداری شیراز کے ساتھ ہے اور عیسائی نوجوان جانسن سے آپ نفرت کرتے ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شیراز کو آپ نے "اکسایا ہو"۔

کوتوال نے اُسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا تو جیسے پاتھے کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔لیکن پھر بھی اُس نے تحمل سے جواب دیا۔یہی اُس کا وطیرہ تھا۔

"آپ کو اپنے عہدے اور رتبے کے شایان شان بات کرنی چاہیے۔کوتوال محترم! جرم جانسن نے کیا ہے اور ......سچ پوچھیے تو انتہائی گھناؤنا جرم کیا ہے۔ کہنے کو تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ جانسن یا اُس کے دوستوں کی پشت پناہی کررہے ہیں، کیونکہ وہ ایک عیسائی تاجر کا بیٹا ہے اور عثمانی عمال، مجبور ہیں کہ عیسائی تاجروں کی خوشامد کریں۔کیا آپ اِس حقیقت سے بے خبر ہیں؟.....حالانکہ پوری سلطنتِ عثمانیہ جانتی ہے۔"

پاتھے کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ کوتوال شہر کا پارہ، آسمان کو چھونے لگا۔پاتھے سچ کہہ رہا تھا......سترھویں اور اٹھارویں صدی میں پوری سلطنتِ عثمانیہ ،عیسائی تاجروں کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔استنبول سے لے کر ہنگری تک جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے صوبے تھے، یونانی ساہوکاروں کے پیسے سے چلتے تھے۔

یونانی ساہوکار..........صوبہ داروں ، پاشاؤں اور حاکموں کو بھاری سود پر رقم قرض دینے میں مشہور تھے اور سلطنت کے صوبے دار بھاری سود پر قرض لے کر اپنی ذاتی عیاشیوں میں اُڑانے کے حوالے سے مشہور تھے۔قرضے کا سود ادا کرنے کیلیے تمام رعایا سے ....طرح طرح کے ٹیکس وصول کیے جاتے ۔عوام ٹیکس دینے میں تاخیر سے کام لیتے تو ان پر سختیاں روا

Marfat.com

رکھی جاتیں۔ [1] سلطنت کے سارے صوبوں میں یہی صورتحال تھی۔ پاتھے، خود یونانی تھا، لیکن عیسائی نہیں تھا، وہ یونانیوں کے قدیم مذہب کا ماننے والا تھا۔ لیکن پاتھے کی بات مسلمان کوتوال شہر کو گولی کی طرح لگی۔ اور اُس نے سیخ پا ہوتے ہوئے کہا۔

''معزز پاتھے........! احتیاط سے بات کریں۔ صورتحال اتنی آسان نہیں جتنی آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے جانسن کو مجرم کہہ دیا ہے......... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جانسن نے واقعی شیراز کی بہن کو بے آبرو کیا ہے۔''

کوتوال کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں محلے کے، اُسی بزرگ نے بیچ بچاؤ کرانے کے انداز میں کوتوالِ شہر کو مخاطب کیا:۔

''دیکھیے محترم کوتوال!......... بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ لوگ..... اس وقت چلے جائیں۔ بچی کی تجہیز و تکفین کے بعد، میں وعدہ کرتا ہوں کہ شیراز کے بوڑھے خادم نیاز احمد کو آپ کے پاس لے آؤں گا''۔

''خادم نہیں، ہمیں خود شیراز چاہیے۔ البتہ، میں مرحوم لڑکی کی تجہیز و تکفین کے بعد آؤں گا۔ لیکن آپ سب لوگ ایک بات یاد رکھیے گا۔ شیراز حکومت کا مجرم ہے۔ مقدونیہ کے گورنر کا حکم ہے کہ قاتل لڑکے کو شام ہونے سے پہلے گرفتار کرلیا جائے۔ ہم اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتے، جب تک قاتل ہماری گرفت میں نہیں آجاتا۔ ٹھیک ہے آپ اس علاقے کے معزز لوگ ہیں اور ذمہ دار شہری ہیں چنانچہ، ہم آپ کی بات کا یقین کرلیتے ہیں لیکن ہماری کچھ نفری بہر حال یہاں رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ شیراز، بہن کے جنازے میں شرکت کرے اور اسے گرفتار کیا جاسکے۔'' کوتوال نے رعونت سے جواب دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ سب لوگ بھی اٹھے۔ کوتوال کے چلے جانے کے بعد پاتھے، اپنی جگہ سے دو قدم چل کر شیراز کے عمر رسیدہ ملازم کے قریب بیٹھ گیا، اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پاتھے نے، کچھ وقت ان لوگوں کے بیچ خاموش بیٹھ کر گزارا لیکن پھر گھبراہٹ اور بے چینی نے اُسے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ شیراز کے واقعہ کی حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں کا ماحول ماتمی تھا۔ وہ شیراز کی والدہ سے نہیں مل سکتا تھا۔ شیراز کی والدہ، اندر گھر میں اپنی بچی کی لاش کے پہلو میں بیٹھی رو رہی تھی۔ کچھ دیر خاموش بیٹھ کر پاتھے واپس چلا آیا۔

---

[1] بحوالہ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیر علیگ۔

Marfat.com

پاتھے ان سے اجازت لے کر واپس چلا آیا۔ بقیہ سارا دن لائی سیئم کے منتظم پاتھے نے کمرے میں لیٹ کر گزارا۔ وہ اپنے حجرے میں ایک بوڑھے ملازم کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔ وہ اِس دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔ لائی سیئم ہی اُس کی کل کائنات تھا......اُس نے اپنا خونِ جگر دے کر اِس لائی سیئم کو سینچا تھا۔ لیکن آج اُسے اپنا یہ پیارا لائی سیئم ویران ویران لگ رہا تھا۔ اُس کا.....لائی سیئم ،انتہائی خوبصورت مقام پر واقع تھا۔

مقدونیہ کہساروں کی وادی تھی۔ شمال کی جانب سرسبز پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ مقدونیہ کے جنوب میں سمندر تھا۔ مقدونیہ خود ....کوہِ بلقان کے جنوب میں واقع تھا۔ اس کے تین اطراف یعنی مغرب ،شمال اور جنوب میں سمندر کا حصار تھا۔ البتہ مشرق، خشکی کے ساتھ منسلک تھا۔ شمال کا پہاڑی سلسلہ بالآخر سمندر پر ختم ہوتا تھا۔ اِس کا رقبہ پچیس ہزار پانچ سو مربع میل (66000 مربع کلومیٹر) تھا۔ خوبصورت دریا ،دریائے واردر Vardar اور سٹروما Struma مقدونیہ شہر کے مضافات کو چھو کر گزرتے تھے۔ لائی سیئم دریائے واردر کے کنارے آباد تھا۔ پارتھی نِنوں کا یہ لائی سیئم ......مقدونیہ شہر سے ہٹ کر تھا۔ یہ ایک انتہائی ،خوشگوار اور پر فضا مقام تھا۔ دریائے واردر اور سٹروما ....بحر ایجئین میں جا کر گرتے تھے۔ مقدونیہ بے حد قدیمی شہر تھا۔ اِسے نیولتھکس Neolithic [1] ......اقوام نے چھ ہزار دو سو (6200) قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔ لگ بھگ تین ہزار (3000) قبل مسیح میں یہاں چرواہوں کا ایک قبیلہ آ کر آباد ہو گیا تھا۔ بعد ازاں اُسی قبیلہ کی نسل نے اس عظیم شہر کو وہ عزت بخشی کہ ایک دنیا اِس کی شہرت کی قائل ہو گئی۔ سکندرِ اعظم جیسا شخص اِسی شہر میں پیدا ہوا تھا۔

لائی سیئم ....اُسی دور کی یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے میدان اور پھولوں کی خوبصورت روشیں تھیں ،جہاں لائی سیئم کے طلبہ اور طالبات سارا سارا دن مختلف علمی موضوعات پر بحث ومناظرہ کرتے۔ یہاں کا ماحول اہل علم کیلیے بڑا دلکش تھا۔

عثمانی حکومت اگرچہ اِس سائنسی مکتب کی کچھ زیادہ نگرانی نہ کرتی تھی ،لیکن پھر بھی پارتھی نن قوم کے لوگ اِس مکتب کیلیے اتنا چندہ دیتے تھے کہ ....اس مکتب کو کسی اور امداد کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لائی سیئم کیا تھا؟.........یہ دراصل چار چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں گھرا

---

[1] نیولتھکس ،سائنس کی زبان میں Last Stone age کو کہا جاتا ہے۔ یعنی پتھر کا آخری دور۔ ان ادوار میں انسان پہاڑی غاروں کو چھوڑ کر سرسبز میدانوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ (مصنف)

Marfat.com

ایک ہموار میدان تھا۔ جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اسی میدان کے بیچوں بیچ، ٹھنڈے پانی کی ایک تیز رو اور شفاف ندی گزرتی تھی۔ پارتھی نن قوم کے لوگ عیسائی نہ تھے۔

پاتھے اوڈیسا کے دل میں خلش تھی۔ وہ شیراز کے واقعہ کی حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ وہ مسلسل چار روز تک بے قرار رہا اور بالآخر اُس نے ایک مرتبہ پھر شیراز کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ اب بھیڑ چھٹ چکی ہوگی اور وہ شیراز کی ماں سے ملاقات کر سکے گا۔ اس دوران اُسے صرف یہی معلوم ہوا تھا کہ پولیس ابھی تک شیراز کو نہیں ڈھونڈ سکی۔ اُسے لائی سیئم میں مقدونیہ شہر سے آنے والے طلبہ نے بتایا تھا کہ مقدونیہ شہر کی تمام دیواروں پر "تلاشِ قاتل" کے اشتہار چسپاں کر دیے گئے ہیں۔ پولیس کے اہلکار اُسے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں ،اور انہوں نے مفرور قاتل کی تشہیر کر کے اُسے گرفتار کروانے والے کیلیے انعام رکھ دیا ہے۔ پاتھے حکومت کے اِن اقدامات سے حیران ہوا، اُسے یوں لگ رہا تھا گویا حکومت از خود اس واقعہ کی تشہیر چاہتی ہے، ورنہ قتل تو ہوتے ہی رہتے تھے۔ جانسن کے قتل کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دی جا رہی تھی۔

پاتھے، شیراز کے گھر کی جانب چل دیا۔ مقدونیہ شہر میں داخل ہوتے ہی اُس کی نگاہ ایک دیوار پر چسپاں اشتہار[1] پر پڑ گئی اور وہ اُس اشتہار کی عبارت پڑھ کر دنگ رہ گیا۔ اشتہار میں لکھا تھا۔

> "معروف یونانی تاجر ،اور سلطنتِ عثمانیہ کے سچے وفادار "لارنس ڈیگرے" کے بیٹے جانسن کو انتہائی بہیمانہ انداز میں قتل کر دیا گیا، قاتل فرار۔ جانسن، قاتل کو.........شرفاء کی بچیوں کے ساتھ غیر اخلاقی حرکتیں کرنے سے منع کیا کرتا تھا۔ قاتل نے اِسی غصے میں معصوم جانسن کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔"

اس خبر نے پاتھے کے اعصاب ہلا دیے۔ مسلمانوں نے ایک عیسائی تاجر کی خوشنودی کیلیے سچ کو چھپا لیا تھا۔ اشتہار میں شیراز کی معصوم بہن کا کہیں ذکر بھی نہیں تھا۔ جھوٹ کو عوام کی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ جانسن کا باپ مقدونیہ کا امیر ترین عیسائی تاجر تھا۔ وہ مقدونیہ کے

---

[1] اٹھارویں صدی میں پرنٹنگ پریس، بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد سولہویں صدی میں ہوئی۔ (مصنف)

Marfat.com

اُن عیسائیوں کا سردار بھی تھا، جو یونان کے آرتھوڈکس کلیسا سے تعلق رکھتے تھے۔اُس کے برعکس مقدونیہ میں موجود رومن کیتھولک چرچ سے متعلق عیسائیوں کی سردار مادام تھروشیا تھی۔
پاتھے کو تصور ہی تصور میں شیراز کی لاش پھانسی گھاٹ پر لٹکی ہوئی نظر آئی۔اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔وہ گھوڑے پر سوار تھا۔جونہی وہ شیراز کے مکان کی طرف بڑھا، ٹھٹھک کر رک گیا۔شیراز کے مکان پر تالا پڑا تھا۔اُس نے پڑوس کے مکان کے سامنے کھڑے، ایک نوعمر لڑکے سے دریافت کیا۔

''بیٹا یہ لوگ کہاں چلے گئے''۔

''جناب!.........نورین باجی کے جنازے کے بعد چچا نیاز احمد کو پولیس کے اہلکار لے گئے تھے........ وہاں کوتوالی میں انہیں بہت مارا پیٹا گیا کہ.........بتاؤ! شیراز کو کہاں چھپا، رکھا ہے؟.........انہیں معلوم ہوتا تو بتاتے.........پھر جب وہ مرنے کے قریب ہو گئے تو انہیں چھوڑ دیا گیا۔وہ وہاں سے واپس لوٹے تو شیراز بھیا کی ماں کو لے کر نہ جانے کہاں چلے گئے۔محلے میں کسی کو معلوم نہیں۔''

لڑکے نے تفصیل سے جواب دیا تو پاتھے کے دل پر گھونسا پڑا۔اُس کے سینے سے بے اختیار ایک طویل سانس باہر کی طرف لپکی اور وہ الٹے پاؤں واپس چلا آیا۔

اگلے روز وہ لائی سیئم گیا تو پورا لائی سیئم اُسے ویران ویران محسوس ہوا۔شیراز کے سب دوست ابھی تک مغموم تھے۔اساتذہ میں بھی وہی ذکر چھڑا رہا۔لائی سیئم کے بعض پاتھے (اساتذہ) شیراز کو قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔اس کے برعکس وہ لوگ عیسائی تاجر کے بیٹے کو شہید کہہ کر پکار رہے تھے۔وہ شاید اصل حالات سے بے خبر تھے۔جانسن کے ساتھ شہید کا لفظ سن کر پاتھے اوڈیسا کو آگ لگ گئی۔لیکن وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔پاتھے کسی سے بات کیے بغیر اپنی جماعت میں چلا آیا۔اُس کے داخل ہوتے ہی پوری جماعت پر سناٹا چھا گیا۔
تھیوڈورا سر جھکائے بیٹھی تھی۔باقی طلباء بھی خاصے دل گرفتہ تھے۔ایک طالب علم نے پاتھے سے سوال کیا:۔

''محترم پاتھے!.........شیراز کا کچھ پتا چلا؟....ہم نے تو سنا ہے کہ اُس نے اپنی بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ لیا ہے''۔

پاتھے، نے بوجھل لہجے میں جواب دیا:۔

Marfat.com

"معلوم نہیں اِس قصے کو چھوڑیں.........کوئی اور بات کریں"۔

پاتھے کے اتنا کہنے پر تھیوڈورا.........نے اُس کی جانب بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ پاتھے نے تھیوڈورا کے چہرے پر گہرے دُکھ کے آثار دیکھے.......وہ سوچنے لگا، شاید تھیوڈورا، شیراز سے محبت کرتی تھی۔ لیکن وہ ایک نظر تھیوڈورا کی جانب دیکھ کر اپنا سبق پڑھانے میں مشغول ہو گیا۔ لیکن آج کسی طالب علم کا دل سبق میں نہیں لگ رہا تھا۔ سب شیراز کی باتیں کرنا چاہتے تھے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ پھر ایک طالب علم نے پاتھے سے سوال کر دیا۔

"محترم پاتھے!.......آج ہم سب کا دل پڑھائی میں مشغول نہیں ہو رہا ہے، جب تک ہم لوگ شیراز کے معاملہ کی حقیقت نہ جان سکیں گے ، بے چین رہیں گے۔ محترم پاتھے !.......آپ ہم سے زیادہ شیراز کی نسبت جانتے ہیں۔ کیا آپ بھی شیراز کو قاتل سمجھتے ہیں۔"

اب پاتھے کے لیے خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے بڑے جوش کے ساتھ جواب دیا:۔

"نہیں !........شیراز ، بالکل قاتل نہیں ہو سکتا۔ یہ قتل اُسی شخص نے کیا ہے........جس نے شیراز کی معصوم بہن ، نورین کی عصمت دری کی ہے۔ غالباً.......اُس قاتل نے شیراز کو پھنسانے کے لیے.......اُس پر الزام لگایا ہے۔"

پاتھے نے بات کی لیکن ....اُسی طالب نے علم فوراً کہا:۔

"محترم پاتھے !.......عینی شاہدوں نے موقعہء واردات پر قاتل کو دیکھا ہے۔ اگر وہ موقعہء واردات پر قاتل کو نہ دیکھتے تو کوئی ......شیراز کا نام کیوں لیتا۔ اِس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔"

اِس مرتبہ پاتھے کو تھیوڈورا.......کی آنکھوں میں ایک بار پھر عجیب سی چیز نظر آئی۔ اُس نے تھیوڈورا کی جانب دیکھا اور پھر طلبہ سے متوجہ ہو کر کہنے لگا:۔

"یہ غلط ہے ......شیراز کو کسی نے نہیں دیکھا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ قاتل جب جانسن پر وار کر رہا تھا تو شدید غصے کے عالم میں ایک ہی بات بار بار دہرا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا.......تم مجھے جانتے نہیں ! میرا نام شیراز ہے.....شیراز۔ میں اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا.......یہ بات مجھے ایک عینی شاہد نے بتائی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ آیا اُس نے قاتل کا چہرہ دیکھا تھا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ قاتل نے اپنا منہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ یہ ہیں وہ

Marfat.com

معلومات جن کی بناء پر پولیس شیراز کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔یقیناً شیراز کا کوئی خفیہ دشمن ہے، جو اُسے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔اور وہ دشمن جو کوئی بھی ہے، بے حد شاطر اور چالاک ہے ۔اُس نے بڑی ذہانت سے شیراز کو پھنسایا ہے ۔وہ نقاب پوش ،جس نے جانسن کی جان لی محض ایک آلہ کار بھی ہوسکتا ہے۔ہوسکتا ہے،اس سارے معاملہ کے پیچھے کسی بڑے آدمی کا ہاتھ ہو۔"

پاتھے اوڈیسا کی بات سن کر پوری جماعت پر سناٹا چھا گیا۔سب سوچنے لگے کہ اگر ایسی بات ہے،تو سچ مچ شیراز قاتل نہیں ہوگا۔ اس جماعت میں پارتھی نون کے بعد، بے شک عیسائی لڑکے بہت زیادہ تھے،لیکن پاتھے اوڈیسا کی تربیت میں ....سب ایک دوسرے کے ساتھ شیروشکر ہوچکے تھے۔ بہت کم طلبہ یا طالبات ایسے تھے جن کے دل میں مذہبی عناد کی کچھ رمق باقی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی دنیا ....مذہب سے بیزار ہورہی تھی۔گذشتہ ایک ہزار سال کی صلیبی جنگوں نے انہیں کچھ نہ دیا تھا۔اور جدید ذہن کے مالک لوگ اپنے مذہب سے بیزاری کا کھلم کھلا بھی اظہار کرنے لگے تھے۔چنانچہ پاتھے اوڈیسا کی جماعت میں زیادہ تر لڑکے اور لڑکیوں نے یہی سوچا کہ پاتھے کی تحقیق درست ہوگی۔ کیونکہ وہ اِس دانا پاتھے پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔اسی اثناء میں ایک اور طالب علم نے پاتھے سے سوال کیا:۔

"محترم پاتھے!........اگر یہ سب سچ ہے تو پھر شیراز فرار کیوں ہے؟ اُسے عدالت کا سامنا کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے اوپر لگے الزام کی نفی کرسکے؟"

لیکن پاتھے کا جواب چونکا دینے والا تھا۔اُس نے کہا:۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، کہ شیراز فرار ہے۔ہوسکتا ہے اُس کے دشمن نے اُسے........"

نہ جانے اتنا کہہ کر پاتھے کی نظریں تھیوڈورا کی جانب کیوں اُٹھ گئیں۔سب طلبہ نے پاتھے کی ادھوری بات کو سمجھ لیا تھا۔تھیوڈورا نے پاتھے کے منہ سے نکلا ......یہ ادھورا جملہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور اُس کا دل یہ سوچ کر دھک سے رہ گیا تھا کہ کہیں سچ مچ ....شیراز ،کوکسی نے قتل کے الزام میں پھنسانے کے بعد خفیہ طور پر جان سے ہی نہ ماردیا ہو۔یہی سوچ کر اچانک اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔سچ تو یہ تھا کہ وہ شیراز کو بے حد چاہتی تھی۔ وہ دونوں ہم جماعت تھے اور دونوں بے حد ذہین تھے۔اسی اثناء میں پاتھے نے اپنی ادھوری بات کو مکمل کیا۔

"دیکھیے! ....طلباء ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ابھی حالات ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔

Marfat.com

شیراز کے بارے میں رائے بڑی صاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ شیراز کسی انسان کی جان نہیں لے سکتا .... وہ بہت صاف دل نوجوان ہے۔ ابھی چند دِن پہلے کی بات ہے مقدونیہ کے بازار میں کسی امیر، عیسائی خاتون کی بگھی نے ایک معصوم بچی کو کچل دیا اتفاق سے شیراز اُس وقت وہیں تھا۔ بازار میں ہزاروں لوگ موجود تھے لیکن کسی نے اُس تڑپتی ہوئی معصوم بچی کی مدد نہ کی۔ یہ شیراز ہی تھا جس نے اُس بچی کو فوراً شفا خانے پہنچایا .... لیکن افسوس کہ وہ بچی جانبر نہ ہوسکی۔ شیراز تو اِس قسم کا تھا۔ میں کیسے کہہ دوں کہ اُس نے کسی کی جان لی ہوگی۔‘‘

تھیوڈورا .... پاتھے کی باتیں سن کر اپنے دِل میں سکون محسوس کرنے لگی۔ اُسے خود بھی یہی امید تھی کہ شیراز قاتل نہیں ہوسکتا، لیکن وہ .... یہ نہ جانتی تھی کہ اصل قاتل کون ہے۔ وہ اپنی ماں مادام تھروشیا کے کردار سے بالکل ناواقف تھی۔ وہ تو اپنی ماں کو ایک غصہ ور اور جلالی، امیر خاتون سمجھتی تھی۔ اِس کے علاوہ اپنی ماں کے کرتوتوں کا اُسے کچھ علم نہیں تھا۔

حقیقت میں شیراز کی زندگی نے اُسی دِن ہی تاریکیوں کی جانب منہ موڑ لیا تھا۔ جب مادام تھروشیا کے ساتھ اُس کی ملاقات ہوئی تھی۔ مادام نے اُس دن شیراز کو دیکھ لیا تھا۔ اِس سے پہلے وہ صرف شیراز کے نام سے واقف تھی۔ مادام تھروشیا کے جاسوسوں نے بہت پہلے اُسے خبر دی تھی کہ .... اُس کی پیاری بیٹی ایک مسلمان نوجوان کے ساتھ محبت کرنے لگی ہے۔ مادام کیلیے یہ خبر انتہائی بُری تھی۔ اُس نے ساری عمر مسلمانوں سے نفرت کی تھی، لیکن اپنی بیٹی تھیوڈورا کے بارے میں سن کر اُسے بے پناہ صدمہ پہنچا۔ یہ سب کچھ اُسے معلوم ہوگیا لیکن وہ پھر بھی خاموش رہی اور پھر اُس حادثے میں اُس نے شیراز کو دیکھ لیا۔ شیراز نے جب شفا خانے میں مادام کو اپنا نام بتایا .... تو وہ بُری طرح چونکی تھی۔ اُس کے چونکنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ شیراز کے بارے میں پہلے سے جانتی تھی اور اُسے دیکھنے کی آرزومند تھی۔ لیکن جب اُس کی ملاقات شیراز سے ہوئی تو اُس کی نفرت اور بھی بڑھ گئی۔ تب مادام تھروشیا نے تمام صورتحال سے .... کلاڈیوس کو آگاہ کردیا۔

اُس کے تمام مذموم کاموں کو اُس کا بیٹا کلاڈیوس ہی سنبھالتا تھا۔ اُس نے کلاڈیوس کو مسلمانوں سے نفرت کی تعلیم دی تھی۔ کلاڈیوس کو جونہی علم ہوا کہ اُس کی بہن ایک مسلمان لڑکے کے ساتھ محبت کرنے لگی ہے، تو اُس نے مسلمان نوجوان کا پتہ صاف کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ جانسن کو قتل کرواکر مادام تھروشیا اور اُس کے بیٹے، کلاڈیوس نے ایک تیر میں دو

Marfat.com

شکار کرلیے تھے۔ جانسن ...... مشہور عیسائی، تاجر ''سردار لارنس ڈیگرے'' کا بیٹا تھا۔ اور لارنس ڈیگرے، آرتھوڈکس کلیسا کا سربراہ تھا۔ جبکہ مادام تھروشیا .....رومن کلیسا کی سربراہ تھی۔ ان دونوں کلیساؤں کے درمیان صدیوں سے تنازعہ چلا آیا تھا۔ اور پھر گذشتہ کئی سالوں سے لارنس ڈیگرے ......مادام کیلیے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ لارنس کے تعلقات عثمانیوں کے ساتھ تھے اور نہ صرف تعلقات تھے بلکہ وہ گذشتہ بیس سال سے عثمانی سلطنت کا وفادار تھا۔ جب سے کارپوس نے بغاوت کی تھی۔ عثمانیوں نے مقدونیہ میں اپنی عیسائی رعایا کو بے پناہ مراعات سے نوازا تھا، تاکہ پھر کوئی بغاوت نہ اُٹھ سکے۔ لارنس انہی لوگوں میں سے ایک تھا جو عثمانیوں کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اور یہ بات مادام کو بالکل اچھی نہ لگتی تھی۔ اگر لارنس .....بیچ میں نہ ہوتا تو مادام نے مقدونیہ میں کب کی، دوبارہ بغاوت پیدا کردی ہوتی۔ یہ لارنس ہی تھا جو مقدونیہ کے عثمانی گورنر کا مصاحبِ خاص تھا اور بوقتِ ضرورت عثمانی افواج کو عیسائی سپاہی بھی فراہم کرتا تھا۔ عثمانیوں کی مشہورِ زمانہ فوج جس کا نام ''ینی چری'' تھا اور جو گذشتہ کئی صدیوں سے مغربی یورپ کے لیے ہوا بنی ہوئی تھی، فی الحقیقت اُن عیسائی نوجوانوں پر مشتمل ہوتی تھی، جو یا تو جنگوں میں گرفتار ہوکر عثمانیوں کے ہاتھ لگتے اور یا پھر مختلف صوبوں کے عیسائی سردار اپنے علاقوں سے فراہم کرتے۔ تاریخ کے صفحات میں اِس سے زیادہ حیران کن حقیقت کا ملنا ممکن نہیں، کہ کئی صدیوں سے عثمانی افواج میں سب سے زیادہ مقام ینی چری کو حاصل تھا اور ینی چری صرف عیسائی نوجوانوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سلطان محمد فاتح کے زمانہ سے بھی کہیں پہلے عثمانیوں نے ینی چری کی بنیاد رکھی تھی اور ہر دور میں اِس فوج نے بڑے پیمانے پر کارنامے سرانجام دیے تھے۔ لارنس ڈیگرے ....ینی چری کے لیے ہر سال تازہ دم عیسائی لڑکے فراہم کرتا تھا، بے شک وہ ایک عیسائی تھا اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ انہی یونانی ساہوکاروں میں شامل تھا جو اپنے اپنے علاقوں کے پاشاؤں کو سُود پر قرض دے کر انہیں اپنا مطیع بنالیا کرتے تھے، لیکن وہ عثمانیوں کے حق میں دوسرے یونانی ساہوکاروں کے مقابلے میں ایک نسبتاً اچھا انسان تھا۔ مادام تھروشیا جیسی کینہ پرور عورت کو اُس کی یہی باتیں ناپسند تھیں۔ اور وہ ہمیشہ اُسے مذہبِ عیسوی کا غدار کہہ کر یاد کرتی تھی۔

شیراز اور تھیوڈورا آپس میں خاصے قریب تھے۔ ان کے درمیان دو اچھے دوستوں کا سا تعلق تھا۔ شیراز کے دل میں کبھی ایسا خیال تک بھی نہ آیا تھا کہ وہ دونوں ایک ہوسکتے

Marfat.com

ہیں۔ شیراز کا خیال تھا کہ........ ہوسکتا ہے تھیوڈورا کے دل میں کچھ ہو، لیکن وہ اپنے اور اس کے درمیان حائل مذہب کی ناقابل عبور خلیج کو بخوبی پہچانتا تھا۔ لیکن خدا جانے، جانسن کو کیا غلط فہمی ہوئی کہ اُس نے........ ایک دن شیراز کو تھیوڈورا کے ساتھ گھومنے پھرنے سے منع کردیا۔ شیراز نے ایک دو بار اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن شاید جانسن، خود تھیوڈورا کو پسند کرتا تھا۔ شیراز نے اُسے سمجھایا کہ تھیوڈورا اسکی صرف اچھی دوست ہے........ لیکن اس کا وہم دور نہ ہوا........ جانسن نے ایک دن شیراز کو دھمکی بھی دی کہ اگر اُس نے تھیوڈورا کے ساتھ راہ و رسم ترک نہ کیے تو وہ اُسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ شیراز نے جانسن کی بات کو گیدڑ بھبھکی سے زیادہ اہمیت نہ دی۔

اور پھر ایک دن جب شیراز کی بہن........ نورین گھر نہ پہنچی تو شیراز حسب معمول اُس کے مدرسہ گیا۔ جہاں وہ معلمہ تھی........ لیکن .... وہاں اُسے بتایا گیا کہ وہ تو کب کی جا چکی ہے۔ تب اُسے پریشانی لاحق ہوئی۔ اُس نے گھر آکر ماں کو بتایا کہ نورین مدرسہ سے گھر کے لیے نکل چکی ہے لیکن ابھی تک یہاں نہیں پہنچی۔ اُس کی ماں کے حواس اُس کا ساتھ چھوڑ گئے .... وہ رونے بیٹھ گئی .... اُس نے ماں کو حوصلہ دیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں .... نورین سمجھدار ہے .... کسی سہیلی کے گھر چلی گئی ہوگی .... آجائے گی۔"

مگر اُس نے نورین کی ہر سہیلی کے گھر سے پتا کیا، لیکن نورین جب شام تک نہ لوٹی تو وہ سب صحیح معنوں میں پریشان اور حواس باختہ ہوگئے۔ اُس کی ماں، زار و قطار رونے لگ گئی۔ البتہ اُس نے حوصلے سے کام لیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ وہ نورین کی گمشدگی سے متعلق کوتوالی میں اطلاع کردے، تاکہ خدانخواستہ اگر نورین کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا........

اس سے آگے وہ نہ سوچ سکا، نورین اُس کی بڑی بہن ہی نہ تھی بلکہ ایک بہت ہی اچھی دوست بھی تھی۔ وہ نورین سے متعلق کسی حادثہ کے بارے میں سوچنے کی بھی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اہل محلہ بھی نورین کے کردار سے واقف تھے۔ انہوں نے بھی نورین کی تلاش کے سلسلہ میں شیراز کا خوب ساتھ دیا۔ اور تمام اہل محلہ، عشاء تک مختلف مقامات پر نورین کو تلاش کرتے رہے۔ شفا خانوں، مدرسوں، اور سرکاری اداروں سے معلوم کیا گیا، لیکن نورین کو نہ ملنا تھا وہ نہ ملی۔ اور پھر اُس وقت جب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر مسجدوں سے گھروں کو لوٹ رہے تھے، متلاشیوں کو "فردوس بازار" کے قریب ایک بچے نے بتایا کہ........ ابھی تھوڑی دیر پہلے کچھ

Marfat.com

لوگ ایک بڑا سا تھیلا کوڑے کے ڈھیر پر پھینک گئے ہیں۔ بچے کی بات سن کر تمام متلاشی، سکتے میں آ گئے یوں گویا اُن پر بجلی گر پڑی ہو۔ شیراز کے چہرے کا رنگ ایکدم فق ہو گیا۔ اور وہ ہکلانے لگا............

"کک کیا.......تھیلا؟؟؟............کک کہاں؟۔"

اُس نے یکا یک اپنے ذہن کو یہ سمجھانا شروع کر دیا کہ ....نہیں نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا......وہ تھیلا کوڑے کا تھیلا ہی ہوگا، لیکن نہ جانے کیوں اُس کے دل میں خوف کا ایک طوفان بار بار سر اُٹھا رہا تھا۔ وہ اپنے محلہ داروں اور پڑوسیوں کی معیت میں اُس کوڑے کے ڈھیر تک پہنچا، جس کے بارے میں انہیں، بچے نے بتایا تھا۔ یہاں آس پاس کے تمام علاقوں کا کوڑا کرکٹ اور گندگی پھینکی جاتی تھی۔ دور سے ہی بدبو کے لپٹے اُن کے نتھنوں سے ٹکرانے لگے۔ اُس نے اور اُس کے ساتھ ایک نوعمر لڑکے نے ڈھیر پر چڑھ کر کوڑے کے اوپر رکھے بڑے سے "بورے" کو دیکھا........

دیکھ تو لیا لیکن ....لیکن اُس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اُس بڑے سے بورے کو کھول کر دیکھتا کہ اِس میں کیا ہے۔ وہ اپنی پیاری بہن کا ایسا انجام خواب میں نہیں سوچ سکتا تھا، چنانچہ وہ بورے کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپسی کے لیے مڑ گیا۔ محلے کے ایک بزرگ نے شیراز کی حالت ملاحظہ کی تو خود آگے بڑھ آیا اور انتہائی مشفقانہ لہجے میں بولا:۔

"شیراز بیٹا!.........تم یہاں ٹھہرو، ہم دیکھتے ہیں۔"

"جی.......بہت بہتر۔"

اتنا کہتے ہوئے شیراز کا گلا رُندھ گیا اور وہ بات جاری نہ رکھ سکا۔ شیراز کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے ایک اور بزرگ نے آگے بڑھ کر اُسے تھپکی دی اور سینے کے ساتھ چمٹا لیا۔ کچھ دیر تک شیراز کی حالت غیر رہی۔ وہ کوڑے کے ڈھیر سے منہ پھیرے کھڑا تھا، وہ کوئی بھی بُری خبر سننے کیلیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ کوڑے کے ڈھیر پر موجود لوگوں نے تھیلے کو کھولا اور سب کے حلق سے ایک ہذیانی سی چیخ نکل گئی۔ شیراز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس نے لوگوں کی آواز سے ہی اندازہ لگا لیا تھا.......آخر وہی ہوا، جس سے وہ ڈر رہا تھا۔

اب شیراز دیوانہ وار کوڑے کے ڈھیر کی طرف دوڑا..........اور بجلی کی تیزی سے تھیلے کے پاس پہنچ کر، اُس تھیلے میں موجود اپنی بڑی بہن، نورین کا مردہ جسم نکالنے لگا۔ نورین سرد ہو چکی

Marfat.com

تھی ،اور اُس کا بدن اکڑ چکا تھا۔شیراز ساتھ کے ساتھ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور ساتھ کے ساتھ اپنی بہن کے مردہ اور سرد جسم کو بوسے دیے جا رہا تھا۔

معاً اُس نے اپنی بہن کے ٹھنڈے جسم کو خود سے چمٹا لیا۔ اُس کی '' آپی '' کا چہرہ ہلدی ہو چکا تھا۔ ماتھے اور آنکھوں پر زخموں کے نشان تھے اور چہرے پر کرب و اذیت کے تاثرات ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔شیراز نے آن کی آن میں اپنی '' آپی '' کی لاش کو تھیلے سے نکال کر بانہوں میں اٹھا لیا۔

معصوم نورین کی لاش اُس کے گھر لائی گئی ،نورین کی ماں ،جو پہلے ہی سے کسی ایسے واقعے کی منتظر بیٹھی تھی۔ پاگلوں کی طرح آگے بڑھی اور ....اُس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ محلے کے تمام بڑے ،بوڑھے اور عورتیں اُسی وقت نورین کے گھر جمع ہونے لگے۔شیراز کا گھر اِس دردناک واقعہ کے بعد میدان آہ و بقا دکھائی دے رہا تھا۔ محلے کے سب لوگ ،اُس پیاری سی بچی ،نورین کے ساتھ بے حد مانوس تھی۔سب کی آہیں نکل گئیں۔ محلے کی عورتیں تو زار و قطار رونے لگیں اور آن کی آن میں یہ ہنستا بستا گھر ماتم کدہ بن کر رہ گیا۔

نورین کو ایک چارپائی پر لٹایا گیا ......تو اُس کا کٹا ،پھٹا لباس دیکھ کر ہر ایک سمجھ گیا کہ اِس بے چاری ،معصوم دوشیزہ کے ساتھ کیا ،کیا گیا ہوگا۔شیراز نے محلے کی چند بزرگ عورتوں کو اپنی بہن کا ......تار تار ،لباس بدلنے کیلئے کہا اور خود کمرے سے باہر آ گیا۔لباس بدلنے کے دوران نورین کے گریبان سے ....مڑے تڑے کاغذ کا ایک ٹکڑا ،نکل کر گر پڑا۔سب عورتیں یہ کاغذ دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ غالبًا قاتل نے اِس میں نورین کے گھر والوں کے لیے کوئی پیغام لکھا تھا۔اُسی وقت کاغذ کا وہ ٹکڑا ،باہر کھڑے شیراز کو دکھایا گیا۔اُس پر لکھا تھا۔

'' میں نے تمہیں ،اُس عیسائی لڑکی ......کے ساتھ ملنے ،جلنے سے منع کیا تھا۔اور خطرناک نتائج کی دھمکی بھی دی تھی۔لیکن تم باز نہ آئے ....یہ ہے وہ خطرناک نتیجہ ''۔

نیچے کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔لیکن شیراز کے سمجھنے کے لیے اتنا کافی تھا۔غم و اندوہ کے طوفان نے یکا یک ،غصے کا روپ دھار لیا اور شیراز کے منہ سے بے اختیار نکلا:۔

'' جانسن !.........میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

اُس وقت جب شیراز یہ الفاظ کہہ رہا تھا ،تقریبًا آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔اُس نے اتنا کہا اور سب کچھ ،چھوڑ کر گھر سے باہر نکل گیا۔ پیچھے رونے کی آوازیں اُس کے قدم

Marfat.com

روک رہی تھیں، لیکن وہ نہ رُکا۔ وہ گھر سے نکلا اور شہر کی........ ویران اور تاریک گلیوں میں تیزی سے چلتا چلا گیا۔ وہ دیر تک چلتا رہا۔ جب وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر سے نکلا تھا تو سب لوگوں نے یہی سمجھا کہ وہ اپنی بہن کے، درندہ صفت قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے جارہا ہے۔ لیکن حقیقت ایسی نہ تھی........ شیراز نے بے شک سب کے سامنے کہا تھا کہ ''جانسن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔ لیکن شیراز کسی کو جان سے مار ہی نہیں سکتا تھا۔ اُس کی طبیعت بالکل مختلف تھی۔ وہ بزدل نہیں تھا، لیکن بہت زیادہ تعلیم نے اُسے ''قانون پسند'' بنا دیا تھا۔ وہ فلسفے کا طالب علم تھا اور کبھی خواب میں بھی کسی کی جان نہیں لے سکتا تھا۔ جانسن کا رقعہ پڑھ کر فوری طور پر اُس کے دماغ میں غم و غصے کی لہر دوڑی تھی، اور وہ بغیر کوئی ہتھیار لیے، گھر سے نکل آیا۔ وہ ہتھیار کیا لیتا........ اُسے تو تلوار چلانی بھی نہیں آتی تھی۔ وہ آدھی رات کے اس عالم میں مقدونیہ شہر کی گلیوں میں گھومنے لگا.......... آوارہ اور بے مقصد۔

جانسن سے بدلہ نہ لینے کی ایک اور وجہ بھی اُس کے ذہن میں تھی۔ دراصل، جانسن کا رقعہ پڑھ لینے کے بعد بھی اُسے یقین نہیں تھا کہ یہ ظلم جانسن نے کیا ہوگا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ جانسن اسقدر، انتہائی اور سفاکانہ اقدام کی اہلیت ہی نہ رکھتا تھا۔ اور یہ بات شیراز اچھی طرح سے جانتا تھا۔ جبکہ دوسری بڑی وجہ اور........ سامنے کی بات یہ تھی کہ کوئی بھی قاتل، مقتول کی لاش کے ساتھ، اِس طرح کی یقینی طور پر پہچان لی جانے والی تحریر، نہیں چھوڑتا.......... لیکن اس کے باوجود بھی اُسکا غصہ جانسن پر ہی تھا۔ یقیناً اس نے اپنے اور شیراز کے درمیان ہونے والی باتیں کسی تیسرے شخص کے سامنے کی تھیں۔ جس نے اس سفاکی کا مظاہرہ کیا.......... ویسے بھی شیراز کے اوسان بحال نہ تھے۔ وہ اِن حالات میں کوئی بھی بات سوچ سکتا تھا۔ اوٹ پٹانگ اور بے ڈھنگی سی........ انہیں سوچوں میں گم، وہ فردوس بازار میں، اُسی جگہ آپہنچا۔ جہاں سے اُسے نورین کی لاش ملی تھی۔

رات بے حد تاریک تھی۔ پورا شہر سناٹے کی چادر اوڑھے بے خبر سو رہا تھا۔ شہر میں اگر کسی جگہ لوگ، جاگ رہے تھے، تو وہ شیراز کا گھر تھا۔ لیکن شیراز وہاں نہیں تھا۔ وہ نہ جانے کیوں وہاں کی صورتحال سے گھبرا کر باہر نکل آیا تھا۔ شاید اُس سے اپنی ماں کی حالت نہیں دیکھی جاتی تھی، یا پھر وہ اپنی پیاری بہن کا اُدھڑا ہوا جسم دیکھنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ شیراز ''فردوس بازار'' میں اُسی کوڑے کے ڈھیر کے پاس پہنچ کر نہ جانے کیوں رُک گیا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی۔

Marfat.com

وہ خود بھی یہاں پہنچ کر..... چونکا، وہ بے سوچے سمجھے ہی یہاں تک چلا آیا تھا۔ کوڑے کے ڈھیر کے پاس وہ اندھیرے کا حصہ بنے، کھڑا تھا....... گم صم اور چپ چاپ۔ اُس کے سینے میں ایک تندور سا دھک رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں ورم زدہ تھیں۔ وہ نورین کی لاش ملنے سے لے کر اب تک روتا رہا تھا۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اُس نے کسی کا کیا بگاڑا جو اُس کے ساتھ اتنا بڑا، بھیانک حادثہ، پیش آیا۔ یہ سوال، اُس کے لیے لاینحل تھا۔ اُس کا دل نہ مانتا تھا کہ نورین کا قتل جانسن نے کیا ہوگا۔ بے شک، جانسن شہر کے ایک بڑے آدمی کا بیٹا تھا۔ لیکن شیراز جانتا تھا کہ جانسن کا باپ سلطنتِ عثمانیہ کا وفادار ہے اور اِس وجہ سے وہ مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینہ نہ رکھتا تھا، جس کا کم و بیش اثر اُس کے بیٹے پر بھی تھا اور ویسے بھی ''لائی سیئم'' کے طلباء مذہبی منافرت کی فضا سے پاک تھے۔ لائی سیئم میں کچھ ایسا خوشگوار، ماحول تھا کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایسے ماحول کا تصور ہی محال تھا، کیونکہ اٹھارویں صدی تک ابھی، صلیبی جنگوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا اور عیسائی دنیا....... مسلمانوں کو یورپ سے نکال دینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ آسٹریا ان خواب دیکھنے والوں کا پیشوا تھا۔

معاً، شیراز کے دل میں ایک خیال آیا، اُس نے سوچا، کیوں نہ اِس گھمبیر صورتحال کا ذکر لائی سیئم کے دانشور....... محترم پاتھے اوڈیسا سے کیا جائے۔ وہ یقیناً کسی خاص نتیجہ پر پہنچ کر شیراز کی رہنمائی کر سکتے تھے۔ لیکن اِس وقت تو وہ لائی سیئم نہ جا سکتا تھا۔ گھر میں نورین کی میت پڑی تھی، صبح ہوتے ہی نہ جانے کتنے لوگوں کا ہجوم، اُن کے گھر جمع ہو جائے گا۔ تجہیز و تکفین کے علاوہ کوتوالِ شہر اور حکومتی افسران سے نمٹنے کا کام ایک الگ جھنجٹ ہوگا۔ شیراز اپنے دل پر....... غم و اندوہ کا ایک طوفان محسوس کرنے لگا۔

اچانک........ اچانک اُسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا، کسی نے اُس کے سر کے عقبی حصے پر، زور دار ضرب لگائی اور شیراز کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں تارے ناچ کر رہ گئے۔ اُس کے سر پر زوردار چوٹ پڑی تھی۔ یوں لگا جیسے کسی نے اُس کے سر پر بارود کا گولہ پھاڑ دیا ہو......... اور پھر اُسکا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اگلی صبح شہر میں ایک ہنگامہ تھا۔ ہر طرف ایک ہی خبر گشت کر رہی تھی کہ مقدونیہ کے سب سے بڑے رئیس، عیسائی تاجر......... لارنس ڈیگرے کا جواں سال بیٹا جانسن ''لائی سیئم'' کے

Marfat.com

سامنے انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ کسی نے جانسن کو بڑے بہیمانہ انداز میں ہلاک کیا تھا۔ قاتل نے خنجروں کے پے در پے وار کر کے، جانسن کو چھلنی کر دیا تھا۔ اُس پر وار اِس قدر وحشیانہ انداز میں کیے گئے تھے کہ جانسن کی لاش پہنچانا مشکل ہو گیا۔ جانسن کا باپ لارنس ڈیگرے آرتھوڈکس کلیسا کا سربراہ تھا۔ آن کی آن میں مقدونیہ کے تمام عیسائی سڑکوں پر نکل آئے اور حکومت کے خلاف، مظاہرے کرنے لگے۔ مقدونیہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، یہی وجہ تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر عیسائی، ہنگاموں، جلوسوں اور جلاؤ گھیراؤ کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ ویسے بھی پورے یونان میں آرتھوڈکس چرچ سے وابستہ عیسائی بستے تھے۔ رومن کیتھولک چرچ سے وابستہ عیسائیوں کی تعداد یونان میں بہت کم تھی۔ جب سے مادام تھروشیا نے مقدونیہ میں قدم رکھا تھا، یہاں بھی رومن کیتھولک فرقہ کے عیسائیوں کی تعداد کافی ہو گئی تھی۔

لارنس ڈیگرے کے بیٹے کے قتل کی بات ہر احتجاج کرنے والے کی زبان پر تھی، لیکن شیراز کی بہن نورین کے ساتھ جس درندگی کا مظاہرہ کیا گیا تھا، اُس کا ذکر کسی کی زبان پر نہیں تھا۔ جانسن کو کس نے مارا؟........ یہ بات حقیقت میں ایک ایسا راز تھی، جو صرف مادام تھروشیا اور اُس کے درندہ صفت بیٹے، کلاڈیوس کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھی۔ البتہ وہ قاتل بھی، جسے مادام تھروشیا اور کلاڈیوس نے جانسن کی جان لینے کے لیے بھیجا تھا........ اِس راز سے آگاہ تھا۔ شیراز کے تو فرشتے بھی نہ جانتے تھے کہ مقدونیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو خود اغواء ہو چکا تھا۔ اور کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ شیراز کہاں ہے؟ شیراز کی ماں سمیت، سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ شیراز نے ہی، جانسن کو قتل کیا ہے۔ دراصل قاتل نے جانسن کو وحشیانہ انداز میں قتل کیا تھا۔ ایسا قتل صرف وہی شخص کر سکتا تھا، جسے مقتول کے ساتھ بے حد نفرت ہو، اور اِس پر مستزاد، وہ الفاظ تھے جو نقاب پوش قاتل نے جانسن کی جان لیتے وقت استعمال کیے تھے۔ اُس نے بار بار ایک ہی جملہ دہرایا تھا کہ:۔

''تم مجھے جانتے نہیں!........ میرا نام شیراز ہے...... شیراز۔ میں اپنے دشمن کو زندہ نہیں چھوڑتا۔''

کوتوال کو اِس بات کی خبر بھی مل چکی تھی کہ درندگی کا شکار بننے والی لڑکی کے لباس سے ایک رقعہ ملا تھا۔ کوتوال شہر نے وہ رقعہ .... شیراز کے بوڑھے خادم نیاز احمد سے بار بار طلب کیا، لیکن وہ رقعہ تو اُس رات شیراز کے پاس تھا۔ نہ شیراز واپس آیا اور نہ وہ رقعہ ہی واپس

Marfat.com

آسکا۔ اِسی بات کیلیے کوتوالی میں بوڑھے خادم کو بہت زدوکوب کیا گیا تھا۔ مقدونیہ کے گورنر کی جانب سے بڑے سخت احکامات تھے کہ جانسن کے قاتل کو فی الفور گرفتار کیا جائے، لیکن جانسن کا قاتل، جس شخص کو سمجھا جا رہا تھا، وہ جانسن کا قاتل نہیں تھا۔ البتہ ......نورین کا قاتل شہر میں ہی موجود تھا اور وہ تھا مادام تھروشیا کا درندہ صفت بیٹا ......کلاڈیوس۔ جو اِس سے پہلے بھی نہ جانے کتنی مسلمان لڑکیوں کی عزت سے کھلوار کر چکا تھا۔ ساحلِ سمندر پر ......کلاڈیوس نے اپنی عیاشیوں کی غرض سے ایک قلعہ نما محل بنا رکھا تھا۔ وہیں، وہ اِس طرح کے مذموم کام سرانجام دیا کرتا۔ آج تک مقدونیہ شہر اور گردونواح کی نہ جانے کتنی معصوم اور حسین دوشیزائیں تھیں، جن کے ساتھ کلاڈیوس ....درندگی کے اِس کھیل کا مظاہرہ کر چکا تھا۔

مقدونیہ کے عیسائی .... برہم تھے۔ وہ اپنے سردار کے بیٹے کا قتل کسی صورت بھولنے والے نہیں تھے۔ خود لارنس ڈیگرے بے حد غصے میں تھا۔ اُس نے اُسی روز استنبول کی جانب اپنے قاصد دوڑا دیے، جو صدرِ اعظم سے ملاقات کر کے اُسے مقدونیہ کی مخدوش صورتحال کے بارے میں بتانے والے تھے۔

شیراز کی ماں اپنی بیٹی اور بیٹا دونوں کو کھونے کے بعد ......انتہائی بدحالی کے عالم میں اپنے بوڑھے خادم کے ساتھ مقدونیہ سے نہ جانے کس طرف کوچ کر گئی تھی۔ اب کوتوالِ شہر بھی پریشان تھا۔ اُس کے سامنے، شیراز تو کیا ......اُس کا معمولی ملازم بھی نہیں تھا۔ وقت تیزی کے ساتھ گزرنے لگا۔ اور عثمانی سلطنت کے صوبہ مقدونیہ میں ایک مرتبہ پھر بغاوت کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ مادام تھروشیا کی بیس سالہ محنت رنگ لائی اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرنے اور ملکۂ مقدونیہ بننے کے خواب دیکھنے لگی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ ہر کام اُس کی مرضی اور منصوبے کے مطابق سرانجام پایا تھا۔

اُسی رات مادام تھروشیا نے اپنے خودسر بیٹے کلاڈیوس سے کہا:۔

''کلاڈیوس! ....اب تم بچوں جیسی حرکتیں چھوڑ دو۔ تم بہت جلد اس شہر کے بادشاہ بننے والے ہو۔ یہ تمہارے شہید باپ کی مسند ہے۔ تمہیں اب ہر وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔''

یہ بات کہتے ہوئے مادام تھروشیا کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ کلاڈیوس بھی ماں کے ساتھ مسکرانے لگا۔ لیکن مادام تھروشیا کی بیٹی ....تھیوڈورا، خوش نہیں تھی۔ وہ بے حد غمزدہ تھی۔ وہ اپنی ماں اور بھائی کے گھناؤنے کردار سے بالکل بے خبر تھی۔ البتہ اُسے اتنا اندازہ تھا

Marfat.com

کہ اُس کی ماں اور اُس کا بھائی مقدونیہ کے موجودہ حالات سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔اُس نے اپنی ماں کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دیکھی ،تو نہ جانے کیوں اُسے اپنی ماں کا چہرہ بے حد برا لگا۔ وہ اپنی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی سجائے ،کمرے سے اُٹھی اور دوسرے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جاتی ہوئی تھیوڈرا کو ،مادام تھروشیا اور کلاڈیوس مسکراتی آنکھوں کے ساتھ ،پیچھے سے دیکھ رہے تھے۔اُن کے چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ شیطنیت بھی رقص کرنے لگی۔ دونوں ماں ، بیٹے نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر سے مسکرا دیے۔

♦......♦

Marfat.com

استنبول کا ساہوکار

پھر جب وہ ہوش میں آیا ....تو خالی الذہنی کی کیفیت میں کافی دیر تک یونہی لیٹا رہا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں ،لیکن وہ کچھ نہ دیکھ رہا تھا۔وہ دیر تک خلا میں گھورتا رہا۔ آہستہ آہستہ اُس کے شعور نے آنکھ کھولی اور اُس نے اپنے آپ کو ایک یکسر اجنبی ماحول میں محسوس کیا۔ یہ ایک بند کمرہ تھا۔ کمرے میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا۔ دیواریں کچی اور خستہ تھیں ۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ مقدونیہ سے دور کسی اور جگہ قید ہے ۔ اُس نے کمرے میں موجود، دن کی مدھم سی روشنی سے اندازہ لگایا کہ یہ تقریباً سہ پہر کا وقت ہے ۔ روشنی کمرے کے اکلوتے بوسیدہ روشندان سے اندر آرہی تھی ۔ اُسے وقت کا کچھ اندازہ نہیں تھا ۔ اُسے یہ اندازہ بھی نہ ہوسکا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا.........تو اُسے احساس ہوا کہ اُس کے بدن کا ایک ایک اَنگ دُکھ رہا ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ گزرے ہوئے ،حالات کو یاد کرنا چاہا ،لیکن اُس کا ذہن ابھی پوری طرح صاف نہیں ہوا تھا،اور پھر بالآخر اُسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ آخری مرتبہ ،اُسے سر پر کسی چیز کی ضرب لگی تھی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کی بہن نورین کا چہرہ گھوم گیا۔ گول مٹول سا معصوم اور بے ضرر چہرہ ،جس پر ذہانت سے بھرپور آنکھیں نرگس کی طرح دلکش دکھائی دیتی تھیں ۔

یکایک اُس کی اپنی آنکھیں چھلک پڑیں ۔ اُسے ،قید ،بھوک ،اور درد کا احساس ہی نہ رہا۔ اب صرف اور صرف اُسے اپنی پیاری بہن کی یاد آرہی تھی ۔ جس کے جنازے کو وہ کندھا بھی نہ دے سکا تھا۔ جس کا آخری دیدار ،بھی اُسے نصیب نہ ہوا تھا۔ سینے میں درد کی ایک ٹیس اٹھی اور اُس کی سسکاری نکل گئی۔ اُسے اپنی آپی کے ساتھ گزرا ہوا ،اپنی زندگی کا ایک ایک پل یاد آنے لگا۔ بچپن ،لڑکپن اور جوانی کے سب دن ، جوانہوں نے اکھٹے گزارے تھے ۔ نہ جانے اُن کے ہنستے ، بستے گلستان کو کس کی نظر کھا گئی تھی ۔ اُسے معلوم ہوتا کہ.......تھیوڈورا، کے ساتھ اُس کا ہنس کے بولنا تقدیر کو اس قدر برا لگے گا تو وہ اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرتا۔ جانے اُس کی دُکھیاری ماں کا کیا حال ہوگا؟ اچانک اُسے اپنی قید کا احساس ہوا۔

Marfat.com

اُسے یاد آیا کہ اُس کی ماں کو اُس کی ضرورت ہے۔ اُسے گھر جانا چاہیے۔ ابھی اور اسی وقت۔ ایک لمحے کے لیے اُسے خیال آیا کہ کہیں وہ اب تک محض خواب تو نہ دیکھتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اب تک اُس نے خواب ہی دیکھا ہو..... اور اُس کی آپی اُس کا انتظار کر رہی ہو۔ وہ تڑپ کر اٹھا۔ لیکن وہ خواب نہ دیکھ رہا تھا۔ وہ قید میں تھا۔ اُسے بالکل بھی علم نہیں تھا کہ وہ کس کی قید میں ہے۔ وہ اُٹھا اور اُس نے لکڑی کے کہنہ سال دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔

"کھولو..... کھولو..... دروازہ کھولو..... جلدی کھولو دروازہ، ارے کوئی ہے؟؟ ارے دروازہ کھولو........ نہیں تو میں دروازہ توڑ دوں گا"

وہ چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا اور دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لیکن اُسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اُس نے اور، زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"خدا کے لیے مجھے اپنی آپی کے پاس جانے دو........ خدا کے لیے مجھے میرے گھر جانے دو...... تم لوگوں نے مجھے کیوں بند کر رکھا ہے؟..... میرا قصور تو بتاؤ؟"

وہ چیختا رہا، گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختا رہا۔ مگر اُس کے چیخنے چلانے کا کوئی جواب نہ آیا۔ معاً اُسے ایک خیال آیا اور اُس نے "جانسن! جانسن!" پکارنا شروع کر دیا۔

"جانسن مجھے، چھوڑ دو، مجھے اتنا عذاب نہ دو۔ میں گھر جانا چاہتا ہوں۔"

لیکن اُس کی چیخ و پکار کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جس جانسن کو پکار رہا تھا، وہ اب اِس دنیا میں نہیں تھا۔ لیکن اُسے کیا معلوم؟ وہ تو اُسی رات اغواء ہو گیا تھا، جس رات اُسے نورین کی لاش ملی تھی اور جانسن تو اگلی صبح قتل کیا گیا تھا۔ اُس نے دروازہ توڑنے کی بھی کوشش کی لیکن دروازہ کافی مضبوط تھا۔ آخر وہ تھک کر بیٹھ گیا۔ اور ایک ایک پل، ایک ایک صدی سمجھ کر کاٹنے لگا۔ کمرے میں روشنی آہستہ آہستہ مدھم پڑتی گئی۔ غالباً شام ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور پھر کمرہ مکمل طور پر تاریک ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ رات ہو گئی ہے۔ یہ رات اُس کی زندگی کی طویل ترین رات تھی۔ وہ ساری رات ظالموں کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ کبھی کبھار اٹھتا دروازہ پیٹتا، چیختا چلاتا، شور مچاتا....... لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اُسے جہنم میں ڈال دیا گیا ہو۔ اُس کی کسی فریاد کی شنوائی نہ ہوئی۔ اُسکا پیٹ خالی تھا، چیخ چیخ کر گلا خشک ہو چکا تھا، غم واندوہ، بھوک پیاس اور قید تنہائی نے اُسے ایسی اذیت سے دوچار کر دیا تھا جو الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی تھی۔

Marfat.com

جانے، رات کے کس پہر اُس کی پھر سے آنکھ لگ گئی ....اُس کی آنکھ اس وقت کھلی ،جب اُس نے کسی چیز کا کھٹکا سنا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ لیکن صبح ہو چکی تھی۔ پھر اچانک کمرے کی اکلوتی کھڑکی سے .... پار، دوبارہ کھٹکا ہوا۔ اور کھڑکی کھل گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی میں کافی مضبوط سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اُسے باہر ایک سخت گیر سا چہرہ نظر آیا۔ بڑی بڑی خونخوار آنکھوں، اور گھنی داڑھی مونچھوں والا چہرہ۔ حلیے سے اُس نے اندازہ لگایا کہ یہ کسی اُجڈ دیہاتی شخص کا چہرہ ہے۔

"اے لڑکے!.......... یہ لے!......کھانا۔"

دیہاتی نے ایک چھوٹی سی پوٹلی سلاخوں سے اندر پھینک دی اور چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ بھی۔ شیراز نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی، بلکہ دیہاتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:۔

"بھائی صاحب تم کون لوگ ہو؟ اور مجھے کیوں بند کر رکھا ہے؟ اور یہ کون سا علاقہ ہے؟۔"

شیراز نے اکٹھے سوالات کر ڈالے۔ اُسے بے شک بھوک لگی تھی، لیکن پھر بھی کھانے کو دیکھ کر اُسے یوں لگا....... جیسے دیہاتی اُس کے لیے کھانا نہیں بلکہ زہر لایا ہو۔ یہ اُس کا شک نہیں تھا........اُس کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ اس نے دیہاتی سے معلومات حاصل کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔ خونخوار دیہاتی نے کھا جانے والی نظروں سے اُس کی جانب دیکھا اور کہا:۔

"ہم کون لوگ ہیں!.....ہم "بلقان" کے پہاڑی لوگ ہیں.......تم کو کیوں بند کر رکھا ہے!.....معلوم نہیں۔ یہ کون سا علاقہ ہے........... یہ کوہ بلقان کا علاقہ ہے۔ بس، یا کچھ اور بھی پوچھنا ہے؟"

دیہاتی نے نمبروار، ہر سوال کا جواب دیا لیکن شیراز کی بے چینی دور نہ ہوئی، بلکہ اور بڑھ گئی۔ کوہِ بلقان کے ایک پہاڑی دیہات میں، آخر وہ کیوں قید کیا گیا تھا۔ اُسے کس نے قید کیا تھا۔ اُس کی بہن کے قاتل نے؟؟ آخر کیوں؟ اُس کی کیا دشمنی تھی شیراز کے ساتھ۔ وہ تڑپ کر بولا:۔

"بھائی صاحب!........ تمہیں کیوں معلوم نہیں کہ مجھے کس لیے قید کیا گیا ہے؟ اور کس نے قید کیا ہے؟ میری بہن مر گئی ہے۔ مجھے اس کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہونے دیا گیا۔ تم لوگ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو؟.......اور کب لائے ہو؟"

Marfat.com

''اے لڑکے!........تمہیں کیوں لایا گیا......مجھے معلوم نہیں۔ مجھے تو یہی کہا گیا ہے کہ تم قیدی ہو اور تمہاری کڑی نگرانی کروں، جو میں کر رہا ہوں۔تم نے اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو مجھے بے حد خوشی ہوگی، جانتے ہو کیوں؟........اس لیے کہ مجھے تمہیں قتل کرنے کا موقع ملے گا۔تم بھاگو گے اور میں تمہاری جان لوں گا۔عرصہ ہوا میں نے کسی آدمی کو نہیں مارا، اب بہت جی چاہتا ہے کہ کسی کی جان لوں۔''

شیراز کو خونخوار دیہاتی کی دماغی صحت پر شک ہونے لگا۔ وہ کسی درندے سے کم نہیں تھا۔اُس کی باتوں سے بھی خون کی بو آتی تھی۔ شیراز نے اندازہ لگایا کہ وہ بہت ہی خطرناک لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔اُس نے پھر سوال کیا:۔

''لیکن تم لوگوں کی میرے ساتھ دشمنی کیا ہے؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟.....کہ تم میری بہن کو قتل کرنے کے بعد مجھے یہاں اُٹھا لائے ہو؟''

شیراز کا سوال سن کر خونخوار شخص نے کچھ دیر کے بعد جواب دیا:۔

''اے لڑکے!........میں تمہیں ایک بات بتاؤں، دراصل میری عقل زیادہ نہیں ہے۔ میں صرف لڑنا اور مارنا، جانتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سردار ''ڈوگاسا'' کی تمہارے ساتھ کیا دشمنی ہے، لیکن سردار ڈوگاسا ہمارا، سردار ہے اور اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو قید میں رکھوں اور اگر تم نکلنے کی کوشش کرو، تمہیں جان سے مار دوں..... ہاہاہا''

خونخوار دیہاتی نے خواہ مخواہ قہقہہ لگایا۔شیراز نے اُس کے سیاہ دانت دیکھے تو اُسے یہ لمبا تڑنگا دیہاتی اور بھی خوفناک لگا۔لیکن وہ سردار ڈوگاسا کا نام سن کر بے حد حیران ہوا۔وہ کسی سردار ڈوگاسا کو نہیں جانتا تھا۔نام سے ہی شیراز کو اندازہ ہو گیا کہ اُس کا دشمن کوئی یونانی سردار ہے۔مزید یہ جاننے کیلیے کہ ان لوگوں کا مذہب کیا ہے، شیراز نے خونخوار دیہاتی سے دریافت کیا:۔

''کیا تم لوگ عیسائی ہو؟''

''ہاں........ہم عیسائی ہیں۔لیکن تمہیں ایک اور بات بتاؤں؟.....مجھے پادری بالکل اچھے نہیں لگتے۔میرا جی چاہتا ہے کہ سب پادریوں کو جان سے مار دوں''

شیراز کو اب یقین ہونے لگا تھا کہ خونخوار دیہاتی یقیناً آدھے سے زیادہ پاگل ہے، کیونکہ وہ شیراز کے سوال کا جواب دیتے ہوئے، نہ جانے خود سے کیا کیا کہنے لگتا تھا۔شیراز کو ابھی

Marfat.com

تک اندازہ نہ ہوسکا کہ آخر اُس کے دشمن اُس سے کیا چاہتے ہیں ۔وہ تو ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اُس کا سب سے بڑا دشمن جانسن ہے ۔لیکن سردار ڈوگا سا کا نام سن کر اُس کا ذہن مزید اُلجھنے لگا۔اُس نے ایک مرتبہ پھر سوال کیا:۔

''کیا تم........جانسن کو جانتے ہو؟''

لیکن شیراز کو دیہاتی کی آنکھوں میں جانسن کیلیے اجنبیت کی جھلک نظر آئی ۔دیہاتی نے حیرت بھرے لہجے میں جواب دیا:۔

''نہیں ....جانسن کون ہے؟''

دیہاتی فی الحقیقت جانسن کونہیں جانتا تھا۔معاً دیہاتی کا مزاج دیکھ کر شیراز کے دل میں ایک خیال آیا اور اُس نے دیہاتی سے کہا:۔

''تم مجھے کب تک قید رکھو گے؟.......کیا تم مجھے چھوڑ نہیں سکتے ؟.......میری ماں میرے انتظار میں رو رو کر مر جائے گی۔''

لیکن پاگل دیہاتی کا جواب بہت عجیب تھا۔اُس نے ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:۔

''چھوڑ سکتا ہوں........بالکل چھوڑ سکتا ہوں ۔میں تمہارے لیے دروازہ کھول دیتا ہوں اور تم نکل کر بھاگ جاؤ، بہت مزہ آئے گا۔میں نے پورے ایک سال سے کسی شخص کو قتل نہیں کیا۔آج تمہیں ماروں گا تو بہت لطف آئے گا۔''

دیہاتی قہقہے پر قہقہے لگا رہا تھا اور شیراز اُس کی بات سن کر دل ہی دل میں غصے سے بے حال ہو رہا تھا۔یکایک دیہاتی نے ایک ایسی بات کہی کہ شیراز کے........چودہ طبق روشن ہوگئے۔دیہاتی نے کہا:۔

''لڑکے!........تم نے ایک عیسائی کو قتل کیا ہے۔اور قتل کی سزا تم جانتے ہو؟اب تم یہاں سے زندہ واپس جانے کا خیال دل سے نکال دو۔سردار ڈوگا سا تمہیں ضرور قتل کرے گا۔یہ مجھے معلوم ہے۔''

''قتل؟؟؟........میں نے قتل کیا ہے؟؟......کس نے تم سے کہا؟؟''

شیراز کی حیرت آسمان کو چھو رہی تھی۔وہ بری طرح چونکا تھا۔اُس کے اندر، زلزلے کروٹیں لینے لگے تھے۔''یا اللہ......میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے''۔بے اختیار اُس کے ہونٹوں

Marfat.com

پر فریاد ....آ گئی۔ وہ حیرت کی شدت سے کھڑکی کی سلاخوں کو پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بڑی بے بسی کے عالم میں خونخوار دیہاتی سے پوچھا:۔

''بھائی صاحب!........خدا کے لیے بتاؤ، میں نے کس کو قتل کیا ہے؟ مجھے تو خود معلوم نہیں کہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔ خدارا مجھے اندھیرے میں مت رکھو۔ میں نے تو آج تک کسی مکھی کو بھی نہیں مارا اور تم کہتے ہو کہ میں نے قتل کیا ہے۔''

اچانک لمبے، تڑنگے دیہاتی کا مزاج بدل گیا اور وہ یکلخت غصے میں آ گیا۔ اُس نے باہر سے ہی اپنے پیر کی ٹھوکر سے شیراز کے اُس ہاتھ پر ضرب لگائی، جس ہاتھ سے شیراز نے کھڑکی کی سلاخ کو پکڑ رکھا تھا۔ شیراز نے فوراً اپنا ہاتھ، پیچھے ہٹا لیا، لیکن ضرب اتنی شدید تھی کہ شیراز کی سسکی نکل کر رہ گئی۔ اسی لمحے دیہاتی کی آواز گونجی:۔

''تم مجھے پاگل سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! مجھے جو بھی پاگل کہتا ہے میں اُس کی تکا بوٹی کر دیتا ہوں میری ساری زندگی قتل کرتے کرتے گزری ہے۔ سمجھے؟۔''

اور پھر وہ شیراز کے پکارتے رہنے کے باوجود چلا گیا۔ شیراز کے اندر ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی.......کھانا، کھانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں سے فرار ہونے کے لیے اُسے، جسمانی طاقت کی ضرورت ہو گی۔ اب وہ........ یہاں سے فرار ہونے کے منصوبے سوچنے لگا۔ چنانچہ اُس نے مناسب سمجھا کہ کھانا، کھا کر اپنی نحیفی کا ازالہ کر لے۔ وہ سچ مچ اپنے بدن میں طاقت کی بے پناہ کمی محسوس کر رہا تھا۔

اُس نے پوٹلی کھولی۔ پوٹلی میں مکئی کی ایک سوکھی، چپاتی کے ساتھ ''گڑ'' رکھا تھا۔ شیراز نے چپاتی زہر مار کی، اور مشکیزے سے پانی پیا تو اُسے ایک بار پھر خمار آنے لگا۔ وہ کوٹھڑی میں بچھی گھاس پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی آنکھ لگ چکی تھی۔ یہ اُس کی جسمانی کمزوری کا اثر تھا۔

دوپہر کے بعد اُس کی آنکھ کھلی۔ اب اُس نے یہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کھڑکی کی سلاخیں توڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ کوئی بھی ایسی چیز یہاں نہیں تھی، جس سے اس سلسلے میں مدد لی جا سکتی۔ اُس نے کھڑکی کا بغور جائزہ لیا۔ کھڑکی کی سلاخیں کافی مضبوطی سے گڑی ہوئی تھیں۔ اور کھڑکی باہر کی طرف کھلتی اور بند ہوتی تھی۔ یقیناً یہ کمرہ قیدخانے کے نقطۂ نظر سے بنایا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کھڑکی اندر سے کھلنے اور

Marfat.com

بند ہونے کا بندوبست ہوتا۔ کھڑکی کے دو پٹ تھے، جو اگر چہ اتنے مضبوط نہ تھے۔ لیکن سلاخیں اُسے یونانی زندانوں کی سلاخوں سے کم نہ لگ رہی تھیں۔ اُس نے ایک سلاخ کو پکڑ کر جھٹکے دینے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی۔ اب اُس نے دروازے پر توجہ دی۔ لیکن دروازہ بھی خاصی مضبوط لکڑی کا تھا اور آسانی سے ٹوٹنا مشکل تھا۔ روشن دان اُس کی پہنچ سے زیادہ، اونچا تھا۔ اگر وہ روشن دان تک پہنچ بھی جاتا تو .... وہ بھی دروازے اور کھڑکی کی طرح کافی مضبوط تھا، اور اس میں بھی سلاخیں گڑی ہوئی تھیں۔ اُس نے ہر چیز کا بغور جائزہ لینے کے بعد اپنے منصوبے کا انداز بدلنے کا ارادہ کیا۔ اُس نے سوچا کسی طرح سے دروازہ کھلوایا جائے۔

تب اُسے خونخوار دیہاتی کی بات یاد آئی، جو از خود دروازہ کھولنے کے لیے تیار تھا، کیونکہ وہ شیراز کو مار کر اپنا قتل کرنے کا شوق پورا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن شیراز چاہتا تھا کہ اُسے خونخوار اور جسیم دیہاتی سے لڑائی نہ کرنی پڑے۔ لیکن ایسی کوئی ترکیب اُسے سجھائی نہ دے رہی تھی۔ بالآخر وہ تھک ہار کر پھر گھاس پر لیٹ گیا۔ اب اُسے دیہاتی کا انتظار تھا۔ اُسکا خیال تھا کہ وہ اسے رام کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن دیہاتی پھر دن، بھر دکھائی نہ دیا۔ شام کے بعد ایک اور اجنبی چہرہ اُسے کھانا اور پانی دے گیا............

دو دن میں اُس کی کیفیت ہی عجیب ہو گئی۔ کبھی کبھی، وہ زور زور سے رونے لگتا، اپنی آپی کو یاد کرتا، اپنے گھر اور اپنی ماں کو یاد کرتا .... اور کبھی، اُس کے اندر قتل کرنے کا جذبہ پیدا ہونے لگتا۔ وہ سوچتا کہ اِس قید سے موت ہی بہتر ہے اور اُسے کسی نہ کسی کو قتل کر دینا چاہیے۔ کبھی چیختا چلاتا، دروازہ پیٹتا، شور مچاتا .... لیکن کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوتا۔

یہ کوٹھڑی واقعتاً قید خانے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اِس بات کا یقین اُسے یہ دیکھ کر آیا کہ کوٹھڑی میں .... رفعِ حاجات کے لیے لکڑی کا ایک، چھوٹا سا بیت الخلاء ...... بنا ہوا تھا۔ جو چار اِنچ کی چوبی، دیوار کو نصف دائرہ میں گھما کر پردے کے طور پر بنایا گیا تھا۔ اس میں لکڑی کا ایک بھاری ڈرم، ٹھنڈے اور یخ بستہ پانی کا بھرا ہوا رکھا تھا، اور مٹی کا ایک غلیظ سا برتن بھی ایک طرف دھرا تھا۔ اُس نے اس بیت الخلاء کو ابھی تک استعمال نہیں کیا تھا۔ تیسری رات کے پچھلے پہر اُسے ضرورت محسوس ہوئی تو وہ اُس دڑبے میں جا گھسا۔ یہاں آکر اُسے یک لخت ایک خیال سوجھا اور اُس نے اگلی صبح ہی اس پر عمل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اُسے

Marfat.com

اندازہ تھا کہ کھانا، لانے والا طلوع آفتاب کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ اُس نے باقی رات جاگ کر گزاری اور صبح ہوتے ہی ..... اس بیت الخلاء میں جا چھپا۔

وہ بیت الخلاء میں چھپ کر کھانا، لانے والے کا انتظار کرنے لگا۔ اب اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ وقت سے بہت پہلے یہاں آ گیا ہو، کیونکہ انتظار میں بیٹھے بیٹھے کافی وقت گزر گیا، لیکن ابھی تک کوئی نہ آیا تھا۔ بہر حال اُس نے تحمل سے کام لیا اور کوئی حرکت پیدا کیے بغیر وہیں چھپا رہا۔ لگ بھگ، دو گھنٹے بعد اُسے کھڑکی کھلنے کا کھٹکا سنائی دیا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔

"اے لڑکے!...... جلدی باہر نکلو!..... کھانا لایا ہوں تمہارے لیے۔"

آج پھر اُسی نیم پاگل دیہاتی کی آواز سنائی دی۔ لیکن شیراز نے کوئی جواب نہ دیا۔

"لڑکے......... ارے او لڑکے .... بولتا کیوں نہیں، خبیث۔ تو جانتا نہیں میرا غصہ کتنا سخت ہے؟۔"

دیہاتی نے پھر ہانک لگائی۔ شیراز، بدستور خاموش رہا۔ بلکہ اُس نے اپنی سانس تک روک لی۔ نیم پاگل دیہاتی کو حیرت ہوئی کہ آخر قیدی بول کیوں نہیں رہا۔ آدھا پاگل تو وہ پہلے ہی تھا۔ اس صورتحال پر بڑبڑانے لگا۔

"خبیث، مر تو نہیں گیا ہے کہیں؟ کوئی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔"

نیم پاگل دیہاتی نے خود کلامی کی اور پھر زور زور سے آوازیں دینے لگا۔

"لڑکے!!......... او لڑکے!..... میری آواز کا جواب دو، بزدل پلّے!..... ورنہ میں سردار ڈوگاسا کے حکم کا انتظار نہیں کروں گا، اور ابھی تمہیں ختم کر دوں گا۔ دیکھو! میرا غصہ بڑھ رہا ہے۔ اگر تم تھوڑی دیر مزید، خاموش رہے تو یقین مانو، میں تمہیں جان سے مار دوں گا"۔

لیکن شیراز تو بہت کچھ ٹھان کر بیٹھا تھا۔ اُسے تو آج ہر صورت، یہاں سے نکلنا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی حالت میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اب دیہاتی خاموش ہو گیا۔ شیراز، بدستور چپ چاپ، دم سادھے بیٹھا رہا۔ دیہاتی بالکل خاموش ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا کھانا رکھ کر چلا گیا ہے۔ لیکن شیراز، اپنی جگہ سے پھر بھی نہ ہلا۔ البتہ شیراز کو حیرت تھی کہ آخر نیم پاگل دیہاتی کہاں چلا گیا ہے، کیونکہ وقت گزرتا جا رہا تھا، لیکن دیہاتی کی کوئی آواز دوبارہ سنائی نہ دی تھی۔ شیراز، دل ہی دل میں مایوس ہونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس کی ترکیب ناکام رہی، لیکن وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

Marfat.com

تقریباً آدھے گھنٹے بعد پھر کھٹکا ہوا، اب کی بار، یہ آواز ......دروازے کی طرف سے آئی تھی۔ شیراز کا دل، سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے وہی غلیظ سا مٹی کا برتن ہاتھ میں پکڑ لیا...... شیراز لڑائی، بھڑائی سے بالکل ناواقف تھا لیکن آج بالآخر اُس نے خود کو حملے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ اگلے لمحے، دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی۔ شاید دروازے کا کواڑ کھولا جارہا تھا۔ کمرے میں روشنی بڑھ گئی۔ شیراز نے اندازہ لگایا کہ دروازہ کھل چکا ہے۔ اُس نے اپنی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے روک لی۔ قدموں کی آواز آہستہ آہستہ بیت الخلاء کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"خبردار!......لڑکے!......اپنے، ہاتھ اُوپر اٹھا کر بیت الخلاء سے باہر نکل آؤ۔"

دیہاتی کی آواز آئی، لیکن شیراز خاموش رہا۔ یہ ایک، نفسیاتی داؤ تھا۔ شیراز زندگی میں پہلی مرتبہ اِس طرح کا کام کرنے جارہا تھا، اُسے اپنے سینے میں دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔

"کمال ہے!!......لگتا ہے، مرگیا ہے..............بزدل لڑکا۔"

نیم پاگل، دیہاتی بڑبڑایا۔ پھر جیسے ہی اندر جھانکنے کیلیے اُس نے سر آگے کیا۔ شیراز نے اللہ......کا نام لے کر، پوری قوت سے اپنے ہاتھ میں تھا مٹی کا بھاری برتن، اس کے سر پر پھوڑ دیا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور نیم پاگل دیہاتی کے حلق سے چیخ نکل گئی.........وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایک بزدل لڑکا اِس طرح اُس کے لیے گھات لگا کر بیٹھا ہوگا۔ لمبے تڑنگے دیہاتی کو اپنی طاقت پر بے جا، مان اور غرور تھا۔ کوٹھڑی میں داخل ہوتے وقت، اُسے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے، لڑکا، اُس پر حملہ کردے، لیکن وہ اپنے، جسم اور قوت پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ لڑکا اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مٹی کا بھاری برتن اُس کے سر پر پھوٹا تو.......اُس کا سر بھی پھٹ گیا۔ وہ گر چکا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر ڈھیلا ہوتا گیا۔ وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔ شیراز بڑی احتیاط کے ساتھ دیوار کے پیچھے سے باہر نکلا۔ نیم پاگل دیہاتی..... چاروں خانے چت کوٹھڑی کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی برہنہ شمشیر، ایک طرف گری پڑی تھی۔ اُس کے ماتھے سے خون کی ایک لکیر نکل کر اس کے چہرے پر پھیل چکی تھی۔ اور اس کے سر پر لپٹا، کپڑا سر سے کھل کر گردن میں آگرا تھا۔ شیراز نے اُس کی شمشیر، جھپٹ کر اٹھائی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

Marfat.com

اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اِس طرح کا کارنامہ سرانجام دیا تھا، چنانچہ اُس کے حواس صحیح طور پر کام نہ کر رہے تھے۔ اُس نے شمشیر تو اٹھالی اور باہر بھی آ گیا۔ لیکن وہ شمشیر زنی کے فن سے بالکل بھی واقف نہیں تھا۔ معاً کسی خیال کے تحت وہ جرأت کر کے ایک مرتبہ پھر کوٹھری کی طرف آیا اور اُس میں داخل ہو گیا۔ اُس نے بے ہوش دیہاتی کی گردن سے اُس کے سر کا کپڑا الگ کیا اور اپنے سر پر بالکل اُسی انداز میں لپیٹ لیا۔ پھر کوٹھری سے باہر، نکلنے سے، پہلے شیراز نے دیہاتی کے ہاتھ اور پاؤں اسی کے، تہہ بند کے ساتھ کس کر باندھ دیے۔ اُس نے کھانے کی پوٹلی اور مشکیزہ بھی اٹھالیا اور باہر نکل آیا۔ کمرے کو باہر سے اچھی طرح بند کرنے کے بعد شیراز، ایک طرف کو چل دیا۔

یہ علاقہ سرسبز و شاداب پہاڑی سلسلے پر مشتمل تھا۔ شیراز نے اپنے دل سے پوچھا کہ وہ کس طرف کا رُخ کرے؟۔ نیم پاگل دیہاتی سے وہ سن چکا تھا کہ یہ ''کوہِ بلقان'' کا علاقہ ہے۔ اور کوہِ بلقان کے بارے میں شیراز بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ جنوب مشرقی یورپ کا، یہ عظیم پہاڑی سلسلہ پوری دنیا میں بے حد مشہور تھا۔ جغرافیہ کی کتابوں میں شیراز نے اچھی طرح کوہِ بلقان کے بارے میں پڑھ رکھا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ........ بلقان کی پہاڑیوں کو مشرق سے ''بحر ایجین'' اور'' بحر اسود'' نے، جبکہ، جنوب سے بحر روم نے گھیر رکھا ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے ان پہاڑیوں کو'' بحر ایڈریاٹک'' اور'' بحر آیونین'' نے اپنے بازوؤں میں لے رکھا ہے۔ یہ پہاڑیاں تقریباً ہر طرف سے سمندروں پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ مقدونیہ کی سرزمین سے زیادہ دور نہیں کیونکہ کوہِ بلقان کے نزدیک ترین صوبوں میں خود مقدونیہ شامل تھا۔ اس لیے وہ ان پہاڑیوں کی بھول بھلیوں کے خوف میں مبتلا نہ ہوا۔

اُس نے خود ہی فیصلہ کیا اور ایک سمت کا تعین کر کے چل دیا۔ اُس کے دل کو دھڑ کا لگا ہوا تھا کہ دیہاتی ہوش میں آنے کے بعد کسی کو مدد کے لیے نہ بلا لے۔ لیکن ایک طرح سے وہ مطمئن بھی تھا کہ اب اس قید خانے میں شام سے پہلے کوئی نہیں جائے گا۔ شیراز نے دیہاتی کی تلاشی کے دوران، اس کی جیب سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال لی تھیں۔ جن میں ایک چھوٹا چاقو اور چند اشرفیاں شامل تھیں۔ شیراز جب قید خانے کی کوٹھڑی سے کافی دور نکل آیا تو اُس نے اپنے حواس درست کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی، قدرتی غار میں چند لمحوں کے لیے قیام کیا۔ یہاں اُس نے دو چار لقمے، کھانا تناول کیا اور تھوڑا سا پانی پیا۔ اب وہ اپنے

Marfat.com

آئندہ لائحہ عمل پر غور کرنے لگا۔

اُسے واپس جانا تھا۔ اپنے گھر، اُس کا خیال تھا کہ اُس کی ماں، یقیناً نورین کی موت اور جوان بیٹے کے اغواء ہو جانے کے بعد شدتِ غم میں بستر سے لگ چکی ہو گی۔ وہ اِس خطرناک علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ علاقہ خاصا دلکش اور قدرتی مناظر سے مالا مال تھا، لیکن اس وقت اُسے جہنم سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے۔ قید خانے سے تو وہ نکل آیا تھا۔ اب سمت کا تعین اُس کے لیے مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ ایک طرف کو منہ کر کے چلتا رہا، لیکن یہ پہاڑی سلسلہ تھا اور اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسے کس طرف کا رخ کرنا چاہیے۔ کوہِ بلقان کی اِن پہاڑیوں کے بارے میں اُسے پتہ تھا کہ یہی پہاڑیاں ہیں، جہاں یونان کے ساہوکار تاجروں کے قصبے اور گاؤں سب سے زیادہ ہیں۔ اگرچہ یہ علاقے بھی مسلمان ترکوں کے مقبوضات تھے، لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اس طرح کے علاقے کبھی کسی فاتح کے مقبوضات نہ ہو سکتے تھے۔ بلکہ اِن علاقوں میں آباد لوگ، خود کو قبائلی تصور کرتے اور ہر طرح کے تسلط سے خود کو آزاد شمار کرتے تھے۔ اِن پہاڑیوں میں سے بعض، سرسبز و شاداب پہاڑیوں میں مسلمانوں کے گاؤں اور قصبے بھی تھے، لیکن شیراز کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے علاقے کس طرف ہیں۔

شیراز کی ماں نے شیراز کو بتایا تھا کہ بیس سال قبل جب مقدونیہ میں کارپوس نامی ایک سردار نے بغاوت کر کے مسلمانوں کو ایذائیں پہنچائیں تو زیادہ تر تُرک اور عرب مسلمان انہیں پہاڑیوں میں آ کر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اُس وقت ان پہاڑیوں کے مسلمان باشندوں نے اپنے، مسلمان بھائیوں کی خوب خاطر مدارت کی تھی۔ شیراز کی ماں نے شیراز کو یہ بھی بتایا تھا کہ اُن کا خاندان ہجرت کرنے والوں میں شامل نہیں تھا اور شیراز کے باپ کو اپنے یونانی النسل ہونے پر اتنا بھروسہ تھا کہ اُس نے دورانِ بغاوت مقدونیہ میں ہی رہنا مناسب خیال کیا تھا۔ لیکن بعد میں شیراز کا ''لوہار'' باپ اپنے اِس فیصلے پر پچھتایا تھا، کیونکہ بعض عیسائی لڑکوں نے شیراز کے باپ کو اتنا مارا تھا کہ وہ پھر جتنا عرصہ زندہ رہا..... انہی زخموں کی تکلیف میں مبتلا رہا، یہاں تک انہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے، اُس نے جان دے دی۔ شیراز پہلے کبھی ان پہاڑیوں میں نہ آیا تھا۔

وہ اسی طرح کی باتیں سوچتا ہوا...... خاموشی سے چلتا رہا۔ اب وہ کافی دور نکل آیا تھا۔

Marfat.com

اس علاقے میں چارسو، خاموشی اور ویرانی نے ڈیرے جما رکھے تھے۔ پہاڑیاں سرسبز تھیں۔ ہر طرف اونچے اونچے درخت نظر آ رہے تھے۔ یہ دریاؤں، ندی، نالوں اور چشموں کی سرزمین تھی۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ وہ غار سے نکلنے کے بعد سے اب تک کافی سارا سفر پیدل طے کر چکا تھا۔ اب وہ اندازے سے مشرق کی جانب چلنے لگا۔ خطرے کی زد سے وہ ابھی زیادہ دور نہیں نکل سکا تھا۔ شمشیر اُس نے کمر کے ساتھ لٹکا رکھی تھی۔

اُسے ڈر تھا کہ وہ راستہ بھول کر انجانے میں کہیں اس قید خانے کی طرف دوبارہ نہ نکل جائے۔ جہاں اُس کے لیے موت تیار تھی۔ اس طرح وہ یقیناً، مصیبت سے نکل کر دوبارہ مصیبت میں پھنس جاتا۔ اُسے حیرت اس بات پر تھی کہ مقدونیہ سے اغواء ہونے کے بعد وہ یہاں، انجان اور ویران علاقے میں پہنچ گیا اور یہ سارا عرصہ وہ بے ہوش رہا! یقیناً اُسے کسی خواب آور دوا کے زیرِ اثر یہاں لایا گیا ہوگا۔ دشمن اُس سے کیا چاہتے تھے؟ اور کون تھے؟ اُس کی بہن کی عصمت کو انہوں نے کیوں تار تار کیا تھا اور اُس کے خاندان کے ساتھ انہیں کیا دشمنی تھی؟ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ نورین آپی کی طرف خیال گیا تو اُس کا دل ایک بار پھر اداس ہو گیا۔

اُسے اپنی بہن نورین کا چہرہ یاد آنے لگا۔ اب تک تو یقیناً اسے دفنا دیا گیا ہوگا۔ اُس کی آپی، منوں مٹی تلے سو گئی ہوگی۔ آہ .... اُس کے دل سے ٹیس اٹھی۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ کسی راستے پر نہیں۔ بس ایسے ہی ...... اونچے نیچے ٹیلوں اور پہاڑوں پر۔ وہ پوری طرح چوکنا اور ہوشیار تھا۔

یکلخت اُسے ایک دھماکہ سنائی دیا اور وہ رک گیا۔ اُس کے ذہن نے فوراً کہا.... یقیناً یہ دھماکہ بندوق کا ہے۔ اُس نے سن رکھا تھا کہ آزاد، پہاڑی، قبائل اسلحہ میں خودکفیل تھے۔ وہ خود بارود بناتے .... اور اُسے لکڑی اور لوہے سے بنی توپوں یا بڑی بڑی بندوقوں میں رکھ کر چلاتے تھے۔ اٹھارویں صدی عیسویں میں بندوق کافی ترقی کر چکی تھی۔ اگرچہ ابھی تک عام جنگوں میں تلواریں بھی استعمال ہوتی تھیں، لیکن بندوق بھی دریافت ہو چکی تھی۔ [1] دھماکے کی

---

[1] چودھویں صدی عیسوی میں بارود کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے پندرھویں صدی میں فتح قسطنطنیہ کے وقت بارود اور توپیں استعمال کی تھیں۔ بعد ازاں تیزی کے ساتھ ان ہتھیاروں میں ترقی ہونے لگی۔ بندوق اٹھارویں صدی سے بہت پہلے ایجاد اور استعمال ہو چکی تھی۔ اور اسے انگریزی میں touchhole کہا جاتا تھا۔

Marfat.com

آواز نے شیراز کے قدم روک لیے۔ وہ سوچنے لگا کہیں اُس کے دشمن، سردار ڈوگا سا کے آدمیوں نے تو دھماکہ نہ کیا ہوگا؟۔

آواز بھی تو اسی جانب سے آئی تھی، جس طرف قید خانہ تھا۔ شاید دیہاتی کو ہوش آگیا اور وہ کسی طرح کمرے سے نکل آیا تھا۔ لیکن شیراز نے دیہاتی کے پاس بارود، یا بارود کو چلانے والی کوئی چیز تو نہ دیکھی تھی، پھر یہ دھماکہ؟...... شیراز، ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ ایک اور دھماکہ ہوا............ پھر تیسرا.......... اور پھر اُسے بھونکتے ہوئے کتوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

اب شیراز کی ریڑھ کی ہڈی میں یکلخت سردی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس کے دشمن سردار ڈوگا سا کے آدمی اُس کی تلاش کیلیے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ دھماکوں کی مخالف سمت میں تیز تیز چلنے لگا۔ اُس کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے سوچا ...... وہ لوگ اُسے پکڑنے کے لیے پہاڑیوں میں پھیل جائیں گے۔ یہ ان کا علاقہ تھا، جبکہ شیراز اس علاقہ میں ایک قدم، سفر سے بھی واقف نہ تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔ اُس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ لیکن اُس نے ہمت کی اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنے لگا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا:۔

"زندگی اور موت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں بے گناہ ہوں۔ اللہ میری مدد کرے گا۔"

اُس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی اور پھر...... ایک مقام پر وہ یکلخت ہی ٹھٹھک کر رک گیا۔ یہاں ایک پہاڑی سلسلہ اختتام پذیر ہو رہا تھا۔ آگے انتہائی گہری کھائی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اِس گہری، کھائی میں اتر کر...... سامنے کی پہاڑی کا رُخ کرے یا، یہاں سے کسی اور طرف کو مڑ جائے۔ اگر وہ کھائی میں اترتا تو پیچھے سے آنے والا دشمن، اُسے گھیر کر مار سکتا تھا۔ نیچے کھائی تھی اور سامنے ایک نئی پہاڑی تھی۔ اُس کے دل نے کہا کہ اگر وہ سامنے کی پہاڑی پر کسی طرح جا پہنچے تو شاید اِس علاقہ کے دشمن سے محفوظ ہو جائے۔ اسی اثناء میں ایک اور واقعہ ہوا۔ وہ ابھی وہاں کھڑا فیصلہ کرنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اُس کی نظر سامنے کی پہاڑی پر پڑی۔ اُس کی سامنے والی پہاڑی پر تین چار افراد بندوقیں اور کمانیں اٹھائے اُسی سمت دیکھ رہے تھے جس طرف سے دھماکوں کی آوازیں آئی تھیں۔ اُن کے چہروں پر بے حد حیرت اور غصے کے آثار تھے۔ ان کے انداز و اطوار سے ایسے معلوم ہوتا تھا، جیسے وہ دھماکوں کی سمت اور وجہ معلوم کرنا

Marfat.com

چاہتے ہوں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے اپنی آنکھوں کے ساتھ دور بین لگا رکھی تھی۔ اور باقی لوگ اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے اسی سمت میں، انہاک سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جس سمت میں دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے ..... شیراز، اُسی طرف سے آیا تھا۔ لیکن اب تو دھماکوں کی آواز بند تھی۔ اُس نے خود کو ان سے چھپانے کے لیے ایک بڑے پتھر کی آڑ لے لی۔ اب شیراز اسی پتھر کی اوٹ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک دھماکے کی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ دھماکے کی آواز پہلے سے زیادہ زوردار تھی اور یوں لگتا تھا جیسے قریب ہی سے آئی ہو۔ یہ دھماکہ، شیراز کی عقبی پہاڑی پر ہوا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز مسلسل نزدیک آتی جا رہی تھی۔ شیراز، کے دل کی دھڑکن اور تیز ہوگئی۔ اور آس و امید کے سب دروازے بند ہونا شروع ہوگئے۔ اب اُس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اُس نے خود کو زمین پر گرا لیا، اور ..... رینگتا ہوا وہاں سے کھسک کر قدرے محفوظ جگہ پہنچ گیا۔ لیکن وہ رُکا نہیں، بلکہ اِسی طرح رینگتے ہوئے اور پتھروں کی آڑ لیتے ہوئے وہ نیچے کی طرف کھسکنے لگا۔ یہ ایک انتہائی خطرناک عمل تھا۔ اگر اُس کا پاؤں ذرا سا بھی پھسلتا یا کوئی پتھر اپنی جگہ سے ذرا سا بھی سرکتا تو شیراز کا گہری کھائی میں جا گرنا یقینی تھا۔ لیکن اُس کے لیے یہی ایک راستہ تھا کہ وہ نیچے کھائی کی طرف اترنے کی کوشش کرے، کیونکہ دشمن اُس کے عقب میں تھا اور پیچھے کی طرف، اُس کی واپسی کے تمام دروازے بند تھے۔ شیراز، اس طرح آگے بڑھ رہا تھا کہ وہ سامنے کی پہاڑی پر موجود لوگوں کی نظروں سے بھی پوشیدہ رہا۔ وہ تھوڑا سا نیچے اتر آیا تو .... یکا یک اُسے ایک ایسا پتھر دکھائی دیا، جس کی اوٹ میں چلے جانے کے بعد وہ عقبی دشمن کی نظروں سے بالکل پوشیدہ رہ سکتا تھا لیکن کتے.........؟؟

معاً اُسے کتوں کا خیال آیا اور وہ بری طرح گھبرا گیا کیونکہ کتوں کی تلاش سے چھپنا اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ کتے تو انسان کی بُو سونگھ کر اُسے تلاش کرتے تھے۔ شیراز جلد ہی اُس بڑھے ہوئے پتھر کے نیچے جا چھپا۔ یہاں عقبی پہاڑی کے ایک بڑے سے پتھر نے قدرتی چھجا بنا رکھا تھا۔ اور اس چھجے کے سامنے بھی، ایک دیو ہیکل پتھر پڑا تھا۔ اس طرح وہ ایک قدرتی مورچے میں آ گیا۔ لیکن کتوں کی پہنچ سے بچنا، اُس کے بس میں نہ تھا۔ شیراز دل ہی دل میں اپنے پروردگار سے دعائیں مانگنے لگا۔

شیراز نے اپنی شمشیر کمر سے اتار کر ہاتھ میں تھام لی۔ اور وہ پوری طرح مستعد ہوگیا۔

Marfat.com

اُس نے مرنے یا مارنے کے ٹھان لی تھی ،اور اپنے آپ کو مقابلے کے لیے تیار کرنے لگا۔سامنے والی پہاڑی پر موجود افراد.......اب اُسے نظر نہیں آرہے تھے ۔حالانکہ وہ اگر اُسی جگہ موجود ہوتے جہاں پہلے تھے تو شیراز اُن کو دیکھ سکتا تھا۔شیراز حیران ہوا کہ آخر سامنے کی پہاڑی پر موجود لوگ کہاں چلے گئے۔لیکن اچانک ہی اُس کی نظر اُن پر پڑ گئی۔انہوں نے بھی مختلف پتھروں کے پیچھے پناہ لے رکھی تھی۔

شیراز، ششدر رہ گیا کہ آخر انہیں کس کا ڈر ہے؟ شیراز نے دیکھا کہ اُن کا انداز جارحانہ تھا۔یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے گھات لگا رکھی ہو۔عقبی پہاڑی سے کتوں کے بھونکنے کی آواز ،ابھی بند نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ آوازیں نزدیک سے نزدیک تر آتی جارہی تھیں ۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان فاصلہ ،دو سو قدم سے زیادہ نہیں تھا۔شیراز، مغربی اور مشرقی پہاڑی کے درمیان وادی نما، درّے میں موجود تھا۔وہ ایک طرح سے، کسی تنگ کھائی کی اُترائی، میں موجود تھا۔جبکہ دونوں اطراف کے لوگ بلندیوں پر تھے۔ابھی وہ حالات کا مکمل جائزہ ہی لے رہا تھا کہ سامنے والی پہاڑی سے بھی بندوق چلنے کی آواز آئی ۔بندوق ،چلنے سے ایسا کان پھاڑ دھماکہ وادی کے درّے میں گونجا کہ شیراز کا کلیجہ کانپ کر رہ گیا۔شیراز دنگ رہ گیا۔آخر سامنے والے ،لوگ کیوں دھماکے کرنے لگے تھے۔کیا وہ بھی شیراز کی تلاش میں تھے۔اُس کا دل لرز کر رہ گیا۔کچھ ہی دیر میں سامنے والی پہاڑی پر موجود لوگوں کی ایک اور حرکت دیکھ کر شیراز کی حیرت ساتویں آسمان تک جا پہنچی۔اُس نے دیکھا کہ سامنے والی پہاڑی پر موجود لوگوں نے اپنی کمانیں ،تان کر تیر برسانا شروع کر دیے تھے اور اُن کے تیروں کا رُخ اُس پہاڑی کی جانب تھا،جس سے شیراز ابھی ابھی تھوڑا سا اُتر کر نیچے کی طرف آیا تھا۔اس کا مطلب تو یہ تھا کہ سامنے کی پہاڑی پر موجود لوگ.......سردار ڈوگا سا کے لوگوں پر تیر برسا رہے تھے۔تھوڑے وقفے سے وہ بندوق بھی چلاتے ،جس کا،کان پھاڑ دھماکہ پوری وادی میں بازگشت پیدا کرتا ہوا دیر تک سنائی دیتا رہتا۔

اب انتہائی زوردار دھماکے اور تیراندازی دونوں طرف سے ہو رہی تھی ۔ فضاء میں دونوں طرف سے دھوئیں کی لکیریں پھوٹتی دکھائی دے رہی تھیں ۔ یوں لگتا تھا جیسے دو فوجیں آپس میں لڑ رہی ہوں۔شیراز نے سامنے والی پہاڑی پر موجود افراد کی تیراندازی سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ دونوں گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں ۔اُسے قدرے اطمینان ہوا۔اُس کے دل میں

Marfat.com

ہلکی سی امید کی کرن روشن ہوئی۔ اُس نے سوچا، اُس کے دشمنوں کے بھی دشمن موجود ہیں۔

شیراز کے دل نے کہا کہ اگر وہ سامنے والی پہاڑی کے لوگوں کے پاس پناہ لے لے، تو شاید، سردار ڈوگاسا کے حملے سے بچ سکتا ہے۔ اُس نے ان لوگوں کے ہاں پناہ لینے کے بارے میں غور، شروع کر دیا۔ اُس نے سن رکھا تھا کہ پہاڑی قبائل جب ایک مرتبہ کسی کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں تو پھر اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ اُس نے سن رکھا تھا کہ یہ لوگ کسی کو پناہ دینے کے معاملے میں بڑے فراغ دل ہوتے ہیں۔ ابھی اُسے اس بات کا بھی تو یقین نہیں تھا کہ جو کچھ وہ سوچ رہا ہے، وہی سچ ہے۔ شیراز نے دل میں سوچا کہ اُسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ سامنے والے قبیلہ سے پناہ طلب کرے گا۔ وہ اِس علاقے سے بالکل ناواقف تھا۔ اب وہ اِس نقطے پر غور کرنے لگا...... کہ سامنے والوں کو اپنی طرف کس طرح متوجہ کرے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اُسے اپنا دشمن سمجھ کر نشانہ بنا لیتے۔ اُس نے دیہاتیوں والی پگڑی فوراً اُتار دی۔ لیکن پتھر یا چٹان سے نکلنے کی ہمت اُس میں نہ تھی۔ تیراندازی ہوتی رہی۔ سامنے والی پہاڑی پر اور لوگ بھی آچکے تھے اور دونوں طرف سے خاصی زوردار لڑائی جاری تھی۔ ابھی تک کسی زخمی یا مرنے والے کی چیخ اُس نے نہ سنی تھی اچانک اُس کی عقبی، پہاڑی سے ہونے والی تیراندازی اور دھماکوں کی آواز، بند ہو گئی، لیکن سامنے سے مسلسل آتشبازی جاری تھی۔ چند لمحے بعد، شیراز کے سامنے والی پہاڑی سے بھی تیراندازی اور دھماکے معدوم ہو گئے۔ اور پھر اُسی پہاڑی سے جو شیراز کے عقب میں تھی، ایک زوردار آواز گونجی، جس کی بازگشت، فضا میں دیر تک سنائی دیتی رہی۔ کسی نے کسی کو پکارا تھا۔

"سکندر پاشا!!......"

سکندر پاشا کے نام کی گونج پوری وادی میں دور، دور تک پھیل گئی۔ لیکن یہ نام شیراز کے لیے بہت سعید ثابت ہوا۔ مارے خوشی کے شیراز کے حلق سے ایک ہچکی جیسی آواز بلند ہوئی۔ اور اُس کے چہرے پر قوس قزح کے ساتوں رنگ بکھر گئے۔ سکندر پاشا کا نام سنتے ہی اُسے یقین ہو گیا کہ سامنے والی پہاڑی پر مسلمان قبیلے کے لوگ موجود ہیں۔ شیراز سچ مچ اُن کے ہاں پناہ لے سکتا تھا۔ یہ تو اُسے پہلے سے ہی معلوم تھا کہ کوہ بلقان کی اِن وادیوں میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے سینکڑوں آزاد قبائل آباد ہیں، لیکن اُسے ایسی توقع نہ تھی کہ اتنی جلد وہ کسی مسلمان قبیلے کو دیکھ لے گا۔ لگتا تھا دونوں قبائل کے مابین، شدید دشمنی تھی، کیونکہ دونوں قبائل کے

Marfat.com

نوجوان ایک دوسرے پر خوب تیراندازی اور گولہ باری کر چکے تھے۔ گولہ باری اور تیراندازی بند ہوئی تو ...... شاید عیسائی قبیلہ کے لوگوں نے مخالف قبیلہ کو پکارنے میں پہلے کی تھی۔ سکندر پاشا کا نام عیسائیوں کی پہاڑی سے ہی لیا گیا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز ابھی تک آرہی تھی۔ اور شیراز ابھی تک اپنے آپ کو خطرے کی زد سے باہر تصور نہیں کر رہا تھا۔ اب دونوں قبائل کے لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔

شیراز نے اپنی پوری توجہ اسی طرف مبذول کر دی۔ عقبی پہاڑی سے کوئی شخص سامنے والوں کو کچھ بتا رہا تھا۔ شاید، وہ شیراز کے بارے میں ہی کچھ کہہ رہا تھا۔ کیونکہ شیراز نے .... اُس کی بات میں ''لائی سیئم'' کا لفظ سنا۔ کچھ دیر بعد شیراز کو، بولنے والے کی بات صاف سنائی دینے لگی۔ کیونکہ دفعتاً اُس نے پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں کہنا شروع کیا:۔

''سکندر پاشا!...... ہماری بات غور سے سنو!...... ہمارا، ایک خطرناک دشمن، ہماری قید سے فرار ہو گیا ہے۔ وہ تمہارے علاقے کی طرف ہی آئے گا۔ کیونکہ مغرب کی طرف اُس کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ ہم، تم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارا، دشمن ہمیں لوٹانے کا وعدہ کرو۔''

شیراز کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ایک پہاڑی قبیلے کا وعدہ، پتھر پر لکیر ہوتا تھا۔ اگر سکندر پاشا نے دشمن، لوٹانے کا وعدہ کر لیا تو شیراز کے لیے، اُس قبیلہ میں بھی پناہ کی کوئی جگہ نہ رہے گی۔ اسی اثناء میں شاید سکندر پاشا کی آواز گونجی ...... وہ کہہ رہا تھا:۔

''بترو!...... تم سردار ڈوگاسا کے بیٹے ہو۔ اور میں سردار خالص پاشا کا بیٹا ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہمارے اور تمہارے قبیلہ کے مابین، معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم میں سے کوئی فریق، بارودی اسلحہ کا دھماکہ نہیں کرے گا، تم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کیوں کی؟ اب ہمارا اور تمہارا معاہدہ فسخ ہو چکا ہے۔ اور یہ جان لو کہ ہم تمہارا، دشمن تمہیں واپس نہیں کریں گے، بلکہ اُسے پناہ دیں گے۔ کیونکہ معاہدہ کی خلاف ورزی میں پہل، تم نے کی ہے۔''

شیراز کو سکندر پاشا کی آواز سنائی دی، اور اُس کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔ وہ بڑے جذباتی لہجے میں اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگا کہ سکندر پاشا اپنی بات پر قائم رہے۔ اسے پھر سردار ڈوگاسا کے بیٹے بترو کی آواز سنائی دی:۔

''سکندر پاشا!...... ہم اُن دھماکوں کے لیے معافی چاہتے ہیں اور ہرجانہ ادا کرنے کے

Marfat.com

لیے تیار ہیں، لیکن ہمارے دشمن کو پناہ دینے کی بات مت کرو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تم جانتے ہو کہ کیا ہوگا۔ دونوں قبیلوں کے درمیان پھر سے لڑائی شروع ہو جائے گی۔ میں کہتا ہوں ہمارا دشمن، صرف ہمارا دشمن نہیں ہے، وہ تمہارا بھی دشمن ہے۔ وہ تمہارے خلیفہ کا مجرم ہے۔ اُس نے مقدونیہ میں ایک یونانی سردار لارنس ڈیگرے کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ تم اُسے پناہ دے کر اپنے سلطان کا عتاب بھی مول لو گے۔"

بترو کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ شیراز کے بدن پر ہر ہر رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ وہ، یہ کیا سن رہا تھا؟؟......... لارنس ڈیگرے کے بیٹے کا قتل؟....... "اوہ میرے خدا....." اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ لارنس ڈیگرے کا بیٹا جانسن ہے۔ تو کیا جانسن قتل ہو چکا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شیراز کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ اُسے یوں لگا، جیسے وہ کسی بہت ہی گہری سازش کا شکار ہو چکا ہے۔ اور بترو سچ کہہ رہا تھا........ اگر لارنس ڈیگرے جیسے سردار کے بیٹے کے قتل کا الزام، اُس پر عائد تھا تو پھر سلطنتِ عثمانیہ میں اُس کے لیے کہیں بھی جائے پناہ نہیں تھی۔ کیونکہ شیراز لارنس ڈیگرے کی پہنچ اور تعلقات کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ شیراز کی نبضیں اُس کے قابو سے باہر ہونے لگیں۔ اسی اثناء میں اُسے پھر سکندر پاشا کی آواز سنائی دی۔ دونوں طرف کے سردار گلا، پھاڑ پھاڑ کر بول رہے تھے۔ کیونکہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان یہی کھائی حائل تھی۔ بے شک اُن کی آواز پوری وادی میں گونج رہی تھی، لیکن پھر بھی انہیں بہ آوازِ بلند بولنا پڑ رہا تھا۔ سکندر پاشا نے پھر کہا:۔

"کیا کہا تم نے؟؟......... ہمارے خلیفہ کا مجرم، اور تمہارے پاس؟؟..... یہ کیسی اوٹ پٹانگ بات ہے؟ کیا مقدونیہ یا استنبول میں خلیفہ کے قیدی کو رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی؟۔"

سکندر پاشا کی بات معقول تھی۔ سردار ڈوگاسا کا بیٹا، یکدم خاموش ہو گیا۔

پھر دونوں طرف خاموشی چھا گئی، مکمل سکوت .... سامنے والے لوگوں کو تو شیراز دیکھ رہا تھا۔ البتہ عقبی طرف اُس کی نظر نہیں جا سکتی تھی۔ بظاہر تو یوں لگتا تھا جیسے سردار ڈوگاسا کے لوگ جا چکے ہیں۔ شیراز، اسی طرح پڑا رہا۔ جب کافی وقت گزر گیا تو شیراز کو یقین ہونے لگا کہ عقبی پہاڑی پر موجود سردار ڈوگاسا کے لوگ جا چکے ہیں۔

جانے کیا بات تھی....... یہ خاموشی اور سکوت اُسے خوفزدہ کر رہے تھے۔ اُس کی چھٹی حس

Marfat.com

بری طرح پھڑک رہی تھی۔ ابھی تک سامنے کے افراد مورچہ بند تھے۔ لیکن اب وہاں صرف وہی تین اشخاص باقی رہ گئے تھے جو پہلے پہل نظر آئے تھے۔ اُسے یہ غیر فطری خاموشی بہت زیادہ کھٹک رہی تھی۔ وہ گھبرانے لگا۔ اُسے یوں لگا جیسے کچھ ہونے والا ہے، لیکن اُسے معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ چوکنا ہو کر چاروں طرف تکنے لگا۔

''خبردار ہاتھ اوپر اٹھالو!........''

عین اُس کے سر پر........گویا دھماکہ ہوا۔ وہ سنبھل بھی نہ سکا اور کسی نے بندوق کی نال اُس کی گردن سے لگادی۔ شیراز کے بدن میں سر سے پاؤں تک کپکپی کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا اُٹھی۔ اُس پر بندوق تاننے والا کس طرف سے آیا تھا، شیراز کو آخر وقت تک پتہ نہ چل سکا۔ اب شیراز کی حالت اس قدر خراب تھی کہ ایک لمحے کے لیے تو اُسے اپنے بدن کا لہو منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ دراصل اُس کے سر پر پہاڑی چٹان کا چھجا تھا، اور وہ مطمئن تھا کہ یہ چھجا اُسے اچھی طرح سے چھپائے ہوئے ہے، لیکن وہی چھجا، اُس کے دشمن کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ اور شیراز کا دشمن اُس چھجے کی اوٹ میں ہو کر خاموشی سے اتر آیا۔ وہ آواز پیدا کیے بغیر شیراز کی پیٹھ پر آ پہنچا تھا۔ چھجے پر پہنچ کر اس نے اچانک نیچے چھلانگ لگائی، ہلکا سا دھماکہ ہوا، شیراز سنبھل بھی نہ سکا، اور اُس نے بندوق کی نال اُس کی گردن سے لگادی۔

''شمشیر پھینک دو!......''

اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا......شیراز حیران تھا کہ ان لوگوں کو اُس کی، اِس جگہ کا پتہ کیسے چلا؟۔ بہرحال شیراز نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے شمشیر پھینک دی۔ بندوق بردار نے آگے بڑھ کر شیراز کی شمشیر اُٹھالی اور پھر اُسے اپنے، آگے آگے چلنے کے لیے کہا۔ یہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ سرخ و سفید چہرے اور بڑی بڑی آنکھوں والا۔ شیراز، اُس کے آگے آگے چلتا رہا اور وہ پیچھے پیچھے چلتا ہوا شیراز کو احکامات دیتا چلا آیا، دراصل وہ شیراز کو راستہ بتاتا ہوا آرہا تھا۔ لیکن جب شیراز نے اُسے کھائی میں اترتے ہوئے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ کیا؟ وہ تو سامنے والی پہاڑی کی طرف جارہا تھا........تو کیا وہ سردار ڈوگا سا کا آدمی نہیں تھا۔ شیراز کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اسی اثناء میں شیراز کے پیچھے آتے ہوئے نوجوان نے اُسے مخاطب کیا:۔

''گھبراؤ مت!..........اب تم دوستوں میں ہو۔''

Marfat.com

پیچھے سے جونہی شیراز کو اس کی آواز سنائی دی، شیراز ٹھٹھک کر رک گیا۔ اُسے اس کی بات پر یقین نہ آیا۔ اُس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں.........میں خالص پاشا کا بیٹا ہوں اور تمہیں اپنے سردار باپ کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں"

خالص پاشا کا نام سنتے ہی صورتحال اُس پر واضح ہوگئی۔ اُسکا اندازہ غلط تھا، یہ لوگ اُس کے دشمن نہ تھے۔ اُس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اور اُس نے احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اُسے دیکھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ.........کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟"

شیراز نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔ اُسے اپنی آواز اندھے کنویں میں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میرا نام سکندر پاشا ہے اور میں جامعہ اسلامیہ، استنبول کا طالب علم ہوں۔"

سکندر پاشا کے جواب سے شیراز چونک اٹھا.........سکندر پاشا کی خوش اخلاقی سے اسے پہلے ہی ایسا لگا تھا جیسے اس ویرانے میں اُسے کوئی اپنا مل گیا ہو۔ تعلیم کا زیور واقعی انسان کو انسان کے قریب لاتا ہے۔ سکندر پاشا عمر میں شیراز سے دو چار سال زیادہ ہی تھا۔ لیکن شیراز کے لیے اُس کی تمیز داری اور خوش اخلاقی قابل رشک تھی۔

"آپ کو دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ اب میں محفوظ ہوں ورنہ میں تو زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔"

"کیوں؟.....مایوس کیوں ہو رہے تھے آپ؟.......موت تو زندگی کا زیور ہے، موت سے ڈرنا مردانگی کے یکسر منافی ہے۔ حیرت ہے! بترو.......کہہ رہا تھا کہ آپ نے کسی کو قتل کیا ہے۔ لیکن آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ کبھی کسی سے معرکہ آرا ہی نہیں ہوئے۔"

شیراز بری طرح خفیف ہو گیا۔ واقعی اُس نے بہادروں جیسی بات نہ کی تھی۔ اُسے اپنے استاد، پاتھے اوڈیسا کی باتیں یاد آنے لگیں، جو ہمیشہ کہا کرتا تھا......کہ موت کی حقیقت کچھ نہیں۔ موت صرف ایک پردہ ہے، آنے والے زمان و مکاں کے سامنے۔ ہم مرتے نہیں، ہم صرف اپنا زمانہ بدلتے ہیں۔ پاتھے اوڈیسا کے ساتھ بعض عیسائی عالموں کی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ جو پاتھے کے مخالف عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ زندگی کے بارے میں یہی الفاظ کہتے تھے کہ

Marfat.com

زندگی کی حقیقت کچھ نہیں۔زندگی عارضی چیز ہے،لیکن پاتھے ہمیشہ کہتا تھا کہ موت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی،موت عارضی چیز ہے۔شیراز اپنے الفاظ پر شرمندہ ہوا،تو سکندر پاشا کو افسوس ہونے لگا کہ اُس نے مہمان کو ملول کر دیا،چنانچہ اُس نے فوراً اپنا انداز بدلتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ بات ہے کہ مجھے دیکھ کر آپ کو اطمینان ملا ہے تو پھر گلے سے مل کر خوشی کا اظہار کیجیے نا۔ پتہ تو چلے کہ آپ خوش ہیں۔''

اس نے اپنی بندوق ایک پتھر کے ساتھ ٹکاتے ہوئے کہا۔شیراز کی شمشیر سکندر کی کمر کے ساتھ لٹک رہی تھی،اُس نے شیراز کی شمشیر اپنی کمر سے الگ کی اور شیراز کے ساتھ بغلگیر ہوگیا۔شیراز ہچکچاتے ہوئے اس کے ساتھ گلے ملا۔شیراز کو اِس قدر دلی مسرت ہوئی کہ بے اختیار اُس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''ارے تم رو رہے ہو؟؟ کیسے مرد ہو......خبردار میرے بابا روتے ہوئے مردوں سے بولنا بھی پسند نہیں کرتے۔''

سکندر پاشا نے شیراز کو پیار سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''سکندر پاشا!....... یہ خوشی کے آنسو ہیں کافی دن بعد اچانک خوشی ملی ہے ، تو آنکھیں اُسے سنبھال نہیں سکیں۔''

شیراز نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔اُسی لمحے سکندر پاشا نے شیراز کو مخاطب کیا۔

''آپ نے اپنا نام تو بتایا نہیں۔''

سکندر پاشا نے شکوہ بھرے لہجے میں کہا تو شیراز مسکرا دیا:۔

''میرا نام شیراز ہے ......احمد شیراز ۔اور میں مقدونیہ کے پارتھی نن ،لائی سیئم میں پڑھتا ہوں۔''

اُس نے اپنا مکمل تعارف کرواتے ہوئے کہا۔اُسکا نام سنتے ہی سکندر چونک اٹھا۔ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر شیراز کا دل، دھڑکا ....لیکن پھر سکندر مسکرانے لگا ۔البتہ فوری طوری پر سکندر کے انداز تخاطب میں ایک تبدیلی واقع ہوئی ،جسے شیراز نے اُسی وقت محسوس کیا۔اس مرتبہ اُس نے شیراز کو''آپ'' کی بجائے''تم'' کہہ کر پکارا تھا۔

Marfat.com

"اچھا تو تم شیراز ہو؟..........تمہاری خبر میں مقدونیہ میں سن چکا ہوں ۔ خیر اس وقت تو چلو!.....بابا انتظار کر رہے ہیں، اب ہم ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے کریں گے کیا؟"

سکندر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا.....تو شیراز کا دل، دھک سے رہ گیا۔

"تم میرے بارے میں سن چکے ہو؟؟.........کیا؟........کیا سن چکے ہو؟"

شیراز نے حیرت سے سکندر کو گھورتے ہوئے کہا۔ سکندر نے ایک بار پھر چونک کر اُس کی جانب دیکھا........پھر اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے چلنے کا اشارہ کیا۔ شیراز اسکے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس دوران اُس نے شیراز کی شمشیر ایک مرتبہ پھر اپنی کمر کے ساتھ لٹکا لی تھی۔ سکندر کی اِسی حرکت نے شیراز کو پریشان کر دیا، کیونکہ بغل گیر ہونے کے بعد شیراز سمجھ رہا تھا کہ سکندر اُسے، اُس کی تلوار واپس کر دے گا۔ اور سکندر کے انداز سے بھی یہی لگتا تھا، لیکن شیراز کا تعارف سنتے ہی سکندر نے نہ جانے کیوں اپنا ارادہ بدل لیا۔ شیراز نے کچھ دیر تک، اپنے سوال کے جواب کا انتظار کیا اور پھر کہنے لگا۔

"کیا بات ہے سکندر پاشا!......تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تمہارے ذہن میں کوئی غلط فہمی ہے۔"

"تھوڑا سا صبر کرلو، بابا سے مل لو، کھانا کھا لو، پھر وہاں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، تسلی رکھو، تم ہمارے مہمان ہو۔"

سکندر پاشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مسکراہٹ اس کے چہرے پر بہت بھلی لگتی تھی۔ شیراز خاموشی سے چلنے لگا۔ اب انہوں نے سامنے والی پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اُسی پہاڑی پر، جہاں اُس نے تین افراد کو سب سے پہلے دیکھا تھا۔ اُسکی سانس پھولنے لگی، لیکن سکندر ایسے اطمینان سے چل رہا تھا جیسے ہموار زمین پر چل رہا ہو، پہاڑی پر پہنچ کر شیراز نے انہی، تین افراد کو کھڑے دیکھا جو اُسے پہلے نظر آئے تھے............وہ تینوں باری باری شیراز سے بغلگیر ہوئے۔

"یہ ہمارے لوگ ہیں شیراز پاشا!......اِس پہاڑی پر جہاں تم کھڑے ہو، یہاں، ہر وقت پہرا ہوتا ہے......سردار ڈوگا سا کے قبیلے سے ہماری دشمنی، تین نسلوں سے چلی آرہی ہے۔ اس لیے محتاط رہنا پڑتا ہے۔ تمہیں، ایک پتھر کے عقب سے نکل کر دوسرے مورچے میں چھپتے ہوئے ہمارے ایک آدمی نے دیکھ لیا تھا، لیکن ہمارے آدمی نے عقلمندی سے کام لیا۔ اُس نے

Marfat.com

اسی وقت اندازہ لگالیا کہ تم سردار ڈوگاسا کے مفرور قیدی ہو۔اس لیے ہم لوگوں نے تمہیں اپنی روایتی جنگ کے دوران محفوظ رکھا۔ اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ میں بالکل سیدھا،تمہارے مورچے تک کیسے آ پہنچا۔"

اتنا کہہ کر سکندر پاشا کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا، پھر اُس نے دوبارہ کہا:۔

"سردار ڈوگاسا کا بیٹا ،بترو کہہ رہا تھا کہ اُن کا ایک قیدی فرار ہوگیا ہے ۔ اور وہ اس کے پیچھے یہاں تک آیا ہے۔بترو مجھے یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ ہمارے علاقے تک بلاوجہ نہیں آیا بلکہ اپنی مجبوری کی وجہ سے آیا ہے۔ وہ مطالبہ کر رہا تھا کہ اگر اُن کا قیدی، ہمارے علاقے میں آجائے تو ہم اُسے پکڑ کر بترو.......کے حوالے کر دیں۔"

سکندر پاشا نے مسکراتے ہوئے بتایا اور شیراز کے دل نے دھک دھک کرنا شروع کر دیا۔

"تو پھر تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے، کیا تم مجھے اُس کے حوالے کردو گے؟"

شیراز نے ہچکتا تے ہوئے پوچھا۔حالانکہ اُسے اندازہ تھا کہ سکندر پاشا یا اُس کے بابا،قیدی مہمان کو.........کم ازکم اپنے دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے۔لیکن وہ چاہتا تھا کہ جلد ازجلد اُس کے جرم سے متعلق بات ہو،تاکہ وہ خود اپنے جرم کے بارے میں جان سکے ،کیونکہ وہ بے چارہ تو ابھی تک یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اُس نے ....جرم کون سا کیا ہے؟ شیراز کا سوال سن کر سکندر نے کہا:۔

"دیکھتے ہیں، بابا کیا فیصلہ کرتے ہیں ۔ ابھی تو ہم سردار ڈوگاسا سے ،معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کا ہرجانہ طلب کریں گے۔"

اچانک نہ جانے شیراز کے من میں کیا آیا کہ اُس نے ایک عجیب بات کہہ دی،اُس نے کہا:۔

"سکندر پاشا!.........میں ایک بات جانتا ہوں کہ میں بے قصور ہوں ،اور میرے بارے میں جو کچھ کہا جارہا ہے وہ غیر درست ہے ۔اِس لیے میں اپنے ساتھ ہونے والی کوئی ناانصافی برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوں.........قبل ازیں بھی مجھ سے غلطی ہوچکی ہے کہ میں نے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی برداشت کی ۔تمہارے بابا، جو بھی فیصلہ کرتے ہیں ، مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ میں کسی کا غلام نہیں ہوں، میں غلامی کی زندگی پر آزادی کی موت کو ترجیح دونگا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھے کسی سے لڑنا پڑے ،لیکن حالات نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں

Marfat.com

خود کو زندگی کی رزم گاہ میں شمشیر بکف کر دوں"۔

نہ جانے شیراز میں اتنی جرأت کہاں سے آ گئی تھی کہ اُس نے پہلی مرتبہ قدرے اُکھڑے ہوئے لہجے میں بات کی۔اب سے پہلے تک وہ بے حد خوفزدہ اور سہا ہوا دکھائی دیتا تھا لیکن اب ایسا لگتا تھا، گویا وہ اپنے حالات سے عاجز آ کر بالآخر جنگ پر آمادہ ہونے لگا ہے۔گویا اُس پر "تنگ آمد بہ جنگ آمد" کا محاورہ صادق آتا تھا۔شیراز کے منہ سے یوں بے خوف جملے سن کر سکندر پاشا کی پیشانی پر بل پڑ گئے.........وہ تھوڑی دیر کے لیے کسی گہری سوچ میں کھو گیا لیکن کچھ ہی دیر میں اُس نے ایک عجب انداز سے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"شاباش!......اب مرد کے بچے لگے ہو، بزدل لوگوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جا سکتا اگر تمہاری جرأت یہی رہی تو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔جہاں تک ہماری طرف سے تمہیں دھوکے کا ڈر ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں۔میں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔سردار ڈوگاسا، جیسے کمینہ شخص کا دشمن یقیناً کوئی اچھا انسان ہی ہوگا۔ہم سردار ڈوگاسا کا کردار اچھی طرح سے جانتے ہیں۔تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔"

اِس کے ساتھ ہی سکندر پاشا اور اُس کے دو ساتھی ....اپنے قصبہ کی طرف چل دیے۔سکندر پاشا کا باپ خالص پاشا، اِس علاقے کے مسلمان قبائل کا سردار تھا۔گذشتہ بیس برس سے خالص پاشا اور سردار ڈوگاسا کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی دشمنی چل رہی تھی۔بیس برس پہلے مقدونیہ میں ہونے والی بغاوت کے چند کرداروں میں سردار ڈوگاسا بھی شامل تھا۔کارپوس اور اُس کے بعض ساتھیوں کو تو سرِ عام موت کی سزا دی گئی تھی، لیکن ڈوگاسا بھاگ کر اپنے پہاڑی علاقہ میں روپوش ہو گیا تھا۔بعد ازاں ڈوگاسا نے مقدونیہ کی بجائے براہِ راست استنبول میں اپنا کاروبار منتقل کیا اور اُس کی ریشہ دوانیاں استنبول تک پھیل گئیں۔

شیراز، سکندر پاشا کے ہمراہ جونہی، اُس کے سردار باپ خالص پاشا کے سامنے پہنچا، تو خالص پاشا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی شیراز کو ایسا لگا، جیسے وہ کسی نیک، طینت بزرگ کے پاس آ پہنچا ہے۔خالص پاشا کے چہرے پر گھنی، سفید داڑھی، بہت بھلی لگتی تھی۔خالص پاشا نے شیراز سے ملنے اور اُسے پیار سے اپنے پہلو میں بٹھانے کے بعد دریافت کیا:۔

"بیٹا!........ہم تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہونے دیں گے۔میرے بیٹے سکندر نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے مقدونیہ میں کسی عیسائی سردار کے بیٹے کو قتل کیا ہے، اور اِسی جرم میں سردار ڈوگاسا

Marfat.com

نے تمہیں قید کر رکھا ہے..... کیا یہ سچ ہے؟ تم بلا خوف وخطر ہمیں، اپنے اصل حالات سے آگاہ کرو یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"قتل؟؟........ بخدا مجھے کچھ معلوم نہیں............ وہاں قید خانے کے پہرے دار نے بھی مجھ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا، سکندر پاشا کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے کوئی قتل نہیں کیا۔ میں تو حیران ہوں.......... کہ یہ کیا معاملہ ہے؟۔"

شیراز نے انتہائی حیرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ خالص پاشا نے اپنی تجربہ کار نظریں، شیراز کے چہرے پر گاڑ دیں۔ غالباً وہ شیراز کے چہرے پر سچائی اور جھوٹ کا فرق تلاش کر رہا تھا۔

"دیکھو بیٹا! ہم سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں............ قتل مردوں سے ہوتے رہتے ہیں۔ تم سچ سچ بتا دو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، ایک عیسائی نوجوان کے لیے ہم تمہیں، سردار ڈوگاسا کے حوالے نہیں کریں گے۔"

سردار خالص پاشا نے دوبارہ انتہائی نرمی کے ساتھ شیراز سے پوچھا۔ لیکن شیراز کا تو ایک ہی جواب تھا۔ اُس نے کسی قدر جذباتی لہجے میں کہا:۔

"واللہ!........ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو خود پریشان ہوں کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ ابھی تک صورتحال میری آنکھوں سے بالکل اوجھل ہے۔ اس کے برعکس چند روز قبل کسی، درندے نے میری پھولوں جیسی پاکیزہ، بہن کی آبرو کو اتنی بے دردی سے تار تار کیا کہ وہ جان سے جاتی رہی۔ میری بہن قتل کر دی گئی، اور بجائے اِس کے کہ مقدونیہ کی مسلمان حکومت مجھے اور میرے خاندان کو انصاف دلاتی، اُلٹا، مجھ پر ہی الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ میں نے کسی کو قتل کیا۔ جس رات میری بہن کی لاش، ہمیں کوڑنے کے ڈھیر سے ملی، اُسی رات، فردوس بازار کے قریب کسی نے میرے سر پر، پیچھے سے زوردار ضرب لگائی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو سردار ڈوگاسا کے قید خانے میں پایا۔ میں خود حیران ہوں کہ آخر مجھ پر قتل کا الزام کیوں عائد کیا جا رہا ہے۔"

شیراز کی بات سننے کے بعد خالص پاشا کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ سب لوگ خاموشی سے خالص پاشا کی جانب دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد خالص پاشا نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا:۔

"میرا تجربہ کہتا ہے کہ تم بے گناہ ہو۔ لیکن تمہارے ساتھ ایسا بھیانک کھیل کھیلا گیا ہے کہ تمہاری مقدونیہ، واپسی کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔...... ایسے حالات میں تم اپنے

Marfat.com

بارے میں خود ہی کوئی بہتر فیصلہ کرسکتے ہو، تم اگر اپنی زبانی اپنے حالات سے ہمیں آگاہ کر دو تو ہوسکتا ہے ہم تمہاری مدد کے قابل ہوسکیں۔"

خالص پاشا نے انتہائی متانت اور ہمدردی سے کہا۔تب شیراز نے مغموم لہجے میں کہنا شروع کیا۔"ہاں ، میں آپ کو اپنے حالات بتاؤں گا............آپ میری مدد کرسکتے ہیں یا نہیں لیکن میں آپ کو اپنی بے گناہی کا یقین ضرور دلاؤں گا۔"

اب شیراز اِن لوگوں کو اپنی آپ بیتی سنا رہا تھا۔اور پہاڑی علاقے کے یونانی مسلمان ،شیراز کی کہانی سنتے ہوئے پوری طرح اُس کی طرف متوجہ تھے۔آہستہ آہستہ ، بزرگ ، خالص پاشا کی بھنویں سکڑنے لگیں۔

♦......♦

مادام تھروشیا کی آواز سے پورا کمرہ لرز رہا تھا۔وہ انتہائی ، غصے کے عالم میں سردار ڈوگاسا کے بیٹے......بترو، کو ڈانٹ رہی تھی۔بترو ، مادام تھروشیا کو شیراز کے فرار کی خبر دینے کے لیے یہاں آیا تھا۔مقدونیہ سے کوہِ بلقان کا پہاڑی سلسلہ زیادہ دور نہیں تھا۔مادام تھروشیا نے بترو کے منہ سے شیراز کے فرار کی بات سنی تو مارے ، حیرت اور اشتعال کے اُس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں۔وہ کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح ، کمرے میں ٹہلنے لگی۔تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ رُکتی ، بترو، کی جانب دیکھتی اور یکا یک اُس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ پڑتا۔آج مادام تھروشیا حقیقی معنوں میں پاگل دکھائی دے رہی تھی۔بترو، سر جھکائے ایک طرف کھڑا تھا۔وہ بے حد شرمندہ تھا۔اچانک مادام تھروشیا نے حلق کے بل چلا کر بترو سے پوچھا:۔

"سردار ڈوگاسا کہاں ہے؟؟.........اِتنے نازک وقت میں وہ خود کہاں غائب ہوگیا۔میں پوچھتی ہوں تمہارا باپ ، سردار ڈوگاسا کہاں ہے؟ وہ خود کیوں نہیں آیا؟ تم نہیں جانتے اُس لڑکے کا فرار میرے لیے کتنا بڑا مسئلہ کھڑا کر دے گا۔کتنے نالائق ہو ، تم سب لوگ ۔ایک بزدل سے لڑکے کو گرفت میں نہیں لے سکے۔"

مادام تھروشیا غصے سے گرج رہی تھی اور بترو ، اُس کے سامنے دُم دبائے ، کھڑا تھا۔یہ سچ تھا کہ شیراز کا فرار مادام تھروشیا کو کسی تھپڑ کی طرح منہ پر لگا تھا۔وہ زخمی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔اُس کی آنکھیں ، شعلہء آتش کی طرح باہر کو لپک رہی تھیں۔وہ کسی غضبناک بادل کی طرح گرج رہی تھی:۔

Marfat.com

تمہارا قبیلہ .....مِل کر بھی، ایک معمولی لڑکے کو نہیں سنبھال سکا، تم مغربی مقدونیہ کی حکومت خاک سنبھالو گے؟ میں نے تمہارے باپ کو حکم بھجوایا تھا کہ ....لڑکے کو وادیء بلقان میں لے جا کر قتل کر دیا جائے اور اُس کی لاش، کسی اندھی کھائی میں پھینک دی جائے۔ پھر تم لوگوں نے اُسے زندہ کیوں رکھا؟"

اب بترو........کا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اُس نے منمناتے ہوئے جواب دیا:۔

"مادام!........اِس میں میرے بابا کی کوئی غلطی نہیں۔ وہ تو استنبول گئے ہوئے تھے۔ جب آپ کے قیدی کو ہمارے پاس لایا گیا تو بستی میں، میں اکیلا تھا۔ میں نے اِس لیے اُس لڑکے کو زندہ چھوڑ دیا کہ بابا خود آکر اُسے ....اپنے سامنے ختم کرنے کا کام سرانجام دیں گے۔"

"استنبول؟؟........کیوں؟؟........سردار ڈوگاسا، استنبول کیا لینے کے لیے گیا تھا۔ اوہ میرے خدا!........سب کام خراب ہو گئے۔ وہ لڑکا، اب ہمارے لیے بہت سے خطرات پیدا کرسکتا ہے۔ بترو!........تم اُس لڑکے کو اپنے علاقے میں تلاش کرو، اُس کی تلاش بہت ضروری ہے۔ میں یہاں مقدونیہ میں اُس کے لیے جال بچھاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھو!........کہ اگر وہ لڑکا نہیں ملا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑونگی۔"

مادام تھروشیا........بے سوچے سمجھے بولتی جا رہی تھی۔ اب تک تو وہ سمجھ رہی تھی کہ شیراز کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ کہ اب اُسے شیراز کی طرف سے کوئی خدشہ لاحق نہیں، لیکن یہاں تو بازی ہی اُلٹ گئی تھی۔ شیراز قتل نہ کیا گیا تھا بلکہ وہ فرار ہو چکا تھا۔ وہ کسی بھی وقت مقدونیہ پہنچ کر ....جانسن کے قتل کے بارے میں حقیقت اگل سکتا تھا۔

لیکن ایک لحاظ سے مادام تھروشیا مطمئن بھی تھی، اُس نے شیراز کے ساتھ جو بھی کارروائی کی تھی، کسی کارروائی کا سراغ مادام تھروشیا تک نہ پہنچتا تھا۔ البتہ شیراز کے فرار ہونے پر وہ بے حد پریشان ہوئی تھی، کیونکہ یہ ایک طرح سے اُس کی شکست تھی۔ اور اب تو شیراز کے اہلِ خانہ بھی غائب تھے، وہ مطمئن تھی کہ شیراز اپنے گھر والوں کو ڈھونڈ نہیں پائے گا۔ اُسے امید تھی کہ شیراز جونہی مقدونیہ واپس آئے گا، سب سے پہلے سیدھا اپنے گھر کی طرف جائے گا۔ چنانچہ اُس نے شیراز کے گھر پر گھات لگانے اور اُس کا کام تمام کرنے کا منصوبہ ترتیب دینا شروع کر دیا۔

لیکن شیراز تو اپنے گھر کی جانب نہ آیا تھا۔ بلکہ پہاڑی علاقے کے یونانی مسلمان سردار خالص پاشا کا ایک کارندہ، مقدونیہ آیا تھا تاکہ شیراز کے اہلِ خانہ کو لے کر کوہِ بلقان کی پناہ گاہ

Marfat.com

تک پہنچا سکے، لیکن یہاں آ کر اُسے بتایا گیا تھا کہ شیراز کی ماں اور اُس کا بوڑھا ملازم بہت دن، پہلے کسی اجنبی دیس کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔ خالص پاشا کے آدمی نے واپس پہاڑی پر جا کر یہ اطلاع خالص پاشا تک پہنچا دی تھی۔ شیراز یہ سب سن کر بے حد ملول ہوا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ جب تک اپنے دشمنوں کو اُن کے انجام تک نہیں پہنچائے گا، آرام سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ اپنی ماں کی طرف سے زیادہ فکر مند نہیں ہوا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کا بوڑھا خادم نیاز احمد اُس کی ماں کے ہمراہ تھا۔ شیراز نے فیصلہ کیا کہ وہ مقدونیہ کی بجائے استنبول جائے گا۔

اُس کا دشمن سردار ڈوگاسا، استنبول میں تھا۔ شیراز کو ابھی تک اپنے اصلی دشمن، مادام تھروشیا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اُس کے سامنے تو صرف سردار ڈوگاسا تھا، وہ سردار ڈوگاسا سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر ....اُس نے شیراز کے خاندان سے اپنی کس دشمنی کا بدلہ لیا؟ وہ سردار ڈوگاسا سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ آخر اُس کی معصوم بہن کو کس جرم کی پاداش میں بے آبرو کر کے قتل کیا گیا؟ شیراز اب ہر قیمت پر سردار ڈوگاسا سے ملنا چاہتا تھا۔

اُسے سردار ڈوگاسا کی تلاش تھی، لیکن ڈوگاسا اپنی بستی میں نہیں تھا، وہ حسبِ معمول استنبول میں موجود تھا۔

سردار ڈوگاسا کون تھا؟ ....یہ اُن سرداروں میں سے ایک تھا جو درونِ خانہ شہنشاہِ آسٹریا کے آلہ کار تھے۔ بیس سال پہلے ہونے والی بغاوت میں بھی سردار ڈوگاسا نے مادام تھروشیا اور اُس کے آنجہانی شوہر ......کارپوس کا ساتھ دیا تھا۔ سردار ڈوگاسا کا تمام کاروبار استنبول میں تھا۔ اپنی پہاڑی بستی میں تو وہ کبھی کبھی آتا تھا۔ استنبول میں اُس کا ''سودی قرضوں'' کا، کاروبار قصر سلطانی تک پھیلا ہوا تھا۔ محل سے وابستہ کئی امراء سردار، ڈوگاسا کے مقروض تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطنتِ عثمانیہ بتدریج زوال پذیر تھی۔ ایک وہ وقت تھا جب سلطان محمد فاتح نے اپنی لیاقت شجاعت اور ذہانت سے پورے یورپ کو مسحور کر دیا تھا اور اب ایک یہ وقت تھا کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان امراء اور بڑے بڑے پاشا اپنی عیاشیوں کے لیے یونانی ساہوکاروں کے سودی قرضے میں جکڑے ہوئے تھے۔

استنبول جو کبھی قسطنطنیہ تھا، اور پھر اسلام بول ہونے کے بعد بتدریج ''استنبول'' ہوا، آجکل عیسائی، ساہوکاروں کی زد میں تھا۔ خود مسلمانوں کی دولت برس ہا برس کا سود ادا کرنے کے بعد عیسائی ساہوکاروں کی دولت بن چکی تھی۔ حالانکہ سود ....وہ واحد برائی تھا، جس کے بارے

Marfat.com

میں اسلام نے سب سے زیادہ سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ مسلمانوں کی مقدس کتاب ''قرآن پاک'' میں سود خور کو اللہ کا ایسا دشمن بتایا گیا ہے، جس کے خلاف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا کھلا اعلان جنگ ہے۔ (القران)

لیکن استنبول اور ترکی کی سلطنت کے تمام پاشاؤں کی تمام تر عیاشیوں کا دارومدار، سود پر تھا اور سود بھی وہ جو ...... وہ اپنے ذمّیوں کو ادا کرتے تھے۔ یہ ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کی علامت تھی۔ مشرق کی طاقت، جو صدیوں میں یورپ اور ایشاء کے سنگم، یعنی استنبول منتقل ہوئی تھی، اب پوری طرح یورپ منتقل ہو رہی تھی۔ لندن اور مانچسٹر کے بازار جو سترھویں صدی سے قبل پوری مہذب دنیا سے کٹے ہوئے تھے، اب ترقی اور عروج کی علامت بنتے جا رہے تھے۔

زمین کی جغرافیائی تاریخ اب آنے والے ادوار کے، اشارے دے رہی تھی، لیکن مسلمانوں کے مرکزِ خلافت کو فطرت کے اُن اشاروں نے اپنی طرف متوجہ نہ کیا تھا۔ آنے والے ادوار میں یورپ اور اُس کی تہذیب کا غلغلہ مچنے والا تھا، لیکن ترکی اِس سے بے خبر تھا۔ مسلمانوں کی حاکمیت کا سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن اُس کی ضوفشانی میں اسلام کی رمق کم پڑتی جا رہی تھی۔

سردار ڈوگاسا، یونانی ساہوکار تھا۔ اُس کا تعلق، کوہِ بلقان کے پہاڑی، قبائل سے تھا۔ لیکن اُس کا تمام کاروبار استنبول میں پھیلا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ وقت، استنبول میں گزارتا تھا۔ استنبول میں اُس کی عالیشان رہائش گاہ تھی، جسے دیکھ کر سردار ڈوگاسا کی معاشرتی حیثیت اور شان و شوکت کا اندازہ ہوتا تھا۔ سردار ڈوگاسا کا بیٹا، بترو ...... بستی میں موجود رہتا تھا۔ سردار ڈوگاسا کے مادام تھروشیا کے ساتھ بہت پرانے مراسم تھے اور وہ ایسا دل پھینک تھا کہ، ابھی تک، مادام تھروشیا پر جان چھڑکتا تھا۔ مادام تھروشیا بھی تو ابھی تک جوان ہی تھی۔ بے شک اُس کی اولاد جوان تھی، لیکن وہ عورتوں کی ایسی قبیل سے تھی، جو کبھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔ کتنے ہی یونانی سردار تھے، جو مادام تھروشیا کے ایک، اشارے پر جان چھڑکتے تھے، لیکن مادام تھروشیا ..... سردار ڈوگاسا کو زیادہ اہمیت دیتی تھی۔

شیراز ...... خالص پاشا کے جوان بیٹے، سکندر پاشا کے ساتھ، استنبول آپہنچا۔ اُسے سردار ڈوگاسا سے ملنا تھا اور استنبول میں سردار ڈوگاسا جیسے شخص کو تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں تھا۔

Marfat.com

البتہ یہ الگ بات تھی کہ سردار ڈوگا سا ہمیشہ پہرے میں رہتا تھا۔ دراصل اُسے استنبول کے کسی دشمن سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ خطرہ تو اُسے اپنے دشمن قبیلہ سے تھا۔ اُس کا دشمن قبیلہ خالص پاشا کا قبیلہ تھا۔ خالص پاشا کے قبیلہ والے نسلاً یونانی ہی تھے، پاشا کا لفظ اُن کے آباء نے استعمال کیا تھا۔ یہ لوگ، صدیوں پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ کوہ بلقان کی پہاڑیوں پر ہزاروں، قبائل آباد تھے۔ اِن قبائل میں اکثریت، عیسائیوں کی تھی، لیکن کوہ بلقان کی مشرقی پہاڑیوں پر زیادہ تر مسلمان قبائل ہی آباد تھے۔ یہ قبائل حکومتی احکامات سے آزاد ہوتے تھے۔ اِن قبائل میں قدیم قبائلی قوانین لاگو تھے۔ استنبول کی نسبت، گردو نواح کے یہ آزاد مسلمان، اپنے مذہب سے زیادہ نزدیک تھے۔

شیراز، استنبول .... پہلے بھی کئی مرتبہ آچکا تھا۔ استنبول، مقدونیہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ مقدونیہ کے لوگوں کا زیادہ تر کاروبار، استنبول سے وابستہ تھا۔ دراصل استنبول، مشرق و مغرب کا سنگم تھا، استنبول کی بندرگاہ جو پوری دنیا میں آبنائے باسفورس کے نام سے مشہور تھی، بین البراعظمی تجارت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ [1] شیراز، استنبول سے ناواقف نہیں تھا، لیکن اِس مرتبہ وہ سکندر پاشا کے ساتھ آیا تھا۔ سکندر پاشا .... آخر ایک قبائلی سردار کا بیٹا تھا۔ دیگر پہاڑی سرداروں کی طرح سکندر پاشا کے باپ خالص پاشا نے بھی استنبول میں ایک عالیشان حویلی تعمیر کر رکھی تھی۔ جو استنبول کے محلہ ''توپ کاپے'' میں واقع تھی۔ یہ محلہ توپ کاپے سرائے کے نام سے مشہور تھا۔ [2] سکندر پاشا اپنے دو کڑیل محافظوں کی معیت میں شیراز کو استنبول لے کر پہنچا۔

سکندر پاشا کی حویلی بڑی شاندار تھی۔ یہ ایک خوبصورت عمارت تھی۔ جس کے صدر

---

[1] آبنائے باسفورس قدرت کا عجیب شہکار ہے۔ یہ سمندری پانی کی ایک چھوٹی سی گذرگاہ ہے، جو بحر مارمورا اور بحر اسود کو آپس میں ملاتی ہے۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ آبنائے، براعظم یورپ اور براعظم ایشیا کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی ہے۔ اس کی لمبائی ۱۹ میل ہے، جبکہ اِس کی چوڑائی ایک طرف سے تین اور دوسری طرف سے ایک کلومیٹر ہے۔ آجکل اس آبنائے پر ایک خوبصورت پل بنا دیا گیا ہے۔ اس آبنائے کے بارے میں تفصیل سے پڑھنے کے لیے راقم الحروف کا ناول ''سلطان محمد فاتح'' ملاحظہ فرمائیں۔

[2] توپ کاپے سرائے دراصل پرانے استنبول یعنی قسطنطنیہ کی فصیل کا ایک دروازہ تھا، سلطان محمد فاتح نے اپنے محاصرے کے دوران، اِس دروازے کے سامنے اپنی توپیں نصب کروائیں۔ تب سے اِس جگہ کا نام توپ کاپے پڑ گیا۔ (مصنف)

Marfat.com

دروازے پر "خالص پاشا" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ عمارت میں ہر قسم کی سہولت موجود تھی۔ ایک ملازم جو چوکیدار، مالی، باورچی ہر قسم کے، کام کرتا تھا، پہلے سے وہاں موجود تھا۔ شیراز کو سکندر پاشا نے ایک الگ کمرہ دے دیا۔ سکندر پاشا کے وفادار، محافظوں.........یعنی شہروز اور زریاب کو ایک اکٹھا کمرہ مل گیا۔ سکندر اور شیراز استنبول میں غروبِ آفتاب کے قریب داخل ہوئے تھے۔ زریاب اور شہروز تھوڑی دیر حویلی میں رُکے اور پھر نہ جانے کہاں چل دیے۔

رات کے وقت جب سکندر اور شیراز آتشدان کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ دونوں واپس آئے اور انہوں نے سکندر پاشا کو شیراز سے علیحدگی میں ملنا چاہا.........شیراز کے کان کھڑے ہوگئے، لیکن شیراز مطمئن تھا۔ گذشتہ ایام میں جس طرح سکندر پاشا اور اُس کے خاندان نے شیراز کی مدد کی تھی، شیراز کو اب اُن پر کوئی شک، باقی نہ رہا تھا۔ وہ شیراز کے ساتھ دھوکا کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ استنبول آنے سے پہلے شیراز نے چند دن، سکندر پاشا کی پہاڑی بستی میں اُن کے ساتھ گزارے تھے۔ اب وہ اِن، پہاڑی لوگوں کا مزاج خوب سمجھ چکا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ سکندر پاشا کی وفاداری اور خلوص میں سچائی تھی۔ چنانچہ شیراز خاموشی سے اُن تینوں کی جانب دیکھتا رہا۔ وہ کمرے میں ایک طرف کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سکندر مسکراتا ہوا شیراز کی جانب پلٹا:۔

"شیراز!.......سردار ڈوگاسا یہاں نشاط منزل میں مقیم ہے۔ یہی اُس کا عالیشان محل ہے۔ اس کے ساتھ اس کے آدمی بھی ہیں۔ بظاہر یہاں اُس کا سود کا کاروبار ہے لیکن حقیقت میں وہ ،عیسائیوں کا جاسوس ہے۔ سلطان کے عنانِ حکومت اِس بات سے باخبر ہیں لیکن کسی میں مجال نہیں کہ اُس پر ہاتھ ڈال سکے۔"

سکندر پاشا نے شیراز سے مخاطب ہوکر کہا۔ شیراز کا دل دھڑکنے لگا۔ تو گویا وہ ڈوگاسا کے نزدیک تھا۔ وہ ڈوگاسا سے سب کچھ پوچھ سکتا تھا۔ وہ اُس سے پوچھ سکتا تھا کہ آخر ڈوگاسا نے اُس پر قتل کا الزام کیوں عائد کیا؟ وہ پوچھ سکتا تھا کہ اُس کی معصوم، پھولوں جیسی پاکیزہ بہن کی عزت کو تار تار کیوں کیا گیا تھا؟.........شیراز کے دل میں یہ حقائق جاننے کے لیے بے پناہ تجسس تھا۔ اُس نے اپنی گہری سوچ سے باہر آتے ہوئے بڑے لجاجت بھرے لہجے میں سکندر پاشا سے کہا:۔

Marfat.com

"سکندر!.........کیا ہم جلد، سردار ڈوگا سا پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے؟"

"کیوں نہیں ڈال سکتے۔ہم جلد ہی اُس پر ہاتھ ڈالیں گے۔بس کل سے ہی ہم اُس کے اوقات معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ہمیں ڈوگا سا کو گرفت میں لینے کیلیے بڑی احتیاط اور ذہانت سے کام لینا ہوگا۔وہ استنبول کا کافی بڑا آدمی ہے"۔

شیراز نے دھیان سے سکندر پاشا کی بات سنی، پھر کسی قدر خفت آمیز لہجے میں سکندر سے کہا:۔

"سکندر!......میری بدقسمتی ہے، کہ میں شمشیر زنی کا فن بھی نہیں جانتا۔سکندر! اب مجھے احساس ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے فنونِ حرب سے آگاہ ہونا کس قدر ضروری ہے۔کاش میں نے یہ فنون سیکھے ہوتے۔"

اُس کے لہجے میں بے پناہ تأسف تھا۔سکندر، شہ روز اور زریاب نے بڑی ہمدردی کے ساتھ شیراز کی جانب دیکھا، پھر سکندر نے دلاسہ دینے کے انداز میں شیراز سے کہا:۔

"گھبراؤ مت!.........تم مسلمانوں کے بیٹے ہو۔تمہارے لیے یہ فنون سیکھنا چنداں مشکل نہیں۔میں تمہارے لیے کسی اچھے سے استاد کا بندوبست کرتا ہوں۔تم جتنے دن استنبول میں ہو کم از کم شمشیر زنی کی مشق تو کرلو۔ابھی تمہاری عمر کم ہے۔تم بہت جلد اعلیٰ مہارت حاصل کرلوگے۔ویسے بھی تمہارا ڈیل ڈول سپاہیوں جیسا ہے۔تم نے بتایا تھا کہ تمہارے والد ایک اچھے لوہار تھے۔یہ تمہارا جسم تمہارے باپ پر گیا ہے۔لوہاروں کے جسم مضبوط اور خوبصورت ہوتے ہیں۔شیراز تم فکر مت کرو، تم بہت جلد مسلح ہو جاؤ گے"۔

سکندر نے بڑے خوبصورت انداز میں شیراز کو دلاسہ دیا۔جس سے شیراز کی خوب ڈھارس بندھی۔لیکن شیراز کے چہرے پر سے مایوسی کے بادل نہ چھٹے۔اُس نے منہ بسورتے ہوئے کہا:۔

"تب تک تو ہم سردار ڈوگا سا جیسے آدمی کو قابو میں نہیں کر سکتے........ہیں ناں"

لیکن سکندر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا:۔

"کیوں؟......کیا ہم تمہارے شمشیر زنی سیکھنے کا انتظار کرتے رہیں گے۔نہیں نہیں! تم فکر مت کرو۔شہ روز اور زریاب ہمارے قبیلے کے مانے ہوئے جنگجو ہیں۔سلطان جب بھی ہمارے قبائل سے افرادی کمک مانگتا ہے، ہمارے دستوں کی سپہ سالاری یا بابا خود کرتے ہیں، یا

Marfat.com

شہ روز کو بھیجتے ہیں۔ یہ دونوں اسی کام کے لیے ہی تو ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ تم دیکھنا ہم سردار ڈوگاسا کو کیسے گرفت میں لیتے ہیں۔ اور سنو!........ جب تک کسی اچھے اُستاد کا بندوبست نہیں ہو جاتا تم شہ روز اور زریاب سے کیوں نہیں سیکھ لیتے۔ یہ بہت اچھے شمشیر زن ہیں۔ اس طرح تمہارا کچھ ہاتھ چل جائے گا۔"

سکندر نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی۔ شیراز نے پُر اشتیاق نظروں سے زریاب اور شہ روز کی جانب دیکھا۔ اُسے سکندر کا مشورہ اتنا پسند آیا کہ اگلی صبح سے ہی اُس نے شمشیر زنی کی مشق شروع کر دی۔ اور چند ہی دن میں شیراز کے ہاتھ کسی ماہر شمشیر زن کی طرح چلنے لگے۔ وہ بے پناہ توجہ سے تلوار بازی سیکھ رہا تھا۔ سکندر اور اُس کے ساتھی شیراز کی استعداد پر حیران رہ گئے۔ اب شیراز خود کو پہلے سے زیادہ طاقت ور تصور کرنے لگا تھا۔ اُسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ جسمانی طاقت میں بھی کسی سے کم نہیں تھا اور یہ شیراز کے لیے بے پناہ خوشی کی بات تھی۔

اسی اثناء میں سکندر اور اُس کے ساتھیوں نے سردار ڈوگاسا کی پوری پوری جاسوسی کر لی۔ سردار ڈوگاسا، استنبول میں اپنے ملازموں اور غلاموں کے ساتھ رہتا تھا۔ اُس کے اہلِ خانہ میں کوئی یہاں اُس کے ساتھ مقیم نہیں تھا۔ وہ ایک عیاش آدمی تھا اور اتنی بڑی حویلی میں محض رنگ رلیاں منانے کیلیے رہائش پذیر تھا۔ ساتھ کے ساتھ اُس کے باقی دھندے بھی جاری تھے۔ سود پر قرض دینے کے علاوہ وہ شراب کی درآمد کا کام بھی کرتا تھا اور یہ اُس کا ایک خفیہ کاروبار تھا کیونکہ مرکزِ خلافت ہونے کی وجہ سے استنبول میں شراب پر پابندی تھی۔ سردار ڈوگاسا کے شراب سے بھرے ڈرم "آسٹریا" اور انگلستان سے آتے تھے۔ سردار ڈوگاسا، درونِ خانہ عیسائی ممالک کے حکمرانوں کا آلہ کار تھا۔ اُسے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ اُس کا تعلق رومن کیتھولک فرقہ سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہنشاہِ روس "پیٹر اعظم" اور اُس کی ملکہ "کیتھرائین" تک اُس کی رسائی تھی۔

بعض مسلمان، امرائے سلطنت، ڈوگاسا کی ریشہ دوانیوں سے واقف تھے، لیکن وہ ڈوگاسا کے مقروض تھے اور یہی وجہ تھی کہ ڈوگاسا کھلے بندوں، استنبول میں جو بھی چاہتا تھا کرتا تھا۔ اُس کے بستر پر ہر رات ایک نئی دوشیزہ ہوتی۔ وہ شراب، کباب اور شباب تینوں چیزوں کا رسیا تھا۔ یہ سب معلومات تو سکندر کے پاس پہلے سے تھیں۔ اب تو انہیں سردار ڈوگاسا کی حویلی میں مقیم افراد کی تعداد کے علاوہ اُس کے تمام تر اوقات کی خبر ملی تھی۔ اس دوران شیراز استنبول

Marfat.com

شہر میں کھلے بندوں نہ گھوما تھا، وہ ابھی اپنے دشمنوں سے پوشیدہ رہنا چاہتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ابھی سردار ڈوگاسا کے آدمی، ہر جگہ اُس کی بو سونگھتے پھر رہے ہونگے۔ استنبول وارد ہونے کے دسویں روز سکندر پاشا نے شیراز کو بتایا کہ سردار ڈوگاسا کی حویلی پر حملہ کرنے کے لیے تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ مارے تجسس اور سنسنی کے شیراز کی نبضیں تیز ہو گئیں۔

اگلے روز وہ تینوں سردار ڈوگاسا کی سرکوبی کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ شہروز کا طوفانی گھوڑا سب سے آگے تھا۔ شیراز، سکندر اور زریاب کے پاس شمشیریں تھیں، جبکہ شہ روز کے پاس بندوق تھی۔ ایک بندوق سکندر کے گھوڑے کی زین کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ راستے میں ایک جگہ سکندر نے سب کو روک کر کہا:۔

''ہمیں براہِ راست حرکت کرتے ہوئے سردار ڈوگاسا کو گرفت میں لینا ہے اور وہیں اس کی زبان کھلوانی ہے۔ تم سب یہ بات ذہن میں رکھنا۔ لیکن ہم سردار ڈوگاسا کو کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ وہ ہمیں پہچانتا ہے، اگر وہ کسی کو شکل سے نہیں پہچانتا تو وہ شیراز ہے۔ ہم سب اُس کی پڑوسی بستی کے رہنے والے ہیں۔ سردار ڈوگاسا کی حویلی میں اِس وقت دس کے قریب محافظ ہونگے، ہوسکتا ہے اُن کے پاس بھی بندوقیں ہوں لیکن امید ہے کہ اگر اُن کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہوئی تو وہ صرف شمشیر بکف ہی ہونگے۔ ہمیں ہر کام ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔ آخر وقت تک حویلی کے کسی محافظ کو ہماری آمد کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ شیراز اور میں اندر جائیں گے۔ شہ روز اور زریاب! .... تم لوگ حویلی کے باہر رہوگے۔ صرف خطرے کی صورت میں تم لوگوں کو ہماری مدد کے لیے اندر آنے کی اجازت ہے۔ ورنہ تم گھوڑے مستعد رکھوگے اور ہمارا انتظار کروگے۔''

سکندر کسی ماہر، جنگجو سالار کی طرح سب کو ہدایات دے رہا تھا۔ آخر وہ خالص پاشا جیسے سالار کا بیٹا تھا۔ اُس کی بات مکمل ہوئی تو شہ روز نے کہا۔

''لیکن ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ تم خطرے میں گھر چکے ہو؟''

اُس کا سوال معقول تھا۔ سکندر نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر شہ روز کو مخاطب کر کے کہا:۔

''اِس بات کی دو نشانیاں رکھی جاسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم جلتا ہوا تیر باہر کی طرف پھینکیں گے۔ دوسری یہ کہ میں کسی جنگلی پرندے کی آواز اپنے حلق سے خارج کرونگا۔ جیسی ہم لوگ اپنے پہاڑوں پر ایک دوسرے کو نشانی دینے کے لیے خارج کرتے ہیں۔''

Marfat.com

شہروز نے اطمینان سے سر ہلایا، لیکن سکندر کی بات ابھی تک جاری تھی۔ وہ کہہ رہا تھا:۔

''ہم بندوق کے استعمال سے پرہیز کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر سردار ڈوگاسا کے محافظوں نے بندوق استعمال کی تو ہمیں بھی مجبوراً بندوق چلانی پڑے گی۔ ایسی صورت میں تو تم لوگوں کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ اندر کیا صورتحال ہے۔ تم فکر مت کرو!..... مجھے امید ہے اِس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ ہم سیدھا سردار ڈوگاسا کے کمرے میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اندر کا نقشہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہے۔ انشاء اللہ ڈوگاسا کے کسی محافظ سے ہماری مڈھ بھیڑ ہی نہیں ہوگی۔''

اتنا کہہ کر سکندر، شیراز کی جانب متوجہ ہوا:۔

''شیراز!........ ڈوگاسا سے بات تم کرو گے۔ میں تمہاری پشت پر موجود رہونگا۔ لیکن حویلی میں اترنے کے لیے ہمیں الگ الگ راستے اختیار کرنے ہونگے، پھر اُس نقشے کے مطابق، جو ہم نے ذہن میں ازبر کر رکھا ہے۔ ہم مختلف راستوں سے سردار ڈوگاسا کی خواب گاہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ ہم میں سے جو کوئی وہاں پہلے پہنچ گیا وہ اُس بیرونی برآمدے کے ستون کی اوٹ میں جو سردار ڈوگاسا کی خواب گاہ کے باہر موجود ہے، چھپ کر دوسرے ساتھی کے پہنچنے کا انتظار کرے گا۔''

سکندر نے وہ تمام تفصیلات ایک مرتبہ پھر دہرا دیں، جو انہوں نے روانہ ہونے سے پہلے آپس میں طے کی تھیں۔ سکندر بڑا سلجھا ہوا نوجوان تھا، اُس کی طبیعت میں ہر چیز کو مکمل دیکھنے کی عادت تھی۔ اُس نے سردار ڈوگاسا پر حملہ کرنے سے پہلے ہر چیز پر باریک بینی سے غور کیا تھا، شیراز کو تو توقع ہی نہ تھی کہ اِس واردات میں انہیں، کس قسم کے خدشات سے واسطہ پڑ سکتا تھا۔ جبکہ سکندر پاشا ایک پہاڑی سردار کا لائق بیٹا تھا جو جامعہ عثمانیہ استنبول میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ وہ شیراز کی طرح فنون حرب سے ناواقف نہیں تھا۔ اُس نے شمشیر زنی، نیزہ بازی اور خاص کر تیر اندازی تو بچپن میں ہی سیکھ لی تھی۔ شیراز نے اُس کی جنگجویانہ صلاحیتیں دیکھیں تو اُس کی قابلیت کا قائل ہو گیا۔

سردار ڈوگاسا کی حویلی مغربی استنبول کی گنجان آبادی میں تھی۔ یہ عیسائیوں کی آبادی تھی۔ عیسائیوں کے بعض خاندان ''فتح قسطنطنیہ'' سے ابھی تک یہیں آباد تھے۔ ان کے آباؤ اجداد قرن ہا قرن سے اسی جگہ آباد تھے۔ ۱۴۵۳ء میں فتح قسطنطنیہ کے بعد مسلمانوں نے

Marfat.com

عیسائیوں کو قسطنطنیہ سے نکالا نہیں تھا، لیکن اِس کے برعکس ۱۴۹۲ء میں شاہ فرڈینینڈ نے اندلس سے تمام مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دے دیا تھا۔ صرف وہی مسلمان ہسپانیہ میں رہ سکتے تھے جو ملکہ ازابیلہ کی تحریکِ اصطباغ کا شکار ہو کر خود کو عیسائی ظاہر کرتے۔ سلطان محمد فاتح نے ایسا نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اندلس کی جو اہمیت مسلمانوں کے نزدیک تھی، اُس سے ہزار ہا گنا زیادہ اہمیت قسطنطنیہ کی عیسائیوں کے نزدیک تھی۔ قسطنطنیہ میں عیسائیوں کا سب سے بڑا چرچ ''آیا صوفیہ'' تھا۔ جس کی مذہبی حیثیت عیسائیوں کے نزدیک یروشلم کے بعد سب سے زیادہ تھی۔

استنبول میں عیسائی آج تک آباد تھے۔ نشاط منزل اسی علاقے میں تھی۔ سکندر کا مسلح دستہ آدھی رات کی تاریکی میں انتہائی احتیاط کے ساتھ نشاط منزل کے نزدیک آ پہنچا۔ اب وہ سب سردار ڈوگاسا کی حویلی پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ حویلی کی فصیل دس فٹ کے قریب اونچی ہے۔ اِس لیے حویلی میں کسی برج کی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی۔ کھلی سڑک کے کنارے استادہ انجیر کے گھنے پیڑ تلے وہ ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔ شیراز حویلی کی عقبی جانب چل دیا اور سکندر جنوبی دیوار کی طرف بڑھا۔ جبکہ شہ روز صدر دروازے کے سامنے مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا اور زریاب شمالی دیوار کے ساتھ اوٹ لے کر۔

عقبی دیوار خاصی اونچی تھی۔ شیراز کسی ''بلی'' کے سے انداز میں دیوار کی جڑ کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شمالی کونے تک پہنچ گیا۔ یہاں عقبی باغیچہ تھا۔ فصیل کے اندرونی طرف انجیر کے گھنے درخت استادہ تھے۔ سردار ڈوگاسا، ہمیشہ محتاط رہتا تھا لیکن اپنی حویلی میں وہ بے فکر ہو کر رہائش پذیر تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کے آس پاس تمام آبادی عیسائیوں کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ جانتا تھا کہ کسی مسلمان میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ سردار ڈوگاسا کی حویلی میں داخل ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ شمالی کونے میں انجیر کے درختوں کی شاخیں ضرورت سے زیادہ پھیل چکی تھیں، لیکن اتنی زیادہ پھیلی ہوئی تو کوئی شاخ بھی نہ تھی کہ شیراز اُسے پکڑ کر اوپر چڑھ سکتا۔

شمالی کونے میں پہنچ کر شیراز نے فوری طور پر پنجوں کے بل کھڑے ہو کر کسی بازی گر کی طرح خود کو ہوا میں اچھالا اور دونوں ہاتھ بلند کر کے دیوار کو کنارے سے پکڑ لیا۔ اور پھر کسی........بن مانس کی طرح اپنے بازوؤں کو اکڑا کر پوری قوت سے خود کو اوپر اٹھا لیا۔ شمشیر اُس کے دانتوں میں دبی ہوئی تھی۔ اُس کا سر جیسے ہی دیوار سے بلند ہوا، اُس نے کہنی دیوار پر ٹکا دی اور اچھل کر دیوار پر چڑھ گیا۔ اب شمشیر اُس نے ہاتھ میں تھام لی۔ شیراز نے دوسری

Marfat.com

طرف بھی اسی طرح خود کو لٹکا لیا اور پھر ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی۔ اب وہ زمین پر تھا۔ اس طرف کوئی محافظ نہیں تھا۔ اِس طرف صرف ایک مورچہ بنانے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی، جو جنوبی کونے میں تھا جبکہ شیراز عقبی سمت کے شمالی کونے میں کودا تھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے دبکا رہا۔ اُس کے بائیں اور دائیں بیرونی دیوار تھی اور آگے مہندی کے پودے کی خوشنماء باڑ۔ یوں وہ مہندی کی باڑ کے پیچھے حویلی کے آخری کونے میں تقریباً سانس روکے اکڑوں بیٹھا تھا۔ دوسری طرف ابھی تک خاموشی تھی۔ اسکا دل سینے میں، بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس وقت یقیناً شیراز کا چہرہ بھی ہلدی تھا اور اُس کے ہاتھ، پاؤں بھی کانپ رہے تھے۔ یہ اُس کی زندگی کی پہلی واردات تھی۔ یہاں پہنچ کر شیراز کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ حقیقتاً بالکل ناتجربہ کار ہے۔ اُس کے دل سے ایک آواز اٹھی...... شیراز میاں!...... دم دبا کر بھاگ جاؤ، لیکن زریاب، شہ روز اور سردار خالص پاشا کے بیٹے سکندر کو آگ کے الاؤ میں جھونک کر وہ جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اُس نے تو خود ہی سکندر کے ہمراہ حویلی کے اندر داخل ہونے کی ضد کی تھی، حالانکہ شہ روز اِس کے حق میں نہیں تھا۔ سکندر بھی یہی چاہتا تھا کہ شیراز حویلی سے باہر رُک کر اُن سب کا انتظار کرے، جبکہ شیراز نے اصرار کیا تھا کہ سردار ڈوگا سا پر سب سے پہلا حملہ وہ خود کرنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ خود حویلی میں داخل ہوگا۔

دوسری طرف کوئی ہلچل، کوئی چیخ، کوئی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔ شیراز کے کان پوری توجہ سے اُدھر ہی لگے ہوئے تھے۔ معاً عمارت کی عقبی طرف کا دروازہ کھلا۔ دروازہ انتہائی بے آواز طریقے سے کھولا گیا۔ دروازہ کھلنے کے باوجود بھی کسی قسم کی کوئی روشنی باہر نہ نکلی۔ یقیناً دروازہ کھولنے والا احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ شیراز حیران رہ گیا کہ سکندر اتنی جلدی، عقبی سمت میں بھی پہنچ گیا؟......... اُسے یقین نہ آ رہا تھا، کیونکہ سکندر نے اُسے حویلی کے اندر ہی ملنے کی جگہ بتائی تھی۔ تو پھر یہ شخص کون تھا، جو حویلی کی عقبی عمارت سے چوروں کی طرح باہر آ رہا تھا۔ شیراز کی سانسیں یکلخت تیز ہو گئیں۔ شاید حویلی کا ہی کوئی فرد، عقبی دروازے سے باہر آیا تھا، تو کیا وہ لوگ حملہ آوروں کی آمد سے باخبر تھے۔ شیراز کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

شیراز نے اپنے اندر پیدا ہونے والے خوف اور وحشت پر قابو پانے کی لاکھ کوشش کی لیکن اُس کے دل کی دھڑکن ہر لمحہ کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ شیراز کو یوں لگا جیسے اُسکا دل عنقریب پھٹ جائے گا۔ اچانک عقبی سمت کے دروازے سے باہر آنے والے کے ہاتھ میں

Marfat.com

جلتی ہوئی مشعل دکھائی دینے لگی۔شیراز نے خود کو باڑ کی جڑ کے ساتھ، ڈال دیا۔اور تلوار، اپنے دائیں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لی۔خدا جانے سکندر کے ساتھ کیا بیتی تھی ۔شیراز نے اپنے حواس کو مجتمع کرنا شروع کر دیا۔اُس نے خود سے کہا؛.........''گھبرانے کی کوئی بات نہیں شیراز میاں! تمہارا دشمن ،تمہارے سامنے ہے ۔ یہ نہ صرف اکیلا تمہارا دشمن ہے بلکہ مسلمانوں کے بچے بچے کا قاتل ہے، ہمت کرو اور ٹکرا جاؤ......اِس ابلیسی چٹان سے ۔ یہ جہاد ہے اور اگر یہاں، تم مر گئے تو یقیناً تمہیں شہادت کا رتبہ نصیب ہوگا۔''

اُس کی شریانوں میں یکلخت پارہ بھر گیا۔اُس کے اعصاب تن گئے اور خوف کی جگہ ولولے نے لے لی۔اگلے لمحے کسی کے باتیں کرنے کی آواز شیراز کی سماعت سے ٹکرائی ۔آواز ہلکی تھی، پھر ایک سایہ باہر کی طرف لپکا۔آنے والے کے عقب پر مشعل کی روشنی پڑ رہی تھی۔ آنے والے کے ہاتھ میں بھی مشعل تھی ۔ یہ ایک سایہ تھا جو مشعل کی روشنی میں اور بھی خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔عقبی عمارت ،زمین سے چند زینے بلند تھی ۔آنے والا سایہ جیسے ہی زینوں سے اتر کر عقبی باغیچے میں داخل ہوا، شیراز کے بدن کا ایک ایک رونگٹا تن گیا۔شیراز کو یقین ہو گیا کہ اب وہ، دیکھ لیا جائے گا۔صورتحال اُس کی توقع سے کہیں زیادہ بگڑ چکی تھی سکندر کا کہیں پتہ نہیں تھا اور شہ روز کی طرف سے فوری طور پر کسی مدد کی توقع عبث تھی ۔ سایہ، بمعہ مشعل باڑ کی طرف بڑھنے لگا، اور یہ اتفاق تھا یا کچھ اور ....کہ اس کا رخ بھی شیراز کی جانب ہی تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ آخر اِن لوگوں کو شیراز کا پتہ کیسے چل گیا تھا۔کہیں سکندر تو نہیں پکڑا گیا۔شیراز نے سوچا ،لیکن اُس کے دل نے کہا.........نہیں ۔اگر سکندر کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا تو اُس نے کوئی نہ کوئی آواز ضرور سنی ہوتی۔سایہ اب شیراز کے سر پر پہنچ چکا تھا کہ یکا یک.........وہ رُک گیا۔

اُسے اندرونی عمارت سے کھٹکا سنائی دیا تھا۔ یہ کھٹکا شیراز نے بھی سنا تھا۔دفعتاً عقبی عمارت کے دروازے سے آنے والی مشعل کی روشنی گم ہوگئی۔ شاید آنے والے سایے کے عقب میں کوئی دوسرا شخص بھی موجود تھا، جو اندرونی عمارت میں کھٹکا سن کر تیزی سے اندرونی عمارت کی جانب بڑھ گیا تھا۔وہ سایہ جو شیراز کے نزدیک پہنچ چکا تھا، یکلخت پلٹا ....اور عمارت کے اندرونی حصہ کی جانب دوڑتا چلا گیا۔شیراز بال بال بچ گیا۔ یہ غالباً سردار ڈوگا سا کے محافظ تھے، جو اپنے کسی شک کی بنا پر عمارت کے عقبی حصہ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے ،لیکن

Marfat.com

جونہی انہوں نے عمارت کے اندرونی حصہ میں کھٹکا سنا ،دونوں عمارت کے اندرونی حصہ کی جانب دوڑ گئے۔ غالباً دوسری طرف کا کھٹکا ،سکندر کی کسی حرکت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔

نہ جانے شیراز کے دل میں کیا آئی کہ وہ اٹھا ،اور چار پاؤں پر چلتا ہوا عمارت کے عقبی دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور دوسری طرف تاریکی تھی۔ وہ تیزی سے دروازے کے قریب پہنچ کر دیوار کے ساتھ چھپ گیا۔ اندر سے کسی کے باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی آواز شیراز کو سنائی دی۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر کچھ نہ کچھ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ شیراز نے دل میں تین بار اللہ کا نام لیا اور اگلے لمحے وہ عمارت کے اندر تھا۔ اُس نے وقت ضائع کیئے بغیر ساتھ والے کمرے کے دروازے کو دھکیل دیا۔ یہ کمرہ روشن تھا۔

لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا، البتہ اِس کمرے کا دروازہ ایک اور کمرے میں کھل رہا تھا۔ شیراز نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کمرے میں داخل ہوگیا۔ کمرے کی چھت میں عمدہ فانوس نصب تھا۔ شیراز کمرے میں رکے بغیر عمارت کے اندرونی حصہ کی طرف بڑھتا چلا گیا، جہاں اُس نے سکندر کے ساتھ ملنا ،طے کر رکھا تھا۔ وہ کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل کر ایک تنگ سی راہداری میں آ گیا۔ یہ راہداری بھی روشن تھی۔ غالباً سردار ڈوگا سا کی حویلی میں رات بھر فانوس جلتے رہتے تھے۔ راہداری کے اختتام پر پہنچ کر شیراز بری طرح ٹھٹھکا۔ کیونکہ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ لیکن اِس سے پہلے کہ شیراز راہداری کے اختتام پر پہنچ کر اُس کمرے میں داخل ہوتا جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ معاً کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص تیزی سے باہر نکلا۔ اگلے لمحے باہر نکلنے والے شخص کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ جونہی باہر نکلا ،اپنے سامنے شیراز کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اُس کی زبان گنگ ہوگئی، اور آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹ کر کانوں کی لوؤں کو چھونے لگیں۔ اب شیراز اور سردار ڈوگا سا کا محافظ آمنے سامنے تھے۔ یکا یک سردار ڈوگا سا کے محافظ نے اپنی شمشیر الف کر لی۔ شیراز کی شمشیر تو پہلے ہی سے شیراز کے ہاتھ میں تھی۔

فضا........لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آواز سے گونج اُٹھی۔ دونوں تلواریں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ شیراز بڑی مہارت کے ساتھ دشمن کے ہر وار کو اپنی تلوار پر روک رہا تھا، لیکن وہ اِس لڑائی کو زیادہ دیر جاری نہ رکھ سکتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ابھی کوئی نہ کوئی شخص اِس کمرے سے نکلے گا، جس کمرے سے یہ شخص نمودار ہوا تھا، کیونکہ اِسی کمرے سے آنے والی آوازیں ،شیراز

Marfat.com

نے سنی تھیں۔ یہی سوچ کر شیراز نے اپنی تلوار فضا میں لہرائی اور محافظ پر حملہ کر دیا۔ اب تک وہ محافظ کے حملوں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اب وہ خود حملے کرنے لگا۔ شیراز کے حملوں میں جنون کا عنصر شامل تھا۔ مدِ مقابل شیراز کی مستعدی سے پریشان ہو گیا اور شیراز کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے پسپا ہونے لگا۔ اسی اثناء میں شیراز کی نظر اُس شخص پر پڑی، جو مدِ مقابل کے عقب میں نمودار ہوا تھا۔ اب شیراز کے پاس وقت بہت کم تھا۔ نہ جانے شیراز کو کیا ہوا کہ اُس نے، دو قدم پیچھے ہٹ کر اپنے مدِ مقابل پر ایسا عجیب وار کیا جس سے اُس کا سر....اُس کے تن سے جدا ہو کر دور لڑھکتا چلا گیا۔

شیراز نے اپنی زندگی کا پہلا قتل کر دیا تھا۔ کمرے سے نمودار ہونے والا شخص، جسامت کے لحاظ سے شیراز کی نسبت دوگنا تھا۔ اُس کے جسم پر عمدہ لباس دیکھ کر شیراز نے سوچا.........ہو نہ ہو.......یہی شخص سردار ڈوگاسا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ دراصل جس وقت یہ لوگ سردار ڈوگاسا کی حویلی میں داخل ہوئے تھے، اُس وقت سردار ڈوگاسا، ابھی جاگ رہا تھا۔ آج اُس کے بستر پر ایک نئی حسینہ موجود تھی۔ جس رات سردار ڈوگاسا کے بستر پر کوئی نئی لڑکی موجود ہوتی وہ ساری رات جاگتا رہتا اور جب تک سردار ڈوگاسا جاگتا رہتا، اُس کے محافظ بھی پوری طرح چوکنے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شیراز جب مہندی کی باڑ کے عقب میں چھپا ہوا تھا، تو اتفاق سے حویلی کے محافظ، عقبی سمت کا جائزہ لینے کے لیے آئے تھے۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت سکندر بھی حویلی میں داخل ہو چکا تھا۔ سکندر جس طرف سے داخل ہوا تھا.........وہ سمت زیادہ حساس اور خطرناک تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حویلی میں داخل ہوتے ہی، سردار ڈوگاسا کے ایک محافظ کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ لیکن یہ تو سکندر کی مہارت تھی کہ وہ آنِ واحد میں محافظ کی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔ شیراز، اور عقبی سمت میں موجود پہرے داروں نے کھٹکا اُسی وقت سنا تھا، جب سکندر نے ......کمال مہارت سے حویلی کے محافظ کو گرالیا۔ سکندر نے تلوار استعمال ہی نہ کی تھی، بلکہ اچانک ایک ستون کے عقب سے وہ کسی چھلاوے کی طرح نمودار ہوا، اور اُس نے اپنی بندوق کے بٹ سے محافظ کی کھوپڑی، چٹخا دی۔ کھٹکا، کھوپڑی کے چٹخنے کا تھا۔

شیراز کی تلوار سے سردار ڈوگاسا کے محافظ کا سر کٹ کر گرا، تو شراب کے نشے میں دُھت سردار ڈوگاسا کی آنکھیں حیرت کی شدت سے پھیل گئیں۔ محافظ کے عقب میں نمودار ہونے والا شخص سردار ڈوگاسا ہی تھا۔ ڈوگاسا نے موت کو یوں اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے دیکھا تو

Marfat.com

اُس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔سردار ڈوگاسا نے فوراً، اپنی شمشیر لہرائی اور شیراز پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔اب شیراز کو ایک بڑا امتحان درپیش تھا۔سردار ڈوگاسا، جیسے ماہر جنگجو سردار کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ شیراز کے بس کی بات نہ تھی۔ڈوگاسا کے حملہ کرنے کے انداز سے ہی شیراز کو پتہ چل گیا کہ سردار ڈوگاسا کوئی معمولی شمشیر زن نہیں ، جسے وہ آسانی سے گرا لے گا۔ٹھیک اُسی وقت حویلی کی جنوبی سمت سے بہت سی تلواروں کے ٹکرانے کی آواز ....شیراز اور ڈوگاسا کی سماعت سے ٹکرائی۔سردار ڈوگاسا اتنی زیادہ تلواروں کی آواز سن کر بہت بری طرح سے چونکا۔لیکن وہ آگے بڑھنے سے نہ رکا۔تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی،اور وہ شیراز کو گھورتے ہوئے اُس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''تم کون ہو؟.......میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

شیراز کے نزدیک پہنچ کر سردار ڈوگاسا نے رُکتے ہوئے کہا۔شیراز پوری طرح چوکنا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ سردار ڈوگاسا کا سوال کرنا ....محض ایک داؤ ہے ۔شیراز زبان سے کچھ نہ بولا ۔اُس نے سردار ڈوگاسا کے حملے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا اور آگے بڑھ کر خود، ڈوگاسا پر حملہ کر دیا۔ٹھیک اُسی لمحے شیراز نے فضا میں اُلو کے بولنے کی آواز سنی اور وہ فوراً سمجھ گیا کہ سکندر پاشا نے ،ساتھیوں کو بلانے کے لیے اپنے حلق سے آواز نکالی ہوگی،لیکن سردار ڈوگاسا کے کانوں میں جونہی اُلو کی آواز پڑی وہ یکدم چونکا........اب اُس کی آنکھوں کی چمک میں یکلخت اضافہ ہوگیا۔اُس نے شیراز کے وار کو اپنی شمشیر پر روکتے ہوئے شیراز سے کہا:۔

''اچھا!!.........تو تم خالص پاشا کے آدمی ہو۔لیکن میں نے تمہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں۔ کہیں تم وہی نوجوان تو نہیں جو میرے نالائق بیٹے کی قید سے فرار ہوگیا ہے۔''

سردار ڈوگاسا کی ذہانت پر شیراز دنگ رہ گیا۔وہ محض اُلو کی آواز سن کر اِس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اُس پر حملہ کرنے والے سردار خالص پاشا کے آدمی ہیں۔اور یہی نہیں، اُس نے شیراز کے بارے میں بھی بالکل ٹھیک سوچا تھا''۔

لیکن شیراز اپنے منہ سے کچھ نہ بولا ، بلکہ پوری توجہ اور انہماک سے سردار ڈوگاسا پر حملے کرنے میں مصروف رہا۔شیراز کے ہر وار کو سردار ڈوگاسا،یوں اپنی شمشیر پر روک رہا تھا،جیسے اُسے کسی وار سے کوئی پریشانی لاحق نہ ہوئی جیسے وہ محض تفریح اور وقت گزاری کے لیے شیراز

Marfat.com

کے ساتھ کھیل رہا ہو۔ڈوگا سا کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر شیراز کا حوصلہ کمزور پڑنے لگا۔ حالانکہ سردار ڈوگا سا عمر میں شیراز سے بہت بڑا تھا۔وہ پچاس سے اوپر کا،ایک ادھیڑ عمر شخص تھا،لیکن شیراز کو یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کے لیے سردار ڈوگا سا کو گرانا ناممکن ثابت ہوگا۔اب حویلی کے جنوبی احاطے میں لڑائی کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔شیراز سوچ رہا تھا کہ سکندر پاشا ......تن تنہا،حویلی کے تمام محافظوں سے پنجہ آزماء ہے۔شیراز صحیح سوچ رہا تھا۔

شیراز تھکنے لگا۔اُس کے بازو ......شل ہونے لگے۔اُس نے چند دن پہلے ہی تو شمشیر زنی کی مشق شروع کی تھی۔یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اُس کے بازو،دیر تک اُس کا ساتھ دیتے اور وہ سردار ڈوگا سا جیسے پہلوان سے لڑسکتا۔شیراز کا دل ڈوبنے لگا۔جونہی سردار ڈوگا سا کو محسوس ہوا کہ اُس کا مدِ مقابل تھکنے لگا ہے،اُس نے اپنے لڑنے کا انداز بدلا اور یکا یک ......شیراز پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔شیراز بری طرح بوکھلا گیا۔اُس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ سردار ڈوگا سا کے وار روکتا ......وہ دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگا۔شیراز قدم بہ قدم پیچھے ہٹتا گیا اور سردار ڈوگا سا قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا آیا۔شیراز کے عقب میں راہداری،اور پھر وہی کمرہ تھا،جس میں سے گزر کر وہ یہاں تک آیا تھا۔سردار اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ لڑکا اُس کا مقابلہ کرنے کا اہل نہیں۔چنانچہ اُس نے اِس لڑائی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا،کیونکہ اُسے بے حد دیر ہو رہی تھی۔حویلی کے جنوبی حصہ میں اُس کے تمام محافظ مصروفِ پیکار تھے۔چلتے چلتے،شیراز کئی قدم پیچھے ہٹ آیا،یکا یک سردار ڈوگا سا کے حملوں میں بے پناہ تیزی آگئی۔شیراز کے پاؤں اکھڑ گئے۔قریب تھا کہ وہ کسی وار کا شکار ہو کر درمیان سے دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا کہ ایک انہونی ہوئی۔ایک شعلہ سا لپکا اور ......سردار ڈوگا سا کے سر پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ سردار ڈوگا سا کے عقب سے کسی نے اُس کے سر پر جلتی ہوئی مشعل سے زور دار ضرب لگا کر اُس کا سر پھوڑ دیا تھا۔سردار ڈوگا سا کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ کر رہ گئے۔لیکن یہ خدائی فوجدار کون تھا؟ جس نے عین اُس وقت جب شیراز موت کے منہ میں پہنچ چکا تھا شیراز کی جان بچالی۔شیراز نے چونک کر مشعل بردار کی طرف دیکھا تو ششدر رہ گیا۔یہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔جس کے بدن کا سارا لباس،جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔اُس کا سرخ و سفید بدن مشعل کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔شیراز نے دیکھا کہ اُس کے شانے کا گوشت پھٹ چکا تھا اور اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔یہ وہی لڑکی تھی،جس کے ساتھ سردار ڈوگا سا آج

Marfat.com

رات کے لیے کھیل رہا تھا۔لڑکی کے ہاتھ میں جلتی ہوئی شمع تھی اور وہ کسی بھپری ہوئی شیرنی کی طرح سردار ڈوگاسا کے سامنے کھڑی تھی۔اسی اثناء میں سردار ڈوگاسا کی حالت سنبھلنے لگی۔وہ شیراز کو چھوڑ کر اپنی تلوار لہراتا ہوا زخمی لڑکی کی طرف بڑھا۔

شیراز کی آنکھوں کے سامنے یکدم منظر بدل گیا۔اُسے یوں لگا جیسے اُس کی بہن نورین اُس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ اپنی بہن کو بچانے کی غرض سے یہاں آیا تھا۔شیراز پاگل ہوگیا۔اُس کے دل میں پیدا ہونے والا تمام خوف جاتا رہا۔وہ اپنی جگہ سے یوں آگے بڑھا جیسے اب تک محض مذاق کر رہا تھا۔شیراز کے ہاتھ کی گرفت تلوار کے دستے پر مضبوط ہوگئی اور وہ کسی مجنون کی طرح سردار ڈوگاسا پر حملہ آور ہوگیا۔شیراز کی آنکھوں کے سامنے صرف ایک ہی منظر تھا۔اُسے وہ زخمی لڑکی اپنی نورین دکھائی دینے لگی تھی۔وہ وحشی ہو چکا تھا۔اُس نے دیوانہ وار حملے شروع کر دیے۔سردار ڈوگاسا نے حیرت بھری نظروں سے شیراز کے نئے انداز کو دیکھا اور شیراز کی آنکھوں میں موجود چمک دیکھ کر وہ یکلخت ڈر گیا۔اُس نے شیراز کے واروں سے خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن شیراز کے وار تو خود شیراز کے اپنے بس میں ہی نہ تھے۔شیراز کے بازو کسی مشین کی طرح چل رہے تھے،اور پھر شیراز کا ایک وار اتنا زوردار پڑا کہ سردار ڈوگاسا کی شمشیر اُس کا بوجھ سہار نہ سکی ....ڈوگاسا کے ہاتھ سے شمشیر چھوٹ کر دور جا گری۔اب وہ خالی ہاتھ شیراز کے سامنے تھا،لیکن شیراز ہوش میں کب تھا؟۔شیراز تو اپنی بہن نورین کو زخمی حالت میں اپنے سامنے دیکھ چکا تھا۔چنانچہ وہ نہ رکا اور آگے بڑھ کر ڈوگاسا پر حملہ آور ہوگیا۔نہتے سردار ڈوگاسا پر شیراز کا وار پڑا،تو اُس نے جان بچانے کے لیے ہاتھ کی مدد سے شیراز کا وار،روکنے کی کوشش کی ....ڈوگاسا کے ہاتھ کی انگلیاں آنِ واحد میں کٹ کر دور جا گریں۔قریب تھا کہ شیراز اُس کی گردن بھی اُڑا دیتا کہ.......شیراز کو اُسی لڑکی کی آواز سنائی دی:۔

''بھیا!........بھیا!.....خدا کے لیے ٹھہر جاؤ!،اس کمینے کو اتنی آسان موت،مت مارو۔ٹھہر جاؤ بھیا!........یہ میرا مجرم ہے۔اسے سزا بھی میں ہی دونگی۔''

شیراز تو جیسے ہوش میں آگیا۔اُس نے فوراً شمشیر روک لی۔اب سردار ڈوگاسا شیراز کے سامنے کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔زخمی لڑکی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔وہ ایک شان بے نیازی سے اُس طرف بڑھی،جہاں سردار ڈوگاسا کی شمشیر پڑی تھی۔لڑکی نے آگے بڑھ کر

Marfat.com

سردار ڈوگاسا کی شمشیر اُٹھالی اور اب وہ سردار ڈوگاسا کی طرف بڑھ رہی تھی۔لیکن اِس سے پہلے کہ وہ ڈوگاسا پر تلوار سے وار کرتی ....شیراز نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

''بہن!........بے شک تم اِس موذی درندے کو اپنے ہاتھوں سے واصلِ جہنم کرنا ،لیکن صرف چند لمحے ٹھہر جاؤ۔ مجھے اِس سے کچھ پوچھنا ہے ۔میں آیا تو اِسی کام کے لیے تھا،لیکن تمہاری حالت دیکھ کر نہ جانے کیوں میں دیوانہ ہوگیا۔''

لڑکی یکدم رُک گئی۔اب وہ شیراز کی طرف دیکھ رہی تھی۔شیراز دوقدم آگے بڑھ کر سردار ڈوگاسا کے سامنے آگیا۔

''سردار ڈوگاسا مجھے پہچانو!.........میں بھی اِس جیسی ایک بہن کا بھائی ہوں ،تم نے میری بہن کو بھی ایک دن اسی طرح اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔لیکن میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں،تم نے نورین کو مقدونیہ میں اغواء کیا اور اُسی شب اُس کی لاش مقدونیہ کے ایک بازار سے ملی ۔کیا مقدونیہ میں بھی تمہاری رہائش گاہ ہے؟ کیا تمہارے ظلم واستبداد کا دائرہ مقدونیہ تک وسیع ہے۔''

سردار ڈوگاسا پھٹی پھٹی آنکھوں سے شیراز کی جانب دیکھ رہا تھا۔معاً شیراز نے محسوس کیا جیسے ....حویلی کے جنوبی حصے میں یکلخت خاموشی چھاگئی ہو۔اُس کا دل زور سے دھڑکا کہیں ،اُس کے ساتھی ....محافظوں کی تلواروں کا نشانہ تو نہ بن گئے تھے۔ٹھیک یہی بات سردار ڈوگاسا بھی سوچ رہا تھا۔یکا یک اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میرے محافظوں نے تمہاری ساتھیوں کا کام تمام کردیا........شیراز!اب تم یہاں سے بچ کرنہیں جاسکتے۔شاید میرے محافظوں کی تعداد تمہیں معلوم نہیں۔''

اِس کا مطلب یہ تھا کہ سردار ڈوگاسا شیراز کو پہچان چکا تھا۔اُس نے شیراز کو نام لے کر مخاطب کیا تھا۔ٹھیک اُسی لمحے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی ۔کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ،اِسی جانب آرہے تھے۔زخمی لڑکی کے چہرے پر یکا یک مایوسی کے بادل چھانے لگے۔اور اُس نے اپنے دل میں فوری طور پر فیصلہ کرلیا کہ وہ محافظوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے ....سردار ڈوگاسا کا کام تمام کردے گی۔لڑکی کسی شعلے کی طرح لپک کر آگے بڑھی اور سردار ڈوگاسا پر حملہ کردیا۔سردار ڈوگاسا خالی ہاتھ تھا وہ خود کو لڑکی کے وار سے نہ بچا سکا اور زخمی لڑکی کا وار اُس کے بائیں کندھے پر پڑ گیا۔سردار ڈوگاسا کا بایاں بازو ....آن واحد میں کندھے

Marfat.com

سے کٹ کر نیچے گر پڑا، اور سردار ڈوگاسا کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل کر فضا میں دور تک بلند ہوتی چلی گئی۔

اسی اثناء میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز نزدیک آ گئی۔ اگلے لمحے شیراز کے چہرے پر خوشی کی ست رنگی قوس قزح بکھر گئی۔ آنے والے اُس کے ساتھی تھے، گویا انہوں نے سردار ڈوگاسا کے محافظوں کو جہنم واصل کر دیا تھا۔ شیراز کا سینہ فخر اور خوشی سے تن گیا۔ لیکن آنے والوں پر نظر پڑتے ہیں لڑکی کی دیوانگی اور بڑھ گئی۔ اُس نے دوسرا وار کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی ہی تھی کہ شیراز نے چیخ کر اُسے پکارا:۔

''بہن!......ٹھہرو!.....یہ لوگ سردار ڈوگاسا کے محافظ نہیں، میرے ساتھی ہیں۔ ٹھہرو!....... ابھی اِس کی چند سانسیں اور چلنے دو، رُک جاؤ۔ بہن! رُک جاؤ۔''

زخمی لڑکی کا ہاتھ اُٹھا رہ گیا۔ اب سردار ڈوگاسا نڈھال ہو چکا تھا۔ اُس کا کافی سے زیادہ خون بہہ چکا تھا، لیکن وہ ابھی تک اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

سکندر پاشا، شہ روز اور زریاب ......پہنچ گئے۔ اُن کے چہروں پر موجود خون کے چھینٹے اِس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ انہوں نے ایک خونی جنگ کے بعد محافظوں کا خاتمہ کیا تھا۔ سکندر پاشا نے ......شیراز کی کارکردگی دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ اُسے قطعاً ایسی توقع نہیں تھی کہ شیراز، سردار ڈوگاسا پر قابو پا لے گا، لیکن یہاں تو دنیا ہی کچھ اور تھی سردار ڈوگاسا کا ایک محافظ راہداری کے فرش پر آڑھا ترچھا پڑا تھا جبکہ سردار ڈوگاسا پوری طرح تسخیر ہو چکا تھا۔ معاً سکندر کی نظر، زخمی لڑکی پر پڑی اور ....اُس کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں، لیکن اگلے لمحے وہ خود ہی تمام صورتحال سمجھ گیا۔ اُس نے خود ہی تو شیراز کو بتایا تھا کہ سردار ڈوگاسا کے بستر پر آئے روز ایک نئی دوشیزہ اپنی آبرو کی قربانی دیتی ہے۔

سکندر پاشا کو دیکھتے ہی سردار ڈوگاسا ہکا بکا رہ گیا۔ اب سردار ڈوگاسا کو اپنی موت کا یقین آ گیا تھا۔ یکایک اُس کا بدن کانپنے لگا:۔

''سکندر!.........سکندر!......تم تو میرے ہم وطن ہو! خدا کے لیے مجھے بچا لو۔ دیکھو! ہمارے درمیان صلح کا معاہدہ ہے۔ تم مجھے مار نہیں سکتے۔ خدا کیلئے میری جان بچاؤ۔''

سکندر آگے بڑھ آیا۔

''سردار ڈوگاسا!.....ز....تم ان لوگوں کے مجرم ہو! میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر

Marfat.com

ان لوگوں سے معافی مانگ سکتے ہوتو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، تمہیں چھوڑ دوں گا۔“

”اب یکلخت سردار ڈوگا ساشیراز کے سامنے گڑگڑانے لگا:۔

”شیراز! خداوندِ یسوع مسیح کی قسم !........میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔میں نے تمہاری بہن کی آبروریزی نہیں کی۔تم خود سوچو میں کیسے کرسکتا ہوں، میں تو کئی ماہ سے مقدونیہ گیا ہی نہیں۔تمہاری دشمن ،مادام تھروشیا ہے۔تم جانتے ہو نا؟........خدا کی قسم !میں نے تمہاری بہن کو کبھی دیکھا تک نہیں۔ مجھے مادام تھروشیا نے پیغام بھیجا تھا کہ تمہیں پہاڑیوں میں لے جا کر قتل کردوں لیکن شیراز دیکھو میں نے قتل نہیں کروایا۔ورنہ تم آج زندہ نہ ہوتے۔ میرے بیٹے نے صرف تمہیں قید رکھا۔شیراز خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔“

سردار ڈوگا سا گڑگڑا رہا تھا وہ یکا یک زخمی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا:۔

”بیٹی !........مجھے معاف کردو،شراب کے نشے میں مجھ سے بھول ہوگئی۔ مجھے معاف کردو میں تم سب کو دولت دیتا ہوں۔رقم دیتا ہوں۔میرے پاس بغدادی دینار رکھے ہیں۔میرے پاس ہیرے جواہرات ہیں، سب کچھ لے لو،لیکن میری جان بخش دو۔دیکھو میرا بازو بھی کٹ گیا۔اب میں کبھی برائی نہیں کرسکوں گا۔خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔“

معاً شیراز کی آواز گونجی:۔

”تم کہتے ہو!........میری دشمن مادام تھروشیا ہے۔پھر جانس کو کس نے قتل کیا اور کیوں قتل کیا؟۔“

”جانسن کو مادام تھروشیا نے قتل کروایا وہ لارنس ڈیگرے کا بیٹا تھا اور مادام تھروشیا لارنس ڈیگرے کو پسند نہیں کرتی۔ میں صلیب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ بے شک تم لارنس ڈیگرے سے پوچھ لو!.........شیراز مجھے معاف کردو۔میں آئندہ کبھی کوئی جرم نہیں کروں..............“

لیکن اِس سے آگے وہ نہ بول سکا۔زخمی لڑکی کی تلوار اُس کے پیٹ کو پھاڑتی ہوئی، کمر کی طرف سے باہر نکل آئی تھی اور اب وہ مر رہا تھا۔اُس کی آنکھوں میں آخر وقت تک التجا تھی۔

♦......♦

Marfat.com

وینس کی حسینہ

اگلے روز یونانی ساہوکار کے قتل کی خبر سے پورا استنبول لرز گیا۔ قصرِ سلطانی میں ایک ہنگامی اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں فوری طور پر شہر کے حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے بات چیت ہوئی۔ سردار ڈوگاسا کا قتل، سلطنتِ عثمانیہ میں کسی بہت بڑی بغاوت کا پیش خیمہ ہوسکتا تھا، کیونکہ سلطنت کے اکثر صوبوں کے پاشا، یونانی ساہوکاروں کی مالی امداد پر پلتے تھے اور اِس بات کا بے پناہ اندیشہ تھا کہ یونانی ساہوکار......... ڈوگاسا جیسے شخص کے قتل ہوجانے کے بعد احتجاج کی راہ اپنالیں گے۔ خود استنبول میں سینکڑوں یونانی ساہوکار موجود تھے۔ بے شک استنبول میں قصرِ سلطانی کے احکامات کی طاقت یونانی ساہوکاروں سے زیادہ تھی، لیکن بے شمار عثمانی حکومت سود کے شیطانی جال میں جکڑے ہوئے تھے، جو یونانی عیسائی تاجروں نے بچھا رکھا تھا۔ اگر یونانی عیسائی، اپنے سرداروں کے ساتھ مل کر استنبول میں بغاوت کرتے تو یقینی بات تھی کہ حسبِ سابق سلطنت کی مغرور فوج ینی چری اِس بغاوت سے فائدہ اُٹھاتی۔

ینی چری کی تاریخ، بغاوتوں کی تاریخ تھی۔ گذشتہ تین صدیوں سے ینی چری کے سالار اسی راستے پر گامزن تھے۔ گذشتہ صدی میں محمد رابع کی تخت نشینی کے وقت استنبول کی سڑکوں پر ینی چری کے دستوں نے کشت وخون کی جو ہولی کھیلی تھی، اُس کی یاد ابھی تک تازہ تھی۔ محمد رابع کی حکومت کے اختتام تک ینی چری کی بغاوتوں کا سلسلہ اور زیادہ ترقی کرچکا تھا۔ ۱۶۸۷ء میں سلیمان ثانی تخت نشین ہوا تو سلطنت کو اسی طرح کی تباہیوں کا سامنا تھا، جو محمد رابع کے عہد کے آخری سالوں میں سلطنت پر ہر طرف سے نازل ہوگئی تھیں۔

ینی چری دراصل عیسائی نوجوانوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ بے شک اِن کی اکثریت اسلام قبول کرلیتی تھی، لیکن پھر بھی ان میں بے شمار ایسے لوگ ہمیشہ شامل رہتے، جو سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ چاہتے تھے۔ دولتِ عثمانیہ کو جو صدمہ گذشتہ عہد میں پہنچ چکا تھا، اُس کی تلافی آج تک ممکن نہ ہوئی تھی۔ خصوصاً اِس صورت میں کہ فوج باغی ہورہی تھی اور پایہء تخت کے علاوہ مختلف

Marfat.com

صوبوں میں سرکشی اور بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔سلیمان پاشا کا قتل[1] اور محمد رابع کا عزل[2] فوج ہی کی بغاوت کا نتیجہ تھا۔۱۶۸۷ء میں سلیمان ثانی تخت نشین ہوا تو اُس نے فوج کی برہمی دور کرنے اور اُسے قابو میں لانے کی غرض سے تخت نشینی کے موقع پر بہت کچھ انعام واکرام تقسیم کیا اور اُس کی سرکشی پر کوئی مواخذہ نہ کیا،لیکن چند ہی روز کے بعد فوج پھر باغی ہوگئی۔ استنبول میں قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔متعدد،وزراء محض باغیوں کی خواہش پر علیحدہ کر دیے گئے۔آخر میں انہوں نے صدرِ اعظم ''سیاوش پاشا'' کے محل پر بھی حملہ کیا اور اُسے قتل کر کے حرم میں داخل ہوگئے اور اُس کی بیوی جو سلطان محمد رابع کی بہن تھی،اِس کے علاوہ،صدرِ اعظم کی بہن اور دیگر خواتین کے ساتھ.....وہ نہایت گستاخی سے پیش آئے۔باغیوں کے ساتھ استنبول کے تمام بدمعاش اور اوباش بھی شریک ہوگئے تھے۔جن میں عیسائی ،یہودی اور مسلمان سب ہی شامل تھے۔[3] یہاں تک کہ اُن کی شورش اور لوٹ مار نے شہر کے عام باشندوں کو بھی عاجز کردیا۔آخر کار علماء کے ابھارنے پر عوام اور خود ینی چری کے وہ دستے جو محض فوری جوش سے متاثر ہوکر اِس ہنگامہ میں شریک ہوگئے تھے،باغیوں کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بہ مشکل اِن کو قابو میں لائے۔پھر اُن کے سرداروں کو گرفتار کرکے قتل کردیا۔مفتیءِ اعظم اور تین دوسرے بڑے علماء جو اِس شورش میں کسی حد تک ینی چری باغیوں کے زیرِ اثر تھے........اپنے عہدوں سے برطرف کردیے گئے۔اِن کی جگہ زیادہ قابلِ اعتماد اشخاص مقرر کیے گئے۔اِس طرح پایہءِ تخت میں تھوڑا بہت امن قائم ہوگیا۔لیکن بغاوت کا خطرہ قطعی طور پر زائل نہ ہوا،اور صوبوں میں شورش و سرکشی کے مظاہرے عرصہ تک جاری رہے۔ینی چری کی تاریخ بغاوتوں سے بھری پڑی تھی۔

چنانچہ یہ بہت ممکن تھا کہ سردار ڈوگاسا کی موت استنبول میں ایک نئی بغاوت کا سبب بنتی۔ سردار ڈوگاسا کو اُس کی حویلی میں ،نامعلوم قاتلوں نے اُس کے تمام محافظوں سمیت قتل کردیا تھا۔یہ ایک سنسنی انگیز خبر تھی،جو آن کی آن میں شہر کے اندر گردش کرتی چلی گئی اور اہلیانِ شہر

---

[1] سلیمان پاشا کے قتل کا مطالبہ بھی ینی چری نے کیا تھا۔سلطان محمد رابع نے یہ مطالبہ تسلیم کیا اور سلیمان پاشا کی جگہ سیاوش پاشا کو صدرِ اعظم مقرر کیا۔

[2] سلطان محمد رابع کی معزولی کا مطالبہ بھی ینی چری نے کیا تھا۔جسے علماء اور مفتیوں کی حمایت حاصل تھی۔چنانچہ مفتیوں نے سلطان کے بھائی سلیمان ثانی کو اُس کا جانشین مقرر کیا۔

[3] بحوالہ دولتِ عثمانیہ از ڈاکٹر عزیر علیگ۔

Marfat.com

کا تازہ ترین موضوع بن گئی۔ یہی وجہ تھی کہ قصر سلطانی میں ہنگامی اجلاس جاری تھا۔ ابھی تک کسی کو، سردار ڈوگا سا کے قتل کی وجہ اور قاتلوں کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سکندر اور شیراز اپنی جگہ مطمئن تھے۔ لیکن شیراز کو ڈوگا سا کے بیٹے، بترو سے خطرہ تھا۔ اِس کے علاوہ اب تو مادام تھروشیا اور اُس کا بیٹا کلاڈیوس بھی اُس کے دشمنوں میں شامل تھے۔ چنانچہ سکندر کی ہدایت پر شیراز نے اپنا حلیہ تبدیل کر لیا۔

یہ ۱۷۱۰ء کا زمانہ تھا۔ خلافت کی مسند پر "احمد ثالث" متمکن تھا۔ احمد ثالث، جو دنیا بھر کے مسلمانوں کا خلیفہ اور سلطنتِ عثمانیہ کا سلطان تھا، سب سے زیادہ خوف..... ینی چری کی بغاوتوں سے کھاتا تھا۔ وہ ۱۷۰۳ء میں تخت نشین ہوا۔ سلطان احمد ثالث کی تخت نشینی بھی ینی چری کی بغاوت کا نتیجہ تھی۔ باغی فوج نے سلطان احمد ثالث کے پیش رو سلطان مصطفیٰ ثانی کی معزولی کا مطالبہ کر کے اُسے نہ صرف معزول ہونے پر مجبور کر دیا، بلکہ اُس کی جگہ سلطان احمد ثالث کو تخت نشین بھی کر دیا۔ اِس لیے تخت پر آنے کے بعد اُس نے بھی محمد رابع کی طرح بہت کچھ انعام و اکرام دے کر باغیوں کو راضی کیا اور اُن کے مطالبے پر مفتی فیض اُللہ آفندی کے قتل کی اجازت دیدی۔ مفتی فیض اُللہ کا جرم یہ تھا کہ وہ اِس فوج کی خودسری کے مخالف تھے۔ لیکن شہید مفتی کا خون جلد رنگ لایا، اور سلطان نے حالات پر قابو پانے کے بعد ینی چری سے پورا قصاص لیا۔

سلطان احمد ثالث نے ینی چری کے بہت سے افسروں کو قتل کروا دیا۔ اُس نے احمد پاشا صدرِ اعظم کو جو باغیوں کا منتخب کردہ تھا معزول کر دیا، اور اِس عہدہ پر اپنے بہنوئی اور داماد حسن پاشا کو مامور کیا، لیکن سازشوں نے حسن پاشا کی صدارت کو بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہنے دیا۔ چنانچہ وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ اِس کے بعد متعدد اشخاص صدرِ اعظم مقرر ہوئے اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد علیحدہ کر دیے گئے۔ چنانچہ اِس عہد کے ابتدائی پندرہ سالوں میں سلطنت کے بارہ صدرِ اعظم یکے بعد دیگے مقرر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹر اعظم کی خارجہ پالیسی کی طرف جیسی توجہ کرنی چاہیے تھی، سلطنتِ عثمانیہ نہ کر سکی۔ گویا سازشوں نے سلطنت کے استحکام کو بری طرح متاثر کیا تھا۔

قصرِ سلطانی میں سردار ڈوگا سا کے قتل پر بڑی شدومد کے ساتھ بحث جاری تھی۔ یہ دیوان عام نہیں تھا، ایک ہنگامی اجلاس تھا۔ چنانچہ دربارِ عالی ....کے اُن قواعد کا خیال نہ رکھا گیا

Marfat.com

تھا، جو دربار کے ساتھ مخصوص تھے۔ یہ ایک طرح سے سلطان کا نجی اجلاس تھا۔ سلطنت عثمانیہ کا عظیم سلطان .... احمد ثالث، منقش مسند پر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھا، اپنے صدر اعظم ''بلط جی'' کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ دیگر عنان حکومت اپنی اپنی نشستوں پر متمکن تھے۔ عنان حکومت کی باتیں کرنے کی بھنبھناہٹ، سلطان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی لیکن اُس کی تمام تر توجہ صدرِ اعظم ..... بلط جی کی طرف تھی۔ صدرِ اعظم کہہ رہا تھا:۔

''سلطان معظم! ..... میں سردار ڈوگاسا کے قتل کو غیر اہم نہیں سمجھتا لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دربار میں بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو اُس کے مقروض تھے۔ سلطان معظم! یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں۔''

یہ ایک طرح سے صدر اعظم کی سرگوشی تھی۔ اجلاس کا ماحول بلا ترتیب تھا۔ سب شرکاء آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ البتہ اُن کی آواز مدھم تھی۔ بلط جی نے ایک نظر اہلیانِ دربار پر ڈالی اور پھر کہنے لگا:۔

''سلطانِ معظم! .... یہی وقت ہے کہ ہم اپنی سلطنت کے امراء کو ''سودی قرضوں'' کے شیطانی جال سے بچانے کے کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ سردار ڈوگاسا استنبول میں سب سے زیادہ فعال تھا۔ اُس کا جال ٹوٹنے کے بعد اب ہمارے لیے باقی لوگوں کو توڑنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''بلط جی! .... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟۔ اِس طرح کی بات آپ کے منہ سے اہلیانِ دربار نے سن لی تو سردار ڈوگاسا کے قتل کا شک آپ پر کیا جائے گا۔ آپ کو احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اِس وقت سب کا مطالبہ ہے کہ سردار کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ لیکن آپ ہی بتائیں؟ ہم قاتلوں کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں؟ ہمیں اندیشہ ہے کہ دارالسلطنت میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوگی ...... آپ اِن حالات میں ہمیں دیگر یونانی سرداروں کی سرکوبی کا مشورہ دے رہے ہیں؟''۔

سلطان کے لہجے میں شکایت تھی۔ وہ یونانی سرداروں کے خلاف کسی اقدام کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اُسے اپنے صدرِ اعظم پر کوئی شک نہیں تھا، لیکن اُسے صدرِ اعظم کا مشورہ بالکل پسند نہ آیا۔ قصر سلطانی کے اِس اجلاس میں بیرونی ممالک کے نمائندے اور سفیر شریک نہ ہوئے تھے، اور یہ خالص سلطنتِ عثمانی کا ایک نجی اجلاس تھا۔ سلطان کی بات ختم ہوئی تو صدر اعظم

Marfat.com

نے اپنی بات کی مزید وضاحت کی:۔

''سلطانِ معظم!.........ہم نے اگر ایک یونانی ساہوکار کی خاطر فوج اور دیگر عیسائیوں کے مطالبات تسلیم کر لیے تو ینی چری میں یہ تاثر پھیل جائے گا کہ سلطانِ معظم بغاوت سے خوفزدہ ہیں اور اِس طرح ....نہ ہوتی ہوئی بغاوت بھی ممکن ہو جائے گی۔ اِس وقت حالات ہماری گرفت میں ہیں۔اور آپ جانتے ہیں کہ جب بھی بغاوت ہوتی ہے،انہی یونانی سرداروں کے اشارے پر ہوتی ہے۔سلطنت کے بہت سے امراء اِن کے مقروض ہیں۔اگر ہم اِس مستقل بیماری پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تو یقین جانیے ایک مرتبہ پھر سلطنتِ عثمانیہ کی کھوئی ہوئی رفعت وعظمت لوٹ آئے گی۔''

لیکن سلطان کو سردار ڈوگاسا کی موت ہی کسی بغاوت کا اعلان محسوس ہوتی تھی۔ سلطان نے صدر اعظم کی بات کو اہمیت نہ دی۔ حالانکہ بلط جی کا کہنا غلط نہیں تھا۔سلطنت کے خارجی معاملات انتہائی حد تک پریشان کن تھے،روس سلطنت عثمانیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹانے کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔روس کی پکار پر آسٹریا جیسے عظیم ملک نے لبیک کہی تھی۔ اور اب بالٹک ریاستوں کا مکمل اتحاد مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے شب وروز ایک بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جبکہ اِس تمام صورتحال میں سب سے بڑا اور اہم ہاتھ سلطنت کے اُن غداروں کا تھا جو استنبول اور دیگر صوبوں میں موجود تھے اور اپنے شیطانی ہتھکنڈوں سے دولتِ عثمانیہ کی جڑیں کھوکھلی کر رہے تھے۔سردار ڈوگاسا کا قتل،بلط جی کی نظر میں ایک اچھا شگون تھا،لیکن دیگر ،تمام عنانِ حکومت سمیت سلطان کا خیال بلط جی کے مخالف تھا۔ چنانچہ سلطان نے بلط جی کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے عمائدینِ سلطنت کی جانب متوجہ ہو کر بہ آوازِ بلند کہا:۔

''ہمیں سردار ڈوگاسا کے قتل کی اہمیت کا احساس ہے اور ہم خود چاہتے ہیں کہ اُس معزز یونانی سردار کے قاتلوں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچائیں،لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم فوری طور کسی کو مشکوک سمجھ کر گرفتار نہیں کر سکتے۔ ہمارے جاسوس اور سراغ رساں اِس قتل کا کھوج لگانے میں مصروف ہیں ،جونہی حکومت کو کوئی سراغ ملتا ہے،حکومت فوری طور پر حرکت میں آ کر قاتلوں کو گرفتا کر لے گی۔لیکن اُس وقت تک ہم آپ سب سے امید رکھتے ہیں کہ آپ اپنے اپنے طور پر شہر کو پر امن رکھنے کی کوشش کریں گے،اور شہر میں کسی جگہ بھی کوئی ہنگامہ نہیں

Marfat.com

ہونے دیں گے۔ ہم نے عیسائی آبادیوں کے نزدیک ''شاہی دستوں'' کو متعین کر دیا ہے ،تا کہ کوئی شر پسند اِن ہنگامی حالات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اِس وقت سلطنت کو سب سے بڑا خطرہ ....روس ....کی تیاریوں سے لاحق ہے۔ اِن حالات میں سلطنت کا اندرونی انتشار ہمارے لیے کسی بڑے اور دائمی نقصان کا باعث ہوسکتا ہے۔ آج کے اجلاس میں ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم جلد سے جلد عیسائی سردار......ڈوگاسا کے قاتلوں کو گرفتار کر کے اپنی عیسائی رعایا کو اِس بات کا یقین دلائیں گے کہ وہ ہماری سلطنت میں غیر محفوظ نہیں۔''

سلطان کی تقریر ختم ہونے تک سب اہلیانِ دربار کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں۔ وہ سب سلطانی اقدامات سے مطمئن تھے۔ دربار برخاست ہوا اور یونانی ساہوکار کے خیر خواہ، مسلمان عنانِ حکومت نے اپنے اپنے ساہوکاروں کو خوش کرنے کے لیے اُن کی طرف خوشی اور تشفی کے پیغامات دوڑا دیے۔ سلطنتِ عثمانیہ اٹھارہویں صدی کے پہلے عشرہ میں روس کے خطرہ سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ روس کی بڑھتی ہوئی طاقت، سلطنتِ عثمانیہ کے شمالی صوبوں کے لیے مستقل دردِ سر بن چکی تھی۔ عثمانی سلطنت کے تمام شمالی صوبوں پر تاتاری مسلمان حکمران تھے۔ یہ وہی تاتاری مسلمان تھے ،جن کے آباؤ اجداد نے کبھی مسلمانوں کی حکومتوں کے تختے الٹ دیے تھے ،جنہوں نے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو اُس کے وطن سے نکال کر دم لیا تھا، جنہوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر مسلمانوں کے اِس عظیم علمی شہر کو خس و خاشاک میں بدل دیا تھا۔ لیکن اب یہی تاتاری مسلمان، گذشتہ کئی صدیوں سے اسلام کے رکھوالے تھے۔ سلطنت کے شمالی صوبوں [1] میں کریمیا سب سے اہم تھا۔ اس کے بعد تاتارستان، ترکمانستان ،قفقاز اور دیگر کئی صوبوں کی اہمیت تھی۔ اسلام کا سورج کئی صدیاں پیشتر روس کے اندرونی برف زاروں پر جگمگا چکا تھا۔ روس وہی ملک تھا جہاں امام بخاریؒ جیسے عظیم محدث گزرے تھے۔ گویا روس ، اسلام کی آمد سے پہلے اپنی شناخت تک سے محروم تھا۔ بخارا اور سمرقند کی اسلامی درسگاہیں دنیا بھر کے علوم کا سرچشمہ نہ رہی ہوتیں تو روسیوں میں

---

[1] سلطنتِ عثمانیہ کے اُس وقت موجود شمالی صوبوں کو آج ہم روس کی آزاد کردہ ریاستوں کی شکل میں جانتے ہیں۔ یہ ریاستیں آج بھی مسلمان ہیں۔ ان میں تاتارستان، ترکمانستان، ازبکستان، قازقستان، چیچنیا، ترکستان، تاجکستان اور قفقاز مشہور ہیں۔

Marfat.com

اتنی عقل کبھی پیدا نہ ہوتی کہ وہ بحیثیت قوم اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔ روسیوں کو بحیثیت قوم، دنیا کے سامنے اپنی اہمیت منوانے کا خیال سترہویں صدی کے آخری عشروں میں آیا، ورنہ قبل ازیں کوئی نہ جانتا تھا..... کہ روس بھی دنیا کے نقشے پر کوئی ملک ہے۔ روس کی شناخت کا سہرا........ پیٹر اعظم کے سر تھا۔ جس نے اسلامی صوبوں میں اپنی یلغاروں سے کھلبلی مچادی اور تاتاریوں کے ساتھ طویل جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔

پیٹر اعظم کی حکومت کا آغاز ۱۶۸۲ء ہے۔ پیٹر اعظم ایک روسی حکمران ''ایلیگزس'' (Alexis) کا تیسرا بیٹا تھا۔ یہ روس کا پہلا بادشاہ تھا، جس نے روس کو پوری دنیا میں ایک ملک کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ روس دنیا کا پسماندہ ترین ملک تھا۔ سترہویں صدی سے پہلے روس ہمیشہ یورپ کے سیاسی معاملات سے باہر رہا تھا۔ روس کی عوام توہم پرست، جاہل اور نااہل تھی۔ یہ عوام کون تھی؟

دراصل تاتاری مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ایشیاء کے شمال پر مسلمان چھاگئے تھے۔ روس کے تمام آباد علاقے مسلمانوں کے آباد کردہ تھے۔ البتہ مغربی، روس کے بعض علاقے، جو سویڈن کے نزدیک تھے، عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ لیکن اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ پیٹر اعظم نے روسی عیسائیوں کو یہ احساس دلایا کہ روس اُن کا ہے، مسلمانوں کا نہیں۔ پیٹر نے تاتاری صوبوں پر یلغاریں کر کے اپنے ہم مذہبوں کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ یہی مغربی لوگ روس کی پہلی عوام تھے۔

پیٹر سے پہلے روسیوں کی معاشی حالت یہ تھی کہ وہ بھوکوں مرتے تھے۔ برف سے ڈھکی سرزمینوں پر زیادہ پیداواری زراعت ممکن نہیں تھی۔ چنانچہ وہ ابھی تک ابتدائی سطح کی زراعت سے وابستہ تھے۔ پیٹر سے پہلے روس میں منظم فوج نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ پیٹر اعظم وہ پہلا شخص تھا، جس نے اپنے باپ سے سیاست سیکھی اور مغربی طرز پر ملک کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے سترہویں صدی میں ایک منظم فوج تشکیل دی اور یورپی طرز کی تنظیم کاری کی۔ اس نے پہلی مرتبہ اپنی عوام سے اپنے ملک کے لیے ٹیکس وصول کیے۔ اِس نے روس کی پہلی بحری فوج تشکیل دی، جو عثمانی افواج کے ساتھ مدتوں برسرِ پیکار رہی۔ پیٹر اعظم ایک عرصہ تک روس کی مغربی سرحدات اور بالٹک سمندر کے ممالک پر قبضہ مکمل کرنے میں مصروف رہا۔ وہ روس کو شمال کی سب بڑی طاقت دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ تب ہی ممکن تھا، جب وہ مسلمانوں کو شمال

Marfat.com

سے مکمل طور پر نکال دیتا۔ چنانچہ پیٹر نے مغربی یورپ کے عیسائیوں کے نعرہ میں شامل ہو کر مسلمانوں کو یورپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔..........

پیٹر اعظم نے ۱۷۰۳ء میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی ، جسے وہ اپنے نئے ابھرتے ہوئے ملک کا دارالخلافہ بنانا چاہتا تھا۔ پیٹر نے اُس شہر کا نام اپنے نام پر رکھا .... سینٹ پیٹرز برگ (saint peter's burg)۔ تب سے بالٹک علاقے میں روس سب سے بڑا ملک بن گیا۔ اور پیٹر بذاتِ خود .... پیٹر اعظم کے لقب سے پہچانا جانے لگا۔

مسلمانوں کے ساتھ روسیوں کی آویزش..... سترہویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی۔ اس سے قبل روس پر کوئی ایک حکمران نہ تھا بلکہ روس چند بالٹک قزاقوں کا مسکن تھا۔ پیٹر اعظم انہی بالٹک قزاقوں کی اولاد تھا۔ پہلے پہل ، مہذب دنیا خصوصاً مسلمان ، روس سے متعارف ہوئے تو روسیوں کو محض چند قزاقوں کا درجہ دیتے تھے۔ ابھی روسیوں میں نظم وضبط نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اُس زمانے میں عثمانی خلیفہ ابراہیم کی حکومت تھی۔ ابراہیم کا مختصر عہدِ حکومت اندرونی اختلاف کے باوجود بیرونی فتوحات کے لحاظ سے اہمیت سے خالی نہ تھا۔ اِس عہد میں مسلمانوں کو روس کے ساتھ پہلا عظیم معرکہ پیش آیا اور اِس معرکے ، میں آخر کار دولتِ عثمانیہ کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ معرکہ ، معرکہء ازف کے نام سے مشہور ہوا۔

ازف کا شہر ، جو بحر ازف پر واقعہ تھا ، اور تجارتی و حربی ، دونوں حیثیتوں سے اہمیت رکھتا تھا ، ابراہیم کی تخت نشینی سے چار سال قبل ، روسی قزاقوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ ابراہیم کے پہلے صدرِ اعظم .... قرہ مصطفیٰ نے یہ دیکھ کر کہ بحر اسود کے شمالی حصہ میں ترکی قوت کو برقرار رکھنے کی کس قدر ضرورت ہے ، ۱۶۴۱ء میں ازف کو اُن قزاقوں سے واپس لینے کے لیے ایک فوجی بیڑا روانہ کیا۔ قزاقوں نے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور ترکوں کو مجبوراً واپس ہونا پڑا دوسرے سال پھر ایک فوج روانہ کی گئی۔ جس کے ساتھ کریمیا کا حکمران جو عثمانیوں کا باج گزار تھا ایک لاکھ تاتاریوں کو لے کر شامل ہو گیا۔ قزاق اس زبردست فوج کا مقابلہ نہ کر سکے اور شہر چھوڑنے پر مجبور ہوئے ، لیکن روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے شہر میں آگ لگا دی۔ ترکوں نے اُسے نہایت مضبوطی کے ساتھ از سرِ نو تعمیر کیا اور قلعہ بند کر کے اسلام پاشا کی ماتحتی میں چھبیس ہزار کا ایک دستہ متعین کر دیا۔

دراصل روسیوں کے ساتھ مسلمانوں کی آویزش اس طرح شروع ہوئی تھی کہ روسی قزاق

Marfat.com

.......متواتر، ترکی علاقوں پر چھاپے مارا کرتے تھے۔ جس کے جواب میں تاتاری بھی روسی علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ چونکہ قزاق روسی تھے، اس لیے ان کے اِس طرزِ عمل سے دولتِ علیہ (خلافتِ عثمانیہ) اور روس کی نام نہاد حکومت کے درمیان اکثر شکایتیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ روس کا بادشاہ جو پیٹر کا پیش رو تھا اِن قزاقوں کے افعال سے اپنی بریّت ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک خط، سلطان کو لکھ کر یہی معذرت پیش کی کہ .... قزاق اُس کے قابو سے باہر ہو گئے ہیں اور اپنے جرائم کی سزا سے بچنے کے لیے، اتنے دور دراز مقامات میں چلے گئے ہیں کہ حکومتِ روس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر اُس کو دولت عثمانیہ سے یہ گلہ تھا کہ وہ روس کے خلاف تاتاریوں کی حمایت کرتی ہے۔

تاتاری مسلمان تھے اور عثمانی خلیفہ کی حمایت اُن کے لیے ایک قدرتی امر تھی۔ پھر بھی سلطان نے وعدہ کیا کہ .... اگر زار[1] اِن قزاقوں کو قابو میں رکھے گا، اور خراج کی رقم ''حسبِ دستورِ قدیم'' خان کریمیا کو ادا کرتا رہے گا، تو ترکی فوج روس کے خلاف تاتاریوں کی حمایت نہ کرے گی۔ لیکن زار اور سلطان کے اِس معاہدہ کا کوئی خاص اثر ان کی رعایا پر نہ پڑا۔ اور ابراہیم کے عہد میں قزاقوں اور تاتاریوں کی جنگ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ ۱۶۴۶ء میں تاتاری اِن قزاقوں کو روس کے جنوبی صوبوں میں دور تک بھگا لے گئے۔ اور وہاں سے تین ہزار قیدی گرفتار کر لائے۔

زار نے ان کے جواب میں ازف پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ لیکن اِس فوج کو کئی بار شکست ہوئی، اور موسیٰ پاشا نے چار سو قیدی اور آٹھ سو روسیوں کے سر، مالِ غنیمت کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیے۔ اُس وقت کریمیا کا حکمران اسلام گرائی تھا۔ کریمیا...... عثمانی سلطنت کا وہ شمالی صوبہ تھا جو ''بحر اسود کے اُس پار'' .... ایک مشہور تجارتی مقام تھا۔ بحر اسود کا شمالی ساحل کریمیا کے صوبہ سے آباد تھا۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ صوبہ روس کے نزدیک ترین تھا۔ خانِ کریمیا، روسیوں کا سخت دشمن تھا۔

وہ اوائل .... ۱۶۴۸ء میں پولینڈ اور روس کے علاقوں پر حملہ کر کے اِن ملکوں کی چالیس ہزار رعایا کو گرفتار کر لایا۔ پولینڈ اور روس نے اپنے سفیر بابِ عالی[2] ..... میں بھیجے۔ اور

---

[1] روس کے بادشاہ کو ''زارِ روس'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔..... [2] عثمانی خلافت کو ''بابِ عالی'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

Marfat.com

خانِ کریمیا کے اِس فعل کا تدارک چاہا۔ ابراہیم نے اپنے دو افسروں کو خان کے پاس بھیجا اور اُس کو لکھا کہ اِن مسیحی قیدیوں کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا جائے، تاکہ وہ سفیروں کے حوالے کر دیے جائیں۔ خان نے سلطان کا خط پڑھ کر خشکی سے جواب دیا:۔

''میں اور یہاں کے سب لوگ سلطان کے خادم ہیں، لیکن اہلِ روس محض ظاہری طور پر صلح کے خواستگار ہیں۔ وہ صرف ہماری فتوحات سے دب کر صلح چاہتے ہیں۔ اگر ہم انہیں مہلت دے دیتے ہیں تو وہ اناطولیہ کے ساحلوں کو تاراج کر ڈالیں گے۔ میں ایک سے زائد بار دیوانِ عالی سے عرض کر چکا ہوں کہ قریبی علاقے میں دو مضبوط مقامات ایسے تھے، جن کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، لیکن جن پر قبضہ کر لینا ہمارے لیے دانشمندی کی بات ہوتی۔ مگر اب روسیوں نے اُن مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور انہوں نے وہاں بیس سے زیادہ فوجی چوکیاں بنا لی ہیں۔ اگر ہم اِس سال بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو وہ ''کرمان'' پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ اور پھر تمام ''مولڈیویا'' کو فتح کر لیں گے۔''

یہ جواب دے کر خان نے سلطان کے قاصدوں کو قسطنطنیہ واپس کر دیا۔

یہ وہ حالات تھے جو سلطنتِ عثمانیہ اور روسیوں میں دشمنی کے آغاز کا باعث بنے۔ عثمانی حکمرانوں کی انہی سختیوں کے خلاف ردِعمل کے طور پر پیٹر اعظم نے روسی افواج کو منظم کیا۔ پیٹر اعظم اپنی وسیع سلطنت کو روز بروز زیادہ طاقت ور بنانے لگا تھا۔ اِس نے آسٹروی اور فرانسیسی فوجوں کے نمونے پر ایک مضبوط فوج تیار کر لی تھی۔ لیکن اصلی زور وہ بحری طاقت پر دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ بحرِ اسود میں اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسی مقصد کے لیے وہ دولتِ عثمانیہ کے خلاف پوری قوت سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے ازف پر قبضہ کرنا چاہا۔ اور ۱۶۹۵ء میں ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ .... ازف پر حملہ آور ہوا۔ یہ محاصرہ ناکام رہا اور وہ اپنے تیس ہزار سپاہیوں کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر پسپا ہونے پر مجبور ہوا، لیکن دوسرے سال اُس نے پھر تازہ فوجوں کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا۔ اس کے بحری بیڑے نے ترکی بیڑے کو شکست دی۔ اب کی بار اُس کا محاصرہ کامیاب رہا اور اٹھائیس جولائی ۱۶۹۶ء کو ازف نے ہتھیار ڈال دیے۔ اُس کی ملکہ ''کیتھرائین'' اتھی۔ اٹھارویں صدی کے ابتدائی عشرہ

ا روس کی مشہور، مسلم دشمن اور فاتح، ملکہ کیتھرائین ..... کیتھرائین دوم کے نام مشہور ہوئی۔ پیٹر کی بیوی کیتھرائین اول تھی۔

Marfat.com

میں، یہ جوڑی تاریخ کے اوراق میں داخل ہونے کے لیے پوری قوت سے میدان میں اتری تھی۔ دراصل ۱۴۹۲ء میں شاہ سپین فرڈیننڈ اور اُس کی ملکہ کی کامیابی کے بعد مسیحی دنیا کا ہر بادشاہ اور اُس کی ملکہ، فرڈیننڈ اور ازابیلہ بننے کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ پیٹر اعظم بھی انہیں خواب دیکھنے والوں میں سے ایک تھا۔ روس، شمال میں واقع ہونے کی وجہ سے اب تک مہذب دنیا کی دوڑ میں شامل نہ ہوسکا تھا۔ شمال کے تمام علاقے برف آلود تھے۔ سترھویں صدی تک مہذب دنیا، صرف خطِ استواء کے گردونواح میں آباد دنیا کو سمجھا جاسکتا تھا۔ روس کو بھی شوق تھا کہ وہ خود کو مہذب ملکوں کی فہرست میں شمار کروائے۔ حالانکہ وہ ایشیا کا ملک تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف یورپی اتحاد میں شامل ہوکر سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ روس پوری طرح مسلح ہوکر مسلمانوں کے خلاف مصروف پیکار ہوگیا۔

مسلمان، ساتویں صدی عیسوی میں آنحضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد دنیا میں پہچانے گئے۔ تب سے اب تک یعنی اٹھارویں صدی عیسوی تک وہ دنیا کی سب بڑی طاقت کے طور پر پوری دنیا کی تقدیر مرتب کرتے رہے۔ پوری دنیا پر اتنا طویل اقتدار کبھی کسی قوم کے حصہ میں نہ آیا تھا۔ ایران کے سائرس کا دور ہو یا مقدونیہ کے سکندرِ اعظم کا......... دنیا کی جو طاقت بھی ''سپر پاور'' رہی، ایک دو صدی کے لیے ہی رہی، لیکن اسلامی سلطنت، ایک ایسی عظیم سپر پاور تھی کہ جب قائم ہوئی تو نہ صرف یہ کہ گیارہ سو سال سے زیادہ عرصہ تک پوری دنیا پر حکمران رہی بلکہ پورے کرہء زمین کی تقدیر کو بدل ڈالا۔

عثمانی خلافت کا سلسلہ......... اسلامی خلافتوں کا آخری سلسلہ ثابت ہوا۔ عثمانیوں سے پہلے عباسی اور اموی خلفاء کے علاوہ مصر کی فاطمی خلافت بھی لمبے عرصے تک قائم رہی۔ اسلام کا سورج ایشیا میں طلوع ہوا تھا لیکن عجب حیرت کی بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی اِس کی توجہ یورپ کی طرف مبذول ہوگئی۔ حالانکہ ابھی ایشیا کے بہت سے ممالک ایسے تھے جہاں اسلام کی روشنی نہ پہنچی تھی۔ اِن ممالک میں چین، جاپان اور سری لنکا جیسے کئی ممالک شامل تھے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ مشرق میں پھیلنے کی بجائے مغرب کی طرف بڑھا اور بہت جلد مسلمانوں نے یورپ کو فتح کرلیا۔ یورپ کا آخری ملک ہسپانیہ (اندلس) تھا، جس کے بعد بحرالکاہل کا عظیم سمندر براعظم امریکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ مغرب کے آخری کنارے تک فتوحات مکمل کرنے کے بعد مسلمان حکومتوں نے فتوحات کا سلسلہ ترک

Marfat.com

کر دیا۔ اہلِ یورپ اب مسلمانوں کے ذمی تھے۔ غالباً........ مشرق پر توجہ نہ دینے اور مغرب کو اپنی توجہ کا مرکز بنانے کی وجہ یہ تھی کہ اہل مغرب عیسائی تھے اور اہل کتاب ہونے کے ناطے اسلامی تعلیمات کو جلد سمجھ لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اِس کے برعکس مشرقی ممالک اِس قابل نہ تھے ..... کہ تیزی کے ساتھ ''دین توحید'' کو سمجھتے اور اِسے اپناتے۔ چنانچہ خوش بختی کا قرعہ مغرب کے حق میں نکلا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ پورے یورپ میں پھیل گیا۔ جس نے یورپ کو آنے والی صدیوں میں ایک درخشندہ اور تابناک مستقبل عطا کیا۔

♦ ...... ♦

''بابا تمہاری خیریت پوچھ رہے ہیں۔ انہیں سردار ڈوگاسا کے قتل کا علم ہو گیا ہے۔ آج ہی ہمارے قبیلے سے ایک قاصد، بابا کا پیغام لے کر آیا ہے۔ بابا نے ہدایت کی ہے کہ تمہیں واپس کوہِ بلقان بھیج دیا جائے۔ کیونکہ یہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ بہت جلد حکومت کو سردار ڈوگاسا کے قاتلوں کا پتہ چل جائے گا۔''

سکندر پاشا نے شیراز کو تفصیل کے ساتھ خالص پاشا کا پیغام سنایا .... لیکن شیراز نے جواب میں کہا۔

''نہیں سکندر پاشا! ..... میں یہیں ٹھیک ہوں۔ میری فکر چھوڑو ..... اگر اللہ نے چاہا تو اپنے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانے سے پہلے مجھے کچھ نہ ہو گا۔ ابھی تو مجھے یہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد، مقدونیہ جانا ہے .... جہاں مادام تھروشیا کے ساتھ میرا بہت کچھ حساب کتاب باقی ہے۔ لیکن اِس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ کچھ دن .... مزید، شمشیر زنی کی مشق کر لوں۔ اور پھر سردار ڈوگاسا کے جن قاتلوں کو خطرات درپیش ہیں اُن میں تمہارے ساتھی اور تم بھی تو شامل ہو۔''

شیراز نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ سکندر کچھ دیر تک خاموشی سے شیراز کی جانب دیکھتا رہا، پھر اُس نے مسکراتے ہوئے، تفہیمی انداز میں سر ہلایا اور شیراز کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو! .... تمہیں تربیت کی ضرورت ہے۔ لیکن ایک بات میں کہوں گا کہ ابھی مقدونیہ، جانے کا سوچو بھی مت! .... وہاں تمہارے انتظار میں صرف موت بیٹھی ہے۔ مادام تھروشیا کو سردار ڈوگاسا کے قتل کی خبر مل چکی ہو گی۔ اور اب اُسے یقین ہو گا کہ تم اُس کا ہی

Marfat.com

رُخ کر گے۔ تمہارا مقدونیہ جانے کے بارے میں جلدی سے کام لینا، ایسا ہے، جیسے صید کا ازخود دام میں آجانا۔ میں تو کہوں گا تم ایک ماہ تک مقدونیہ کا ذکر بھی اپنی زبان پر مت لاؤ"۔

شیراز نے مسکراتے ہوئے سکندر کی بات سنی اور دل میں سوچنے لگا کہ چند دن میں اُن دونوں کے درمیان کتنے گہرے مراسم قائم ہو چکے تھے۔ شیراز نے اُسی طرح مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا برادر!.....اچھا...... جیسے تم کہو گے ویسا ہی کروں گا.........تم شہ روز اور زریاب کو واپس بھیج دو آج ہی.......شاید بابا کو ان کی ضرورت ہو۔"

سکندر پاشا نے خاموشی سے سر ہلایا اور کچھ سوچتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ شیراز نے، اُس کی سوچ میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اب شیراز سنبھل چکا تھا۔ طاہرہ، کی ملاقات نے اُس کے دل میں پیدا ہونے والا، پچھتاوے کا زہر بھی مار دیا تھا۔

طاہرہ؟؟.....طاہرہ کون تھی؟.......طاہرہ وہی زخمی لڑکی تھی، جو شیراز اور سکندر کو کمینہ فطرت سردار ڈوگاسا کی حویلی میں ملی تھی۔ طاہرہ خوش قسمت تھی، شیراز بروقت پہنچ گیا اور وہ بے آبرو ہونے سے بچ گئی۔ وہ قسطنطنیہ کے ہی ایک محلہ کی رہنے والی تھی۔ کبھی اُس کا باپ عثمانی فوج میں سپاہی تھا، لیکن ۱۶۹۶ء کی "جنگِ ازف" میں اُس کے باپ کے، بازو کٹ گئے تھے اور اب وہ بے بسی اور کسم پرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ یہ خاندان نسلاً عرب تھا۔ اٹھارویں صدی تک ترکوں کے نزدیک عربوں کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی۔ خاص طور پر حجاز کے لوگ ترکوں کو بالکل اچھے نہ لگتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ پورے عرب میں ترکوں کے خلاف نفرت پیدا ہونے لگی تھی۔ ترکی فوج میں اب عرب سپاہی نہ ہونے کے برابر باقی رہ گئے تھے۔ طاہرہ غیاث بن محمود کی بیٹی تھی۔ جب سے اُس کا باپ معذور ہوا........طاہرہ کو ازخود کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا تھا۔ طاہرہ کی ماں اور طاہرہ مل کر کھجور کے پتوں سے سامان رکھنے کی ٹوکریاں تیار کرتے تھے۔ جسے نوجوان طاہرہ باسفورس کے ساحل پر بیچ آتی تھی۔ اس طرح بہ مشکل اُن کے شب و روز کٹ رہے تھے کہ ایک دن .... بدفطرت سردار ڈوگاسا کی نظر خوبصورت طاہرہ پر پڑ گئی۔ عرب لڑکی کی صحرائی غزال جیسی آنکھوں نے سردار ڈوگاسا کے دل پر جادو کر دیا تھا اور وہ طاہرہ کے حسن پر مرمٹا۔ چنانچہ سردار ڈوگاسا کے کارندے معصوم طاہرہ کو ایک رات اُٹھا لائے اور اس سے پہلے کہ سردار ڈوگاسا اُس کی عزت کے ساتھ کھیلتا، قدرت نے اُس عرب لڑکی کی عزت

Marfat.com

محفوظ رکھنے کا انتظام کردیا۔شیراز نے بروقت پہنچ کر طاہرہ کو اُس ناہنجار کے ہاتھوں سے بچا لیا۔

طاہرہ نے پہلی ملاقات میں ہی شیراز کو بھیا!.......کہہ کر پکارا تھا۔شیراز نے اُسے بہن کہا تھا،چنانچہ شیراز نے دل میں تہیہ کیا کہ وہ طاہرہ کو اپنی بہن نورین کی طرح ہی تصور کرے گا۔طاہرہ کی حقیقت جان کر سکندر کے دل پر بھی چوٹ لگی تھی۔ایک مسلمان،عرب لڑکی،یوں بے یارومددگار،باسفورس کے ساحل پر ٹوکریاں بیچتی پھر رہی تھی،اور سلطنتِ عثمانیہ کے حکمران بے خبر تھے۔طاہرہ کی داستان سن کر سکندر کے بھی آنسو بہہ نکلے۔

طاہرہ کو اُس کے گھر پہنچا کر سکندر نے سختی کے ساتھ منع کیا کہ وہ ٹوکریاں بیچنے کے لیے باسفورس کے ساحل پر نہ جایا کرے۔عرب خاندان کی عزتِ نفس کا پاس رکھتے ہوئے،سکندر نے اُن سے کہا کہ اُن کا تیار کردہ،مال آئندہ اُن کے گھر پر ہی خرید لیا جائے گا۔سکندر نے اپنی حویلی کے پرانے ملازم کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ہر روز بلا ناغہ،طاہرہ کے گھر جا کر اُن کی تیار کردہ کھجور کے پتوں کی ٹوکریاں خرید لائے اور باسفورس کے ساحل پر جا کر فروخت کر دے۔اس طرح سکندر کے ملازم کو بھی منافع ملنے لگا۔

شیراز اب پرسکون تھا.....کسی خاموش جوہڑ کی طرح پرسکون۔اُسے خوشی تھی کہ اُس نے ایک قاتل کو قتل کیا......یعنی اللہ کے حکم پر عمل کیا ہے۔

اُسے قرآن کریم کی ایک آیت یاد آرہی تھی۔جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ......فتنہ ختم ہونے تک قاتلوں کے ساتھ جنگ کرتے رہیں.......قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَه٥
ان کو قتل کرو تاوقتیکہ.....فتنہ ختم نہ ہو جائے۔

شیراز نے بدامنی اور دہشت ختم کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تھی۔اُس کے من میں ایمان کی روشنی پھیل گئی،اور اُسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اُس نے اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ نہ دے کر بہت برا کیا تھا۔اُسے مغربی تعلیمات حاصل کرنے پر پچھتاوا نہیں تھا،لیکن اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اُسے مغربی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے تھی۔اگرچہ اُس نے اپنے لائی سیئم میں مسلمان فلسفیوں کے افکار پڑھ رکھے تھے،لیکن

Marfat.com

اُسے قرانی تعلیمات اور اسلامی تاریخ سے زیادہ واقفیت نہیں تھی۔ فلسفے نے اُسے ایک بزدل اور محتاط انسان بنادیا تھا، لیکن اب اُس کے من میں پوشیدہ ایمان کی چنگاری بھڑکنے کے لیے بے قرار تھی۔

اُس کا خوف، ڈر، ہیجان اور بے چینی دو ہو گئی اور سینے میں عزم کا نور کروٹیں لینے لگا۔ شیراز کو عیسائی جاسوسوں اور ساہوکاروں کا قلع قمع کرنا تھا۔ جن کی پیٹھ پر آسٹریا، برطانیہ، فرانس اور روس جیسے ملکوں کا ہاتھ تھا۔ جدید اسلحہ اور اعلیٰ تربیت کے حامل عیسائی جاسوسوں نے سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کر دی تھیں۔

مذہبی منافرت کے نام پر اُس کے پاک وطن کی رگوں پر خنجر چلایا جا رہا تھا۔ گذشتہ کئی صدیوں سے سلطنت، اپنے مسلمان برادر ملک ایران کے ساتھ برسرِ پیکار تھی، جس کی بنیاد صرف دونوں ریاستوں کے مذہبی فرقے تھے۔ دشمن نے بڑا کاری وار کیا تھا۔ اُس نے قوم کے معمہوں کو اپنی ہی قوم کی شہ رگ کاٹنے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ دوسری طرف سلطنت کے مختلف صوبوں میں فسادات عروج پر تھے۔ قاہرہ، جو کبھی دارالعلوم تھا، خون کے سمندر میں ڈوبنے کے قریب تھا۔ وہ قوم جس نے ۱۴۵۴ء کی جنگ میں اپنے سے کہیں زیادہ طاقت ور دشمن کو صرف گھور کر دیکھا اور اس کا کلیجہ پھاڑ دیا، آج اپنے ہی سپوتوں کے ہاتھوں لٹنے والی تھی۔ اپنے گھر کو اپنے ہی چراغ سے آگ لگنے والی تھی۔ اور ستم پر ستم یہ تھا کہ عمائدین سلطنت، ہوس اقتدار میں یہ بھلا بیٹھے تھے کہ جب ملک ہی نہ رہے گا تو وہ حکومت کس پر کریں گے؟ عیسائی ساہوکاروں نے سلطنت کی ساری دولت سمیٹ لی تھی، اور بے روزگاری نے مسلمان نوجوانوں کو چڑچڑا اور بے زار بنا دیا تھا۔ فردِ معاشرہ کا اسلامی دم خم مٹنے کے قریب تھا .... ہاں قوم اپنے غرق ہونے کے تمام سامان کر چکی تھی۔

شیراز چونک اٹھا، اُس کی آنکھیں کافی دیر سے جھپکی نہیں تھیں۔ اس لیے پانی کے دو موٹے موٹے قطرے اُس کے گالوں پر لڑھک آئے۔ اُس نے الٹے ہاتھ سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور تہیہ کیا کہ وہ اپنی تمام زندگی ان سازشوں کو بے نقاب کرنے میں صرف کر دے گا۔ جنہوں نے اُس کے وطن کے بخیے اُدھیڑنے کی ٹھان رکھی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اُسے باقاعدہ تربیت لینی ہوگی، لیکن کہاں سے؟ اور کس سے؟ .... اس سلسلے میں شیراز کو کچھ معلوم نہیں تھا وہ تو خود مفرور قاتل کی حیثیت سے چھپتا پھرتا تھا۔ ایسے قتل کے سلسلے میں وہ حکومت کو مطلوب

Marfat.com

تھا۔ جو اُس نے کیا ہی نہیں تھا۔ وہ تو جاسن کے قتل ہونے سے بہت پہلے اغواء ہو گیا تھا۔
آہ!.....اُس کی بے چاری ماں، بڑھاپے میں کن پریشانیوں اور دکھوں کا شکار ہو گئی تھی۔
اُس نے سوچا۔
''ماں تو ہر وقت میرے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہوتی ہو گی۔ بوڑھا خادم نیاز احمد، بے چارہ کافی نحیف تھا، کہاں اٹھا سکتا تھا........اتنے بڑے صدمے کا بوجھ۔ نورین آپی کے بہیمانہ قتل اور میرے فرار نے تو ماں کو جیتے جی مار دیا ہو گا۔ اب کیا بچا تھا ماں کے پاس''
شیراز کو نورین یاد آئی .....تو ایک بار پھر اُس کے گال تر ہونے لگے۔ اُس نے آنسو پونچھے اور اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ ایک ہی دھن سوار تھی اُس پر، آگ لگانے کی دھن......وہ آگ لگانے والوں کو آگ لگا دینا چاہتا تھا۔
''ارے اس قدر بے چین کیوں ہو؟ اور شاید روئے بھی ہو تم! سچ سچ بتاؤ'' سکندر پاشا نے اندر داخل ہوتے ہی حیرت سے شیراز کی جانب تکتے ہوئے کہا۔
''نہیں سکندر! میں رویا نہیں ہوں یہ وہ آنسو ہیں جو غصہ ضبط کرنے سے نکل آتے ہیں۔''
سکندر حسبِ معمول مسکرا دیا۔
''غصہ؟......کس بات کا غصہ؟.......کیا کہہ دیا، میں نے، جو مجھ غریب کا خون پینا چاہتے ہو! سردار ڈوگا سا کے خون نے تو تمہیں نشہ ہی ڈال دیا......خون پینے کا۔''
سکندر نے شرارت بھرے لہجے میں شیراز سے کہا تو بے اختیار اُس کے ہونٹ بھی کھل اٹھے۔
''نشہ؟.....ہاں نشے کی خوب کہی تم نے۔ ہاں سکندر! مجھے واقعی نشہ ہو گیا ہے، لیکن یہ خون پینے کا نشہ نہیں، بلکہ خون کے گھونٹ پینے کا نشہ ہے، تم سمجھ رہے ہو نا۔ اِس نشے نے میرے تن بدن میں آگ لگا رکھی ہے۔ سکندر میں تربیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''
''تربیت؟......گویا تمہارا مطلب ہے مار دھاڑ کی تربیت........ٹھیک ہے۔ میں کچھ کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں.....اور ہاں! میں نے شہ روز اور زریاب.....کو واپس جانے کا کہہ دیا ہے۔ شام ہوتے ہی وہ نکل جائیں گے۔ بابا کے لیے میں نے تسلی بخش پیغام بھیج دیا ہے۔ تم مطمئن ہو جاؤ........تم یہیں رہو گے، میرے پاس۔''
سکندر پاشا نے شیراز کو بتایا........معاً شیراز نے ایک عجیب سوال کر دیا:۔

Marfat.com

''سکندر!.....کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ اپنی ماں سے مل آؤں؟ مجھے ڈر ہے کہیں میری جدائی اُس کی جان ہی نہ لے لے۔ اس طرح اسے میری خیر یت کا بھی علم ہو جائے گا اور میری بھی تسلی ہو جائے گی۔''

شیراز نے آس بھرے لہجے میں کہا۔ لیکن سکندر نے اُسے منع کر دیا:۔

''نہیں بالکل نہیں!......تمہارا وہاں جانا اپنے آپ کو کنویں میں پھینکنے کے برابر ہے۔ مجھے تو یہاں بھی تمہارے پہچان لیے جانے کا ڈر ہے۔ہاں.....البتہ، تم ایسا کرو! ایک تفصیلی خط لکھ دو۔ اپنی خیریت بھی لکھ دو۔ اس طرح ہم انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں خط کے ساتھ کچھ رقم بھی بھجوا دوں گا۔ لیکن ایسے طریقے سے کہ میرا آدمی بھی وہاں کسی کی نظروں میں نہ آئے......کیا خیال ہے؟ لیکن ایک بات ہے.......میرا آدمی تمہاری ماں کو کہاں تلاش کرے گا؟ کیا تم ایسی کوئی جگہ جانتے ہو، جہاں تمہاری ماں اور بوڑھا ملازم جا سکتے ہیں؟''

''میرا اندازہ ہے میری ماں ....اپنے آبائی گاؤں چلی گئی ہوگی۔ میں کبھی وہاں گیا تو نہیں، لیکن میری ماں اکثر اپنے خاندان کا ذکر کیا کرتی تھی۔ یہ گاؤں ایتھنز کے نزدیک ہے ۔ میں تمہارے آدمی کو سمجھا دونگا۔ تم ٹھیک کہتے ہو مجھے ایک خط لکھنا چاہیے''۔

شیراز نے سکندر کی پیشکش کو قبول کیا۔ سکندر ایک رئیس زادہ تھا۔ وہ ایتھنز تک اپنے کارندے کو بھیج سکتا تھا۔ شیراز، سکندر کے مشورے سے بہت خوش ہوا۔ اُس نے ممنونیت سے سکندر کی جانب دیکھا تو سکندر نے فوراً کہا۔

''ایسے مت دیکھو!..........بس جو میں نے کہہ دیا وہی ہوگا''۔

سکندر اور اُس کے قبیلہ کے بارے میں شیراز نے سوچا:۔

''کتنے عظیم تھے وہ لوگ، میرے لیے رحمت کے فرشتوں سے کم نہ تھے۔ ان کا ایثار اور خلوص مجھے بے مول خرید چکا تھا۔ سکندر پاشا، شہ روز، خالص بابا اور وہ سارے لوگ''۔

سکندر نے اُٹھنے سے پہلے شیراز سے کہا:۔

''لیکن ......یہ تمہیں بتا دوں کہ خالص بابا تمہارے منصوبوں کے خلاف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تم ابھی جذباتی نوجوان ہو۔ اس لیے اتنی بڑی بات سوچتے ہو۔ عیسائی ساہو کاروں کا جال پوری اسلامی دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور اُن کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ جس

Marfat.com

کا خاتمہ تم اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔"

سکندر پاشا نے شیراز کو سمجھانے کی کوشش کی۔لیکن شیراز کا جواب خوبصورت تھا۔

"اُن کی جڑیں میرے عزم اور ارادے سے زیادہ یقیناً مضبوط نہ ہوں گی۔"

شیراز نے بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کیا۔سکندر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری حوصلہ شکنی نہیں کرتا۔تم اپنے تیئں محنت کرو۔ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ تم کرو گے کیا؟ کسے پکڑو گے؟ کہاں جاؤ گے؟۔"

سکندر پاشا خان نے حالات پر تبصرہ کیا تو شیراز کو اس کی باتیں معقول نظر آئیں۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے .... لیکن جب تک میں اپنے آپ کو مقابلے کے لیے تیار کرتا ہوں تب تک، کوئی نہ کوئی راستہ نظر آجائے گا......... مجھے اللہ سے پوری امید ہے"۔

شیراز نے اپنا نقطہء نظر بیان کیا اور سکندر پاشا نے تائید میں سر ہلا دیا۔

رات تک شہروز اور زریاب، جا چکے تھے۔جاتے ہوئے شیراز، دونوں سے بغلگیر ہو کر ملا تو خلوص، چاہت، اور محبت کے سچے جذبات سے اُس کا دل لبریز تھا۔

اگلی صبح شیراز نے سکندر پاشا کے مشورے سے ممکن حد تک اپنا حلیہ بدل لیا۔اُس نے استنبول کے رہائشی نوجوانوں جیسا لباس پہنا،سر کے بال بالکل باریک کروا لیے اور سر پر مخصوص ترکی ٹوپی سجا لی۔اس طرح شیراز کا حلیہ کافی بدل گیا تھا۔شیراز نے سکندر کو بتایا کہ وہ شہر میں گھومنا چاہتا ہے،سکندر کچھ دیر کسی سوچ میں گم رہا پھر اُس نے شیراز کو شہر میں گھومنے کی اجازت دے دی۔

شیراز شہر میں گشت کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ:۔

"استنبول خاصا خوبصورت شہر ہے۔بالخصوص استنبول کے لوگ۔گورے، چٹے، اور بڑی بڑی آنکھوں والے انتہائی من بھاتے لوگ ہیں۔مغرب سے آنے والے تاجر،مشرقی ممالک میں ہمیشہ استنبول کے راستے سے ہی داخل ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے یہ شہر بے پناہ، تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔"

اس نے سوچا۔

"عثمانی سلطنت کا دارالخلافہ قابل دید ہے۔بڑے بڑے بازار اور فلک بوس عمارتیں پورے شہر میں پھیلی ہوئی ہیں۔پرانا، استنبول قدرے کم کشادہ اور تنگ ہے۔لیکن اس کی اپنی

Marfat.com

ایک شان ہے۔ خاص کر "قہوہ بازار" کی رونق پرانے استنبول کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔"

اُس نے زیادہ وقت اسی دیو مالائی بازار میں گزارا۔ ایک زمانے میں یہاں کا قہوہ پوری سلطنت میں مشہور تھا۔ شیراز نے دوپہر کا کھانا ایک متوسط درجے کے قہوہ خانے میں کھایا۔ قہوہ خانے میں شیراز کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جسے دیکھ کر شیراز کے تن بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ شخص مقدونیہ کا رہنے والا تھا.........اور شیراز کا شناسا تھا۔ لیکن اب تو شیراز کھانے کے چبوترے پر بیٹھ چکا تھا۔ اور اُس نے قہوہ خانے کے ملازم سے کھانا لانے کے لیے بھی کہہ دیا تھا۔

اب اگر شیراز یہاں سے اچانک اُٹھ کھڑا ہوتا تو ....اُس کا ہم وطن ضرور اُسے دیکھ لیتا۔ شیراز کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ اپنا چہرہ، چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ کبھی اُس کے دل میں خیال آتا کہ وہ اُٹھ کر اِس شخص سے مل لے۔ اپنے شہر کے حالات اور اپنے گھر بار کے بارے میں اِس سے پوچھ لے، لیکن پھر وہ سوچتا کہ اس طرح وہ سب کی نظروں میں آجائے گا۔ حالانکہ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ مقدونیہ کے بارے میں دریافت کرے، لیکن شیراز نے خود پر ضبط کیا اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کھانا کھانے کے بعد شیراز وہاں سے اُٹھا اور آبنائے باسفورس دیکھنے کے لیے مشرقی شہر کی طرف چل دیا۔ وہ آبنائے باسفورس کے ساحل پر دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ دن بھر اسی طرح گشت کرنے کے بعد شام ڈھلے وہ، رہائش گاہ پر پہنچا۔ سکندر پاشا حویلی میں اُس کا منتظر تھا۔

"شکر ہے تم خیریت سے لوٹ آئے۔ میں تمہاری تلاش میں نکلنے ہی والا تھا۔ تم صبح کے گئے، اب واپس لوٹ رہے ہو؟ مجھے فکر ہو رہی تھی۔"

سکندر نے کہا تو شیراز کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ واقعی اُس نے سکندر کی پریشانی کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ معذرت میں کچھ کہتا، سکندر نے خود ہی دوبارہ بات کی۔

"خیر کوئی بات ....تم نے اچھا کیا۔ اتنے مصائب کے بعد، تفریح تمہارے لیے ضروری تھی۔ اور ہاں تمہارے لیے ایک اور تفریح کی تجویز ہے میرے پاس"۔

شیراز کے چہرے پر یکایک حیرت کے رنگ لہرائے:۔

Marfat.com

''ایک اور تفریح؟..........کیا مطلب؟........تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''
شیراز کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔اُس کا خیال تھا کہ سکندر اُسے کسی اہم ذمہ داری پر فائز کرنا چاہتا ہے،لیکن سکندر نے تو سچ مچ تفریح کی بات کی تھی۔سکندر نے کہا:۔
''شیراز!.......چند دن بعد عیسائیوں کی عید ہے۔تمہیں تو پتہ ہوگا ہی۔چند دن بعد پچیس دسمبر ہے،یعنی کرسمس کا دن۔استنبول کے عیسائی کرسمس کے روز بہت جوش وخروش سے عید مناتے ہیں۔ہر سال بڑے چرچ میں مصوری کی نمائش منعقد ہوتی ہے۔میں ایک مسلمان ہونے کے ناطے کرسمس کی کسی دیگر تقریب میں تو شریک نہیں ہوسکتا لیکن میں ہر سال مصوری کی نمائش دیکھنے کے لیے جاتا ہوں۔بس اسے میرا شوق سمجھ لو!........اِس مرتبہ میرا خیال ہے کہ ہم دونوں اکٹھے وہاں جاسکیں گے۔''
شیراز ہکا بکا رہ گیا۔اُس نے آج تک مصوری کی کوئی نمائش نہ دیکھی تھی۔حالانکہ وہ لائی سیئم کا طالب علم تھا،جہاں مصوری کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔شیراز کے چہرے پر سچ مچ حیرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔
''مصوری کی نمائش؟.......بہت خوب.......مجھے بے پناہ شوق ہے مصوری کا۔میں خود بھی رنگوں کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کرتا رہا ہوں شاید قسمت کو میرے لیے سرخ رنگ زیادہ پسند تھا۔اِس لیے اُس نے اِسے میرے دامن میں بھر دیا۔''
شیراز نے ٹھنڈی سانس فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا،لیکن سکندر،شیراز کی بات پر عش عش کر اُٹھا تھا:۔
''واہ........سبحان اللہ........کیا خوبصورت جملہ بولا ہے تم نے،بخدا تم تو شاعر ہو۔بس ٹھیک ہے۔تو یہ طے ہوا کہ ہم نمائش دیکھنے جائیں گے''۔
''بڑا نیک خیال ہے۔''
شیراز نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔
چند روز مزید اسی طرح گزر گئے۔اور پھر کرسمس کے روز شیراز اور سکندر دوپہر کے قریب نمائش دیکھنے کی غرض سے چرچ کے بڑے ہال میں داخل ہوئے۔دیواروں پر عیسائی مصوروں کے انتہائی عمدہ شہکار آویزاں تھے۔دوسرے ہال میں بہت سے عیسائی مرد وزن اپنے مذہبی گیت گا رہے تھے۔گیتوں کی آواز کے ساتھ ساتھ طاؤس ورباب کے بجنے کی آوازیں بھی

Marfat.com

سکندر اور شیراز کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ہال میں ایک سے ایک حسین لڑکی زرق برق لباس پہنے، اپنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھوم رہی تھی۔یوں لگتا تھا، گویا آسمان سے اپسرائیں اتر آئی ہوں۔عیسائیوں میں مرد وزن کے اکٹھے گھومنے، پھرنے کو برا نہ سمجھا جاتا تھا۔

استنبول کی عیسائی حسینائیں شرکائے نمائش کو تصویروں کی طرف متوجہ نہ ہونے دے رہی تھیں۔رنگا رنگ کے ریشمی آنچل نوجوانوں پر قیامت ڈھا رہے تھے۔یہی وجہ تھی کہ نمائش کا ہال عیسائی نوجوانوں سے بھرا پڑا تھا۔شیراز اور سکندر.......... ہال میں مشرقی دیوار سے تصویروں کا نظارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، ان دو مسلمانوں کے علاوہ بھی بیسیوں مسلمان یہاں موجود تھے۔اہل استنبول، عیسائیوں کی عید کے دن اُن کی بہت سی تقریبات میں شامل ہوتے تھے۔سکندر پاشا کو یہاں بعض لوگ جانتے بھی تھے، کیونکہ کبھی کبھی اُسے کوئی سلام کرتا تھا اور کبھی کبھی وہ کسی کو سلام کرتا تھا۔ایک جگہ سکندر کو کسی جاننے والے نے روک لیا، سکندر اُس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گیا اور شیراز معمول کی رفتار سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ خاص قسم کی تصویروں نے شیراز کو اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا۔یہ تمام ایک ہی ہاتھ کی بنائی ہوئی لگتی تھیں۔ان میں زیادہ تر مافوق الفطرت اشیاء کو دکھایا گیا تھا۔ان تصویروں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یونان یا ہندوستان کے کسی قدیم مندر میں بنی تصاویر کی نقل کی گئی ہو۔بلیدان، چڑھاوے، دیوی، دیوتاؤں اور پوجا پاٹ کے مختلف انداز، بڑے جدید پیرائے میں ڈھال کر کینوس پر اتارے گئے تھے۔

ایک تصویر نے تو شیراز کے پاؤں ہی جکڑ لیے۔اس میں ایک خوبرو نوجوان کو ''حسن کی دیوی'' کے حضور قربان کیا جا رہا تھا۔حسن کی دیوی جس کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، ایک، اونچے چبوترے پر براجمان تھی۔اس کے چاروں طرف خدام سینگوں والی ٹوپیاں پہنے اور ہاتھوں میں خونخوار قسم کے بھالے تھامے کھڑے تھے۔ایک خوبصورت نوجوان جس کا آدھا جسم ننگا تھا، دیوی کے قدموں کے قریب رکوع کے انداز میں جھکا ہوا تھا، اور اپنے ہی ہاتھ سے اپنی ہی گردن کاٹ رہا تھا۔اس کی گردن سے ٹپکنے والا خون بہہ کر دیوی کے قدموں کی طرف چلا گیا تھا۔دیوی کے ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور اُس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کی ایک خوبصورت سی چھڑی تھی۔شیراز تصویر کی کہانی میں کھو کر رہ گیا۔

Marfat.com

وہ اپنے گردونواح سے بے خبر کھڑا اُسی تصویر کو دیکھنے میں مشغول تھا۔ سکندر پاشا شاید پیچھے کسی کے پاس رُک گیا تھا۔ اسی اثناء میں شیراز کو اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

"لگتا ہے آپ کو یہ تصویر زیادہ پسند آئی ہے یا پھر آپ اس میں نقص تلاش کر رہے ہیں؟"

مندر کی گھنٹی سے بھی زیادہ حسین آواز شیراز کے قریب ہی ابھری اور اُس کے کانوں میں جادوئی سارس گھول گئی۔ اُس نے چونک کر اپنے پیچھے دیکھا تو بھونچکارہ گیا۔ یونان کی دیوی وینس اُس کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس قدر مکمل حسن اس سے پہلے شیراز کی نظروں نے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ شہنشاہ بخت نصر کے باغاتِ معلقہ میں کھڑا ہے اور ہیکلِ زہرہ کی دیوی بیدخت اچانک اُس کے سامنے ظاہر ہو گئی ہے۔ وہ سانس لینا بھول گیا۔ شیراز کی نظروں کا اثر محسوس کر کے سنگِ مرمر کی وہ مورتی سٹپٹا گئی۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا تھا۔"

دیوی نے کسی قدر شرم وحیاء سے آنکھیں جھکاتے ہوئے دوبارہ شیراز سے پوچھا..... شیراز نے اُس کے سوال کا جواب بھی انتہائی خوبصورت انداز میں دیا:۔

"میں سوچ رہا تھا کہ کاش، اس جوان کی بجائے حسن کی دیوی کے حضور میرا، بلیدان دیا جا رہا ہوتا۔"

شیراز نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا تو وینس کی اُس اپسرا کا قہقہہ نکل گیا۔ شیراز کو یوں لگا جیسے سونے کی بہت سی اشرفیاں ایک ساتھ کھنکنا اٹھی ہوں۔ وہ سحر زدہ رہ گیا۔

"کیا خیال ہے آپ کا؟.......اس انداز کی مصوری کے بارے میں۔ یہ دیو مالائی دور کی تصویر ہے۔"

اپسرا نے آسمان کی تمام بجلیاں سمیٹ کر شیراز پر گراتے ہوئے ایک بار پھر شیراز کا خیال پوچھا۔ اب شیراز نے اُس مصور کی تعریف میں، جس نے ان تصویروں کو تخلیق کیا تھا قصیدہ پڑھا۔

"یہ تصویر؟؟؟.........میں اگر اس نمائش کا منصف مقرر کر دیا جاؤں تو اس تصویر کو اول انعام کا مستحق قرار دوں گا۔ مصور نے کمال مہارت سے حسن کی بالادستی کو کینوس پر پیش کیا ہے اس تصویر میں عشق اور حسن کے تمام نظریات کو یکجا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اگر مصور کے پیشِ نظر حقیقی نظریہء حسن ہوتا تو وہ اِس سے زیادہ بہتر انداز میں اس تصویر کو بنا سکتا

Marfat.com

تھا۔ میرا خیال ہے کہ حسن و عشق کی معراج کو اس سے بہتر انداز میں بھی بنایا جاسکتا ہے، لیکن اِس تصویر میں بہرحال مصور نے کمال کردیا ہے۔ یہی نہیں، اس مصور کی اور تصاویر بھی یہاں ہیں، جو سب، ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ خاص کر وہ کونے والی تصویر .... جس میں ارسطو اور سکندر اعظم کا مکالمہ پیش کیا گیا ہے .... لاجواب ہے .... جی چاہتا ہے اس مصور کے ہاتھ چوم لوں۔"

شیراز نے ایک اور تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یونان کی وہ دیوی پورے انہماک سے شیراز کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں صاف دیکھی جاسکتی تھیں اور زیرلب جان نکال لینے والی مسکراہٹ بھی...... شیراز اس کے انداز سے سٹپٹا گیا۔

"معاف کیجیے گا!......... بغیر تعارف کے مجھے یوں تبصرہ شروع نہیں کردینا چاہیے تھا۔
شیراز نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور دوبارہ سے تصویر کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شاید میرے دیکھنے کے انداز سے؟ آپ تو بہت اچھا تبصرہ فرما رہے تھے۔ اچھا! کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں، دیکھیے!..... کسی کو مخاطب کرنے کے لیے نام کی ضرورت تو پڑتی ہے، ورنہ ویسے تو نام ایک بے معنی سی چیز ہے۔"
لیکن شیراز بدستور تصویر میں محو ہونے کی اداکاری کرتا رہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اب آپ تصویر کو صحیح توجہ سے نہیں دیکھ رہے۔ آپ کا دھیان میری طرف ہے .... ہے نا؟"

اُس پری وش نے شیراز کے دل کا چور پکڑا تو وہ مسکرادیا۔

"آپ کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی۔ .... میرا نام علی پاشا ہے۔"

شیراز نے مسکراتے ہوئے اسے نام بتایا۔ لیکن اگلے لمحے شیراز کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، کیونکہ وہ کہہ رہی تھی:۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ میری ذہانت کی کافی سے زیادہ داد پہلے ہی دے چکے ہیں .... میرا مطلب ہے کہ ان تصویروں کی خالق میں ہوں .... دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے اپنا نام صحیح نہیں بتایا۔ اس بات کا مجھے سو فیصد یقین ہے .... اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں، لیکن آپ نے حلیہ استنبولیوں جیسا اختیار کررکھا

Marfat.com

ہے۔کیا میں نے غلط کہا؟۔"

شیراز کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جارہی تھیں۔تینوں انکشافات چونکادینے والے تھے۔ اُس کے دماغ میں ہلچل مچ گئی ......"کیا یہ مجھے جانتی ہے؟"۔شیراز کا دل دھک سے رہ گیا۔اُس نے مصنوعی مسکراہٹ کا سہارالیا۔

"آپ نے تینوں صحیح باتیں کر کے ثابت کر دیا ہے کہ آپ ذہین ہی نہیں بہت زیادہ فطین بھی ہیں۔اب اپنا نام بھی بتا دیجئے تا کہ میں بھی آپ کے بارے میں رائے قائم کرسکوں۔"

"میرا نام صوفیہ ہے .... میں "وینیشین" ہوں اور یہیں استنبول میں رہتی ہوں۔ مصوری اور خاص کر دیومالائی منظروں کو کینوس پر اتارنا میرا محبوب مشغلہ ہے ....میرے بابا "کپتان الفانسو" ......وینیشین آرمی میں تھے،لیکن اب ہم یہیں رہتے ہیں۔لیجیے!صرف نام سے شاید آپ میرے بارے میں رائے قائم ،نہ کر پاتے ،میں نے خود ہی سب کچھ بتا دیا۔"

صوفیہ نے اپنا تفصیلی تعارف کروا دیا۔شیراز کی حیرت ابھی تک دور نہ ہوئی تھی۔لڑکی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی ،مصورہ تھی ،حسین تھی ،شیراز کا غلط نام بتانے کاراز فوراً پکڑ چکی تھی۔یہ اُس کی ذہانت تھی یا وہ شیراز کے بارے میں جانتی تھی۔شیراز ،شش و پنج میں مبتلا ہوگیا۔لیکن اُس کے دل سے مسلسل آواز اٹھ رہی تھی کہ لڑکی اُس کے لیے بے ضرر ہے ..... اِس سے تعارف ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ،لیکن اُس کے حالات کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی اصلیت کو چھپائے۔اُس نے ذہن پر مزید زور دینا ضروری نہ سمجھا اور بات کو بدلنے کی کوشش کی:۔

"اگر آپ واقعی ان تصویروں کی مصورہ ہیں ......تو پھر ......پھر ...... یقیناً آپ میری خواہش سن چکی ہوں گی کہ کاش ان تصویروں کا مصور میرے سامنے آجائے تو میں اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دوں۔اُس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ ہاتھ اس قدر خوبصورت ہوں گے ....اب میری خواہش کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟۔"

شیراز نے جان بوجھ کر اُسے زچ کرنے کے لیے زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا لیکن اس وقت حقیقی معنوں میں وہ اپنی جگہ ناچ کر رہ گیا ،جب اس..... مہ جبیں نے اپنا نازک اور رسیلا ہاتھ شیراز کے سامنے پھیلا دیا۔اب شیراز کی حالت دیدنی تھی۔اُس نے محض ایک مذاق کیا تھا۔وہ کہاں......ایسا کرسکتا تھا کہ سرِعام ،ایک دوشیزہ کا ہاتھ چومتا۔وہ بھرے ہال میں ایک

Marfat.com

اجنبی دوشیزہ کا ہاتھ تھام کر چومتا تو شاید سب لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے ۔ وہ سٹپٹا گیا۔ اُس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔

شیراز نے خفت بھرے انداز میں اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا .... کوئی بھی اُن کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ اُس کی نظریں وینس کی حسینہ کے کومل ہاتھ پر پڑیں تو اُس کے پورے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی ۔لڑکی کا ہاتھ ابھی تک بوسہ دینے کے لیے پھیلا ہوا تھا۔ شیراز عیسائی لڑکی کی جرأت پر ششدر رہ گیا اور خفت بھرے انداز میں مسکرا دیا۔ تب لڑکی بولی۔

''بس !.... مسلمانوں میں یہی خامی ہے .... جو ظاہر کرتے ہیں وہ کچھ اور ہوتا ہے اور جو دِل میں رکھتے ہیں وہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ عیسائیوں میں اِس کے برعکس ''اعتراف (confession) '' کا نظریہ ہے لیکن مسلمان ہمیشہ اپنے آپ سے دور رہتے ہیں آپ بھی اپنے آپ سے دور ہیں۔ اتنے دور، کہ اپنی ایک چھوٹی سی خواہش پوری نہ کر سکے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

لڑکی نے مسلمانوں پر بڑی گہری چوٹ کی تھی۔ شیراز بیک وقت خفت اور ندامت کا شکار ہو گیا لیکن اِس کے ساتھ ہی اُس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہنے کی کوشش کی۔

''خواہشات پر قابو پانے کا نظریہ بھی عیسائیت کا پیش کردہ ہے آپ کے مذہب میں راہب اور راہبہ کیا کرتے ہیں؟ اپنی خواہشات پر قابو ہی تو پاتے ہیں۔ اسلام اِس نظریہ کے مخالف ہے بلکہ ہماری مقدس کتاب ،قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے کہ.......... کس نے حرام قرار دیا زینت کی اُن چیزوں کو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں۔ [1] جہاں تک میرا خیال ہے آپ نے مسلمانوں کو قریب سے نہیں دیکھا۔''

صوفیہ کے دلکش چہرے پر خوشگوار حیرت تھی ۔ آج اُس کا واسطہ ایک ذہین نوجوان سے پڑ رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوئی ،لیکن بحث سے باز نہ آئی:۔

''محترم !.......... آپ نے میرے بارے میں غلط رائے قائم کی ہے۔ میں کسی مذہب کو نہیں مانتی ، میں مذہب کی دقیانوسی روایات پر بھی یقین نہیں رکھتی .... میں انسان سے انسان کی محبت کی قائل ہوں ۔ میرے نزدیک دنیا کو جنت بنانے کے لیے سب سے پہلے تمام نسل

[1] آیت؛ (مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ)۔

Marfat.com

انسانی کو ایک مذہب پر متفق ہونا ہوگا، جو بظاہر ممکن نہیں، اِس لیے میں کسی مذہب پر یقین نہیں رکھتی۔"

اب شیراز اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ لڑکی عیسائی مذہب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اُس لڑکی کی بات سن کر وہ سوچ میں گم ہو گیا کہ آخر اِس کا مذہب کیا ہے؟ شیراز کی پیشانی پر حیرت کی شکنیں دیکھ کر صوفیہ مسکرا دی۔ اُس کے ہونٹ کسی کلی کی طرح کھلے اور بند ہوئے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"ارے!......آپ تو حیران ہونے لگے۔ کیا میری بات آپ کو پسند نہیں آئی؟"

"نہیں نہیں!......ایسی کوئی بات نہیں، میں تو اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر آپ کون سے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔"

شیراز نے اپنے خیال کے بارے میں بتایا تو صوفیہ پھر اُسی لہجے میں بولی:۔

"کیا مذہب انسان کے لیے ضروری ہے؟......... آپ ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ میرا کوئی نہ کوئی مذہب ہوگا؟ میں کہتی ہوں، میرا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں"۔

لیکن اب شیراز چپ نہ رہ سکا تھا، آخر کار وہ لائی سیئم کا طالبِ علم تھا، جہاں فلسفہ ہی فلسفہ تھا۔ جہاں اِس قسم کے سوالات روز ہوتے تھے۔ اُسے اپنے استاد پاتھے اوڈیسا کی بحث یاد آنے لگی۔ معاً شیراز نے اعتماد سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"میں آپ کے ساتھ شدید اختلاف رکھتا ہوں۔ میرے نزدیک مذہب انسان کے لیے ایسا ضروری ہے جیسے، زندگی کے لیے سانس۔ دنیا کا کمزور سے کمزور مذہب .... لامذہبیت سے بہتر ہے۔ لامذہبیت کا دین اپنانے والوں کو اخلاقیات کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اخلاقیات کو کیوں اپنائیں؟ لیکن ایک مذہب پرست .... آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ چاہے اُس کا مذہب، بت پرستی ہی کیوں نہ ہو، لیکن وہ خود کو اپنے اعمال کے لیے جواب دہ سمجھتا ہے، اور اس طرح اُسے طوعاً و کرہاً بعض برے کاموں سے باز رہنا پڑتا ہے۔ اگر آپ کے دل میں آخرت کا تصور نہ ہو تو آپ کو اپنے کسی برے عمل پر پچھتاوا نہیں ہوگا۔ اور اگر سب لوگ اس طرح سوچنے لگیں تو انسانی معاشرے کی عمارت، جو ہمارے آباؤ اجداد نے ہزاروں سال کی محنت سے تعمیر کی تھی دھڑام سے گر پڑے اور انسان جنگل کا درندہ بن جائے۔"

شیراز کی بات سن کر صوفیہ بری طرح چونکی یہ اُس کے لیے ایک نئی بات تھی، یہ سچ تھا کہ وہ

Marfat.com

کسی مذہب کو نہ مانتی تھی۔ دراصل صوفیہ کا وطن ''جمہوریہ وینس تھا اور مذہبا وہ عیسائیوں کے پروٹیسٹنٹ فرقہ سے وابستہ تھی۔ پروٹیسٹنٹ فرقہ کو......... اٹھارویں صدی کے آغاز تک ملحدین کا گروہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ مذہبی آزادی کے قائل تھے۔ پروٹیسٹنٹ فرقہ کا بانی مشہور عیسائی عالم ''مارٹن لوتھر'' تھا۔ جس نے سب سے پہلے، یہ اعلان کیا تھا کہ معاشرتی زندگی کے لیے بائبل کی تعلیمات چنداں ضروری نہیں۔ چنانچہ اِس فرقہ کے بعد مغرب کے عیسائیوں میں غور وفکر کے جذبے نے جنم لیا اور وہ بہت تیزی کے ساتھ سائنسی ایجادات میں ترقی کرنے لگے۔ اِس فرقہ کے زیادہ تر لوگ ''جمہوریہ وینس'' کے علاوہ، جرمنی اور انگلستان میں تھے۔ انگلستان سے امریکہ منتقل ہونے والے انگریزوں میں اکثریت ٹیسٹنٹوں کی تھی۔ مارٹن لوتھر، پندرہویں صدی کا عالم تھا اور شیراز کے زمانہ تک پروٹیسٹنٹوں کو دو صدیاں ہو چکی تھیں۔ صوفیہ کے بارے میں شیراز نے یہی اندازہ قائم کیا کہ وہ مذہبا پروٹیسٹنٹ ہوگی۔ صوفیہ کی حسین آنکھوں میں دلچسپی کی لہر تھی۔

''آپ سے بات ہوسکتی ہے...... آپ میری توقع سے زیادہ اہم آدمی ہیں......... آیئے میرے ساتھ میں آپ کو اپنی تصویریں خود...... دکھاؤں۔''

صوفیہ نے اپنے ایک ابرو کو اس طرح جنبش دی گویا دوسری رات کا ہلال، کسی جھیل میں جھلملا اُٹھا۔ شیراز، صوفیہ کے ہمراہ قدم بہ قدم چل پڑا۔ صوفیہ شیراز کو اپنی تصویریں دکھارہی تھی .... شیراز کو بتارہی تھی کہ اُس نے کن کن تصورات پر ان تصویروں کو تخلیق کیا تھا۔ شیراز محو حیرت تھا کہ ایک لڑکی ہو کر وہ اتنی اچھی مصورہ تھی۔ وہ بار بار، اُس کی تصویروں کی تعریف کررہا تھا، اور وہ شیراز کے منہ سے اپنی تعریف سن کر خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھی۔ ایک اور شاندار تصویر کے نزدیک پہنچ کر شیراز نے کہا۔

''اب تو ڈرتا ہوں کہ مزید تعریف نہ ہی کروں تو اچھا ہے ورنہ کہیں آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ میں آپ کو مکھن لگا رہا ہوں۔''

شیراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ صوفیہ، شیراز کی بات سن کر ہنس دی۔

''نہیں !......... آپ غلط سوچ رہے ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی اور شخص میری تصویروں کی تعریف کرتا تو شاید میں یہی سمجھتی لیکن آپ کی زبان سے نکلی ہوئی تعریف کو میں فی الحقیقت ''داد'' سمجھ رہی ہوں۔ آپ اِس چیز کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔''

Marfat.com

اسی اثناء میں ....شیراز کو دور سے سکندر پاشا آتا دکھائی دیا۔وہ پیچھے، اپنے کسی ملنے والے کے ساتھ اٹک گیا تھا۔دور سے ہی سکندر پاشا نے شیراز کو ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھا تو حیران رہ گیا۔وہ نزدیک آیا اور اُس نے بڑے اخلاق سے صوفیہ کو سلام کیا۔تب شیراز نے سکندر کو صوفیہ کا تعارف کروانے کے بعد صوفیہ کو سکندر کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:۔

''یہ میرے دوست ہیں سکندر پاشا.........وادیء بلقان کے رہنے والے ہیں۔ان کا گاؤں دیکھنے کے لائق ہے۔''

شیراز کی بات ختم ہوئی تو صوفیہ نے شیراز کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا:۔

''ان کا تعارف تو آپ نے صحیح کروایا لیکن اپنا تعارف کرواتے ہوئے،آپ نے جھوٹ بولا؟........کیا سچ مچ آپ کا نام علی پاشا ہے؟۔''

شیراز ٹپٹا کر رہ گیا۔اُس نے ابھی تک صوفیہ کو اپنی اصلیت نہ بتائی تھی،اور وہ بتانا بھی نہ چاہتا تھا،یوں ایک اجنبی لڑکی کے سامنے وہ اپنا اصلی نام نہ لینا چاہتا تھا۔اُسے معلوم تھا کہ مادام تھروشیا اور اُس کے ہرکارے ابھی تک شیراز کو تلاشتے پھر رہے ہونگے۔چنانچہ اُس نے ایک اور طرح سے سچ بولنے کا ارادہ کیا،اُس نے کہا:۔

''محترمہ صوفیہ!.........حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا اصل نام بتانا ہی نہیں چاہتا۔بعض وجوہات کی بنا پر میں اپنا نام خفیہ رکھنے پر مجبور ہوں۔آپ برائے مہربانی برا مت منائیے گا۔''

شیراز کے جواب پر صوفیہ کے ساتھ ساتھ،سکندر بھی حیران رہ گیا۔وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ شیراز یوں اُس کے سامنے سچی بات کہہ دے گا۔لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شیراز نے اپنا نام تو پھر بھی نہیں بتایا تھا اور یہ ایک اچھی بات تھی۔صوفیہ ایک لمحے کے لیے تو کسی سوچ میں کھوئی، لیکن پھر فوراً کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ارے واہ!!........آپ تو بہت دلچسپ آدمی ہیں۔اپنا نام چھپانا چاہتے ہیں،اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ اپنا نام چھپانے پر مجبور ہیں۔ایسا آدمی میں نے پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ٹھیک ہے آپ مت بتائیے اپنا نام لیکن ....لیکن ایک بات کہوں؟.....''

اتنا کہہ کر اُس نے شیراز کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔شیراز نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ بولی۔

Marfat.com

''زیادہ دن تک آپ اپنا نام چھپا نہیں پائیں گے.........مجھ سے۔آپ کو جلد ہی اپنا نام بتانا پڑے گا''

شیراز خواہ مخواہ ہی اُس کے جملے کو ذومعنی سمجھنے لگا۔ وہ یکلخت خاموش ہوگیا۔صوفیہ نے محسوس کیا کہ.........وہ پریشان ہونے لگا ہے،تب صوفیہ نے بات کا موضوع فوراً بدلنے کی کوشش کی۔

''نام میں کیا رکھا ہے؟.......میں تو سمجھتی ہوں کہ نام ایک بے مقصد اور فضول سی چیز ہے۔ایک انسان کے لیے دوسرے انسان کا محض انسان ہونا ہی کافی ہے۔''

اب شیراز سمجھ رہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر گفتگو کا موضوع بدل رہی ہے۔شیراز نے دل میں سوچا......اچھا ہی ہے۔چنانچہ اُس نے اُسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:۔

''نام بہت ضروری ہے۔نام رکھنا انسانی خاصہ ہے۔انسان کو ہر ایسا کام کرتے ہوئے فخر کرنا چاہیے،جو انسان کی منفرد فطرت میں ہے۔اسی سے ہم جانوروں اور انسانوں کے مابین فرق کر سکتے ہیں۔مثلاً جانور لکھنا،پڑھنا نہیں جانتے تو ہمیں،لکھنے پڑھنے کا کام اور زیادہ خوبصورتی کے ساتھ کرنا چاہیے۔تاکہ ہم خود کو جانوروں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ انسان ثابت کر سکیں۔اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم میں اور دیگر جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ہم انسان ہیں،اِس لیے ہم نام رکھتے ہیں،جانور ایسا نہیں کر سکتے۔میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمیں.....زمین پر بھیجے جانے کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو انسان ثابت کریں''۔

صوفیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔شیراز اُس کی توقع سے بڑھ کر تھا۔اُس نے ایک ادائے کافرانہ کے ساتھ اپنے ابرو اُچکائے........کچھ دیر تک پلکیں پٹپٹا کر شیراز کی طرف دیکھتی رہی اور پھر مسکراتی ہوئی بولی:۔

''آپ کو میرے بابا.....کپتان الفانسو،سے ضرور ملنا چاہیے،وہ آپ سے مل کر بہت خوش ہونگے۔میں جب اُن کے ساتھ بحث کرتی ہوں تو وہ اِسی طرح کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔لیکن آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔نام رکھنے کے حق میں اتنی خوبصورت دلیل تو میرے بابا بھی نہیں دے سکے تھے۔'' صوفیہ کی بات سن کر سکندر نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

''کپتان الفانسو؟..........کہیں آپ اُس کپتان الفانسو کی بیٹی تو نہیں جو سابق

Marfat.com

"صدر اعظم حسین کوپریلی" کے استاد تھے؟"

"جی ہاں !........آپ نے بالکل صحیح پہچانا۔میرے بابا صدرِ اعظم حسین کوپریلی کے مشیر رہے ہیں۔یہ آج سے تیرہ (۱۳) سال پہلے کی بات ہے۔اُس وقت میں بہت چھوٹی سی تھی۔غالباًمیری عمر آٹھ یا نو سال ہوگی ،لیکن میرے بابا جب پہلی مرتبہ یہاں آئے تو اُس وقت میری عمر بہت کم تھی،غالباً تین،چار سال ۔میں اور میری ماں بعد میں استنبول آئے تھے۔"

شیراز صوفیہ کے باپ کے بارے میں سن کر ششدر رہ گیا۔اُس نے بڑی دلچسپی کے ساتھ صوفیہ سے پوچھا:۔

"آپ کے والد سلطنتِ عثمانیہ کے مشیر تھے؟......بہت خوب۔تب تو آپ کے والدِ محترم سے ملنا ہمارے لیے سعادت ہوگی"۔

"میرے بابا جنرل لائبرس[1] کے دوست تھے۔وہ جنرل لائبرس کے ساتھ ہی یہاں آئے تھے۔یہ میری پیدائش سے پہلے کی بات ہے۔اب تو ایسا لگتا ہے،جیسے استنبول ہی ہمارا وطن ہے۔کیا آپ جانتے ہیں جنرل لائبرس کو؟"۔

صوفیہ نے یکدم اُن دونوں کو مخاطب کر کے پوچھا،شیراز خاموش رہا لیکن سکندر نے فوراً جواب دیا۔

"جنرل لائبرس کو کون نہیں جانتا،وہ سلطنت عثمانیہ کا ایک بہادر جرنیل تھا۔جنرل لائبرس کو بھلا دینا.........یقیناً احسان فراموشی ہوگی۔"

صوفیہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔وہ کہنے لگی:۔

"میرے بابا اور جنرل لائبرس ....بہت اچھے دوست تھے ۔جنرل لائبرس جب موریا کو تسخیر کرنے کیلیے وہاں پہنچے تو میرے بابا اُس وقت تک وینس کی فوج میں تھے۔جنرل لائبرس کی دعوت پر میرے بابا یہاں آنے کے لیے راضی ہوئے اور تب سے اب تک ہم لوگ یہیں مقیم ہیں۔بابا کو استنبول بہت پسند ہے۔"

---

[1] لائبرس نامی ایک یونانی سردار سات سال سے عثمانیوں کی قید میں تھا۔یونان کی بغاوت رفع کرنے کے لیے مصطفیٰ کوپریلی نے لائبرس کو مقرر کیا۔اس نے ترک فوج کی قیادت کی اور یونان کے باغیوں کو شکست دے کر وینس کی دراندازفوج کو موریا سے نکال باہر کیا۔

Marfat.com

شیراز اِس لڑکی سے بہت متاثر ہو رہا تھا، لیکن وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ عیسائی سرداروں کا دشمن ہے اور ساہوکاروں کا قلع قمع کرنے کی ٹھان چکا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ صوفیہ کا باپ بھی انہی ساہوکاروں میں شامل ہو۔ یہی سوچ کر شیراز نے صوفیہ سے سوال کیا:۔

"آپ کے والد کا پیشہ کیا ہے؟ ظاہر ہے مصطفیٰ کو پریلی اور حسین کو پریلی کے بعد اب وہ حکومت کے مشیر تو نہ رہے ہونگے"۔

نہ جانے شیراز کے سوال پر صوفیہ نے کیوں چونک کر دیکھا، لیکن اُس نے جواب دینے میں دیر نہ کی۔

"اب تو وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ بس فراغت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اُن کا وظیفہ مقرر ہے۔ البتہ میں کام کرتی ہوں اور میرا کام تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

شیراز کی تشفی نہ ہوئی تھی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ صوفیہ کا باپ بھی "ساہوکار" ہوگا اور، ترک طبقہء امراء کو سود پر قرضہ دینے کا کاروبار کرتا ہوگا۔ لیکن اُس نے دوبارہ سوال نہ کیا۔

ان لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے کافی وقت گزر چکا تھا۔ نمائش کے ہال میں چاروں طرف لوگوں کی خوب چہل پہل جاری تھی۔ یہ ایک بڑا ہال تھا۔ صوفیہ کافی دیر سے ان لوگوں کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ سکندر بھی اُس سے متاثر دکھائی دیتا تھا۔ صوفیہ کے چہرے پر بھی اِس ملاقات کے خوشگوار تاثرات تھے۔ سکندر اور شیراز خاموش ہو گئے۔ چند ثانیے تینوں خاموش کھڑے رہے پھر صوفیہ نے اجازت لینے کے انداز میں کہا:۔

"اچھا تو پھر آپ لوگ آئیں گے نا!...... میرے بابا سے ملنے۔ میں آپ کو اپنے گھر کا پتہ دے دیتی ہوں۔"

پھر صوفیہ نے اپنی رہائش کا پتہ سمجھانا شروع کر دیا۔

یہ لوگ استنبول کے مضافات میں رہتے تھے۔ کپتان الفانسو نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارنے کے لیے ایک خوبصورت مقام پر گھر بنایا تھا۔ شہر کے شمال مشرقی مضافات میں باسفورس کے کنارے .... کپتان الفانسو کا بنگلہ نما مکان تھا۔ یہ زیتون اور انجیر کے درختوں میں گھری ایک خوبصورت اور وسیع حویلی تھی۔ شیراز نے صوفیہ کے گھر کا پتہ سنا تو اشتیاق سے بھرپور لہجے میں کہا:۔

"بہت خوب!......... اب تو شاید آپ کی دعوت قبول کرنا ہم پر واجب ہو گیا ہے۔ آپ

Marfat.com

نے اپنے گھر کا نقشہ اِس انداز میں کھینچا کہ اسے دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ہم ....انشاء اللہ ضرور آئیں گے۔"

"انشاء اللہ؟؟.........جہاں تک میرا خیال ہے،انشاءَ اللہ کا مطلب ہے کہ اگر اللہ نے چاہا.........کیا آپ جیسا زیرک اور دانا شخص بھی اِس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے؟ مجھے حیرت ہورہی ہے۔میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ہر عمل انسان کے اپنے بس میں ہے۔انسان چاہے تو،سب کچھ کرسکتا ہے،لیکن افسوس کہ وہ اپنے ہر عمل کی ذمہ داری اپنے خدا پر ڈال دیتا ہے۔کیا یہ انسان کی نادانی نہیں؟۔"

شیراز نے صوفیہ کی بات بڑے عارفانہ انداز میں سنی،اس دوران وہ مسکراتا رہا۔آج مدت بعد کوئی اُس کے ساتھ اِس قسم کے موضوعات پر بات کررہا تھا۔اُسے بے طرح.....اپنے لائی سیئم کی یاد آنے لگی۔یہی موضوع تو تھا جس پر شیراز کی اپنے استاد پاتھے اوڈیسا کے ساتھ ہر بات بحث ہوتی تھی۔شیراز نے صوفیہ کا سوال سننے کے بعد کہا:۔

"بے شک انسان اختیار روارادہ کا مالک ہے،لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہیے۔صرف وہی انسان اختیار وارادہ کا مالک ہے جو اپنے نفس یعنی اپنے ہونے کی معرفت رکھتا ہو۔میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ........"کہ اگر تمہیں معرفتِ نفس حاصل ہے تو تقدیر تمہاری تابع ہے اور اگر تم بیگانگیءِ ذات کا شکار ہو تو تم تقدیر کے تابع ہو............میں سمجھتا ہوں،ایسے انسان جو زمین کے ساتھ چوپایوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں،وہ چوپایوں کی طرح ہیں۔انہیں صرف اپنے پیٹ،اپنے گھر اور اپنے بچوں کی فکر ہے ....بالکل کسی جانور کی طرح۔کچھ ایسے لوگ بھی ہیں،جو اس سطح سے بھی نیچے ہیں،وہ حشرات کی طرح ہیں.......پیٹ کے بل رینگنے والے حشرات الارض کی مانند.........میں سمجھتا ہوں کہ وہ زمین میں دھنسے ہوئے ہیں،بالکل ویسے جیسے سانپ،بچھو........اور دیگر کیڑے مکوڑے،زمین میں سوراخ بنا کر رہتے ہیں۔اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے کہ کیا ایسے لوگ ....بھی اختیار وارادہ کے مالک ہوسکتے ہیں۔میرا ماننا یہ ہے کہ وہ انسان جو اختیار کا مظاہرہ کرسکتے ہیں،وہ فی الحقیقت خدائی اختیار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اُن میں خداوندتعالیٰ خود اپنے اختیارات کی روح اتار دیتے ہیں۔اور ایسا صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جو زمینی ضروریات سے ماوراء ہوں،جو پیٹ،گھر اور نسل کے غم سے نجات پا چکے ہوں۔انشاء اللہ کہنے کا مطلب ہے کہ میرے نفس میں پوشیدہ.........خدائی قوت نے اگر

Marfat.com

چاہا تو!.........ظاہر ہے، اگر میرے نفس میں خدا موجود ہے تو وہ ضرور چاہے گا اور موجود نہیں ہے تو قطعاً نہیں چاہے گا۔ چنانچہ انشاء اللہ کہنا.........ایک احسن عمل ہے۔"

شیراز بولتا جارہا تھا اور صوفیہ کے چہرے پر تأثرات بدلتے جارہے تھے۔ شیراز کے ہر ہر لفظ پر اُس کی آنکھیں پہلے سے زیادہ پھیلتی جارہی تھیں۔ سکندر بھی حیرت سے پتھر کا بت بنے کھڑا تھا۔ شیراز نے بات ختم کی تو سکندر کو جیسے ہوش آگیا، لیکن صوفیہ ابھی تک شیراز کی بات کے اثر میں مسحور کھڑی ایک ہی ٹک شیراز کی جانب دیکھ رہی تھی۔ سکندر نے پرجوش لہجے میں شیراز کو مخاطب کیا:۔

"ارے شیراز!.........تم نے تو کمال کی بات بتائی یہی باتیں قرآنِ پاک میں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے.........وہ لوگ جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں[1].........تمہاری بات اور قرآن کریم کی آیت میں حیران کن مشابہت ہے۔"

صوفیہ نے حیرت سے سکندر کی جانب دیکھا۔ البتہ شیراز نے کہا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔ قرانِ کریم میں اِس طرح کی آیات بہت ہیں۔ بے شک میں اسلامی تعلیمات حاصل نہیں کرسکا، لیکن قرانِ کریم کی تلاوت، میں اکثر کیا کرتا تھا۔ میں تو کہتا ہوں کہ۔

تقدیر کے پابند نباتات جمادات
مؤمن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند"[2]

◆......◆

برطانوی سفیر کی رہائش گاہ، شاندار تھی۔ یہ عمارت برطانوی سفیر کی رہائش گاہ بھی تھی اور برطانیہ کا سفارت خانہ بھی۔ برطانیہ کے عظیم حکمران "جان چرچل اول" کا سفیر، عثمانی دارالحکومت میں پورے طمطراق سے رہتا تھا۔ یہ ۱۷۱۰ء کا سال تھا۔ برطانیہ اب ترقی اور خوشحالی کے نئے راستوں پر گامزن تھا۔ یہ سب ہندوستان کی دولت کا کرشمہ تھا۔ جب سے ہندوستان میں انگریز نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے کاروبار شروع کیا تھا، اُس کے تو

---

[1] آیت...... اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

[2] علامہ اقبالؒ

Marfat.com

وارے نیارے ہو گئے تھے۔ہندوستان کی دولت روز کے روز لندن پہنچ رہی تھی اور وہی لندن جو کبھی اپنی رعایا کو ایک وقت کا کھانا ،ڈھنگ سے نہ کھلا سکا تھا ،اب ترقی کے راستے پر پوری دنیا میں سب سے آگے تھا۔برطانیہ کے سفیر دنیا بھر کے ممالک میں موجود اور سرگرم تھے۔خاص طور پر ہندوستان اور نودریافت براعظم امریکہ ....برطانوی نوواردوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔"سر، آر،سٹن"[1] استنبول میں برطانوی سفیر تھا۔یہ شخص چند ہی روز میں سلطانی قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔سلطان ....سر،سٹن کی ذہانت سے متاثر تھا۔یہی وجہ تھی کہ باقی ممالک کے سفراء کی نسبت ،سٹن کی بات سلطان احمد ثالث کو زیادہ بھاتی تھی۔سٹن کی رہائش گاہ.........کسی وزیر سلطنت کے محل سے کم نہ تھی۔

لمبا تڑنگا،نوجوان ......سر سٹن کی رہائش گاہ میں داخل ہوا۔صدر دروازے پر موجود دربان نے اُسے نہ روکا۔وہ ابھی تک اپنے بیش قیمت سفید گھوڑے سے نہیں اترا تھا۔اُس کے بدن پر یونانی سرداروں جیسا قیمتی لباس تھا۔بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والا ،یہ خوبرو مرد چہرے مہرے سے کوئی سردار لگتا تھا۔اندرونی عمارت کے نزدیک پہنچ کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا۔اُسی وقت ایک غلام نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔اب وہ خوبرو نوجوان عمارت کے مختصر زینے چڑھ کر اونچی نشست کی اس شاندار عمارت میں داخل ہونے جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ سر سٹن کے سامنے موجود تھا، سر سٹن خوشگوار انداز میں اُس سے ملا۔ یہ کلاڈیوس تھا۔ مادام تھروشیا کا بگڑا ہوا بیٹا........کلاڈیوس،سر سٹن اُسے ایک یونانی سردار کی حیثیت سے جانتا تھا۔ابھی تک سٹن کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مادام تھروشیا کا بیٹا ہے۔اگر اُسے معلوم ہو جاتا کہ کلاڈیوس مادام تھروشیا کا بیٹا ہے تو وہ کلاڈیوس کے قدموں میں بچھنے کے لیے تیار ہو جاتا۔وہ آج تک مادام تھروشیا کو نہیں بھولا تھا۔اُسے ہیبز برگ (آسٹریا) کا وہ بازار یاد تھا جہاں مادام نے اپنے غلام کو ....کوڑوں سے مارا تھا۔سٹن اُن دنوں آسٹریا کے محل میں ہی مقیم تھا۔وہ مادام تھروشیا کو چاہتا تھا،لیکن مادام تھروشیا نے ایک یونانی سردار کو پسند کیا۔سٹن کو سب کچھ یاد تھا۔

جونہی کلاڈیوس نے سٹن کو مادام تھروشیا کے حوالے سے اپنا تعارف کروایا۔وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

---

[1] سر،آر،سٹن (Sir R.Sutton) بحوالہ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر عزیر علیگ۔

Marfat.com

"تھروشیا کہاں ہے؟.........کیا وہ بھی تمہاری ساتھ آئی ہے؟۔"

کلاڈیوس کوسٹن کے انداز سے ایسا لگا، جیسے وہ اُس کی ماں کو بہت پرانے وقتوں سے جانتا ہو۔کلاڈیوس کو مادام تھروشیا نے یہی بتایا تھا،لیکن اُسے اپنی ماں کی بات کا یقین نہ آیا تھا۔وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ برطانیہ جیسے عظیم ملک کے سفیر کے ساتھ اُس کی ماں کے اتنے قریبی مراسم ہونگے۔لیکن یہاں آکر اُسے اندازہ ہوا کہ اُس کی ماں سچ کہتی تھی۔وہ دل ہی دل میں اپنی ماں کی پہنچ کا قائل ہوگیا۔

چندروز قبل ہی مادام تھروشیا کوخبر ملی تھی کہ آج کل،استنبول میں برطانیہ کا جوسفیر متعین ہے، اُس کا نام سٹن ہے۔تب مادام نے اِس بات کی تصدیق کرنے کے لیے کہ آیا وہ.........وہی سٹن ہے،جو آج سے بیس سال پہلے اُس پر جان چھڑکتا تھایا کوئی اور؟........اپنے مخصوص ذرائع استعمال کرکے اِس امر کی تسلی حاصل کرلی کہ.........یہ وہی سٹن ہے جو کبھی مادام تھروشیا پر جان چھڑکتا تھا۔چنانچہ مادام تھروشیا نے کلاڈیوس کوسٹن سے ملنے کے لیے روانہ کیا۔

برطانوی سفیر نے کلاڈیوس کو پیار بھری نظروں سے دیکھااور اُس سے مادام تھروشیا کے متعلق دریافت کرنے لگا۔وہ مادام سے ملنا چاہتا تھاچنانچہ کلاڈیوس نے اُس کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اگلی مرتبہ اپنی والدہ کے ساتھ آئے گا۔دراصل کلاڈیوس نے سٹن کومقدونیہ آنے کی دعوت دی تھی،لیکن سٹن نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ ایک سفیر ہونے کے ناطے وہ مقدونیہ میں آکر اُن لوگوں سے نہیں مل سکتا تھا۔اُس طرح عثمانی حکومت اُس کی طرف سے شکوک وشبہات کا شکار ہوسکتی ہے۔یہی وجہ تھی کہ کلاڈیوس نے مادام کولانے کا فیصلہ کیا۔سٹن کلاڈیوس سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔یہ اُن کی دوسری ملاقات تھی۔کلاڈیوس آج صبح ہی "رئیس آفندی عمر پاشا" کی معیت میں سٹن سے ملا تھا۔رئیس آفندی عمر پاشا کے ساتھ بھی کلاڈیوس کے اچھے تعلقات تھے۔وہ جب بھی استنبول آتا، رئیس آفندی سے ملے بغیر واپس نہ جاتا تھا۔رئیس آفندی سلطنت عثمانیہ کا میر منشی (ہوم سیکریٹری) تھا۔اتنی بڑی سلطنت کا میر منشی،بس ایسے ہی کلاڈیوس کا دوست نہ بنا تھا۔کلاڈیوس کو رئیس آفندی عمر پاشا کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کے لیے نہ جانے کون کون سے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔یہ مادام کی منصوبہ بندی تھی۔مادام تھروشیا بے شک مقدونیہ میں مقیم تھی،لیکن وہ سلطنت کے دارالخلافہ سے بے خبر نہ رہنا چاہتی تھی۔وہ ایک عرصہ سے اس تلاش میں تھی کہ سلطنتِ عثمانیہ کے کسی بڑے آدمی کے ساتھ اُس کے تعلقات پیدا ہو

Marfat.com

جائیں۔ اِسی تلاش میں اب تک اُس نے بہت سے عمائدینِ سلطنت کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کر لیے تھے۔ لیکن رئیس آفندی اُن میں سب سے زیادہ اہم تھا۔

اور اب تو مادام تھروشیا، رئیس آفندی عمر پاشا کی منظورِ نظر تھی۔ کلاڈیوس نے آج صبح رئیس آفندی سے فرمائش کی، کہ وہ برطانیہ کے سفیر سے ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اُسی وقت رئیس آفندی نے کلاڈیوس کو سٹن سے ملوا دیا۔ اور اِس وقت کلاڈیوس، سٹن کے سامنے بیٹھا اُسے اپنی ماں کی باتیں بتا رہا تھا۔ کافی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد کلاڈیوس نے سٹن سے کہا:۔

"محترم سفیر!.........میری ماں، مادام تھروشیا نے آپ کے لیے ایک اہم پیغام بھی بھیجا ہے۔"

اتنا کہہ کر کلاڈیوس خاموش ہو گیا لیکن سٹن نے چونک کر کلاڈیوس کی جانب دیکھا:۔

"پیغام؟.........ہاں ہاں کہو!.........کھل کر کہو!.......مجھ سے جو ہو سکا میں مادام تھروشیا کے لیے ضرور کرونگا۔"

کلاڈیوس کچھ دیر خاموش رہا پھر اُس نے کہنا شروع کیا:۔

"آپ کو تو معلوم ہوگا کچھ روز قبل، یہاں استنبول میں، ایک اہم عیسائی تاجر، سردار ڈوگاسا کا قتل ہوا تھا۔"

سٹن پوری توجہ سے کلاڈیوس کی بات سن رہا تھا۔ اُس نے مزید دلچسپی لیتے ہوئے، اپنا سر ہلا کر کلاڈیوس کی تائید کی۔

"ہاں! وہ ایک اہم سردار تھا۔ اُس روز سلطان نے ہنگامی اجلاس بھی منعقد کیا تھا۔"

کلاڈیوس نے پھر کہنا شروع کیا:۔

"سردار ڈوگاسا کے قاتل سامنے موجود ہیں، لیکن سلطان نے اُن پر ہاتھ نہیں ڈالا، میں اِسی لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ سلطان سے کہہ کر اُن کو گرفتار کرائیں۔ میں یہ بات رئیس آفندی سے بھی کہہ سکتا تھا، لیکن رئیس آفندی کی نسبت آپ کی بات ٹالنا سلطان کے لیے ممکن نہ ہوگا، اس لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

سٹن اپنی جگہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ حیرت کی لکیریں تھیں۔

"کیا؟؟.........یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟.....سردار ڈوگاسا کے قاتلوں کو سلطان کے سراغ رساں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟.........کیا واقعی تم سردار ڈوگاسا کے

Marfat.com

قاتلوں کو جانتے ہو؟ اگر ایسی بات ہے تو یقین رکھو! میں سردار ڈوگاسا کے قاتلوں کو صرف گرفتار ہی نہیں کرواؤنگا بلکہ انہیں سرعام پھانسی کی سزا دلوا کر رہوں گا، تاکہ آئندہ کوئی شخص عیسائیوں کے قتل کا خواب بھی نہ دیکھے۔ تم مجھے بتاؤ وہ کون لوگ ہیں۔''

کلاڈیوس کے چہرے پر خوشی کی لہر پھیل گئی۔ اُس کی ماں نے سچ کہا تھا کہ رئیس آفندی کی نسبت برطانیہ کا سفیر اُس کے زیادہ کام آسکتا ہے۔ اب کلاڈیوس کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ سردار ڈوگاسا کے قاتل اپنے انجام سے بچ نہیں سکتے۔ اُس نے برطانوی سفیر سٹن کو قاتلوں کے بارے میں بتانا شروع کیا:۔

''سردار ڈوگاسا کو قتل کرنے والے ....کوہ بلقان کے ایک مسلمان پہاڑی قبیلہ کے لوگ ہیں۔ اِس قبیلہ کا سردار ....خالص پاشا ہے، جو ایک پکا مسلمان ہے۔ خالص پاشا کا بیٹا یہاں استنبول میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ اِسی لڑکے نے سردار ڈوگاسا کو موت کے گھاٹ اُتارا، لیکن اِس واردات میں اِس کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی شامل تھا جو مقدونیہ کا رہنے والا مسلمان ہے۔ اُس کا نام شیراز ہے۔ یہ نوجوان مقدونیہ کے ایک اہم عیسائی سردار کے بیٹے جانسن کو قتل کر کے مقدونیہ سے فرار ہوا ہے۔ پہلے ہمیں صرف شک تھا، لیکن پھر ہم نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ نوجوان یعنی شیراز ....خالص پاشا کے بیٹے کے ساتھ یہیں استنبول میں مقیم ہے۔ مادام چاہتیں تو اُسے یہیں استنبول میں ختم کروا سکتی تھیں، لیکن .... ہماری خواہش ہے کہ اُنہیں سردار ڈوگاسا کے قتل کے الزام میں سلطان گرفتار کرے اور اُن لوگوں کو سرعام پھانسی کی سزا دی جائے۔''

سٹن بڑی توجہ اور انہماک سے کلاڈیوس کی بات سن رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں بے پناہ دلچسپی کی چمک تھی۔ کلاڈیوس کی بات ختم ہوئی تو سٹن نے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ یہ اُس کے لیے ایک اہم خبر تھی۔ سلطان کے سامنے اُس کی ذہانت، اور قابلیت میں مزید اضافہ ہوسکتا تھا۔ سٹن بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ کلاڈیوس خاموشی کے ساتھ بیٹھا اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر گزر جانے کے بعد سٹن یکدم کلاڈیوس کی جانب مڑا اور اُس نے پر تجسس لہجے میں دریافت کیا:۔

''سکندر پاشا کی رہائش گاہ کے بارے میں تو تم جانتے ہی ہو گے؟''

''جی ہاں! ....یہ لوگ محلہ توپ کاپے سرائے، کے ایک مکان میں رہائش پذیر

Marfat.com

ہیں۔اِس وقت وہاں صرف سردار خالص پاشا کا بیٹا سکندر پاشا،وہ مقدونی نوجوان شیراز اور ان کا ایک ملازم مقیم ہیں۔گرفتاری کے دوران کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔''

کلاڈیوس کے پاس تمام معلومات تھیں۔سٹن کے پاس پہنچنے سے پہلے وہ تمام باتیں معلوم کرچکا تھا۔سردار ڈوگاسا کو قتل ہوئے ،کئی دن گزر چکے تھے ،لیکن ابھی تک عثمانی حکومت کے سراغ رساں ،قاتلوں کو گرفتار نہ کرسکے تھے۔مادام تھروشیا اور کلاڈیوس جانتے تھے کہ سردار ڈوگاسا کی جان لینے والے کون ہوسکتے ہیں؟مادام تھروشیا نے اپنی تسلی کے لیے مزید تحقیق کروائی تو اُسے پتہ چلا کہ شیراز بھی استنبول میں ہی مقیم ہے۔چنانچہ مادام نے شیراز اور سکندر پر ایسا ہاتھ ڈالنے کا فیصلہ کیا جسے روکنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ استنبول سلطنتِ عثمانیہ کا دارالحکومت تھا،اور سلطنت کے مجرم دارالحکومت میں دندناتے پھر رہے تھے۔شاید وہ مطمئن تھے کہ ان پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جائے گا،لیکن وہ مادام تھروشیا اور اُس کے بیٹے کلاڈیوس کو بھول چکے تھے۔یکا یک سٹن نے ایک فیصلہ کیا اور کہا:۔

''تو پھر ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔اِس قسم کے کاموں میں دیر کرنا حماقت کے مترادف ہوتا ہے۔تم چلو میرے ساتھ۔ہم ابھی اِس قضیے کو تمام کرتے ہیں۔''

اور پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک شاندار بگھی میں سوار قصرِ سلطانی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

◆......◆

Marfat.com

قاتل کا فرار

اُس کے اندر بے چینی تھی۔صوفیہ کی عارضی رفاقت نے شیراز کو پھر سے ہنستی مسکراتی زندگی کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔صوفیہ، شاید شیراز کی زندگی میں پہلی لڑکی تھی جسے اُس نے......اُن نظروں سے دیکھا تھا، جن نظروں سے انسان زندگی میں صرف ایک بار کسی لڑکی کو دیکھتا ہے ،لیکن وہ شیراز کی پہنچ سے بہت دور تھی ۔ شیراز، جن راستوں کا مسافر تھا وہاں محبت کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔اُس کی محبت ،اُس کی وفا ،اُس کا سب کچھ اُس کے عزم و ارادہ کے ساتھ وابستہ تھا۔شیراز کو اپنا سب کچھ بھلا کر، اُن ناسوروں کو کاٹنا تھا جو اُس کی قوم کے نازک جسم پر دن بدن پھیل رہے تھے۔اُس کے پاس،....محبت کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔صوفیہ، بہت اچھی تھی وہ کسی اپسرا سے کم نہیں تھی ، اُس کی شخصیت ،اُس کا وقار، شیراز کو بے مول خرید چکا تھا۔

شیراز گذشتہ تین چار روز ،صوفیہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔اُس کے دل میں صوفیہ سے دوبارہ ملنے کی آرزو پیدا ہو رہی تھی۔لیکن شیراز کو اپنے راستے معلوم تھے۔ اُس کے راستے انتہائی دشوار اور نا قابل عبور تھے ۔ دوسری بات یہ تھی کہ صوفیہ پروٹیسٹنٹ عیسائیہ تھی ۔ سماج تو ایک طرف رہا، اُن کے درمیان مذہب کی خلیج حائل تھی اور پھر یہ ساری کیفیت صرف شیراز کی تھی ۔شاید صوفیہ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ شیراز اُس کے بارے میں یوں سوچ رہا ہے۔اُن کے درمیان بات ہی کتنی ہوئی تھی؟ انہوں نے فنِ مصوری اور فلسفہ سے متعلق تھوڑی سی گفتگو کی تھی .....اور بس ۔

لیکن نہیں !.....شیراز نے اس کی آنکھوں میں لطیف جذبات کی وہ چکا چوند دیکھی تھی جو اب تک ....وہ صرف شاعری میں پڑھتا آیا تھا۔ یا پھر یہ........شیراز کا وہم تھا۔صوفیہ کیا تھی؟ اور اس نے شیراز کو چند لمحوں میں کیا سے کیا کر دیا تھا؟ یہ سمجھنا شیراز کے بس میں نہیں تھا۔ وہ طرح طرح کی باتیں سوچتا لیکن اُس کی سوچ گھوم پھر کر صوفیہ کے حسین چہرے پر آ کر رک جاتی۔صوفیہ کی کشادہ اور ذہانت سے بھرپور پیشانی اس کے غیر معمولی ہونے کا ثبوت تھی

Marfat.com

.........اس کی غزالی آنکھیں اس قدر قاتل تھیں کہ دیکھنے والا .....مزید زندہ رہنے کی خواہش کرنے لگتا۔اس کی بردبار اور پُروقار چال، اس کے مکمل ہونے کا پتہ دیتی تھی۔لیکن یہ عارضی چیزیں بھی شیراز کو اس کی طرح کھینچنے کا سبب نہیں تھیں ....وہ تو ،اُس ذہین لڑکی ،کی ذات کے نہ جانے کون سے پہلو سے گھائل ہوا تھا کہ اب جیتے ....بن رہی تھی نہ مرتے۔

اُسے اب صوفیہ کی ساتھ ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لمحہ یاد آرہا تھا۔کرسمس کے روز نمائش کے ہال سے واپسی کے وقت صوفیہ نے شیراز سے کہا تھا:۔

''کوئی عیسائی یا مسلمان نہیں......سب انسان ہیں ۔انسانیت ہی سب سے بڑا مذہب ہے۔اور فطرت نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے، کہ یہ تمام فرق مٹادو! ....آپ دیکھتے نہیں! ....شیر سارے شیر ہیں، گھوڑے سارے گھوڑے ہیں ، پرندے سارے پرندے ہیں ..... اسی طرح انسان بھی سارے انسان ہیں ۔ مذہب نے انسان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں ۔سرحدیں بن گئی ہیں ۔یہ سب کچھ انسانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ جانوروں کو دیکھیے !.... جہاں جی چاہے منہ اٹھائے چلے جاتے ہیں۔ پرندوں کو دیکھیے !...........ایک ملک سے دوسرے ملک تک اُڑتے چلے جاتے ہیں، لیکن کوئی سرحد ،انہیں نہیں روک سکتی۔اور خود کو دیکھیے !......ہم میں سے کوئی ترک ہے،کوئی یونانی ہے،کوئی عرب ہے،کوئی انگریز ہے.........سب سے بڑی تفریق تو وہ ہے جو مذہب نے پیدا کی۔کوئی مسلمان ہے کوئی ،عیسائی ہے،کوئی یہودی ہے اور کوئی بت پرست۔ یہ فرق کیوں ہے؟ خون تو ہم سب کا ایک جیسا ہے۔رنگ روپ شکل ، چال ڈھال ، عادات ،اطوار سب چیزیں،ایک جیسی ہیں پھر یہ فرق کیوں ہے؟۔''

اُسے صوفیہ کی باتیں بہت پسند آئی تھیں۔صوفیہ کو شیراز کے نظریات بھی بہت بھلے لگے تھے۔وہ شیراز سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔شیراز نے ہی اُس کے شوریدہ سر خیالات میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔شیراز کی آنکھوں کے سامنے صوفیہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات تھے۔ شیراز کو اچانک تھیوڈورا یاد آگئی۔مادام تھروشیا کی بیٹی، تھیوڈورا۔ جس کی آنکھوں میں شیراز کو اپنے لیے پسندیدگی کے جذبات دکھائی دیا کرتے تھے۔شیراز اُس کے ساتھ پہروں، گھومتا رہتا تھا۔اور پہروں اسی طرح وہ دنیا کے ہر موضوع پر باتیں کرتے تھے۔شیراز ، بے شک اسے بہت پسند کرتا تھا،لیکن ایک اچھے دوست کی حیثیت سے۔جبکہ صوفیہ......تو پہلی نظر

Marfat.com

میں ہی شیراز کو کاٹ کر پھینک گئی تھی۔ وہ مصورہ تھی........ ایک نئی تصویر بنا گئی۔ حزن و ملال اور امید و یاس کی ایک نئی تصویر۔ جس میں ایک خوبرو، جوان..... حسن کی دیوی کے سامنے کھڑا تھا....... چپ چاپ اور گم صم۔

وہ شیراز تھا۔ لائی سیئم کا نوخیز فلسفی اور پاتھے اوڈیسا کا ہونہار شاگرد۔ وہ محبت کا قاصد تھا .... وہ عشق میں یقین رکھتا تھا، جنون اُس کی رگ رگ سے ٹپکتا تھا۔ وہ غزالی اور رومی، کے فلسفے کا علمبردار تھا۔ وہ لگن کا قائل تھا....... سچی لگن کا۔

شیراز اِسی طرح کے خیالات میں گم، دیر تک چھت کو گھورتا رہا۔ وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن گذشتہ کئی روز سے اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ حالانکہ اب تو اُسے بظاہر کوئی پریشانی بھی نہ رہی تھی۔ ماں کی طرف سے، اب شیراز پوری طرح مطمئن تھا۔ سکندر کا ہرکارہ، شیراز کی ماں اور اُس کے بوڑھے ملازم .... نیاز احمد سے مل آیا تھا۔ شیراز کی ماں، سچ مچ ایتھنز کے نزدیک اپنے ''میکے'' چلی گئی تھی۔ یہ شیراز کے نانا کا، گاؤں تھا۔ شیراز کی ماں نے شیراز کے بارے میں سنا تو .... گویا وہ دوبارہ زندہ ہوگئی۔ ورنہ اِس سے پہلے وہ بستر مرگ سے لگ چکی تھی۔ شیراز کے ماموں نے اُس کی ماں کو شیراز کا خط پڑھ کر سنایا۔ جوان، بیٹی اور بیٹے کو کھو دینے کے بعد وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اب اُسے اپنے زندہ رہنے کا کوئی مقصد دکھائی نہ دیتا تھا، لیکن اُسے ایک امید تھی کہ اُس کا بیٹا ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ چنانچہ یہی سوچ کر وہ انتہائی بیماری کی حالت میں اپنے دن کاٹ رہی تھی، لیکن شیراز کے خط اور پیغام نے گویا اُسے نئی زندگی بخش دی۔ اب وہ بہت خوش تھی۔

شیراز کو ماں کی خیر، خیریت کا پتہ چلا تو اُس کے ذہن پر سے پتھر کی سل ہٹ گئی۔ اب وہ پورے اطمینان کے ساتھ تربیت حاصل کر سکتا تھا............. لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ .... کہ قصرِ سلطانی کا شاہی دستہ، اُسے گرفتار کرنے کے لیے قصرِ سلطانی سے روانہ ہو چکا تھا۔ شیراز آنے والے وقت سے بے خبر بستر پر دراز، صوفیہ کے بارے میں سوچ رہا کہ یکا یک اُسے کمرے کے دروازے پر دستک محسوس ہوئی......... یہ حویلی کے ملازم کی آواز تھی:۔

''صاحب!...... دروازہ کھولیے..... جلدی...... بہت جلدی دراز ہ کھولیے صاحب!''

ملازم کی آواز کے ساتھ شیراز کو حویلی میں دھڑ دھڑاتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنائی دی۔ چند لمحے تو شیراز کو سمجھ ہی نہ آئی، کہ ملازم کیا کہہ رہا ہے۔ لیکن جونہی اُسے اندازہ ہوا کہ

Marfat.com

صورتحال ہنگامی ہے وہ تڑپ کر اُٹھا اور اُس نے دروازے کی زنجیر، ہٹادی۔

"صاحب!....... حویلی پر شاہی پولیس نے حملہ کردیا ہے۔ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔سکندر پاشا عقبی دیوار کے پاس آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔جلدی کیجیے!.........ایک لمحے کی دیر بھی ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتی ہے۔"

ملازم نے انتہائی ،تیز رفتاری سے کہا،اور ایک طرف کو بھاگتا چلا گیا۔شیراز کو حویلی میں دندناتے ہوئے ،سپاہیوں کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔سارا کھیل لمحوں کا تھا،اگر شیراز اپنی شمشیر اُٹھانے کے لیے بھی مڑتا تو وہ دھرلیا جاتا۔چنانچہ وہ آن واحد میں ملازم کے پیچھے دوڑا۔ملازم حویلی کی عقبی دیوار کی جانب بڑھ گیا تھا۔شیراز نے بھی اُس کی تقلید کی،لیکن جونہی وہ راہداری سے باہر آیا، یہ دیکھ........دہل گیا کہ اُسے دیر ہو چکی تھی۔

عقبی سمت کی دیوار پر شاہی پولیس کے اہلکار قبضہ جما چکے تھے۔اُس نے ایک لمحے کی دیر کیے بغیر عمارت کے اکلوتے، زینوں کی جانب دوڑ لگا دی۔وہ ،ایک ایک قدم میں تین تین زینے پھلانگتا ہوا، آن واحد میں چھت پر پہنچ گیا۔یہاں آکر اُسے ،حالات کی سنگینی کا صحیح اندازہ ہوا۔چاندنی رات میں پورا ماحول روشن تھا۔حویلی ،چاروں طرف سے گھیری جا چکی تھی .... ہر طرف قصر سلطانی کے مسلح سپاہی موجود تھے۔اُس کی نظر حویلی کے صدر دروازے کی طرف اٹھی تو وہ لرز گیا۔صدر دروازے سے شاہی پولیس کا پورا، دستہ، در آیا تھا۔ابھی، چند لمحوں میں ہی یہ سپاہی ،چھت پر پہنچنے والے تھے۔آسمان پر جنوری کے چاند کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔یہ ۱۴۱۱ء کا، پہلا مہینہ تھا۔

وہ لوگ چھت پر پہنچ آئے۔شیراز نے اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کی۔اُس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے ....خدا جانے حکومت کو کیسے علم ہو گیا تھا؟۔شیراز نے مزید سوچنے کی حماقت نہ کی اور رینگتا ہوا عمارت کے بالکل داہنے سرے پر جا پہنچا .... یہاں پر چھوٹی سے منڈیر تھی .... ساتھ والے مکان کی عمارت.......... کی چھت یہاں سے پانچ چھ فٹ کے فاصلے پر تھی۔شیراز، اللہ کا نام لے کر کھڑا ہو گیا۔وہ پڑوس کے مکان کی چھت پر کودنا چاہتا تھا۔اب شیراز کا دیکھ لیا جانا یقینی تھا۔اُس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر پوری قوت سے چھلانگ لگا دی۔ادھر شیراز نے چھلانگ لگائی .... اُدھر "خبردار" کی زور دار آواز گونجی ....لیکن اب وہ دوسری چھت پر منتقل ہو چکا تھا۔وہ، پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔وہ

Marfat.com

دوڑتے ہوئے دوسری عمارت کے آخری کونے تک جا پہنچا۔

یہاں بھی صورتحال مختلف نہ تھی۔ تقریباً چھ سات فٹ کی خلیج دوسرے اور تیسرے مکان کے درمیان حائل تھی۔ شیراز نے پہلے کی طرح دو قدم پیچھے ہٹ کر زوردار چھلانگ لگائی۔ فضاء، دھماکے کی آواز سے گونج اٹھی۔ شاہی پولیس نے شیراز پر بندوق چلا دی تھی۔ وہ بال بال بچا، لیکن اُس نے رکنا مناسب نہ سمجھا۔ زندگی دینے والا، مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہی سوچتے ہوئے شیراز نے پوری ہمت سے ایک بار پھر دوڑ لگا دی......... پولیس کے اہلکار سکندر پاشا کی حویلی سے باہر نکلنے لگے تھے۔ انہیں شیراز کی سمت کا اچھی طرح علم ہو چکا تھا۔ کچھ اہلکار سکندر پاشا خان کی حویلی...... کی چھت سے اُس کے تعاقب میں چل پڑے تھے۔ وہ بھی اُسی طرح ایک کے بعد دوسری چھت پھلانگ رہے تھے، جس طرح شیراز خود فرار ہوا تھا۔ یہ اُس کی بدقسمتی تھی یا پولیس کی خوش نصیبی کہ، اگلی عمارت کی چھت کافی فاصلے پر تھی۔ اس خلیج کو عبور کرنا شیراز کے بس میں نہیں تھا۔ اُس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اُس کے عقب میں تیزی سے دوڑ کر آتے ہوئے شاہی دستے کے سپاہی تھے۔ چنانچہ اُس نے آؤ، دیکھا نہ تاؤ، تیسری عمارت کی چھت سے جس پر وہ موجود تھا، اُس نے نیچے کسی کے مکان میں اندھادھند چھلانگ لگا دی۔ یہ چھلانگ، یقیناً خودکشی کی کوشش سے کم نہیں تھی۔ اُس کے جسم کو زمین پر انتہائی زوردار جھٹکا لگا۔ پہلے اُس کے گھٹنے، پوری قوت سے زمین کے ساتھ ٹکرائے..... پھر وہ، منہ کے بل مکان کے پائیں باغ کی گھاس کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ شیراز کو یقین تھا کہ وہ اٹھ نہیں سکے گا۔

لیکن اُس وقت اُس کی خوشی کی......... انتہا نہ رہی، جب وہ اُٹھا اور پوری طرح سے اپنے پاؤں پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پولیس یقیناً اِس مکان کے صدر دروازے پر پہنچنے والی تھی۔ اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ مکان خالی تھا اور پائیں باغ میں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دوڑ کر اس مکان کی ایک دیوار کے پاس آرکا۔ یہ دیوار ساتھ کے مکان سے ملحق تھی۔ اسی مکان کی چھت سے وہ، ابھی ابھی ہو کر آیا تھا......... اُس کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور وہ دیوار پھلانگ کر واپس اسی مکان میں داخل ہو گیا۔ یہ وہ عمارت تھی جس کی چھت کو اُس نے دوڑ کر عبور کیا تھا۔ وہ پولیس کو، دھوکہ دینے جا رہا تھا......... لیکن شیراز کو اپنی ترکیب کی کامیابی کا یقین نہیں تھا۔ اُس نے اِس مکان میں داخل ہوتے ہی واپسی کے لیے اپنی دوڑ جاری رکھی۔

Marfat.com

ایک طرح سے وہ مکانوں کے اندر سے ہوتا ہوا........واپس ،سکندر پاشا کی حویلی کی جانب دوڑ رہا تھا۔لیکن یہ ایک نفسیاتی داؤ تھا، جو وہ کھیلنے جا رہا تھا۔اُس کا خیال تھا کہ پولیس اُس کے فرار کے بارے میں فوری طور پر اِس طرح نہ سوچ سکے گی۔وہ لوگ مفرور سے اِس طرح کی توقع نہ رکھیں گے کہ وہ دوبارہ سکندر پاشا کی حویلی ....کی جانب بڑھنے کی جرأت کرے۔

اِس سے آگے، سکندر پاشا خان کی حویلی تھی۔اُس نے دل میں اللہ سے مدد مانگی اور اپنی ترکیب کے آخری اور حتمی حصے پر عمل کر دیا۔اب وہ ایک بار پھر اُسی مکان میں تھا جہاں سے فرار ہوا تھا۔شیراز کا اندازہ درست نکلا۔یہاں سے پولیس جا چکی تھی.........سکندر پاشا کا ملازم بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔اُس نے یہاں رکنا بھی قرین مصلحت نہ جانا اور بڑے وقار سے چلتا ہوا بنگلے کے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ ایک بہت بڑا خطرہ مول لینے جا رہا تھا۔اُس نے ایک نظر اپنے لباس پر ڈالی۔اُس کے بدن پر موجود، لباس بری طرح شکن آلود تھا۔وہ، کپڑے جھاڑتا اور گردن اکڑاتا ہوا صدر دروازے سے باہر نکل آیا۔چاندنی شور مچا مچا کر شیراز کے سامنے آجانے کا اعلان کر رہی تھی۔اُس نے کنکھیوں سے شاہی دستے کے سواروں کی طرف دیکھا.........وہ قدرے فاصلے پر ایک مکان کے سامنے موجود تھے۔دو، پیدل سپاہی، سکندر کے مکان کے سامنے بھی موجود تھے، جو انتہائی، چوکس ہو کر اُسی جانب دیکھ رہے تھے، جس طرف باقی کا شاہی دستہ روانہ ہوا تھا۔باقی لوگ شاید اُسی عمارت میں مصروف تھے جس میں شیراز کودا تھا۔سکندر کے دروازے پر موجود پیدل سپاہیوں کی نظریں، صدر دروازے سے ہٹی ہوئی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ تو شیراز بڑے آرام سے چلتا ہوا دروازے سے نکل آیا، لیکن دروازے سے باہر آتے ہی، اُس نے اپنے چلنے کا رخ اور انداز بدل دیا۔ایک نظر دیکھنے پر یوں نہ لگتا تھا کہ وہ ابھی ابھی سکندر پاشا کے مکان سے باہر آیا ہے۔دونوں پیدل سواروں کی نظر، اُس پر پڑی تو وہ بری طرح اچھلے لیکن آنے والے شخص کی خود اعتمادی دیکھ کر وہ ٹھٹکے۔وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک مفرور، اتنے اعتماد کے ساتھ ان کے سامنے آ سکتا ہے۔وہ شیراز کو کوئی عام شہری سمجھ رہے تھے، لیکن ان کے دل میں شک بھی تھا۔چنانچہ اُن میں سے ایک نے اپنی آواز کو رعب دار بناتے ہوئے شیراز کو پکارا۔

''اے نوجوان!.........کون ہو تم؟ اور اِس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟''

Marfat.com

دونوں سپاہیوں کی شمشیریں برہنہ تھیں۔شیراز نے اعتماد سے بھرپور لہجے میں جواب دیا۔
"میں دھماکے کی آواز سن کر باہر نکلا ہوں۔رات کی تاریکی میں یہاں کیا کرتے پھرتے ہیں آپ لوگ؟ کیا حکومت اب عام شہریوں کو رات کے وقت چین سے سونے بھی نہیں دے گی؟ میں مفتی ءاعظم کا داماد ہوں۔بتائیے کیا کر رہے ہیں آپ لوگ، یہاں؟"
شیراز کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔دونوں سپاہی مرعوب ہو گئے،لیکن آخر وہ شاہی دستے کے سپاہی تھے اور سلطان کے حکم سے حملہ کرنے آئے تھے چنانچہ وہ مفتی ءاعظم کے داماد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بولے۔

"ہم براہ راست سلطان کے احکامات سے یہاں آئے ہیں۔یہاں ....اِس مکان میں،چند غدار چھپے ہوئے تھے۔جن پر شاہی دستے نے حملہ کیا۔اسی وجہ سے بندوق کا دھماکہ کرنا پڑا۔"

دونوں سپاہی،شیراز کو سچ مچ مفتی ءاعظم کا داماد سمجھ رہے تھے۔شیراز کو جلدی تھی،وہ یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔کسی بھی لمحے باقی دستہ واپس آسکتا تھا،لیکن وہ فوری طور پر کسی جانب چل پڑتا تو سپاہیوں کو شک پڑ جاتا،چنانچہ اُس نے محض بات جاری رکھنے کے لیے کہا۔
"تو کیا.........کوئی غدار پکڑا بھی گیا ہے؟ یا حسبِ سابق شاہی دستہ کے سپاہی،لکیر پیٹتے رہ گئے ہیں۔"

شیراز نے جان بوجھ کر طنزیہ لہجے میں بات کی۔وہ سپاہیوں کی توجہ کسی اور جانب مبذول ہی نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔شیراز کی بات کا سپاہیوں کو بہت برا لگا،لیکن مفتی ءاعظم کے داماد کا لحاظ کرتے ہوئے،انہوں نے کوئی سخت بات نہ کی۔البتہ ایک سپاہی نے زہرخند لہجے میں کہا:۔
"حسبِ سابق سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا کبھی شاہی دستہ کے سپاہی کہیں ناکام رہے ہیں؟ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ہم نے آج بھی ایک دہشت گرد کو گرفتار کرلیا ہے۔لیکن افسوس کہ دو دہشت گرد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔جو بہرحال بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے،کیونکہ ہر طرف شاہی دستے کے سپاہی موجود ہیں۔"
سپاہی کی بات سن کر شیراز کا دل دھک سے رہ گیا۔تو کیا؟ سکندر پاشا گرفتا ہو چکا تھا؟ یا شاہی دستے کے سپاہی محض اُس کے ملازم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوئے تھے؟ شیراز دعائیں کر رہا تھا کہ کاش سکندر پاشا گرفتار نہ ہوا ہو۔ایک بار سکندر ان لوگوں سے بچ جاتا تو پھر

Marfat.com

وہ اپنے پہاڑی قبیلے میں واپس چلا جاتا۔ اُس کے لیے حکومت کی نظروں سے محفوظ رہنا مشکل نہیں تھا۔

اب شیراز نے نکل جانا ہی مناسب سمجھا، کیونکہ دور موجود سپاہی، اُس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ شیراز نے شاہی دستے کی کارکردگی کی تعریف کرتے ہوئے، اُن سے اجازت چاہی اور پورے اعتماد کے ساتھ ایک جانب کو چل دیا۔

وہ ٹہلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا سڑک کو عبور کرنے لگا۔ سامنے کی عمارتوں کے درمیان ایک ذیلی گلی تھی۔ شیراز، اسی گلی میں مڑنا چاہتا تھا......... ابھی وہ ذیلی گلی کے سرے پر بھی نہ پہنچا تھا کہ اُسے پیچھے سے کسی نے پکارا:۔

''خبردار!..... ہاتھ اوپر اُٹھالو!...... تم جو کوئی بھی ہو، ابھی تمہیں جانے کی اجازت نہیں۔''

یہ غالباً انہیں دونوں سپاہیوں میں سے ایک کی آواز تھی۔ شیراز نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا ..... بلکہ پہلے سے زیادہ تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے۔ شیراز کی اس حرکت سے چونک کر سپاہی نے اپنے گلے میں لٹکی، سیٹی، منہ میں ڈالی اور پورے زور سے اُس میں پھونک مار دی۔ تیز سیٹی کی آواز رات کے سناٹے میں دور تک گونجتی چلی گئی اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز شیراز کی طرف لپکی، شیراز نے ایک لمحے میں فیصلہ کرتے ہوئے دوڑ لگا دی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہا تھا، یہ ذیلی گلی تھی، شیراز کو اپنی خوش بختی کا اُس وقت احساس ہوا جب بادل کا ایک آوارہ ٹکڑا جگمگاتے ہوئے چاند کے سامنے آکر ٹھہر گیا۔ یکا یک چاندنی غائب ہونے لگی، شیراز دوڑ رہا تھا۔

اُسے اپنے، پیچھے، دوڑتے ہوئے قدموں اور سیٹیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شیراز نے سرپٹ دوڑتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ پر ایک اور گلی، دیکھی تو فوراً اسی طرف مڑ گیا۔ اب وہ، مختلف گلیوں اور ذیلی سڑکوں پر سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ شیراز کو سپاہیوں کے دوڑنے اور تیز سیٹیوں کی آواز متواتر سنائی دے رہی تھی۔ اب دوڑتے ہوئے قدموں کے ساتھ، دوڑتے گھوڑوں کی آواز بھی شامل ہو چکی تھی۔ وہ آوازوں کے بارے میں اندازے لگاتا، مختلف اطراف میں بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ، قدرے، کھلی شارع پر آنکلا۔ یہ ''شارع فارس'' تھی۔ استنبول سے ایران کا سفر کرنے والے، اِسی سڑک پر سے گزرتے تھے، اسی وجہ سے اس کا نام ''شارع فارس'' پڑ گیا تھا۔ شارع کے دونوں اطراف میں گھنے درختوں

Marfat.com

کی قطاریں تھیں۔شیراز اب قدرے مطمئن تھا۔لیکن ابھی تک وہ خود کو خطرے کی حدود سے دور محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اُس کے دل کی دھڑکن اب معمول پر آ چکی تھی۔شیراز کو اپنے گھٹنوں میں شدید درد محسوس ہوا۔اُس نے ایک جگہ رک کر اپنا پاجامہ، گھٹنوں سے اوپر کیا، تو حیرت سے اُس کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں ....اُس کے گھٹنوں پر جلد، نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔صرف گوشت ہی گوشت تھا۔بنگلے کی چھت سے اُس نے چھلانگ لگا کر دراصل موت کے منہ میں چھلانگ لگائی تھی۔وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ آخر......ایسا کیا ہوا کہ اچانک شاہی دستہ اُن کے سر پر آ دھمکا۔وہ مختلف کڑیوں سے کڑیاں ملانے کی کوشش کرنے لگا۔

اسی قسم کی باتیں سوچتا اور مختلف حویلیوں کے سامنے سے گزرتا، شیراز شہر کے شمالی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔وہ فی الوقت کسی گھنی آبادی میں گھس کر پناہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔اچانک اُسے دور سے چند گھڑسوار اسی جانب آتے دکھائی دیے۔شیراز نے ایک گھنے درخت کے عقب میں خود کو چھپا لیا۔وہ پہلے ہی کھلی سڑک پر نہیں تھا، بلکہ درختوں کے سائے سائے چل رہا تھا۔گھڑسوار شاہی دستے کے سپاہی تھے۔کچھ دیر بعد وہ شیراز کے سامنے سے گزر رہے تھے۔شیراز کا دل دھک دھک کرنے لگا۔دستہ گزر گیا تو شیراز نے پھر دھیرے دھیرے چلنا شروع کر دیا۔

♦......♦

یہ صبح، صبح کا وقت تھا۔انجیر اور زیتون کی شاخوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔سامنے تا حد نگاہ آبنائے باسفورس کا نیلا پانی لہر در لہر صبح کی آمد کا جشن منا رہا تھا۔یہ ایک پر سکوت اور خاموش مقام تھا۔استنبول کا شہر یہاں سے کافی ہٹ کر تھا۔یہاں تک پہنچتے پہنچتے تمام مضافاتی آبادیاں دور رہ جاتی تھیں۔یہ جگہ استنبول کے مضافات میں سب سے زیادہ حسین تھی۔مشرق میں آبنائے کا نیلگوں پانی کسی شفاف، فرش کی مانند چمک رہا تھا اور شمال مغربی جانب، اوپر کو اُٹھتا ہوا، چٹانی سلسلہ شروع ہو رہا تھا، جس میں جگہ جگہ صنوبر کے درخت، قدرتی چھجے بنائے کھڑے تھے۔

کپتان الفانسو معمول کے مطابق اپنی چھڑی لہراتا ہوا، روز کی کسرت سے واپس لوٹا، تو اپنے خوبصورت مکان کے سامنے اُسے ایک خستہ حال نوجوان سر جھکائے بیٹھا نظر آیا۔کپتان

Marfat.com

الفانسو کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں۔نوجوان کا لباس بری طرح مسلا ہوا تھا اور وہ ایک پتھر کے ساتھ سر ٹکائے ،غالباً کسی جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کپتان الفانسو کے لیے یہ ایک نئی بات تھی۔آج تک ایسا نہ ہوا تھا کہ اِس طرح کوئی اُس کے دروازے پر آتا۔ کپتان تیزی سے نوجوان کے قریب آیا۔کپتان الفانسو کے قدموں کی چاپ سن کر نوجوان نے سر اُٹھایا اور پھر کپتان پر نظر پڑتے ہی اُس نے تیزی کے ساتھ اُٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن وہ لڑکھڑا گیا۔ کپتان کے چہرے پر حیرت ثبت ہو کر رہ گئی۔

''نوجوان !.........زخمی لگتے ہو۔اس قدر سردی میں تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ۔ چلو میرے ساتھ، پہلے تمہاری ،تکلیف کا تدارک ضروری ہے ۔''

کپتان نے بغیر کوئی بات پوچھے ،بغیر کوئی تعارف حاصل کیے،نوجوان کو گھر لے جانے کی بات کی۔ کپتان الفانسو کی اسی طرح کی عادات تھیں۔وہ بالکل مختلف تھا ،عام انسانوں سے یکسر مختلف۔اس وقت کپتان الفانسو کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو وہ اپنے گھر کے سامنے ایک خستہ حال ،اجنبی نوجوان کو بیٹھا دیکھ کر چیں بہ جبیں ہو جاتا اور یقیناً نووارد سے سخت لہجے میں پوچھتا کہ وہ کون ہے اور اِتنی صبح اُس کے گھر کے سامنے بیٹھا کیا کر رہا ہے ۔لیکن وہ کپتان الفانسو تھا، سب انسانوں سے منفرد۔

کپتان الفانسو ،وینس کا رہنے والا تھا۔مشہور سیاح مارکو پولو کا شہر وینس ۔وہ استنبول آنے سے پہلے وینس کی فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔یہ گذشتہ صدی کی بات تھی۔آج ۱۷۱۱ء میں اُسے استنبول آئے پورے بیس سال ہونے والے تھے۔وہ مصطفیٰ کو پریلی کے عہدِ صدرات میں استنبول وارد ہوا تھا۔ مصطفیٰ کو پریلی کا دورِ صدارت ان حوالوں سے بڑا اسعید تھا۔

کپتان الفانسو نے خستہ حال نوجوان کو اپنے ساتھ لیا اور گھر کی جانب چل دیا۔الفانسو کا گھر قابلِ دید تھا۔آبنائے باسفورس کے کنارے درختوں سے ڈھکی ہوئی ،لکڑی کی یہ عمارت مکان فردوس کا نظارہ دیتی تھی۔ کپتان الفانسو جونہی خستہ حال نوجوان کو لے کر اپنے گھر کی دہلیز پار کرنے لگا ....اُس کی جوان ،مصورہ بیٹی صوفیہ کی نظر اپنے بابا کے ساتھ ،اندر داخل ہونے والے نوجوان پر پڑ گئی اور وہ ،وہیں کی وہیں ......ساکت ہو گئی، یہ کیا؟.........یہ تو وہی ذہین نوجوان تھا جو اُسے نمائش کے دن چرچ کے ہال میں ملا تھا۔اِسے کیا ہو گیا؟ یہ لڑکھڑا کیوں رہا ہے؟لڑکھڑاتے ہوئے ،خستہ حال نوجوان کو دیکھ کر صوفیہ کی حالت غیر ہونے لگی۔ وہ

Marfat.com

بجلی کی سی تیزی سے دروازے کی طرف آئی:۔

"ارے!..........آپ کو کیا ہوا؟ آپ اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ آپ کا چہرہ ہلدی کی طرح سے زرد ہو رہا ہے۔ لگتا ہے، آپ کو کہیں گہری چوٹ آئی ہے۔ اوہ! میرے خدا!"۔

یہ شیراز تھا۔ رات بھر شہر کے مختلف، گلی کوچوں میں چھپتا رہا، اور رات بھر شاہی دستے کی پولیس اُسے تلاش کرتی رہی۔ وہ پولیس سے تو بچ گیا لیکن جنوری کی شدید سردی سے نہ بچ سکا۔ رات کے پہلے پہر میں جب پولیس نے سکندر پاشا کی حویلی پر حملہ کیا تو ابھی سردی کی لہر شدید نہیں تھی، اور تازہ زخم کا درد بھی شدید نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا شیراز کے بدن میں درد کی شدت بڑھتی گئی۔ اُس نے ایک اونچی چھت سے چھلانگ لگائی تھی۔ اُس کے گھٹنوں کا ماس بُری طرح سے ادھڑ گیا تھا۔ رات بھر اُسے کوئی ایسی جائے پناہ نہ مل سکی جہاں وہ اپنے زخموں کو سردی کی لہر سے بچا سکتا۔

اُس نے ساری رات، مختلف محلوں میں گھومتے ہوئے گزار دی۔ وہ کہیں آرام کے لیے نہ رکا۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وہ آرام کرنے کے لیے ایک بار کہیں بیٹھ گیا تو اُس کے گھٹنوں کا زخم ٹھنڈا ہو کر اور زیادہ درد کرنے لگے گا۔ علی الصبح وہ شہر کے شمالی دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ دور سے ہی شہر کا دروازہ کھلنے کا انتظار کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد محافظوں نے فصیل شہر کے آہنی دروازے کھول دیے، اور شہر میں آنے جانے والوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ یہ استنبول کا شمالی دروازہ تھا۔ باسفورس کی طرف کھلنے والا دیو پیکر دروازہ..........

شہر سے باہر نکل کر شیراز کے لیے کوئی مشکل نہ رہی۔ اُس نے کرائے کی کشتی میں سفر کرنا مناسب سمجھا اور بہت جلد وہ صوفیہ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ یہاں آتے ہوئے بھی شیراز ڈر رہا تھا۔ وہ صوفیہ کے باپ کو ابھی تک اُسی طرح کا یونانی سردار سمجھتا رہا تھا، جو مسلمانوں کو بھاری سود پر قرضے دیتے تھے، لیکن اُس کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ اب اُس کے لیے مزید پیدل چلنا ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ مجبوراً اُسے صوفیہ کے گھر آنا پڑا۔ ان حالات میں یہی لڑکی اُسے سہارا دے سکتی تھی۔ شیراز بہت خستہ حال تھا۔ شیراز نے صوفیہ کو مسکرا کر سلام کیا اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو تکلیف دی۔ لیکن فوری طور پر میں کہیں اور جا بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھے صرف چند گھنٹے، کی پناہ چاہیے۔ اپنا لباس اور حلیہ درست کرتے ہی، میں

Marfat.com

روانہ ہو جاؤں گا۔ مجھے کوہ بلقان پہنچنا ہے۔ میں آپ کو زیادہ دیر تکلیف نہیں دینا چاہتا۔''

صوفیہ دیدے پھاڑے شیراز کی بات سن رہی تھی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلنے لگے۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کپتان الفانسو بول اُٹھا:۔

''تم کوہ بلقان جانا چاہتے ہو؟ اِس حالت میں؟........یہ تو ممکن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہاں تک زندہ نہیں پہنچ سکو گے۔ کیونکہ تمہارے بدن میں جسمانی مشقت برداشت کرنے کی استعداد کم ہے۔ تم سپاہی نہیں ہو۔ بہر حال یہ سفر تو تمہارے لیے ممکن نہیں۔ البتہ ایک، دو دن یہاں قیام کرو، تمہاری صحت ٹھیک ہو جائے تو چلے جانا۔''

کپتان الفانسو نے ابھی تک شیراز سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ دراصل، اب تو وہ شیراز کو پہچان بھی چکا تھا۔ جس طرح اُس کی بیٹی نے آگے بڑھ کر شیراز کے ساتھ بات کی تھی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہی وہ لڑکا ہے جس کا ذکر چند دن پہلے اُس کی بیٹی نے کیا تھا۔ کرسمس کی شام صوفیہ نے اپنے باپ کو شیراز اور سکندر کی ملاقات کے بارے میں بتایا تھا۔ کپتان، شیراز کے بارے میں سن کر بہت خوش ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے شیراز کو پہچان لیا تھا۔ کپتان الفانسو شیراز کو لے کر ایک گرم کمرے میں آ گیا۔ صوفیہ نے دوڑ کر کمرے میں بچھے بستر کو درست کیا اور ....کپتان نے شیراز کو بستر پر دراز ہونے کے لیے کہا........لیکن شیراز ہچکچا رہا تھا۔ حالانکہ وہ پوری طرح اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔ شیراز کو ہچکچاتا دیکھ کر کپتان نے کہا۔

''میں نے یہ کہا تھا کہ جسمانی تکلیف برداشت کرنے کی تمہاری استعداد کم ہے۔ میں نے یوں نہیں کہا کہ صلاحیت کم ہے۔ صلاحیت ایک ایسی چیز ہے، جس کا تعلق ذہن کے ساتھ ہے۔ میں جانتا ہوں تم جیسے ذہن کے مالک نوجوان، نفسیاتی طور پر بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ تم ہچکچا رہے ہو، حالانکہ تمہیں اِس وقت تمام تر اخلاقیات کی بجائے اپنی صحت پر توجہ دینی چاہیے۔ اگر تم زندہ رہے تو تمام شرمندگی و ندامت کا ازالہ کر لینا، جو اِس وقت تمہیں محسوس ہو رہی ہے۔ دراصل تمہارے ذہن میں یہ نظریہ موجود نہیں کہ انسان ہی ....ایک انسان کے لیے اہم ہو سکتا ہے اور انسان وہی ہے جو زندہ ہے۔ چنانچہ جب تک تم زندہ، تم بھی اہم ہو۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بستر میں لیٹ جاؤ اور اپنی حالت بحال کرنے کی کوشش کرو۔''

شیراز نے سوچا کہ اُس کی وجہ سے صوفیہ اور اس کا بوڑھا باپ کسی مصیبت کا شکار ہو سکتے تھے۔ لیکن دوسری طرف فی الوقت شیراز کو پناہ کی ضرورت تھی .... پولیس اُس کے پیچھے

Marfat.com

تھی، ایک قاتل کے پیچھے ۔وہ، تردد اور پریشانی کے عالم میں آگے بڑھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ اُس کے بدن کا نچلا دھڑ بری طرح درد کر رہا تھا۔ شیراز کے چہرے پر کرب کے آثار ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔ شیراز کے لیٹتے ہی، صوفیہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ شاید وہ کچھ لینے گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد شیراز، گرم ایرانی کمبل میں لپٹا، دل ہی دل میں صوفیہ اور اُس کے باپ کا شکریہ ادا کر رہا تھا جنہوں نے ایک اجنبی کو یوں برے وقت میں پناہ دی تھی ۔ بستر پر لیٹتے ہی شیراز کو احساس ہوا جیسے اُسے بخار ہو۔ وہ پریشان ہو گیا، وہ صوفیہ کے گھر میں زیادہ دیر نہ رکنا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے سچ مچ بخار ہو رہا تھا۔ کمرے میں آتش دان کی وجہ سے خاصی نگھاس تھی۔ صوفیہ شیراز کے لیے گرم دودھ کا کٹورا لائی، اور کپتان الفانسو نے شیراز کو چند ادویات دینے کے بعد سو جانے کی ہدایت کی ۔ کپتان جان چکا تھا کہ لڑکا، رات بھر سے نہیں سویا۔ کیونکہ شیراز کی آنکھوں میں رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے بے خوابی کے ڈورے صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ گرم دودھ اور دوا کے بعد شیراز کو قدرے راحت محسوس ہوئی ،لیکن اب اُسے پوری طرح بخار نے آلیا تھا۔ اُس نے کپتان الفانسو کی ہدایت پر، سر سے لے کر پاؤں تک کمبل تان لیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد شیراز کی آنکھ لگ چکی تھی۔ حالانکہ بخار میں نیند کا آجانا مشکل تھا لیکن رات بھر کی تگ ودو ، درد اور تکان کی وجہ سے شیراز جلد ہی سو گیا۔ وہ نہ جانے کب تک سوتا رہا۔ نیند کے عالم میں اُس کا بخار تیز ہوا، تو اُس پر غشی کی سی کیفیت چھانے لگی۔ صوفیہ دوڑ کر اپنے بابا کو بلا لائی۔ کپتان نے شیراز کی پیشانی کو چھو کر بیٹی سے کہا:

"بخار بہت تیز ہے اور اب یہ غشی کی سی کیفیت میں ہے، لیکن اِسے پھر بھی جگانا مناسب نہیں ۔میں نے اِسے زود اثر دوا، دے دی ہے ۔ایک مرتبہ بخار تیز ہوگا ،لیکن یہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔"

شیراز سوتا رہا...... صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی۔ جبکہ صوفیہ اُس کے پہلو میں بیٹھی، بڑی بے چینی سے بار بار اُس کی پیشانی کو چھوتی اور اُس کے بخار کی کیفیت تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اپنے بابا کو بتاتی، کپتان الفانسو نے شیراز کا ایک دو مرتبہ بڑی تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیا...... کپتان نے شیراز کے پاجامہ کو گھٹنوں کی جگہ سے ہٹا کر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ شیراز کے گھٹنے بری طرح زخمی تھے۔ کپتان کو فوراً پتہ چل گیا کہ لڑکے نے کسی چھت سے

Marfat.com

چھلانگ لگائی ہے۔اُس نے فوراً صوفیہ سے مرہم پٹی لانے کو کہا اور خود شیراز کے زخموں پر دوا لگانے میں مصروف ہوگیا۔شیراز مسلسل بے ہوش تھا۔اُسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کپتان الفانسو اُس کی مرہم پٹی کررہا ہے۔شیراز کے زخموں کی اچھی طرح مرہم پٹی کرنے کے بعد کپتان نے اُسے سونے دیا۔صوفیہ کواُس کے پاس بیٹھنے کے لیے کہا اور خود باہر چلا گیا۔

غشی کے عالم میں ایک مرتبہ شیراز نے بڑبڑانا شروع کردیا۔اُس کے منہ سے مختلف باتیں نکل رہی تھیں۔کبھی وہ اپنی آپی کو پکارنے لگتا اور کبھی ، ماں کو یاد کرتا۔صوفیہ اُس کے پہلو میں بیٹھی ،اُس کی بڑبڑاہٹ سن رہی تھی۔ایک مرتبہ شیراز نے کسی ''تھیوڈورا'' کو پکارا ،لیکن اُس کے فوراًبعد شیراز کے ہونٹوں سے خود اپنا نام سن کر صوفیہ دنگ رہ گئی۔وہ اپنی چوکی سے اُٹھ کر شیراز کے پہلو میں ،اُس کے بستر پر آبیٹھی۔شیراز اب بار بار صوفیہ کا نام لے رہا تھا۔وہ بہت سی اوٹ پٹانگ باتیں کررہا تھا۔صوفیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔اِس کا مطلب یہ تھا کہ ......یہ بے نام لڑکا......اُسے چاہنے لگا تھا۔صوفیہ دل ہی دل میں مسکرادی۔

کپتان الفانسو ایک دانا آدمی تھا۔وہ جلد ہی اپنی بیٹی کی کیفیت بھانپ گیا،لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔رات کے پہلے پہر کے قریب شیراز کا بخار اترنے لگا۔اب اُس کا جسم پسینے سے شرابور ہورہا تھا۔کچھ دیر بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔کمرے میں صوفیہ کے علاوہ کپتان الفانسو بھی موجود تھا۔شیراز نے پہلے پہل خالی خالی آنکھوں سے چاروں جانب دیکھا ،اُسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے،لیکن صوفیہ پر نظر پڑتے ہی ،اُسے سب کچھ یاد آگیا۔اُس کا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا،اور اب اُس کا بخار اتر چکا تھا۔شیراز کی نظر کپتان پر پڑی تو اُس نے مسکراتے ہوئے شیراز سے اُس کی خیریت دریافت کی:۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟.........تمہیں شدید بخار نے آلیا تھا۔لیکن اب تمہارا بخار اتر چکا ہے۔اب کیسا محسوس کررہے ہو؟۔''

شیراز نے ممنونیت سے دونوں باپ ،بیٹی کی طرف دیکھا اور انتہائی نحیف آواز میں جواب دیا۔

''اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔میں آپ کا یہ احسان شاید عمر بھر نہ چکا سکوں۔غالباً میں بہت زیادہ وقت سوتا رہا ہوں؟؟''۔

''ہاں.........اب رات ہوچکی ہے۔''

Marfat.com

صوفیہ نے اپنے ہونٹوں کی کلی کھلائی، تو شیراز کو سچ مچ اپنا بخار اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اب وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں کپتان الفانسو نے بات کی:۔

''تم تکلفات سے بہت کام لیتے ہو۔ بار بار شکریہ ادا کرنے سے ہم زیادہ خوش نہیں ہونگے ....اور اگر تمہارے خیال کے مطابق تمہاری خدمت کر کے ہمیں تکلیف پہنچ رہی ہے تو یہ تکلیف تمہارے شکریہ ادا کرنے سے کم نہیں ہو جائے گی۔ تم اِس طرح کا معذرت خواہانہ رویہ ترک کر کے یہاں زیادہ، آرام کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایک مرتبہ بھی شکریہ ادا نہ کرتا۔ کیونکہ ایک بیمار کا علاج ہر انسان کا فرض ہے۔ اور یہ بیمار کا حق ہے کہ اُسے دوسرے انسان علاج کی سہولت فراہم کریں۔ اِسی کو انسانی معاشرہ کہتے ہیں۔''

شیراز بڑی توجہ سے کپتان کی بات سن رہا تھا۔ اُسے کپتان کی بات درست لگی۔ بار بار کی معذرت سے اُسے خود اُلجھن ہو رہی تھی۔ وہ مسکرا دیا:۔

''محترم کپتان صاحب!..........آپ کی بات میری سمجھ میں آچکی ہے۔ اب میں دوبارہ ایسا نہیں کہوں گا۔''

کپتان الفانسو بھی مسکرا دیا۔ وہ ایک بردبار اور باوقار بزرگ تھا۔ ساٹھ سال کا ہونے کے باوجود اُس کی جسمانی قوت کسی نوجوان سے کم نہ تھی۔ اُس کا کسرتی بدن کسی دراز قد جوان کی طرح ستواں تھا۔ وہ چلتا تھا تو پورے ماحول پر اُس کا رعب چھانے لگتا تھا۔ کپتان کے چہرے اور پیشانی پر کچھ اِس ترتیب کے ساتھ تجربات کی لکیریں تھیں کہ ہر لکیر ایک الگ داستان اور ایک الگ جہانِ معنی رکھتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی جراُت کسی میں نہ ہوتی تھی۔ کپتان گزشتہ بیس سال سے استنبول میں مقیم تھا۔ آج سے بیس سال پہلے جب وہ پہلی مرتبہ استنبول آیا تھا تو اُس کی عمر چالیس برس تھی اور اُس وقت تک کپتان الفانسو زندگی کے بارے میں تمام نظریات قائم کر چکا تھا۔ اُس نے وینس کے جمہوری ماحول میں پرورش پائی تھی۔ حقیقت میں وہ ایک پادری کا بیٹا تھا، لیکن مارٹن لوتھر کی طرح بچپن ہی سے اُس کے دل میں مذہب کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اُس کا باپ رومن کیتھولک چرچ کا پادری تھا، اور رومن کیتھولک چرچ کی بے پناہ مخالفت، یونان کے آرتھوڈکس کلیسا کے ساتھ تھی۔ اپنے مذہب کی فضول رسموں اور بے جا جھگڑوں سے تنگ آکر اُس نے جوانی میں

Marfat.com

پروٹیسٹنٹ فرقہ اختیار کرلیا۔لیکن بڑھاپے تک پہنچتے پہنچتے وہ ہر فرقہ سے آزاد ہو چکا تھا اور اب اُس کا مذہب ''مذہبِ انسانیت'' تھا۔

۱۶۹۰ء میں جب ،جمہوریہ وینس کی فوج ،موریا کے علاقے پر قبضہ مکمل کر چکی ،تو رومن کیتھولک فرقہ کے فوجی افسروں نے موریا(یونان) کے آرتھوڈکس عیسائیوں کو زدوکوب کرنا شروع کردیا۔کپتان کو اپنے ہم رتبہ افسروں کی ایسی حرکات سے بے پناہ نفرت تھی۔اُس کا ذہن جمہوریہ وینس کی فوج سے بددل ہونے لگا۔اسی اثناء میں عثمانی سلطنت نے اپنے مقبوضات واپس حاصل کرنے کے لیے ایک مختصر فوج موریا (یونان) کی طرف روانہ کی۔اِس فوج کا سپہ سالار ایک عیسائی جرنیل تھا۔جسے ترک سپاہی جنرل لائبرس کے نام سے جانتے تھے۔فی الحقیقت جنرل لائبرس ایک لائق فوجی افسر تھا۔اُس زمانے (۱۶۹۰ء) کے قابل، صدراعظم مصطفیٰ کوپریلی نے اپنی باطنی نگاہوں سے لائبرس کے پوشیدہ جوہر دیکھ لیے۔لائبرس، ترکوں کا قیدی تھا،لیکن مصطفیٰ کوپریلی نے اُسے جیل سے نکال کر موریا کی طرف بھیجی جانے والی فوج کا سپہ سالار بنادیا۔یہ مصطفیٰ کوپریلی کی مردم شناسی تھی،یا لائبرس کی احسان شناسی ....بہرحال اس حیران کن اقدام کا نتیجہ بھی حیران کن نکلا۔موریا چند دنوں میں ہی جمہوریہ وینس کی افواج سے خالی کروالیا گیا۔اِسی جنگ میں پہلی مرتبہ کپتان الفانسو کی ملاقات لائبرس سے ہوئی۔

دونوں اپنی اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے دشمن تھے،پھر دونوں میں دوستی کس طرح ہوئی؟........دراصل دونوں افواج کے درمیان کچھ عرصہ، سفارت کا سلسلہ شروع رہا۔اتفاق یہ ہوا کہ جمہوریہ وینس کی طرف سے کپتان الفانسو کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا رہا۔لائبرس نے پہلی نظر میں ہی وینشین سفیر کے جوہر دیکھ لیے۔پہلی ملاقات میں الفانسو نے لائبرس سے بہت چبھتا ہوا سوال کیا تھا۔اُس نے کہا تھا۔

''ایک عیسائی کو........مسلمان فوج کا سپہ سالار دیکھ کر ایسا لگتا ہے ،جیسے مسیحؑ کو کسی نے دھوکا دینے کی کوشش کی ہو۔جنرل لائبرس تم کیسے عیسائی ہو جو ترک مسلمانوں کے ساتھ مل کر اپنے عیسائی بھائیوں کے گلے کاٹنے کے لیے آگئے ہو؟''۔

لیکن لائبرس کا جواب بڑا عجیب تھا۔اُس نے کہا تھا:۔

''ترک فوج کسی ،گروہ کی فوج نہیں ،یہ صرف انسانوں کی فوج ہے جو کسی ....انسان یا

Marfat.com

انسانوں کے گروہ پر کسی ذات کا ظلم برداشت نہیں کرسکتی۔ ہم اہل موریا کو تمہارے ظلم وتعدی سے نجات دلانے کے لیے آئے ہیں۔ ہم کسی عیسائی کے ساتھ لڑنے کیلئے نہیں آئے۔ میں ایک سچا عیسائی ہوں اِس لیے ظلم کے خلاف ڈٹ گیا ہوں، جیسا کہ مسیحؑ ڈٹ گئے تھے۔ تم سچے عیسائی نہیں ہو، اگر ہوتے ..... تو مسیحؑ کی طرح امن کے پیغامبر ہوتے، اور ظلم وتعدی کا ساتھ نہ دیتے۔"

لائبرس کی بات سن کر کپتان الفانسو کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

اور پھر جب ترک فوج نے جمہوریہ وینس کی فوج کو شکست دے کر دور تک پسپا کر دیا تو ....ایک دن کپتان الفانسو اپنی فوج کو چھوڑ کر جنرل لائبرس سے آملا۔ اُس نے آتے ہی کہا تھا:۔

"میں انسانوں کی فوج میں شامل ہونے کے لیے آگیا ہوں۔"

یہ مصطفیٰ کوپریلی کا زمانہ تھا، جسے عرفِ عام میں مردِ صالح کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ترک فوج میں آکر الفانسو کو یقین ہوگیا کہ وہ انسانوں کی فوج میں آگیا ہے۔ بہت عرصہ اُس نے عثمانی سلطنت کی خدمات سرانجام دیں، لیکن پھر اُس نے دیکھا کہ عثمانی فوج اب انسانوں کی فوج نہ رہی تھی، بلکہ تفرقہ پسندی کے راستے پر چل پڑی تھی، تو وہ الگ ہوگیا۔ اُس نے سلطان سے یہ کہہ کر رخصت طلب کی کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور باقی زندگی آرام کرنا چاہتا ہے، تو سلطان نے خوشی خوشی اُسے اجازت دے دی اور اُس کی خدمات کے صلہ میں اُس کا ماہانہ وظیفہ جاری کر دیا۔ کپتان الفانسو نے اپنی باقی زندگی، استنبول کے مضافات میں رہنا پسند کیا۔ اُس کی بیوی مر چکی تھی، اور صرف ایک بیٹی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ اِس حسین مقام پر اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن آرام کے ساتھ گزارنے لگا۔

رات گئے تک کپتان الفانسو اور اُس کی بیٹی شیراز کے پاس بیٹھے رہے۔ اس دوران انہوں نے ایک مرتبہ بھی شیراز سے اُس کی اصلیت کے بارے میں دریافت نہ کیا۔ اب شیراز پہلے سے بہت بہتر تھا۔ وہ دن بھر سوتا رہا تھا، چنانچہ نیند اُس کی آنکھوں سے دور تھی، یہی سوچ کر کہ مریض کا دل بہل جائے گا، کپتان الفانسو اور اُس کی بیٹی ....شیراز کے ساتھ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ کپتان الفانسو، شیراز کی باتوں سے بہت خوش ہوا تھا۔ شیراز کو اُس نے ویسا ہی پایا تھا جیسا اُس کی بیٹی نے اُسے بتایا تھا۔ گفتگو کے دوران کپتان الفانسو

Marfat.com

نے شیراز سے پوچھا:۔

''زندگی کے بارے میں تمہارے سوچنے کا انداز کیا ہے؟ تم موت سے ڈرتے ہو، یا موت کو پسند کرتے ہو؟۔''

''فی الحال تو میں موت سے ڈرتا ہوں۔لیکن ایک عرصہ سے اِس کوشش میں مصروف ہوں کہ میرے اندر سے موت کا ڈر ختم ہو جائے۔موت سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ایسا کوئی نہیں ہے جو موت سے نہ ڈرتا ہو،لیکن یہ حقیقت ہے کہ محنت اور توجہ سے موت کا ڈر، دور کیا جاسکتا ہے،لیکن یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ موت کا ڈر کیونکر دور کیا جائے؟ جب موت ایک حقیقت ہے تو موت کا ڈر تو ہوگا ہی،لیکن اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ موت، کوئی حقیقت نہیں۔یہ محض ہمارے فہم کا دھوکہ ہے ،جو ہمیں محسوس ہوتا ہے۔جو انسان ہے اُسے کبھی موت نہیں آتی......ہمارے سر پر لاکھوں بے جان ستارے چمک رہے ہیں۔ہر ایک کی عمر کروڑوں اور اربوں سال ہے ،اس کے برعکس انسان ایک لازوال حقیقت ہے لیکن اِس کی عمر محض ساٹھ سال ہے ......یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ستارے انسان سے افضل نہیں ہیں ، بلکہ انسان ہر چیز سے افضل ہے۔انسان کو ستاروں کے مادہ سے تخلیق کیا گیا ہے،اور انسان اِن ستاروں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان جیسی عظیم ہستی کی عمر اتنی کم ہو؟ پھر یہ بات فی نفسہٖ بھی درست نہیں کہ انسان کو موت آتی ہے۔موت تو زندگی کا زیور ہے۔یہ تو ایک مرحلہ ہے،ہم کبھی محض ستارے تھے۔بعد میں ہم نے ارتقاء کیا اور ہم بتدریج انسان بن گئے۔راستے میں جتنے مرحلے آئے ہم نے انہیں طے کیا۔بعینہٖ اسی طرح ہم اگلہ مرحلہ بھی طے کریں گے۔زندگی تو ہمارے لیے ایک موقع ہے ،خود کو پہچاننے کا........اسے ایک لمحہ ہی تصور کیا جانا چاہیے۔کیا اِس ایک لمحے میں ہم بیدار ہوئے؟ ہم نے آنکھیں کھولیں؟........اگر ہم نے آنکھیں کھولیں اور ہم بیدار ہوئے تو گویا ہم نے خود کو دیکھ لیا، پہچان لیا،لیکن اگر ہم اپنی ذات کے وجود سے ہی بیگانہ رہے تو ہم نے زندگی نہیں جی ، بلکہ زندگی نے ہم کو جیا۔جو خود کو پہچان لیتا ہے تو وہ زندگی کو گزارتا ہے ،اور اگر کوئی خود کو ہی نہیں پہچان پاتا تو زندگی اُسے گزار دیتی ہے۔مرتا صرف وہی ہے، جو انسان نہیں ،درجہ ءحیوانیت میں ہے، جو انسان ہے وہ مرتا ہی نہیں ۔

فرشتہ موت کا چھوتا گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے (اقبالؒ)

Marfat.com

شیراز بہت بول رہا تھا۔لیکن اُس کی ہر بات دونوں باپ بیٹی کو حیران کر رہی تھی۔ کپتان الفانسو کی آنکھوں میں دلچسپی کی بے پناہ چمک تھی۔اُس نے پوری زندگی میں اتنی خوبصورت باتیں نہیں سنی تھیں۔وہ ایک دانا اور زیرک انسان تھا۔لیکن وہ ایک سپاہی تھا اور علوم ومعرفت کے ساتھ اُس کا کوئی رشتہ نہ رہا تھا۔آج شیراز نے اُس کے دل میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ انتہائی حیرت سے شیراز کی جانب دیکھ رہا تھا۔شیراز،صوفیہ اور کپتان کے انداز سے جھینپ گیا۔اُس نے پلکیں جھکالیں اور نیچے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔دراصل اُسے یکدم اِس احساس نے ستانا شروع کردیا تھا کہ اُس نے کپتان الفانسو جیسے پڑھے لکھے اور زیرک شخص کے سامنے تقریر کر ڈالی۔اسی اثناء میں کپتان نے پھر سوال کیا۔

''جنگ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو،میں نے تمام عمر جنگیں لڑی ہیں،میں نے نہ جانے کتنے انسانوں کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔کیا میں اگلی زندگی کا مستحق ہوں،کیا میں نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کی ہے؟''

اب شیراز نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

''جنگ پہلے نہیں ہوتی تھی،جب تک انسان نے شعور کا پھل نہیں کھایا تھا وہ جنت میں رہتا تھا۔پھر انسان نے نیکی اور بدی کی پہچان کا پھل کھالیا اور اُس نے خود کو ایک نئے ماحول میں محسوس کیا۔یہ جنت نہیں تھی۔یہاں ملکیت کا تصور موجود تھا۔مویشیوں کی ملکیت کے تصور نے ترقی کی اور چراگاہوں کی ملکیت کا تصور پیدا ہوگیا۔گویا انسان کھو گیا۔جس طرح کوئی اپنے اصلی وطن کے راستے سے بھٹک کر کہیں اور کھو جائے۔ایسی صورتحال میں کچھ لوگوں نے اپنی دنیاوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا اور دوسرے انسانوں کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے۔ زندگی آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔اور جو کوئی بھی اِس کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا ہے،زندگی اُسے ماردیتی ہے۔چاہے وہ موت کسی طرح سے آئے۔آپ نے جتنے لوگوں کو قتل کیا،وہ زندگی کے راستے میں آئے تھے۔انہیں آپ نے نہیں مارا،زندگی نے مارڈالا۔عارضی وجود موت سے مرے گا نہیں تو زندگی،زندہ کیسے رہے گی؟''۔

کپتان پتھر کی طرح جامد وساکت ....ایک ہی نظر شیراز کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔شیراز کی نگاہیں مسلسل زمین پر تھیں۔وہ بس ایک رو میں بولتا جا رہا تھا۔صوفیہ کے چہرے پر انتہائی حسین مسکراہٹ تھی۔اُس نے اپنے ماتھے سے ہلال جیسا گیسو ہٹایا اور کہنے لگی:۔

Marfat.com

"میں یہ کہتی ہوں کہ انسان کو پرندوں کی طرح آزاد زندگی بسر کرنی چاہیے۔نظام الاوقات کی پابندی اچھی عادت ہے، کیونکہ پرندوں میں بھی ہے دوسرے جانوروں میں بھی ہے......گویا فطرت ہے لیکن تہذیب، تمدن، سماج، زبان، روایات اور مذہب یہ سب دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں گویا غیر فطری چیزیں ہیں اور تعلیم یافتہ انسان کو یہ ادراک حاصل کر لینا چاہیے کہ غیر فطری کاموں میں انسانیت کی فلاح نہیں۔مثلاً کوئی بھی جانور جھوٹ نہیں بولتا، جبکہ انسان جھوٹ بولتا ہے۔اس طرح انسان کے نمبر کم ہو جاتے ہیں۔

کیا انسان کے مسائل جنگ سے حل ہو سکتے ہیں۔آج تک انسان نے جنگ کے سوا کیا ہی کیا ہے؟ لیکن مسائل ہیں کہ پہلے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔بابا نے جن لوگوں کو قتل کیا، اگر وہ اپنی جگہ یہی سوچتے ہوں جو آپ بابا کے لیے سوچ رہے ہیں تو پھر آپ کیا کہیں گے؟"۔

صوفیہ کی بات سن کر کپتان الفانسو کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔لیکن شیراز نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی نظریں اُٹھاتے ہوئے کہا:۔

"آپ نے زبان کی بات کی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان زبان کے ذریعے....اپنا مافی الضمیر چھپاتا ہے بیان نہیں کرتا۔اسی عمل کو جھوٹ کہتے ہیں، لیکن جیسا آپ نے کہا کہ یہ عمل جانوروں میں نہیں ہے.........تو یہ آپ نے درست نہیں کہا۔"

شیراز ایک لمحے کے خاموش ہوا۔صوفیہ کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت در آئی تھی۔اُس سے رہا نہ گیا اور اُس نے فوراً سوال کیا:۔

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جانور بھی جھوٹ بولتے ہیں۔"

"میں کہنا نہیں چاہتا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ جھوٹ صرف جانور ہی بولتے ہیں، انسان جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔انسان صرف صادق اور صدیق ہو سکتا ہے۔آپ دیکھتی نہیں تمام جانور اپنے آپ کو دوسرے جانوروں سے بچانے کے لیے کس کس طرح کے روپ دھار لیتے ہیں۔یہ سب جھوٹ ہی تو ہے، جو فطرت نے اُن کو سکھایا ہے تاکہ وہ خود کو بچا سکیں۔لومڑی کے بارے میں شاید آپ نے سن رکھا ہو۔وہ اپنے پیچھے آنے والے شکاری کو دھوکا دینے" کے لیے اپنے جسم کی بو، غلط جگہ پر چھوڑ دیتی ہے۔بلی اپنے بچوں کو سات جگہوں پر چھپاتی پھرتی ہے، تاکہ اُس کے بچے، دشمن سے محفوظ رہیں۔میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کے تمام اعمال صرف جانوروں کا شیوہ ہیں۔اب اگر ایک انسان جھوٹ بولتا ہے تو یقینی بات ہے کہ اسی دنیا

Marfat.com

میں اپنے کسی فائدے کو سامنے رکھ کر جھوٹ بولتا ہے ،اگر اگلی دنیا پر اُس کی نظر ہوتی تو وہ جھوٹ کیوں بولتا۔چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ وہ جھوٹ اپنے پیٹ یا اپنے بچوں کے لیے بولتا ہے اور یہ بالکل وہی شیوہ ہے جو جانوروں میں پایا جاتا ہے۔حقیقی انسان کو زندگی بھر جھوٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

اور جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ اُن لوگوں کے دل میں سچائی تھی،جو آپ کے بابا کے ہاتھوں قتل ہوئے تو پھر دونوں کا کچھ نہیں بگڑا۔نہ آپ کے بابا کا نہ اُن کا۔یہ تو اپنی ذات کی پہچان پر منحصر ہے کہ آپ کی ذات آپ کی نیت کو کہاں تک شفاف رکھ سکتی ہے۔اگر دونوں میں کسی نے بھی رینگتے ہوئے کیڑوں کی طرح اپنے پیٹ کے لیے تگ ودو کی تو دونوں ہی زمین میں دھنسا دیے گئے۔یہ تو کائنات کا اصول ہے"۔

صوفیہ کو بھر پور جواب مل گیا تھا۔شیراز نے اُسے ثابت کر دیا تھا کہ جھوٹ بولنا صرف جانوروں کا ہی شیوہ ہے۔جو حقیقی انسان ہے وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔صوفیہ شیراز کی باتوں سے مسحور ہو چکی تھی اور کپتان الفانسو کے دل کی حالت بھی قابل دید تھی۔اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے بہت سا وقت گزر گیا۔اچانک کپتان الفانسو نے اُٹھتے ہوئے کہا:۔

"شیراز تم اب آرام کرو........صوفیہ تمہیں تازہ دودھ اور دوا، دے دے گی اور تم سو جانے کی کوشش کرو.........کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں پھر سے بخار گھیر لے۔باقی باتیں صبح کریں گے۔

◆......◆

اگلی صبح شیراز کی صحت بہت بہتر تھی۔صوفیہ اور کپتان الفانسو کی تیمارداری نے اُس کی بیماری کو بڑھنے نہ دیا تھا۔آج وہ چل پھر سکتا تھا اور یہ سوچ کر کہ وہ چل پھر سکتا ہے وہ پریشان ہو گیا کیونکہ صحت یاب ہونے کے بعد اُس کا یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا،جب کہ وہ صوفیہ سے الگ نہ ہونا چاہتا تھا۔صوفیہ نے ایک ہی دن اور رات میں شیراز کے دل کو چھو لیا تھا۔اب شیراز اُس پری جمال حسین مصورہ کے ساتھ گزرے لمحات کو اپنی زندگی کے سب سے حسین لمحات شمار کر رہا تھا۔شیراز صبح ہی صبح اپنے بستر سے نکل کر باہر صحن میں آ بیٹھا۔کپتان الفانسو اپنی معمول کی کسرت کرنے کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔شیراز کو اداس بیٹھا دیکھ کر صوفیہ نے قدرے حیرت سے دریافت کیا:۔

"کیا بات ہے آپ پریشان لگتے ہیں،لگتا ہے کسی چیز سے خوفزدہ ہیں"۔

Marfat.com

صوفیہ نے اپنے ریشم جیسے ہاتھوں سے شیراز کا ہاتھ تھام لیا اور نرمی سے دباتے ہوئے کہا تو شیراز کی ساری کلفت دور ہوگئی۔اُس نے سچ بولتے ہوئے جواب دیا:۔

’’سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے صحت یاب ہونے پر پریشان ہوں ،میں ابھی آپ کی قربت میں مزید وقت گزارنا چاہتا تھا ،لیکن افسوس کہ ایسا کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔قدرتی طور پر میرے حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے بہت سی چیزیں کرنی پڑگئی ہیں۔اب آپ سے ملا تو ایسا لگا کہ میں اپنی منزل پر آپہنچا ہوں ،لیکن یہ بھی ایک فریب سے زیادہ کچھ نہیں۔مجھے جانا ہوگا ،اور یہی بات سوچ کر میں پریشان ہوں۔‘‘

شیراز نے اپنی پریشانی کی وجہ سچ سچ بتادی۔صوفیہ کا چہرہ گلنار ہوگیا ،لیکن پھر فوراً شیراز کے جانے کی خبر سن کر وہ اداس ہونے لگی۔

’’آپ ابھی سے جانے کی بات کرتے ہیں ۔ابھی تو آپ کی صحت بھی بحال نہیں ہوئی۔ اور پھر.............‘‘

نہ جانے صوفیہ کیا کہنا چاہتی تھی کہ یکدم خاموش ہوگئی۔شیراز نے چونک کر اُس کی جانب دیکھا۔کچھ دیر تک اُس کے بولنے کا انتظار کیا ،پھر کہنے لگا:۔

’’اور پھر..........؟اِس سے آگے آپ خاموش ہوگئیں۔آپ کچھ کہنا چاہتی تھیں؟بولیے نا۔‘‘

’’کچھ نہیں !.....میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔‘‘

’’یہ کیا بات ہوئی ،ابھی آپ کچھ کہنے جارہی تھیں ،لیکن نہ جانے آپ کو کیا ہوا کہ آپ یکلخت خاموش ہوگئیں.........بولیے نا۔‘‘

’’میں یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کیوں پریشان ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے ،آپ نے آج تک اپنا نام بھی نہیں بتایا۔آپ زخمی کیسے ہوئے؟ آپ کے گھٹنے بری طرح .... چھلے ہوئے ہیں؟ آپ کو کیا دکھ ہے ،میں آپ کے غم میں برابر کی شریک ہونا چاہتی ہوں ....لیکن یہ سوچ کر بات کرنے سے ڈرتی ہوں کہ اگر آپ نے اپنی کہانی میں شامل کرنے سے انکار کردیا تو.............‘‘

صوفیہ دوبارہ کچھ کہتے کہتے رک گئی ،لیکن اِس مرتبہ شیراز اُس کا مدعا سمجھ چکا تھا۔وہ دل میں خود کو بہت برا بھلا کہہ رہا تھا ،جس نے اتنے اچھے لوگوں سے اب تک اپنی اصلیت چھپا

Marfat.com

رکھی تھی۔ اُسے اپنے رویے پر افسوس ہوا اور اُس نے فیصلہ کرلیا کہ چاہے کچھ ہو جائے ،وہ کپتان الفانسو اور صوفیہ کو اپنی کہانی میں ضرور شامل کرے گا۔ اُس نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا:۔

''میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں ،اور گذشتہ شب سے موقع تلاش کررہا تھا کہ آپ لوگوں کو اپنی حقیقت بتا دوں ،ورنہ مجھے میرے ضمیر کے کچوکے ہی مار ڈالیں گے۔ لیکن میں اپنے تمام حالات پوری تفصیل کے ساتھ کپتان صاحب کے سامنے آپ کو سناؤں گا۔ میں خود اپنے من کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔''

اتنا کہتے ہوئے ،شیراز کی آنکھوں میں محبت اور........ وارفتگی کی لہر مچلنے لگی۔ اُس کے چہرے پر ،خلوص اور سچائی کے جذبات کی جھلک واضح طور پر صوفیہ کو دکھائی دی۔ شیراز نے پھر کہا۔

''لیکن ایک بات تو بتائیے........ اُس روز آپ کو یہ کیسے پتہ چل گیا تھا کہ میرا نام علی پاشا نہیں اور میں استنبول کا رہنے والا نہیں؟''

اب صوفیہ کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ دکھائی دے رہی تھی۔ اُس نے اپنی لمبی لمبی ،پلکیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

''چلیے !.......... میں آپ کو اپنی تصویریں دکھاتی ہوں۔''

شیراز حیران تھا کہ صوفیہ نے اُسے .... اُس کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا ،لیکن وہ زبان سے کچھ نہ بولا۔ چپ چاپ صوفیہ کے ساتھ چل دیا۔ صوفیہ اُسے لے کر اپنے مکان ایک بڑے کمرے میں آئی۔ یہ کمرہ مہمان خانے کے طور پر سجایا گیا تھا۔ شیراز تو زخمی حالت میں یہاں آیا تھا ،اسی لیے ابھی تک وہ اِس گھر کا مہمان خانہ نہیں دیکھ پایا تھا۔ کمرے کی چاروں دیواریں اعلیٰ درجہ کے تصویری فن پاروں سے آراستہ تھیں۔ تمام تصویروں میں ایک ہی ادھیڑ عمر شخص کے مختلف انداز کو دکھایا گیا تھا۔ یہ شخص کپتان الفانسو تھا ،تمام تصویریں الفانسو کی تھیں۔ کہیں اس بردبار اور باوقار شخص کو مندر میں عبادت کرتے دکھایا گیا ،کہیں کلیسا اور مسجد میں۔ یہ بڑی عجیب تصویریں تھیں۔ یہ تصویریں ان دونوں باپ بیٹی کے نظریات کا مجموعہ تھیں۔ کہیں کپتان الفانسو کسی جنگ میں لڑتا ہوا دکھایا گیا تھا اور کسی تصویر میں گھڑسواری کرتا ہوا۔ ایک تصویر میں ''حسین کوپریلی'' کو دکھایا گیا تھا۔ کپتان الفانسو ،حسین کوپریلی کے شانہ بشانہ

Marfat.com

چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

شیراز نے ایک ایک تصویر کو بڑی دلچسپی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اور وہ صوفیہ کے فن کی گہرائیوں میں کھو گیا۔ کپتان الفانسو کے چہرے کے تاثرات اس نے برش سے اس طرح نکھار کر نکالے تھے کہ بے اختیار شیراز کی زبان پر داد و تحسین کے کلمات آ گئے۔ شیراز نے بڑبڑاتے ہوئے صوفیہ کو خراج تحسین پیش کیا۔ وہ فن کی باریکیوں میں ایسا ڈوبا کہ اُسے سب کچھ بھول گیا۔ پھر یکدم وہ جیسے نیند سے بیدار ہو گیا۔ صوفیہ کی سریلی آواز نے اُس کے کانوں میں امرت گھول دیا تھا۔

"یہ سب بابا کی تصویریں ہیں، مجھے اپنے بابا سے بہت پیار ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اِن تصویروں میں کوئی ایک تصویر بھی ایسی نہیں، جسے بنانے کے لیے میں نے بابا سے کہا ہو کہ وہ میرے سامنے بیٹھیں۔ میں اُن کا مزاج اس قدر سمجھتی ہوں کہ اُن کے کسی بھی انداز کو اچھی طرح تصویر کے پیرائے میں بیان کر سکتی ہوں۔ میں نے بچپن سے صرف ایک ہی مرد کو دیکھا ہے اور وہ ہیں میرے بابا۔ اپنے بابا کا چہرہ پڑھتے پڑھتے ایک دن مجھے احساس ہوا کہ میں تو ہر کسی کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔ اُس دن جب آپ نے اپنا نام غلط بتایا تو میں نے آپ کے اندازِ تخاطب سے یہ جان لیا تھا کہ آپ اپنا نام درست نہیں بتا رہے ہیں، اور یہ جاننا کہ آپ استنبول کے رہنے والے نہیں ہیں .... تو کسی کے لیے مشکل نہیں کیونکہ آپ کی زبان اہل استنبول سے قدرے مختلف ہے۔"

صوفیہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ شیراز کے اُس سوال کا جواب دیا۔ جو اُس نے باہر صحن میں صوفیہ سے کیا تھا۔ وہ صوفیہ کی جانب پلٹا:۔

"بہت خوب! .... آپ کی یہ صلاحیت منفرد ہے۔ صوفیہ! سچ پوچھیے! ..... تو میرے پاس الفاظ نہیں، جو آپ کے فن کی خوبیوں کا احاطہ کر سکیں۔ آپ واقعی باکمال مصورہ ہیں۔ آپ کے رنگوں کا استعمال! .... یقین کریں فطرت، اگر دنیا کو بنانے سے پہلے اس میں رنگ آمیزی کے لیے آپ کی خدمات ..... حاصل کر لیتی تو دنیا اسقدر بھیانک اور بدصورت نہ ہوتی۔"

شیراز نے جذبات سے لبریز لہجے میں کہا۔ نہ جانے اُس کی آنکھوں میں چمکنے والی چیز کیا تھی؟ اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

Marfat.com

''صوفیہ! میں بہت برا آدمی ہوں۔ آپ کو مجھے اپنے گھر کا پتہ نہیں دینا چاہیے تھا۔ میں آپ کو کسی تکلیف میں دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا۔''

شیراز نے صوفیہ کی طرف پیٹھ کر کے نہ چاہتے ہوئے بھی اصل بات کہہ ڈالی۔ اب شیراز کو نتیجے کا انتظار تھا۔ اسی اثناء میں صوفیہ نے کہا۔

''میری طرف دیکھیے!......آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔''

صوفیہ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ شیراز تڑپ کر اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

''نہیں! نہیں ....ایسی کوئی بات نہیں، میں بتانے ہی والا تھا۔ میرا نام شیراز ہے.... احمد شیراز۔ میں مقدونیہ کا رہنے والا ہوں۔''

شیراز کے انداز پر صوفیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''دیکھا!..........میں نے کہا تھا نا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ زیادہ دن تک مجھ سے اپنا نام نہیں چھپا پائیں گے۔ اب بتایے!.........آخر آپ کو اپنا اصلی نام بتانا ہی پڑ گیا۔''

''ہاں!.........بے شک آپ کی بات درست تھی۔''

شیراز نے مختصر جواب دیا۔ اسی اثناء میں صوفیہ نے پھر ایک ایسی بات کہی کہ شیراز کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ اُس نے کہا:۔

''شیراز!.........مجھے معلوم ہے کہ آپ مفرور ہیں، قانون سے بھاگ رہے ہیں، سچ سچ بتایئے کیا ایسا نہیں ہے؟''

شیراز کی حالت عجیب تھی۔ وہ زبان سے کچھ نہ بولا، بس پھٹی پھٹی نظروں سے صوفیہ کی جانب دیکھتا رہا، صوفیہ کہہ رہی تھی:۔

''شیراز!..........کوئی ایسا ویسا خیال، مت لایئے دل میں۔ میں نے صرف قیافے قائم کیے ہیں۔ آپ کی پنڈلیوں اور گھٹنوں کے زخم دیکھ کر تو کوئی بھی اس طرح کے اندازے لگا سکتا ہے۔''

شیراز دم بخود کھڑا، اُسے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے صوفیہ نے پھر کہا:۔

''لیکن گھبرایئے مت!.........آپ کے چہرے پر اتنا موٹا موٹا لکھا ہوا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ آپ کی فطرت میں برائی نہیں، اور یہ کہ آپ بے گناہ ہیں۔''

صوفیہ کے چہرے پہ پیار بھری مسکراہٹ رقص کر رہی تھی، جبکہ شیراز ششدر کھڑا اُس کی

Marfat.com

باتیں سن رہا تھا۔یکا یک شیراز نے کہا:۔

"جو کچھ بھی ہو بہر حال آپ،غیر معمولی چھٹی حس کی مالک ہیں ۔ مجھے تو آپ سے ڈر لگنے لگا ہے۔"

شیراز نے اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہا اور پاس رکھے موڑھے پر بیٹھ گیا:۔

"ارے،ارے! اب میں اتنی بھی بدصورت نہیں ہوں کہ آپ مجھ سے ڈرنے لگیں۔"

صوفیہ نے مذاق کیا،شیراز ہنس دیا۔پھر بولا:۔

"کپتان صاحب روز اتنی دیر کے لیے ورزش کرنے جاتے ہیں کیا؟۔"

"بابا اس وقت یوگا کرتے ہیں، آتے ہی ہوں گے ابھی ، کیوں؟ کیا آپ سچ مچ مجھ سے ڈرنے لگے ہیں؟"۔

صوفیہ کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھلی ہوئی تھی۔شیراز بھی مسکرا دیا:۔

"صوفیہ!...... جب آپ کو معلوم ہے کہ میں مفرور، مجرم ہوں تو آپ نے مجھے پناہ دے کر اپنے لیے مصیبت کیوں مول لی؟۔"

"ہم نے کوئی مصیبت مول نہیں لی ، آپ باصلاحیت نوجوان ہیں، اور اس صلاحیت کش معاشرے میں بے گناہ کسی چکر میں پھنسا دیئے گئے ہیں ۔ہم نے آپ کو پناہ دے کر نیکی کی ہے۔ ہمارا ضمیر مطمئن ہے"۔

اسی اثناء میں کپتان الفانسو،چھڑی لہراتا ہوا، کمرے میں داخل ہوا۔شیراز اُس کے احترام میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔صوفیہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی ۔ کپتان الفانسو کا قد چھ فٹ سے کم نہیں تھا، وہ سینہ تان،اور گردن اٹھا کر چلتا تھا۔ کپتان کی بڑی بڑی، آنکھوں میں عقابی چمک تھی ۔اُس کے سر کے تمام بال سلامت اور برف کی طرح سفید تھے ،لیکن اس کی چال میں جوانوں جیسی مستعدی تھی ۔ بڑے بڑے مضبوط ہاتھ اور لمبی لمبی انگلیاں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ ایک مایہ ناز سپاہی رہا تھا۔حالانکہ کپتان الفانسو،اس وقت تک زندگی کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکا تھا۔

"شیراز بیٹا!..... اب کیسی طبیعت ہے ۔صوفیہ نے تو باتیں کر کر کے تمہارا ذہن تھکا دیا ہوگا۔ابھی تمہیں مزید آرام کی ضرورت ہے۔"

"جی ....اب میں بالکل ٹھیک ہوں ۔آپ کی دواؤں نے جادوئی اثر دکھایا۔اب مجھے درد بھی نہیں ہوتا۔ مجھے لگتا ہے ،میں مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا ہوں۔ میں تو دعا کرتا ہوں۔

Marfat.com

اللہ آپ جیسا مسیحا ہر کسی کو دے۔"

صوفیہ اور کپتان الفانسو اب خوشی سے مسکرا رہے تھے۔

"بیٹھو!.........تم لوگ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں، پھر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"

شیراز اور صوفیہ پھر بیٹھ گئے۔ شیراز کے چہرے پر بشاشت تھی۔ وہ واقعی بے حد خوش تھا لیکن اُس کے دل میں ایک ہی فکر تھی کہ سکندر پاشا کا کیا بنا ہوگا۔ اُسے کل سے کسی بات کی کوئی خبر نہیں تھی۔ شاہی دستے کے سپاہیوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے ایک دہشت گرد کو گرفتار کیا ہے کیا وہ سکندر پاشا کی بات کر رہے تھے۔ شیراز کے دل میں صرف سکندر پاشا سے متعلق بے حد پریشانی تھی، کیونکہ اگر سلطانی دستے نے سکندر کو سردار ڈوگاسا کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا تو پھر سکندر کو سزائے موت ملنا ناگزیر تھی، اور یہی بات شیراز کے دل میں ترازو کی طرح کھبی ہوئی تھی۔ صوفیہ بھی کمرے سے باہر جا چکی تھی۔ وہ صبح کا کھانا، چننے گئی تھی۔ اُس کے بابا صبح کی سیر سے لوٹ آئے تھے اور یہی اُن کے کھانے کا وقت تھا۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں یورپین طرز کے دستر خوان، یعنی میز اور کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ شیراز نے کل سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ گذشتہ شب بیماری کی وجہ سے وہ کچھ نہیں کھا سکا تھا، اور صرف دودھ پی کر سو رہا تھا لیکن اب ناشتے کی میز پر بھنی ہوئی مچھلی دیکھ کر اُس کی بھوک چمک اُٹھی۔ اُس نے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب معلوم نہیں.......آپ نے مچھلی لذیذ انداز میں بنائی ہے یا مجھے بھوک زیادہ لگی ہے۔ بہر حال کھانا بہت مزیدار ہے۔"

صوفیہ کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔ کپتان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رینگ رہی تھی:۔

"ہمیں بھوک ہوتی ہے، تب ہی ہم کسی کھانے کو لذیذ کہتے ہیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو عمدہ کباب بھی اچھے نہیں لگتے۔ تمہیں بھوک بہت لگی ہوگی، اِس لیے کھانا تمہیں لذیذ لگ رہا ہے۔"

صوفیہ نے مصنوعی غصہ سے اپنے بابا کی جانب دیکھا۔

"کیوں بابا!.........کیا میں کھانا کم مزیدار بناتی ہوں؟"

کپتان کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"نہیں بیٹی!........کھانا تو بہت مزیدار ہے۔ میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا۔ تم

Marfat.com

تعریف سن کر اتنی ہی خوش ہوتی ہوتو میں ایک بار پھر کہہ دیتا ہوں کہ کھانا بہت لذیذ ہے......بس!''۔

صوفیہ جھینپ گئی،لیکن شیراز نے فوراً اُس کا دفاع کیا:۔

''کپتان صاحب!........تعریف سننا،تو الوہیاتی عمل ہے ۔خدا بھی اپنی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے ۔اُس نے یہ ساری کائنات ،اسی لیے ہی تو بنائی ہے کہ وہ خود کو دیکھ سکے ۔ظاہر ہے خود کو وہ انسانوں کی آنکھوں سے ہی دیکھتا ہے۔ہم اس وقت .....انتہائی سلیقے سے بیٹھے کھانا کھارہے ہیں تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم انسان ہیں۔ہم نے اپنے ماضی کو بھلا دیا ہے،اور اب انسان بننے کے بعد ہم نے نئے طور طریقے سیکھ لیے ہیں۔وہ خصلتیں جوانسان کا خاصہ ہیں،اختیار کرتے ہوئے ہمیں خوش ہونا چاہیے،نہ کہ غمزدہ''۔

کپتان نے شیراز کی بات ختم ہونے پر کہا:۔

''لیکن ،تعریف سننے کا عمل ....روحانی حیثیت کا حامل نہیں ہوسکتا ۔یہ خود کو احساسِ تحفظ دلانے کا ایک بہانہ ہے۔تعریف سننے والا،خود کو تحفظ کا جھوٹا احساس دلا کر تسلی حاصل کرنا چاہتا ہے،کہ میں ابھی موجود ہوں۔میں فطرت کی گونا گونی میں گم نہیں ہوا۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ ایک انسان کو اپنے ہونے کا احساس ستائے ،چاہے وہ کسی طرح سے بھی ہو۔اسی کو معرفتِ نفس کہتے ہیں۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جانور اپنی تعریف سن کر خوش نہیں ہوسکتے ۔یہ اعزاز صرف بنی نوع انسان کے حصے میں آیا ہے۔البتہ یہ بات آپ کی درست ہے کہ تعریف کا سننا احساسِ تحفظ کو تسکین دینا ہے۔اور اس لحاظ سے تعریف اچھی چیز نہیں کہ ....احساسِ تحفظ کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے؟ ۔اِس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تعریف سننے والا اپنی موت سے خوفزدہ ہوتا ہے ۔جو کہ نہیں ہونا چاہیے۔''

صوفیہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا:۔

''تعریف ،تکلف کا دوسرا نام ہے۔جب دو انسانوں کے درمیان ہر قسم کی دیواریں گر جاتی ہیں اور تکلفات باقی نہیں رہتے تو تعریف کا وجود بھی ختم ہوجاتا ہے ۔وہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے بھی ہیں،تو انہیں اچھی نہیں لگتی ۔میں تو سمجھتی ہوں کہ تکلف ،انسانی ذوق کے لیے زہر قاتل ہے اور تکلف کا سب سے بڑا علمبردار سماج خود ہوتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتی ہو!........کیا انسان کو تہذیب اور سماج کی ضرورت نہیں؟''

Marfat.com

کپتان الفانسو نے اپنی بیٹی کو گھورتے ہوئے کہا۔شیراز، کپتان کے انداز سے بہت محظوظ ہوا۔ یوں لگتا تھا، گویا ان ، باپ بیٹی کے درمیان ہر وقت اِس طرح کی بحثیں چلتی رہتی تھیں۔صوفیہ مزید سنجیدہ ہو کر کہنے لگی:۔

''انسان کو انسانیت کی ضرورت ہے، سچائی کی ضرورت ہے، امن کی ضرورت ہے، شانتی کی ضرورت ہے ، اور سب سے بڑھ کر علم کی ضرورت ہے ۔لیکن ابھی تو انسان ، پیٹ کے مسائل سے ہی چھٹکارا حاصل نہیں کر پایا۔ ہمارے ارباب دانش، ایوانوں میں بیٹھ کر سیاست کے مہروں سے کھیلتے رہتے ہیں ،لیکن انہیں یہ کہاں معلوم ہو سکتا ہے کہ بھوکے، پیٹ سونے والے بچے رات رات بھر سو نہیں پاتے۔ ان کے والدین حزن و ملال کی دلدل میں غوطے کھاتے رہتے ہیں۔ساہوکار بھی دیکھنے میں انسان ہی ہوتے ہیں لیکن وہ دوسرے انسانوں سے روٹی چھین کر خوش ہوتے ہیں۔اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل کر لینے کی ہوس غیر فطری ہے۔اس طرح معاشرہ بگڑتا ہے، بنتا نہیں ہے۔ہم نے سینکڑوں تہذیبیں ، بیسیوں مذاہب اور ہزاروں سماج بدل لیے ،لیکن ہم زمین پر انسان کے مسائل حل نہ کر سکے .... اگر اسی کا نام تہذیب ہے تو پھر انسان کو اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے .... اس سے تو بہتر تھا انسان جنگلوں میں ہی رہتا۔''

صوفیہ کی بات اتنی صاف تھی کہ شیراز اور کپتان الفانسو دونوں خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرا دیے۔

کھانا کھانے کے بعد شیراز نے کپتان الفانسو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

''چچا جان!........میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟..........کہو کہو!............میں سن رہا ہوں''۔

''میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں حکومت کا مجرم ہوں ۔میں نے سردار ڈوگا سا کا قتل کیا ہے؟۔''

شیراز نے بغیر کسی تمہید کے اپنے بارے میں یکا یک بتا دیا۔صوفیہ اور کپتان بری طرح چونکے۔دونوں باپ بیٹی نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھا۔وہ دونوں خاموش ہو چکے تھے۔شیراز کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ کپتان الفانسو ابھی اُس کے خلاف ہو جائے گا۔اور اُسے گھر سے نکال دے گا۔لیکن تھوڑی دیر بعد شیراز کی خوشی کی

Marfat.com

انتہاء نہ رہی جب الفانسو نے کہا۔

''اچھا!.....تو تم ہو، جس نے ڈوگاسا جیسے ناپاک انسان کو ختم کیا ہے۔تم نے بہت اچھا کیا۔جس دن ڈوگاسا قتل ہوا تھا، میں نے صوفیہ سے کہا تھا کہ جس کسی نے بھی ،اس بدفطرت ساہوکار، کا خاتمہ کیا ہے،وہ ضرور کوئی اچھا انسان ہے۔ میں ڈوگاسا کو گذشتہ بیس سال سے جانتا ہوں ۔اُس کا تمام دھن کالا ہے۔اب میری نظر میں تمہاری قدر اور زیادہ ہوگئی ہے۔شیراز میں نے اپنی زندگی میں ''سود'' سے زیادہ ظلم کوئی نہیں دیکھا۔یہ انسانیت کا سب سے غلیظ پہلو ہے ۔اس کے مقابلے میں ،غلامی، بزدلی، قتل وخونریزی، لڑائی جھگڑا ....سب چیزیں ہیچ ہیں ۔تم نے بہت اچھا کیا۔تم گھبراؤ مت ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔تم میرے گھر میں محفوظ ہو۔اب مجھے تمہاری کہانی سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔میں چاہوں گا کہ تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتادو۔''

شیراز کی توقع کے برعکس، کپتان الفانسو نے شیراز کو برا بھلا کہنے کی بجائے ....ڈوگاسا کے قتل کی وجہ سے سراہا تھا۔یہ شیراز کے لیے بے پناہ خوشی کی بات تھی۔صوفیہ کے چہرے پر بھی خوشی اور مسرت کے رنگ تھے۔چنانچہ شیراز نے ایک طویل سانس لی اور اپنی آپ بیتی کپتان الفانسو اور صوفیہ کے سامنے بیان کرنا شروع کردی۔

♦......♦

Marfat.com

پراسرار گھڑسوار

اب باسفورس کے پتھریلے ساحل پر دوڑتے ہوئے اُس کی سانسیں کبھی نہ پھولتی تھیں۔ پہلے پہل جب کپتان الفانسو نے اُس کی تربیت کا آغاز کیا تھا تو وہ بوڑھے کپتان کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا۔ شروع میں وہ بے حد تھکتا تھا، لیکن اب وہ عادی ہو چکا تھا۔ گزشتہ ایک ماہ سے وہ کپتان الفانسو جیسے ماہر جنگجو سے شمشیر زنی اور دوسرے فنون کی تربیت لے رہا تھا۔ جنوری ۱۱۷۱ء کا مہینہ بیت چکا تھا۔ یہ تمام عرصہ شیراز نے کپتان الفانسو کے گھر میں گزارا تھا۔ استنبول سے سات میل کی مسافت اور باسفورس کے اِس ویران ساحل پر اُسے کسی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کپتان الفانسو نے شیراز کی کہانی سننے کے بعد شیراز کو از خود تربیت دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ شیراز کے اِس فیصلے سے بے حد خوش ہوا تھا کہ شیراز اپنی باقی زندگی، ساہوکاروں کے خاتمے میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ کپتان الفانسو نے شیراز سے وعدہ کیا کہ وہ اُسے، تمام تر جنگی فنون میں ایسا ماہر بنا دے گا کہ اکیلا شیراز، بڑی سے بڑی فوج کے ساتھ ٹکرا جانے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرے گا اور کپتان نے اگلے دن ہی اپنے فیصلے پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ تربیت کا ایک مہینہ مکمل ہونے پر شیراز خود کو دنیا کا بہترین، شمشیر زن تصور کرنے لگا تھا۔ کپتان الفانسو نے شیراز کو ایسے ایسے خفیہ داؤ اور ایسے ایسے محیر العقول فنون سے روشناس کروایا تھا کہ شیراز دنگ رہ گیا۔ چند ہی دن میں شیراز خود کو ایک مضبوط اور بہادر سپاہی سمجھنے لگا۔

شیراز کی تربیت میں یوگا کی مشق بھی شامل تھی۔ کپتان نے کہا تھا کہ "ایک مکمل سپاہی کے لیے گوریلا تربیت کا ہونا بھی اشد ضروری ہے، اور گوریلا تربیت صرف اُسی صورت ممکن ہے، جب تم خود پر جبر کر سکو۔ دشمن کی قید میں اذیتیں برداشت کر سکو"۔ شیراز نے بڑے شوق سے تمام فنون سیکھنے شروع کیے تھے اور اُس نے اب تک کپتان الفانسو کے سامنے خود کو ایک ہونہار اور قابل شاگرد ثابت کیا تھا۔ اس عرصہ میں شیراز اور صوفیہ کے درمیان ایک نیا رشتہ جنم لے چکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے۔ پہلے پہل تو کئی روز تک وہ ایک دوسرے کو

Marfat.com

"آپ، جناب" کہہ کر پکارتے رہے، لیکن پھر دھیرے دھیرے اُن کے درمیان سے تکلف کی دیواریں اُٹھتی چلی گئیں۔اُن کے درمیان روز، بحثیں ہوتی تھیں۔اکثر بحثوں میں کپتان الفانسو خود شریک ہوتا تھا۔صوفیہ شیراز کو اتنا چاہنے لگی تھی کہ اب اُس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی اُس نے کبھی نہ کیا تھا۔شیراز بھی جب تک صوفیہ کو دیکھ نہ لیتا اُسے سکون نہ ملتا۔اب تو وہ اِس گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔ایک ماہ کا عرصہ اُس نے یہاں گزار دیا تھا۔

پہلی مرتبہ جب شیراز نے کپتان الفانسو کو اپنی کہانی سنائی ،تو کپتان نے اُسی وقت ضروری اقدامات، سرانجام دینے کا عزم کرلیا تھا،جن میں سب سے اہم ،سکندر پاشا کی خبر حاصل کرنے کا کام تھا۔کپتان الفانسو اگلے روز ہی از خود شاہی محل کی جانب گیا تھا۔اُس نے قصرِ سلطانی میں سن گن لینے کی کوشش کی تھی۔تب یہ جان کر اُسے صدمے کا جھٹکا لگا کہ سکندر پاشا سچ مچ گرفتار ہو چکا تھا۔اس پر مستزاد یہ خبر تھی سکندر پاشا کو سلطان کا حکم ثانی جاری ہونے تک انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔کپتان الفانسو سکندر پاشا کی پریشان کن خبر لے کر واپس گھر پہنچا تھا۔ شیراز کے لیے یہ ایک دردناک صورتحال تھی۔اُسے معلوم تھا کہ سردار ڈوگا سا کے قاتل کو پھانسی کی سزادی جائے گی۔شیراز بری طرح گھبرا گیا۔اب وہ ہر قیمت پر سکندر کو بچانا چاہتا تھا،لیکن یہ بظاہر ناممکن دکھائی دیتا تھا۔کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سکندر کو کس قید خانے میں بند کیا گیا ہے۔ شیراز ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

وہ شام اُن تینوں کے لیے بے حد اداس تھی۔وہ تینوں سر جوڑ کر بیٹھے یہی طے کرنے کی کوشش کررہے تھے کہ آخر سکندر پاشا کو رہائی دلانے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔معاً کپتان الفانسو کے دل میں ایک خیال نے جنم لیا اور اُس نے شیراز سے کہا:۔

"تم نے کہا تھا کہ سکندر پاشا کا باپ کوہ بلقان کا ایک قبائلی سردار ہے۔کیوں نہ ہم سکندر کے باپ کو اِس بات کے لیے تیار کریں کہ وہ اپنے ساتھ دیگر مسلمان قبائلی سرداروں کو ملاکر اپنے بیٹے کو سلطان سے براہِ راست چھڑانے کی کوشش کرے۔"

شیراز کو یہ تجویز بے حد پسند آئی ۔ چنانچہ اگلے روز ہی کپتان الفانسو نے اپنے اکلوتے ادھیڑ عمر ملازم کو کوہ بلقان کی طرف روانہ کردیا۔شیراز نے خود جانا چاہا،لیکن کپتان نے اُسے منع کردیا اور کہا......کہ سکندر کی گرفتاری کے بعد تمہارا اُس کے گاؤں جانا ٹھیک نہ ہوگا۔اِس وقت حکومت کے جاسوس ہر جگہ تمہاری بو سونگھتے پھر رہے ہونگے۔اور پھر سکندر کا گاؤں

Marfat.com

.........سردار ڈوگاسا کے پڑوس میں تھا۔ وہاں سچ مچ شیراز کے لیے خطرہ تھا کیونکہ سردار ڈوگاسا کا بیٹا ......بترو، ابھی زندہ تھا اور جب سے اُس کا ساہوکار باپ ہلاک ہوا تھا، بترو، نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنالیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کو ہر قیمت پر تلاش کر کے رہے گا۔ اِن حالات میں واقعتاً شیراز کا اُس علاقے میں جانا درست نہیں تھا؛ چنانچہ کپتان الفانسو نے اپنے ادھیڑ عمر ملازم کو کوہِ بلقان کی جانب روانہ کر دیا۔ ملازم کے پاس شیراز کا خط تھا جو اُس نے کپتان الفانسو کے مشورے سے لکھا تھا، لیکن جب چند دن بعد ادھیڑ عمر ملازم واپس لوٹا تو اُس نے یہ خوشخبری سنائی کہ ....سردار خالص پاشا پہلے سے ہی انہیں خطوط پر سوچ رہے تھے۔

سردار پاشا نے اپنے اردگرد کے مسلمان سرداروں کو جمع کیا اور سلطان سے ملنے کے لیے استنبول آئے۔ سلطان کے لیے کوہِ بلقان کے آزاد مسلمان سردار بھی کم اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ آخر یہی لوگ تو تھے ....جو وقتاً فوقتاً سلطان کو اپنے جوانوں کے ذریعے فوجی امداد مہیا کرتے تھے، چنانچہ سرداروں کے اصرار پر سلطان نے سکندر پاشا کو رہا تو نہ کیا البتہ یہ وعدہ کر لیا کہ وہ سکندر کو سزائے موت نہیں دے گا۔ لیکن اُس نے یہ کہہ کر، سکندر کو مزید گرفتار رکھنے کا فیصلہ کیا کہ اگر فوری طور پر سکندر کو چھوڑ دیا گیا تو عیسائی رعایا کے بھڑک اُٹھنے کا اندیشہ ہے۔ سلطان کی بات معقول تھی، لیکن سردار خالص پاشا بضد تھے کہ.........سکندر پاشا کے جرم کو قبائلی قوانین کی رو سے دیکھا جائے۔ اُن کا مؤقف تھا کہ سردار ڈوگاسا کے ساتھ اُس کے قبیلہ کی قدیمی دشمنی ہے اور اُس دشمنی کے حوالے سے حکومتِ استنبول کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ سکندر کو گرفتار کرتی۔ سردار پاشا اور دیگر قبائلی سرداروں کی اس دلیل پر شاید سلطان، اُن کی بات مان جاتا کہ درمیان میں رئیس آفندی عمر نے ٹانگ اڑا دی۔ اُس نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ سکندر نے یہ قتل استنبول میں کیا ہے اور اس لحاظ سے اِس قتل کا فیصلہ قبائلی قوانین کی رو سے ہونا غیر قانونی بات ہے۔ سلطان احمد ثالث کو رئیس آفندی عمر کی بات نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، اور بنتی ہوئی بات بگڑ گئی تھی۔ اس کے علاوہ سلطان کو دیگر عمائدین سلطنت کے اصرار کا بھی سامنا تھا۔ چنانچہ سلطان نے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ سکندر پاشا کو سزائے موت کی بجائے سزائے قید دی جائے گی۔

جس روز سردار خالص پاشا اور دیگر قبائلی، قصرِ سلطانی میں سلطان سے ملنے کے لیے آئے

Marfat.com

تھے، اُسی روز شیراز بھی خالص پاشا سے ملنے کے لیے استنبول گیا تھا۔ اُس نے کپتان الفانسو کے مشورے پر ایسا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن یہ ایک انتہائی خفیہ ملاقات تھی۔ جس کا بندوبست خود کپتان الفانسو نے کیا تھا۔ وہ دونوں ایک سرائے میں ملے تھے۔ شیراز نے سردار خالص پاشا کو تمام واقعات پھر سے سنائے اور اِس بات پر معذرت کا اظہار کیا کہ سکندر اُس کی وجہ سے گرفتار ہوا، لیکن سردار خالص پاشا نے ایسی بات کہنے پر شیراز کو بہت ڈانٹا۔ سردار خالص پاشا نے کہا تھا۔

''تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ سکندر کی طرح تم بھی میرے بیٹے ہو۔ تم بے فکر ہو جاؤ، سکندر کو کچھ نہیں ہوگا۔ ہم سلطان پر ایک ماہ بعد پھر دباؤ ڈالیں گے اور مجھے یقین ہے کہ اُس وقت وہ انکار نہیں کر پائے گا۔ دراصل آج بھی ہم کامیاب ہو جاتے، لیکن رئیس آفندی عمر نے کام بگاڑ دیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔''

تب شیراز نے کہا۔

''کیا آپ کی ملاقات سکندر سے ہو چکی ہے؟۔ سنا ہے اُس کو کسی خفیہ جیل میں رکھا گیا ہے۔''

''نہیں اب وہ خفیہ جیل میں نہیں ہے۔ شروع شروع میں اُسے کسی خفیہ مقام پر رکھا گیا تھا۔ لیکن اب وہ شاہی زندان میں ہے۔ میں اُس سے مل چکا ہوں۔ وہ بالکل بھی پریشان نہیں ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے پریشان تھا کہ نہ جانے تم کہاں ہو، لیکن میں نے اُسے بتا دیا کہ تم خیریت سے ہو۔ شیراز! تمہارے لیے ابھی، کپتان الفانسو کے پاس رہنا ہی مناسب ہے۔ تم اُس کے پاس تربیت حاصل کرو۔ وہ بہت ہی ماہر جنگجو ہے، میں اُس کے ہمراہ ایک دو معرکوں میں شریک ہو چکا ہوں۔ لیکن غالباً اُسے یاد نہیں ہوگا۔ یہ بہت پرانی بات ہے۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن ہوں۔''

شیراز نے خالص بابا سے ملنے کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو روانہ ہونے سے پہلے خالص بابا سے کہا:۔

''بابا!........ آپ تو یقیناً اپنی حویلی میں ہی ٹھہرے ہونگے۔ حویلی کے ملازم ''ایلام'' کے ذمہ سکندر پاشا نے ایک اہم کام سونپ رکھا تھا، وہ ایک عرب خاندان کی دیکھ بھال کا کام تھا، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ایلام اِس دوران اپنے فرض سے غافل تو نہیں رہا؟۔''

Marfat.com

شیراز کی بات سن کر خالص بابا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں!........ یہی سوال، آج زندان میں مجھ سے سکندر نے بھی کیا تھا، تب میں نے حویلی پہنچتے ہی، ایلام سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے فرائض بخوبی نبھا رہا ہے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔ میں خود کل اُس عرب خاندان سے ملنے جاؤں گا۔ مجھے سکندر نے کہا تھا کہ میں اُن کے گھر ضرور جاؤں۔"

خالص بابا کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ جسے شیراز فوری طور پر نہ سمجھ سکا، لیکن معاً اُس کے ذہن میں جھماکہ ہوا اور وہ حقیقت حال سے واقف ہوگیا۔ تب اُس نے فوراً کہا:

"کہیں آپ میری منہ بولی بہن طاہرہ کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ تو نہیں رکھتے؟ اگر ایسا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ میں تو پہلے ہی یہی سوچ رہا تھا۔ مجھے اِس شادی کی سب سے زیادہ خوشی ہوگی۔"

یقیناً یہی بات تھی۔ سردار خالص پاشا نے طاہرہ کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ یہی سوچ کر ہی خوش ہو رہے تھے کہ ایک عرب لڑکی اُن کے خاندان کی بہو بنے گی۔

شیراز بڑی احتیاط کے ساتھ سرائے سے واپس آیا۔ سرائے سے کچھ فاصلے پر صوفیہ موجود تھی۔ وہ شیراز کا انتظار کر رہی تھی۔ اور پھر غروب آفتاب سے کچھ دیر بعد وہ دونوں اپنے مکان پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن شیراز کے دل میں خلش تھی۔ وہ سکندر پاشا کو قید سے رہا کرانا چاہتا تھا۔ سکندر اُس کی وجہ سے زندان میں پڑا، سڑ رہا تھا اور یہی بات تھی جو شیراز کے دکھ کا باعث تھی، لیکن شیراز نے تمام تر پریشانیوں کو بھلا کر اپنی توجہ........ تربیت کی طرف مبذول کرلی۔

اور اب وہ کپتان الفانسو کی سخت تربیت کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ آج شیراز کی تربیت کو ایک مہینہ پورا ہو چکا تھا۔ اِس دوران شیراز پھر کبھی شہر کی جانب نہ گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ، باسفورس کے ویران ساحلوں پر صوفیہ کے ساتھ گھومنے جاتا تھا۔ وہ دیر تک چٹانی ساحل کے سنگریزوں پر ٹہلتے رہتے۔ کبھی کبھی وہ پیروں سے جوتے نکال کر، چٹانوں سے سر ٹکراتی ہوئی موجوں کے بیچوں بیچ بیٹھ جاتے اور دیر تک مختلف موضوعات پر بحث کرتے رہتے۔ جب سے اُن کے درمیان اظہار محبت کی نوبت آئی تھی، اُن کا موضوع زیادہ تر محبت ہی ہوتا تھا۔ محبت کے موضوع پر شیراز کی سوچ بہت پاکیزہ تھی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ محبت میں ایک دوسرے کو چھو لینے کی خواہش، محبت کو تجسیمی بنا دیتی ہے۔ جس سے محبت کی روحانی قدر و قیمت میں

Marfat.com

کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن یہی چھو لینے کی آرزو ہے جو محبت کو زندہ رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے اِس آرزو کا ہونا چنداں برا نہیں لیکن اِس آرزو کی تکمیل محبت کی نفاست میں کمی کر دیتی ہے۔

شیراز کا ایک مہینہ گزر گیا، لیکن اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ اپنی تربیت میں اس قدر مصروف رہا کہ اُسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چل سکا اور اب وہ خود کو اِس قابل تصور کر رہا تھا کہ وہ اپنی تحریک کا آغاز کر سکتا، لیکن اس سارے عرصہ میں ایک ہی بات اُسے بار بار ستاتی رہی اور وہ یہ کسی طرح وہ سکندر کو رہائی دلانے میں کامیاب ہو سکے۔ وہ تو چاہتا تھا کہ سکندر کو شاہی جیل توڑ کر نکال لائے، لیکن اُسے خود خالص بابا نے اپنی ملاقات میں یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ وہ ایک ماہ تک دوبارہ سلطان سے ملنے کے لیے آئیں گے۔ چنانچہ شیراز ایک مہینہ گزرنے کا بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک بالآخر ایک مہینہ گزر گیا۔ لیکن خالص بابا نہ آئے، اور نہ ہی اُن کا کوئی پیغام ہی شیراز تک پہنچا۔ اور پھر ایک دن .... ایک دن ......

ایک دن یہ بری خبر شیراز کے کانوں سے ٹکرائی کہ خالص بابا کو سردار ڈوگاسا کے بیٹے بترو...... نے اپنے باپ کے انتقام میں شہید کر دیا ہے۔ یہ خبر شیراز پر کسی توپ کے گولے کی طرح برسی تھی۔ کافی دیر تک تو وہ خود کو سنبھال نہ سکا۔ یہ خبر بھی، اُس نے اڑتی اڑتی سنی تھی۔ اُس کے پاس کسی کا پیغام نہیں پہنچا تھا۔ بس، کپتان الفانسو کا وفادار ملازم ''سائمن'' ایک روز حسبِ معمول سودا سلف کے لیے استنبول گیا، تو اُسے کہیں سے یہ خبر سننے کو ملی تھی۔ اب شیراز کی حالت کسی زخمی شیر سے مشابہہ تھی۔ خالص بابا شہید ہو چکے ؒ، اُن کا جوان اکلوتا بیٹا، جیل میں تھا، اور اِس سب کچھ کا ذمہ دار، شیراز تھا۔ کم از کم شیراز خود اسی طرح سوچتا تھا۔ وہ پوری رات، شیراز نے اپنے کمرے میں ٹہل کر گزاری تھی۔

اور پھر کچھ روز تک، شیراز بہت چپ چپ اور غمزدہ سا رہا۔ کپتان الفانسو نے اُس سے کئی مرتبہ پوچھا، لیکن وہ ہنس کر ٹال گیا۔ حالانکہ کپتان بھی جانتا تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے، لیکن کپتان جان بوجھ کر چپ تھا۔ وہ شیراز کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے۔ حسب معمول ایک رات شیراز اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ نہ جانے رات کے کس پہر اُس کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اور شیراز چونک گیا۔ اِس وقت کون ہو سکتا تھا۔ شیراز کو یہاں کوئی خطرہ تو تھا نہیں، چنانچہ اُس نے دستک دینے والے سے کچھ پوچھے بغیر ہی دروازے کی زنجیر ہٹا دی۔ اُس کے سامنے صوفیہ کھڑی تھی۔

Marfat.com

”تم ابھی تک سوئے نہیں!........میں ابتدائے شب سے دیکھ رہی ہوں کہ تم کمرے میں ٹہل رہے ہو!........کیا بات ہے۔کیا میں تمہاری پریشانی میں کچھ مدد کرسکتی ہوں۔“

شیراز، صوفیہ کی بات سن کر حیران ہوا۔

”تم ابتدائے شب سے مجھے دیکھ رہی ہو؟اس کا مطلب ہے کہ تم بھی نہیں سوئیں۔کیوں، تم کیوں نہیں سوئیں؟اور پھر تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں ٹہل رہا تھا۔میں بڑے آرام سے بیٹھا، سوچ رہا تھا۔“

شیراز نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا، وہ صوفیہ کو زچ کرنا چاہتا تھا۔لیکن صوفیہ آسانی سے مات کھانے والی نہیں تھی، فوراً بولی:۔

”جھوٹ!........سفید جھوٹ، تم ٹہل رہے تھے۔میں نے خود تمہیں ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اب شیراز سچ مچ حیران ہوا۔

”تم نے مجھے ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے؟........یہ کیسے ہوسکتا ہے، کمرے کا دروازہ تو اندر سے بند تھا؟۔“

”بند تھا تو کیا ہوا؟کیا انسان صرف انہی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا کہ تم پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہے ہو۔چنانچہ میں یہ سوچ کر چلی آئی کہ کہیں تم چل چل کر ہمارے کمرے کا فرش ہی نہ گھسا دو۔“

صوفیہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی، تو شیراز جیسے گھائل ہی تو ہوگیا۔اُسے صوفیہ کے مذاق کا انداز بہت بھاتا تھا۔خاص کر جب اس طرح کی کوئی بات کرتے ہوئے، وہ اپنے نچلے ہونٹ کو، دانتوں تلے دباتی، تو شیراز کا دل مچل کر رہ جاتا۔شیراز نے صوفیہ کی بات سنی تو دل ہی دل میں اُس کی محبت سے رشک کرنے لگا، کیونکہ وہ سچ مچ ٹہل رہا تھا اور یہ بڑے اچھنبے کی بات تھی کہ وہ شیراز کی کیفیت کو بغیر دیکھے ہی جان گئی تھی۔معاً شیراز کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر اُسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لے، لیکن وہ ایسی جرأت نہ کرسکا۔البتہ صوفیہ اُس کے دل کی کیفیت بھانپ گئی، اور شرارت سے بھرپور لہجے میں بولی:۔

”محبت میں ”چھونے“ کی آرزو، تجسیمیت کو پیدا کرتی ہے، جبکہ تجسیمیت میں محبت کی روحانیت کالعدم ہوجاتی ہے۔یہ بہتر ہے کہ ایسی آرزو ہو، کیونکہ یہی آرزو محبت کو زندہ

Marfat.com

رکھتی ہے۔لیکن ایسی آرزو کی تکمیل ،محبت کے خاتمے کا باعث بن جاتی ہے.........کچھ ایسا ہی فرماتے ہیں نا......آپ؟۔''

صوفیہ نے شیراز کے سامنے شیراز کا ہی فلسفہ دہرا دیا۔گویا وہ شیراز کے دل کا چور پکڑ چکی تھی اور اب اُسے زچ کرنا چاہتی تھی۔لیکن شیراز کو اپنا پڑھایا ہوا سبق یاد آیا تو سچ مچ اُس کے دل میں پیدا ہونے والی خواہش دب گئی ،اور اُس نے بھی اُسی انداز میں صوفیہ کو جواب دیا:۔

''بہت اچھا کیا......کہ یہ سبق مجھے یاد دلا دیا،ورنہ آج تو مجھ سے بھول ہی ہو جاتی۔بہت بہت شکریہ،اور اب تم اپنے کمرے میں جاؤ.......یہ بہت بری بات ہے،رات کے اس لمحے کسی نوجوان لڑکی کا اس طرح کسی لڑکے کے کمرے میں آنا۔شاباش اب تم جاؤ۔''

اتنا کہہ کر شیراز نے دروازہ بند کرنا چاہا تو صوفیہ نے دروازے کے کواڑ میں پاؤں رکھ کر اُسے بند ہونے سے روک دیا،اور کسی قدر سنجیدہ انداز میں کہنے لگی:۔

''لیکن میں ایسے نہیں جاؤں گی۔پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کیا منصوبے بنا رہے تھے۔کیا سکندر کو جیل سے فرار کرانا چاہتے ہو۔یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ،میرے پاس ایسی زبردست ترکیب ہے کہ تم حیران رہ جاؤ۔''

صوفیہ نے ایک خاص انداز میں منہ بناتے ہوئے بات کی ،لیکن شیراز اُس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔وہ بدستور اپنے کہے ہوئے پر اڑا رہا:۔

''اچھا،ٹھیک ہے تم اِس وقت جاؤ،میں صبح تم سے وہ حیران کن ترکیب سن لونگا اور اُس پر ضرور عمل کرونگا۔''

شیراز نے اپنے پیر سے اُس کا پیر ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی ،بلکہ زور دے کر کہنے لگی:۔

''میں سچ کہتی ہوں،تم میری بات سنو تو سہی!.........''

لیکن شیراز جانتا تھا کہ وہ مذاق کے ''مذاق'' میں ہے،چنانچہ وہ نہ مانا ،البتہ وہ دروازے ہٹ آیا۔شیراز کے پیچھے پیچھے ،صوفیہ کمرے میں داخل ہوئی۔دونوں کچھ دیر تک خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔پھر شیراز نے ہی بولنے میں پہل کی:۔

''اچھا بتاؤ! کیا ترکیب ہے۔جلدی بتاؤ،مجھے بہت سخت نیند آئی ہے۔''

''نیند!........ٹھیک ہے،تم سو جاؤ!میں تمہارے خواب میں آکر بتا دونگی۔''

Marfat.com

صوفیہ کی طبیعت کا رنگ ابھی تک ویسے کا ویسا ہی تھا۔ بالآخر شیراز نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... محترمہ اچھا! ہمیں نیند نہیں آئی۔ اب آپ بتا دیجیے وہ ترکیب۔ آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔"

اور پھر صوفیہ سچ مچ شیراز کو ایک منصوبہ سمجھانے لگی۔ پہلے پہل تو شیراز نے کوئی دلچسپی نہ لی، لیکن یکدم اُسے متوجہ ہونا پڑا۔ صوفیہ سچ مچ ایک قابل عمل منصوبہ پیش کر رہی تھی۔ شیراز جوں جوں سنتا گیا، حیران ہوتا گیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اِس قدر آسانی کے ساتھ وہ سکندر کو سلطان کی جیل سے باہر نکال سکتا ہے۔ وہ صوفیہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ سچ مچ وہ صوفیہ کے ذہن سے بے حد متاثر ہو رہا تھا۔ اُس نے بے اختیار آگے بڑھ کر صوفیہ کو شانوں سے تھام لیا۔

"سچ سچ بتاؤ...... یہ سب کچھ تم نے خود سوچا ہے؟۔ اتنی اچھی ترکیب تو میں بھی نہیں سوچ سکا۔"

اُس کے چہرے پر اشتیاق تھا، اور اُس کی آنکھوں میں حیرت لہرا رہی تھی۔ صوفیہ کی منصوبہ بندی میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے کے بعد اُن، دونوں نے فیصلہ کیا کل صبح ہوتے ہی، وہ اپنی حکمتِ عملی کپتان الفانسو کو سنائیں گے۔ کیونکہ آخری اور حتمی فیصلہ تو کپتان الفانسو کا ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ کچھ دیر بعد صوفیہ، چلی گئی اور شیراز آج کئی روز بعد سکون سے سونے کی تیاری کرنے لگا۔

مار دھاڑ کے داؤ پیچ تو اُس کی تربیت کا بنیادی حصہ تھے۔ دُوبدُو مقابلہ سے لے کر پلک جھپکنے میں حملہ کر کے گردن توڑنا، مضبوط سے مضبوط جسم کے مالک مدمقابل پر قابو پانے کے داؤ پیچ کے علاوہ روشنی سے تاریکی اور تاریکی سے روشنی میں اچانک حملہ کرنے اور حملہ سے بچنے کی خصوصی مہارت وہ حاصل کر چکا تھا۔ اس کا بدن چٹان کی طرح مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ اور اُس کے اعضاء میں بجلیاں سی دوڑنے لگی تھیں۔ الفانسو نے اُسے استنبول کی نواحی پہاڑیوں میں ہر قسم کا اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت بھی دینا شروع کر دی تھی۔ کپتان الفانسو نے اُسے اذیتیں برداشت کرنے کی اتنی مشق کروائی کہ بعض اوقات وہ سچ مچ چیخنے لگتا۔ کپتان الفانسو نے اُسے دست بدست لڑائی کا ایک ایسا نایاب داؤ سکھایا کہ شیراز دنگ رہ گیا۔ یہ

Marfat.com

بڑے سے بڑے جغادری، لڑاکے کو ایک ہاتھ کی ضرب سے زمین چاٹنے پر مجبور کرنے کا انتہائی عجیب داؤ تھا۔ اُس کی تربیت ایک انتہائی مشاق گوریلے کی تربیت تھی۔ اسی تربیت اور تگ ودو میں ایک مہینہ گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا۔

اس دوران قابل ذکر واقعہ یہ پیش آیا کہ اُس کی زندگی ایک، نئے ذائقے سے روشناس ہوئی۔ صوفیہ کی محبت نے پوری طاقت سے اُس کے دل ودماغ پر قبضہ کرلیا۔ وہ شیراز، جس کی زندگی ایک پل صراط پر سے گزر رہی تھی جسے آئندہ دنوں میں خوشحال زندگی کی کوئی امید نہ تھی، سہانے سپنے دیکھنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو بچھڑے ہوئے معاشرے میں دوبارہ سے داخل کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔ حالانکہ اُس کی زندگی تلوار کی نوک پر دھری تھی لیکن وہ اپنے آپ کو صوفیہ کی سیاہ زلفوں سے چھڑا نہ سکا تھا۔ صوفیہ کی ذہانت نے شیراز کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا اور اس کے حسن بلاخیز نے اُسے، اس کا دیوانہ کر رکھا تھا۔

صوفیہ، الفانسو کی بیٹی تھی۔ مصوری اس کا شوق تھا لیکن اسے اپنا شوق پورا کرنے کے لیے وقت بہت کم ملتا تھا۔ زیادہ وقت وہ گھر کے دیگر کاموں میں صرف کرتی تھی۔ اپنی ذہانت کے بل پر اس نے مدتوں میں ملنے والا تجربہ چند سالوں میں حاصل کرلیا تھا۔ اس کی بنائی ہوئی تصویریں، اپنی حیثیت میں یکتا تھیں۔ اس کے چہرے کے طلسمی نقوش میں کچھ ایسی ساحرانہ کشش تھی جیسے مصر کی کوئی حسین شہزادی اپنے اہرام کی دیوار توڑ کر نکل آئی ہو۔ وہ خود کسی ایسے مشاق مصور کا شاہکار تھی جس کی مہارت کی داد دینے کے لیے مشرق ومغرب کی تمام حسیناؤں کا چڑھاوا نا کافی تھا۔ وہ کبھی اثبات میں سرہلاتے ہوئے تیزی سے پلکیں پٹپٹاتی تو شیراز کو اپنے وجود کے عمیق سمندر میں غرق کرلیتی۔ شیراز اس کو اپنے بدن کا حصہ محسوس کرنے لگا تھا۔

شیراز نے، اسے اپنی آنکھوں سے چھلکنے والے محبت کے نور کی نورانی زبان سے یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ وہ جنون کی حد تک اسے چاہنے لگا ہے۔ اس کی ذہانت اور عرفان پر شیراز کو پورا بھروسہ تھا۔ الفانسو کی جہاں دیدہ نظریں اُن دونوں کے جذبات کی منہ زور تحریریں پڑھ چکی تھیں۔ اُس نے شیراز اور صوفیہ کے لیے دعاؤں سے لبریز نگاہوں کے دروازے وا کر رکھے تھے۔ وہ کئی بار اپنی گفتگو میں شیراز کی قابلیت، ہمت اور جنون کو داد دیتا اور اشاروں میں اس بات کا ذکر بھی کرتا، کہ اسے، کسی ایسے ہی جوان کی ضرورت تھی جس کی زندگی کا ہر پل

Marfat.com

کڑے سے کڑے امتحان سے گزر چکا ہو۔ شیراز اُس کی امنگوں پر صحیح معنوں میں پورا اتر رہا تھا۔ کپتان الفانسو نے اپنے شب وروز، شیراز کے لیے وقف کر دیئے تھے۔ شیراز نے بھی اُس کے معیار پر پورا، اترنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ یہ تمام وقت شیراز نے استنبول کی پولیس سے چھپ کر گزارا تھا۔ اول تو اُسے شکل سے کوئی سپاہی پہچانتا ہی نہیں تھا، اس پر مستزاد یہ تھا کہ شیراز جب بھی کبھی باہر کے لیے نکلتا تو اپنے حلیے میں ممکن حد تبدیلی کرلیا کرتا تھا۔ ان ایام میں اُسے شہر کے وسطی علاقوں میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی اور اگر ایسا کبھی ہوا بھی تھا تو اُس نے انتہائی مہارت سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

گھر سے نکلے ہوئے شیراز کو کافی وقت ہو چکا تھا۔ اب تو اُسے، اپنوں کے چہرے بھی بھولتے جا رہے تھے۔ زندگی نے گزشتہ ایام میں اتنے پلٹے کھائے کہ اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ کبھی کبھار اُسے، ماں اور بہن کی یاد آتی تو اُس کا دل بھر آتا۔ اب اُس نے اپنی آپی کے غم سے بھی سمجھوتہ کرلیا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ نورین کی یاد جب اُسے آتی تو وہ بے حال ہو جاتا۔ اُس کا بے گناہ قتل اور رسوائی شیراز کو چین سے سونے نہ دیتی۔ وہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ پہلے سے زیادہ خطرناک بنتا جا رہا تھا۔ کپتان الفانسو کی تربیت نے اُس کے بدن میں پارہ بھر دیا تھا۔ اب وہ اپنے من میں استقلال کی وہ شکتی محسوس کرنے لگا تھا جس نے اُسے ایک تعلیم یافتہ، لیکن بے ضرر لڑکے سے ایک آہنی چٹان بنا دیا تھا۔ الفانسو اُس کی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ اس پر صوفیہ کا ساتھ، مستزاد تھا۔ اُن کے جذبے صادق اور خیالات پاکیزہ تھے۔ صوفیہ؛ شیراز کے بلند کردار سے، بہت زیادہ متاثر تھی۔ شیراز نے اُسے تنہائی کے لمحات میں کبھی چھو کر، محسوس کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

♦ ...... ♦

شہر کے مغربی دروازے کا رخ خشکی کی جانب تھا۔ استنبول کے باقی تینوں اطراف میں سمندر کا پانی فصیل شہر سے محض چند گز کے فاصلے پر تھا، چنانچہ شہر کا سب سے بڑا دروازہ مغربی ہی تھا۔ یورپ سے آنے والے تمام سیاح اور مسافر اسی دروازے سے شہر میں داخل ہوتے تھے۔ البتہ استنبول کے شمالی دروازہ میں زیادہ تر تاجروں اور سوداگروں کی آمد ورفت دکھائی دیتی تھی۔ یہ دروازہ گولڈن ہارن کے سامنے کھلتا تھا۔ گولڈن ہارن ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس میں آبنائے باسفورس کا پانی بھرا رہتا تھا۔ قدیم بازنطینی حکمرانوں نے یہ شہر آباد کرتے وقت

Marfat.com

اِس کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا تھا۔ یہ جھیل آبنائے باسفورس کے ساتھ منسلک تھی، ایک طرح سے آبنائے کا ایک سینگ نکل کر شہر کے شمال میں بڑھ آیا تھا۔ اِسی مناسبت سے اِسے گولڈن ہارن (سنہرا سینگ) کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

مغربی دروازہ، شہر کا صدر دروازہ تھا، کیونکہ اِس طرف دور دور تک خشکی ہی خشکی تھی اس کے علاوہ استنبول کا کوئی اور قابل ذکر دروازہ نہیں تھا کیونکہ جنوب اور مشرق کی جانب سمندر کا پانی تھا۔ ا؎ صدر دروازے کے دونوں ستونوں پر مضبوط حفاظتی برج استادہ تھے۔ شہر کا صدر دروازہ صبح ہوتے ہی کھول دیا جاتا تھا۔ مسلح پہرے داروں کا ایک چاک وچوبند دستہ ہمہ وقت صدر دروازے میں متعین رہتا۔ اِس دستے کے سپاہیوں کا چناؤ کرتے وقت ....ایک بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ صدر دروازے میں متعین سپاہیوں کی نظر .....عقابی اور اُن کی قوتِ تفتیش مثالی ہو، کیونکہ دن بھر شہر میں داخل ہونے والے اجنبیوں پر نظر رکھنا اِس دستے کے فرائض میں شامل تھا۔

ایک صبح، صدر دروازے میں متعین دستہ کے سالار کی آنکھوں نے ایک ایسے گھڑسوار کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا، جس کی حرکات وسکنات اُسے مشکوک لگی تھیں۔ دستہ سالار کے کان کھڑے ہوگئے۔ شہر میں داخل ہونے والا اجنبی کوئی، دور دراز کا مسافر تھا۔ دستہ سالار نے فوری طور پر گھڑسوار کو آواز دے کر روک لیا:۔

"نوجوان !........ برا نہ منانا، یہاں سے گزرنے والے ہر شخص پر نظر رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ تم کہاں سے آرہے ہو۔"

لیکن اجنبی نوجوان، دستہ سالار کے پکارنے سے ہی بری طرح گھبرا گیا تھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ آنِ واحد میں ہلدی کی طرح زرد ہوگیا، اور خوف سے اُس کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کوئی بڑا جرم کر کے آیا ہے۔ دستہ سالار کے دماغ نے گھنٹی بجائی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ مزید سخت لہجے میں اجنبی گھڑسوار سے دوبارہ مخاطب ہوا۔

"سنا نہیں تم نے !.......میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟"

ا؎ موجودہ استنبول کافی بڑا ہے، یہ دونوں ساحلوں پر آباد ہے یعنی ایشا کے ساحل پر اس کا مشرقی حصہ آباد ہے جبکہ یورپ کے ساحل پر مغربی حصہ، درمیان میں آبنائے باسفورس ہے۔ پرانا استنبول اب نئے شہر کے بیچوں بیچ دیکھا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اجنبی مسافر ابھی صدر دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ فق تھا اور اُس کے ہاتھوں میں ہلکی ہلکی سی لرزش صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دستہ سالار کا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ پوری طرح مستعد ہو چکا تھا۔ اسی اثناء میں دستہ سالار کے دل میں ایک خیال آیا اور اُس نے اپنی شمشیر یکلخت بے نیام کر لی۔ اب تو اجنبی مسافر کی رہی سہی جان بھی جاتی رہی۔ وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔ انتہائی خوف اور دہشت کے عالم میں چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ اُس کے منہ سے نکلے:۔

''جج جی!.........میں مسافر ہوں۔ جج جی!........مجھے وہ، کسی ....جی میں ابھی .....''

اب تو دستہ سالار کو پکا یقین ہو چکا تھا کہ، ہو نہ ہو، اجنبی مسافر یقیناً کوئی خطرناک مجرم ہے۔ اُس نے فوراً کہا۔

''خبردار! کوئی حرکت مت کرنا، تمہاری تلاشی لی جائے گی۔''

تلاشی کا لفظ دستہ سالار کے منہ پر آیا ہی تھا کہ اجنبی شخص کے اعصاب یکلخت تن گئے اور پھر اِس سے پہلے کہ دستہ سالار اُسے گرفتار کرنے کے لیے اُسے گھوڑے سے اُترنے کا حکم دیتا۔ خوفزدہ نوجوان نے ایک انتہائی عجیب حرکت کی۔ اُس نے اچانک اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی، اگلے لمحے اُس کا گھوڑا، شہر کی طرف منہ کر کے یوں اچھلا کہ دستہ سالار دیکھتا ہی رہ گیا اور اجنبی ....یہ جا وہ جا۔

دستہ سالار نے بھی سستی نہ دکھائی اور اُس کے اشارے پر آنِ واحد میں محافظ دستے کے گھڑسوار سپاہی مفرور کے پیچھے لپکے۔ خود دستہ سالار سے بھی نہ رہا گیا اور وہ انتہائی عجلت سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اگلے لمحے وہ ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ اب مفرور اجنبی کا تعاقب، بڑے بھرپور طریقے سے جاری تھا۔ اُس کے پیچھے چار گھڑسوار تھے، جن کے صحتمند گھوڑے شہر کی سڑکوں پر یوں اُڑتے چلے جا رہے تھے گویا اُن کو پر لگ گئے ہوں۔ مفرور گھڑسوار ابھی اُن کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا، لیکن وہ حیران تھے کہ آخر یہ کون شخص ہو گا جو یوں ڈر کر اُن سے بھاگ نکلا تھا، یقیناً اِس شخص کے پاس کوئی ایسا مواد تھا، جسے چھپانے کے لیے وہ دروازے میں رک کر تلاشی دینے کی بجائے بھاگ نکلا۔

دستہ سالار کا گھوڑا جلد ہی باقی محافظوں کے گھوڑوں کے قریب آ لگا۔ سب سے آگے مفرور گھڑسوار کا گھوڑا تھا اور پیچھے، صدر دروازے کے محافظ سپاہیوں کے یکے بعد دیگرے چار

Marfat.com

گھوڑے، سرپٹ دوڑتے چلے جا رہے تھے۔شہر کی سڑکوں پر بے پناہ دھول اُڑ رہی تھی، اور سڑکوں پر آتے جاتے لوگ ٹھٹھک کر اپنی اپنی جگہوں پر رک چکے تھے، جو بھی اِس تعاقب کو دیکھتا اپنی جگہ یکلخت پتھر ہو جاتا۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔مفرور نوجوان کا گھوڑا اپنی پوری رفتار سے شہر کی جنوبی سمت میں اُڑتا چلا جا رہا تھا۔شہر کی اِس سمت میں قصر سلطانی تھا۔ امرائے سلطنت کی عظیم الشان رہائش گاہیں بھی اِسی جانب تھیں۔ایک طرح سے استنبول کا جنوبی حصہ امراء اور اشرافیہ کے لیے مخصوص تھا۔نوجوان کا گھوڑا اِسی جانب دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ بہت جلد طبقہء اشرافیہ کا علاقہ شروع ہو گیا۔اِس سے آگے عمائدین سلطنت کی بڑی بڑی اور شاندار حویلیاں تھیں۔

مفرور گھڑسوار کا گھوڑا موڑ پر موڑ ....مڑتا چلا گیا، ہر موڑ پر اُس کے گھوڑے کی رفتار دیکھ کر دستہ سالار اور اُس کے ساتھیوں کو یقین ہونے لگتا کہ وہ ....اب گرا، کہ اب گرا، لیکن وہ اُس اجنبی گھڑسوار کی مہارت دیکھ کر حیران ہو رہے تھے ۔آہستہ آہستہ دستہ سالار کے گھوڑے کی رفتار بڑھنے لگی۔اب وہ اپنے ساتھیوں سے کسی قدر آگے نکل آیا تھا۔اُس نے مزید ہمت کی اور اپنے گھوڑے کو ایڑھ پر ایڑھ لگاتے ہوئے، گھڑسوار کے قریب سے قریب تر کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اُس کے عین عقب میں پہنچ گیا۔ دستہ سالار نے برابر اپنی محنت جاری رکھی اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔اب سرکاری عمارتوں کا علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد دستہ سالار کی کوشش کامیاب ہوئی اور اُس کا گھوڑا، مفرور گھڑسوار کے ٹھیک برابر آ پہنچا۔اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔دستہ سالار نے مڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ اُس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ جونہی اُس کا گھوڑا مفرور گھڑسوار کے نزدیک پہنچا اُس نے تلوار سے مفرور گھڑسوار پر وار کر دیا۔

اب مفرور گھڑسوار بھی اپنی تلوار نکال چکا تھا۔ دونوں گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے، ایک دوسرے کے برابر دوڑ رہے تھے۔ دستہ سالار کا گھوڑا اب اپنی پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا۔ مفرور گھڑسوار نے اپنی شمشیر پر دستہ سالار کا وار روکا۔ اُس کے چہرے پر خوف کے گہرے سائے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ دستہ سالار کی نظروں میں مفرور کی قدر و قیمت زیادہ سے زیادہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اُس نے دل میں سوچا کہ اگر وہ اِس نوجوان کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یقیناً خود سلطانِ معظم سے، اُسے انعام ملنے کی توقع تھی۔ اُس نے مزید ہمت

Marfat.com

کی اور اب وہ مفرور پر باقاعدہ حملے کر رہا تھا۔ مفرور نے اُس کے ہر وار کو اپنی تلوار پر انتہائی کامیابی کے ساتھ روکا۔ وہ دونوں یونہی لڑتے لڑتے قصرِ سلطانی کے سامنے نکل آئے۔ یہ ایک کھلی جگہ تھی۔ یکایک دستہ سالار کا ایک وار ٹھیک جگہ پڑ گیا اور اجنبی نوجوان ....کی گردن اُس کے دھڑ سے جدا ہوتے ہوتے رہ گئی، لیکن تلوار کا وار اُسے بائیں کندھے پر پڑا اور اُس کی قمیص پھٹ گئی۔ دستہ سالار نے دیکھا کہ اجنبی نوجوان نے قمیص کے نیچے ایک صدری پہن رکھی تھی۔ جس کے بھاری بھاری جیب دیکھ کر دستہ سالار کی آنکھیں اُس کے جیبوں پر ٹِک گئیں۔ وہ مسلسل تلوار چلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کا ایک اور وار، مفرور نوجوان کے لباس پر پڑا اور مفرور کی قمیص کے نیچے، اُس کی صدری بھی بری طرح پھٹ گئی۔ اُس کی جیبیں کٹ کر لٹک گئیں، اور تلوار کی خراش نے مفرور نوجوان کے پیٹ کا گوشت پھاڑ دیا۔ مفرور نوجوان کے پیٹ سے خون بہنے لگا۔ لیکن وہ برابر نہ صرف اپنے گھوڑے پر جم کر بیٹھا رہا بلکہ اُس نے دستہ سالار کا ہر وار اپنی شمشیر پر روکا۔ اسی اثناء میں اجنبی نوجوان کی صدری کے پھٹے ہوئے جیب سے بعض اشیاء نکل کر نیچے گر پڑیں۔ دستہ سالار نے دیکھا کہ، جیب کی چیزوں کے نیچے گرتے ہی مفرور نوجوان کی حالت غیر ہوگئی۔ اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ دستہ سالار کے مقابلے میں ڈھیلا پڑنے لگا۔ دستہ سالار نے محسوس کیا کہ اُس کی توجہ بٹ چکی ہے۔ اب وہ اپنی تمام تر توجہ لڑائی کی جانب مبذول نہ کر پا رہا تھا۔ اُس کا دھیان اپنی صدری کی جیب سے گرنے والی اشیاء کی جانب مائل ہو چکا تھا۔ دستہ سالار کو یکایک اندازہ ہوا کہ مفرور نوجوان کی جیب سے گرنے والی چیزیں یقیناً غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔

اچانک زخمی نوجوان نے نہ جانے اپنے گھوڑے کو کس طرح کی ایڑھ لگائی کہ، اُس کا گھوڑا، یکلخت فضا میں الف ہوگیا۔ اب مفرور نوجوان کا گھوڑا اپنی پچھلی دو ٹانگوں پر پوری طرح بلند ہو چکا تھا۔ اُس کی پیٹھ پر بیٹھا، نوجواں شاید گھڑ سواری میں بہت ہی طاق تھا، کیونکہ اُس کا گھوڑا الف ہوا تو اُس کا گھوڑے پر سے گرنا یقینی تھا، لیکن وہ گھوڑے کی زین سے یوں چپک گیا، گویا اُسے سب کچھ پہلے سے معلوم تھا۔ دستہ سالار، اُس نوجوان کی اِس بازی گری سے دنگ رہ گیا۔ اب نوجوان، دستہ سالار پر حملے کر رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا جونہی دوبارہ اپنی اصل حالت میں واپس لوٹا، اُس کی شمشیر کا ایک کاری وار، دستہ سالار کی شمشیر پر پڑا۔ دستہ سالار کو اتنے زور دار وار کی ہرگز توقع نہ تھی۔ جونہی، مفرور نوجوان کی بھاری بھرکم شمشیر دستہ سالار کی

Marfat.com

تلوار پر پڑی، سالار کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

اب وہ خالی ہاتھ تھا۔ مفرور گھڑسوار چاہتا تو ایک ہی وار سے اُس کی گردن اُڑا سکتا تھا، لیکن اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ اپنے گھوڑے کو بدستور سرپٹ دوڑائے رکھا۔ اب دستہ سالار اُس کے پیچھے جانے سے کترا رہا تھا۔ اُس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور اپنے پیچھے آنے والے سپاہیوں کو چیخ کر کہا:۔

''خبردار اُسے جانے نہ دینا!............خبردار وہ جانے نہ پائے۔اُس کا تعاقب کرو۔ وہ قصرِ سلطانی کی طرف بڑھ رہا ہے۔تینوں محافظ اپنے گھوڑوں کو ہوا میں اُڑاتے ،مفرور کا تعاقب کرنے لگے،لیکن وہ مفرور اب اُن کے ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ حالانکہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔ اور اُس کے پیٹ کا گوشت پھٹ چکا تھا،لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی سست نہ ہوا۔اُس کا گھوڑا فضا کو چیرتا ہوا،سڑکوں پر سڑکیں مڑتا چلا گیا۔تینوں محافظ کمزور نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ پہلے ہی مفرور سے بہت پیچھے تھے،چنانچہ وہ مفرور کی گرد کو بھی نہ پا سکے اور مفرور نوجوان یکا یک کسی چھلاوے کی طرح اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ کھلی سڑکوں کی بجائے ذیلی گلیوں کی اوٹ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد تینوں محافظ ناکام واپس لوٹ آئے۔

واپسی کے راستے میں وہ جب اُسی جگہ پہنچے جہاں ،مفرور کی صدری کی جیب سے کچھ چیزیں زمین پر گری تھیں،تو یہ دیکھ کر ٹھٹکے کہ اُن کا سالار مفرور کی جیب سے گرنے والی اشیاء کو اُٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ یہ مختلف چیزیں تھیں۔دستہ سالار کے ہاتھ میں ایک ننھی سی پوٹلی تھی،جس میں یقیناً کوئی انتہائی اہم چیز تھی، کیونکہ اُس پوٹلی کو بڑی مضبوطی کے ساتھ بند کیا گیا تھا۔ جونہی دستہ سالار کی نظر واپس آتے ہوئے اپنے سپاہیوں پر پڑی تو اُس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا:۔

''تم ناکام لوٹ آئے؟........کیا تم تینوں مل کر ایک آدمی کو نہیں پکڑ پائے۔لعنت ہے تم پر''۔

لیکن تینوں محافظ کچھ نہ بولے۔یہ سرکاری عمارتوں کا علاقہ تھا۔ اُن کے سامنے قصر سلطانی کی بلند و بالا عمارت سر اُٹھائے کھڑی تھی۔دستہ سالار نے سر گھما کر اپنے چاروں طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر اُس کا دل دہل گیا کہ وہ رئیس آفندی عمر پاشا کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔

رئیس آفندی مملکت کا میر منشی (ہوم سیکریٹری) تھا۔سلطنتِ عثمانیہ کے انتظامی عہدوں میں یہ سب سے بڑا عہدہ تھا۔ دستہ سالار نے خود کو رئیس آفندی کی حویلی کے سامنے پایا تو سہم

Marfat.com

گیا، اور اپنے سپاہیوں سے مزید کچھ کہے بغیر چپ چاپ وہاں سے کھسکنے لگا۔ ابھی تک اُس کے ہاتھ میں وہ پوٹلی ویسے کی ویسے تھمی تھی۔ اُس نے پوٹلی کو ابھی تک نہ کھولا تھا۔ اِس قدر خطرناک گھڑسوار کا تعاقب کرتے ہوئے، اُسے سردیوں کے موسم میں بھی دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اُس کے تینوں سپاہی بری طرح ہانپ رہے تھے۔ خود، دستہ سالار کی اپنی حالت بھی خاصی خراب تھی۔ چنانچہ وہ اُس ننھی سی پوٹلی کو جوں کا توں ہاتھ میں لیے واپسی کی نیت سے مڑا، لیکن اُس نے مڑنے سے پہلے اُپنے سپاہیوں سے کہا:۔

"چلو میرے ساتھ، ہمیں محکمہ دفاع کے افسرِ اعلیٰ کو سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ یہ پوٹلی بھی میں انہی کو دے کر بری الذمہ ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن تم تینوں کا میرے ہمراہ ہونا بہت ضروری ہے۔ میں افسر اعلیٰ کی ڈانٹ نہیں سننا چاہتا۔ تم لوگوں کی وجہ سے وہ خطرناک گھڑسوار فرار ہوا ہے۔ میں نے تو اُسے بری طرح سے زخمی کر دیا تھا تم لوگ تھوڑی سی ہمت سے کام لیتے تو اُسے پکڑنا مشکل نہیں تھا۔ اِس لیے اب تم لوگ خود اعلیٰ افسران، کے سامنے سارا ماجرا سناؤ گے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد صدر دروازے کے محافظ دستے کا سالار اپنے افسران بالا کو تمام ماجرا سنانے کی غرض سے محکمہ دفاع کے دفاتر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

شہر میں پراسرار گھڑسوار کی کہانی گردش کرنے لگی، جو کسی چھلاوے سے کم نہیں تھا۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی نے اُس کا چہرہ اچھی طرح سے نہ دیکھا تھا۔ حالانکہ دستہ سالار نے اُس سے بات کی تھی، لیکن وہ بھی اُس کا حلیہ اچھی طرح سے بیان نہ کر سکا۔ وہ بیان بھی کیسے کرتا، نوجوان نے اپنے سر پر کچھ ایسی عجیب ٹوپی پہن رکھی تھی کہ اُس کا آدھا چہرہ تو ٹوپی کے گرد لٹکنے والی جھالروں نے چھپا لیا تھا۔ دستہ سالار بھی اُس کی شکل اچھی طرح سے نہ دیکھ پایا۔

شہر میں ہر طرف چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ جلد ہی اِس جادوئی گھڑسوار کی کہانی، قصرِ سلطانی کی فصیل عبور کر گئی۔ محل میں ہر ایک کی زبان پر اِسی ہوائی گھڑسوار کا تذکرہ تھا۔ کسی نے اُسے نہ دیکھا تھا، لیکن زیادہ تر لوگ، کہانی کو آگے سے آگے منتقل کرتے وقت، یہی کہہ رہے تھے کہ انہوں نے خود دیکھا۔ جادوئی نوجوان کی داستان چند گھنٹوں میں ہی دیومالائی صورت اختیار کر گئی۔ یہاں تک خود سلطان کے کانوں تک جا پہنچی اور سلطان نے اُسی وقت محافظ دستہ

Marfat.com

کے سالار کو حاضر کرنے کا حکم دے دیا۔

لیکن دستہ سالار تو اُس وقت محکمہ دفاع کے افسرِ اعلیٰ کے دفتر میں موجود، وہ ننھی سی پوٹلی افسرِ اعلیٰ کے سپرد کر رہا تھا، جو اُس نے بڑی محنت اور مشکل سے .... اُس مفرور گھڑسوار سے چھینی تھی۔ افسرِ اعلیٰ نے دستہ سالار کو اُس کوتاہی پر بہت برا بھلا کہا جو اُس نے مفرور گھڑسوار کو پکڑنے میں کی تھی۔ دستہ سالار مسلسل سر جھکائے، افسرِ اعلیٰ کی ڈانٹ ڈپٹ سنتا رہا، لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ افسرِ اعلیٰ نے مفرور کے سامان سے ملنے والی ننھی سی پوٹلی کھولی، جو چمڑے کی بندشوں میں بڑی مضبوطی سے بند کی گئی تھی۔ اُس نے پوٹلی کو کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس میں صرف ایک کاغذ تھا۔ اُس نے منہ بسور کر دستہ سالار کی جانب دیکھا، لیکن اُسی لمحے دستہ سالار نے کہا:۔

''ہوسکتا ہے، یہ کاغذ اہمیت کا حامل ہو۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی خط ہو۔''

دستہ سالار کی بات سن کر افسرِ اعلیٰ نے غصیلی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

''احمق آدمی! .... اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ کوئی خط ہے، لیکن اِسے میں پڑھ نہیں سکتا، یہ انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔''

اب دستہ سالار کا بھی منہ بن گیا۔ اُن دونوں میں سے کوئی بھی اُس خط کو نہ پڑھ سکتا تھا۔ افسرِ اعلیٰ، بس یوں ہی کاغذ کو الٹا پلٹا کر دیکھنے لگا۔

◆ ...... ◆

سلطان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سلطان کے کمرہ، خاص میں موجود ہر شخص کی یہی حالت تھی۔ سب کے سب انتہائی حیرت سے ترجمان کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ترجمان نے ابھی ابھی انگریزی میں لکھا ہوا، مکتوب پڑھ کر سلطان کو سنایا تھا۔ اِس مکتوب کی عبارت ہی ایسی تھی کہ ہر ایک کی آنکھیں شدتِ حیرت سے اتنی پھٹیں کہ اُن کے دیدے پتھر کی طرح ساکت ہو گئے۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ کیا ایسا ہوسکتا تھا؟۔ کیا کوئی مردہ، شخص دوبارہ زندہ ہوسکتا تھا۔ ایک ایسا مردہ، جس کی لاش کو بہت سے لوگوں نے دیکھا ہو۔ جس کی آخری رسوم میں بڑے بڑے عمائدین سلطنت نے حصہ لیا ہو، کیسے زندہ ہوسکتا تھا، لیکن یہ مکتوب اُسی آدمی کی جانب سے لکھا ہوا تھا۔ سلطان احمد ثالث مارے حیرت کے اپنے اردگرد بیٹھے افراد کی جانب تکنے لگا۔

Marfat.com

یکا یک، سلطان کی آواز فضا میں گونجی:۔

"تم میں سے کسی نے اُس کی لاش دیکھی تھی؟"

"جی ہاں!.........سلطانِ معظم!.........میں نے اُس کی لاش دیکھی تھی۔لیکن اب مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے میں اُس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔اُس کی لاش اُس کے گاؤں بھجوائی گئی تھی، اور وہ تابوت میں بند تھا۔غالباً میں نے اُس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش بھی کی تھی،لیکن اُس کے کسی عزیز نے بتایا تھا کہ قاتل نے چہرہ، بُری طرح سے نوچ لیا ہے۔اس لیے چہرہ کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔"

اب سلطان کی پریشانی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔وہ اپنی جگہ پر بار بار پہلو بدلنے لگا۔معاً اُس کے ذہن میں کوئی خیال آیا اور اُس نے ترجمان سے کہا:۔

"ترجمان!.........مکتوب، ایک مرتبہ پھر سے پڑھو! ہم اِسے دوبارہ سننا چاہتے ہیں۔"

انگریزی زبان کے ترجمان نے پُراسرار گھڑ سوار سے ملنے والا خط دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔اُس کی آواز سلطان کے کمرہء خاص میں گونج رہی تھی:۔

"معزز.........دوست!

یہ خط میں مجبوری کی حالت میں تحریر کر رہا ہوں۔شاید تم مجھے پہچان نہ پاؤ، اِس لیے میں تمہیں اصل واقعہ پہلے بتا دیتا ہوں۔میں سردار گھسا ہوں تمہارا پرانا دوست، اور خادم۔

تم سب لوگ یہی سمجھ رہے ہو کہ میں قتل کر دیا گیا ہوں اور میرے قتل کے الزام میں تمہاری حکومت نے سردار خالص پاشا کے بیٹے سکندر پاشا کو گرفتار بھی کر رکھا ہے، لیکن حقیقت اِس طرح نہیں ہے۔ دراصل میں زندہ ہوں اور یہاں روس میں بخیر و عافیت مقیم ہوں۔اپنے قتل کا کھیل میں نے خود کھیلا ہے۔تاکہ حکومت کی نظروں سے میں پوشیدہ بھی ہو جاؤں اور استنبول میں میرے قتل کو لے کر بغاوت بھی اُٹھ کھڑی ہو۔میں اپنے منصوبہ کے مطابق یہاں روس میں ملکہ کیتھرائین کے خادمِ خاص کی حیثیت سے موجود ہوں، اور تم خاطر جمع رکھو!......بہت جلد ملکہ کے بیش بہا خزانے میں تمہارا حصہ بھی پیدا

Marfat.com

ہونے والا ہے۔ میں یہاں ایک اہم ترین ذمہ داری نبھانے کی غرض سے وارد ہوا ہوں۔ جیسا کہ تم جانتے ہو ....کہ زارِ روس اور ملکہ کیتھرائین، خلافتِ عثمانیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے مٹا دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اِس سلسلے میں میری خدمات حاصل کیں اور مجھے اپنے پاس بلا لیا، تاکہ آئندہ جنگ کے دوران میں انہیں استنبول کے صحیح راستے پر ڈال سکوں۔

ملکہ اور زار، کو میں نے تمہاری کارکردگی کے بارے میں بتا دیا ہے اور وہ تم سے بہت خوش ہیں۔ لیکن افسوس کہ میرے قتل پر استنبول میں جو بغاوت ہونے والی تھی، وہ تم اور ہمارے دوسرے ساتھی کامیاب نہیں کرواسکے۔ صرف معمولی سے لڑکے کو گرفتار کروا کے تم لوگوں نے سمجھ لیا کہ تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔ تم جانتے نہیں، اس وجہ سے زارِ روس کا کتنا نقصان ہوا ہے۔

خیر آمدم برسرِ مطلب........اب میری بات غور سے سنو!...زار، کی افواج استنبول پر حملہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار کھڑی ہیں۔ اب ہمیں تم جیسے دوستوں کی اشد ضرورت ہے۔ تم سب سے پہلے تو یہ کام کرو کہ جس طرح بھی ممکن ہو، استنبول شہر میں بغاوت کھڑی کرو، تاکہ سلطان احمد ثالث کی تمام تر توجہ، شہر کے داخلی معاملات کی طرف مبذول ہو جائے۔ زارِ روس، سلطانی افواج کی جانب سے بھی کسی حتمی اطلاع کے منتظر ہیں، جو آج تک تم لوگوں نے اُن تک نہیں پہنچائی۔ حالانکہ تم لوگوں کو اب تک تمہارا وظیفہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ مل رہا ہے۔

اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ اپنی کارکردگی دکھاؤ۔ اب زار کو تمہاری وفاداری کی ضرورت ہے۔ تم اپنے تمام ساتھیوں کو فعال کر دو، اور آج سے اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں تصور کرو۔ بہت جلد میں زار اور ملکہ کے ہمراہ، ایک فاتح کی حیثیت سے استنبول میں داخل

Marfat.com

ہونگا۔تب شہر کے لوگ مجھے زندہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔

اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔خط بہت طویل ہوجائے گا،اِس لیے اسے ختم کرتا ہوں۔میں اِس بات کا ثبوت دینے کے لیے کہ یہ خط میں نے ہی لکھا ہے......خط کے نیچے اپنی مخصوص مہر لگا رہا ہوں، جسے تم اچھی طرح سے پہچانتے ہو۔یہ میں نے اِس لیے کیا تاکہ تمہارے دل میں،میرے متعلق کوئی شک باقی نہ رہے۔

فقط تمہارا دوست

سردار ڈوگاسا"

دوسری مرتبہ خط کا مضمون سننے کے بعد سلطان کے دل میں کوئی شک باقی نہ رہا۔وہ تڑپ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔اگلے لمحے اُس کی بارعب آواز سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔

"سردار ڈوگاسا،زندہ ہے۔اُس نے سلطنتِ عثمانیہ کو دھوکا دیا ہے۔وہ زارِ روس کی افواج کے ہمراہ ایک فاتح کی حیثیت سے استنبول میں داخل ہونے کے خواب دیکھ رہا ہے،اور ہم بے خبر ہیں۔قصرِ سلطانی میں زارِ روس کے جاسوس موجود ہیں،اور ہمیں خبر نہیں۔موت ہمارے چاروں طرف پر پھیلا کر ہماری، پوری سلطنت کو گھیرنے والی ہے اور ہم مطلق بے خبر ہیں۔ افسوس،صد افسوس......اُن غدارانِ وطن پر،جن کے نام یہ خصوصی مکتوب لکھا گیا۔اگر صدر دروازے کے دستہ سالار کی تیز نظر سے وہ مشکوک قاصد نہ گزرتا تو سوچیے !اتنا خطرناک مکتوب شہر کے اندر داخل ہوجاتا۔جس کا نتیجہ صاف ظاہر تھا۔لیکن اب ہم خبردار ہوچکے ہیں۔اب کوئی عیسائی سردار ہمیں دھوکا نہیں دے سکے گا،اور نہ کوئی غدار مسلمان سلطان کی آنکھوں میں دھول جھونک سکے گا۔آپ سب سن رہے ہیں نا!......کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟"

کمرے میں موجود سب افراد،بری طرح خوفزدہ ہوچکے تھے۔سردار ڈوگاسا کا چہرہ تو سچ مچ مسخ کر دیا گیا تھا۔شیراز نے خونخوار عرب لڑکی کو بہت روکا تھا کہ مرے ہوئے شخص پر تلوار چلانا پاگل پن ہے،لیکن وہ زخمی لڑکی اپنے آپ میں نہ رہی تھی۔وہ اندھا دھند سردار ڈوگاسا کے چہرے پر گھاؤ لگاتی چلی گئی تھی۔یہاں تک خود بترو بھی اپنے باپ کی لاش کو نہ پہچان سکا تھا۔اور مکتوب کے نیچے لگائی گئی،سردار ڈوگاسا کی مہر،وہی،انگوٹھی تھی،جو ڈوگاسا کی انگلیاں کٹ جانے کے بعد نیچے فرش پر گر پڑی تھی،وہاں سے نکلتے وقت طاہرہ نے نہ جانے کیا سوچ

Marfat.com

کردہ انگوٹھی اُٹھالی تھی، جو بعد میں شیراز کے کام آئی۔
شیراز کی ترکیب کارگر رہی تھی۔اُس نے پراسرار گھڑ سوار بن کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا، لیکن یہ اُس کا پہلا امتحان تھا، جس میں وہ بہت ہی کامیاب رہا تھا۔صوفیہ کی ترکیب یہی تھی، جسے شیراز نے مزید اضافوں کے ساتھ مکمل کیا تھا، اور سب سے بڑھ کر اچھی تجاویز شیراز کے اتالیق کپتان الفانسو نے پیش کی تھیں۔دو تین روز تک شیراز، صوفیہ اور الفانسو اِس ترکیب پر عمل کرنے کی تیاریاں کرتے رہے۔صوفیہ کے دل میں خدشہ تھا کہ کہیں، شیراز کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے، لیکن کپتان الفانسو شیراز کی کارکردگی سے مطمئن تھا، اُس نے کہا تھا۔
"صدر دروازے کے معمولی محافظ، شیراز کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔شیراز کے بدن میں، میں نے بجلی بھر دی ہے۔صوفیہ بیٹی!.........تم بے فکر رہو۔شیراز خیریت کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئے گا۔اور پھر وہی ہوا، شیراز بڑی احتیاط کے ساتھ، صوفیہ کے گھر واپس لوٹ آیا تھا۔ اُسے کسی نے نہ پہچانا تھا اور نہ ہی کسی نے اُس کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔وہ زیادہ زخمی نہیں تھا۔اگرچہ زخمی ہونا اُس کے منصوبہ کا حصہ نہیں تھا، لیکن شیراز جان بوجھ کر زخمی ہوا تھا تاکہ اُس کے پراسرار قاصد ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔
سلطان نے شام سے پہلے تک سکندر پاشا کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔بہت سے سرکاری افسروں کو اِس خط کے بارے میں ابہام تھا، لیکن سلطان کو کوئی ابہام نہیں تھا۔وہ بے پناہ برہم تھا، اور خط کی تحریر پڑھنے کے بعد سے لے کر اب تک اپنے نزدیک آنے والے ہر شخص کو شک وشبے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔اُسے دراصل اُس شخص کی تلاش تھی، جسے سردار ڈوگاسا نے روس سے خط لکھا تھا، لیکن افسوس کہ سردار ڈوگاسا نے اپنے مکتوب میں اپنے غدار دوست کا نام نہیں لکھا تھا، بلکہ اُسے صرف.........معزز دوست، کہہ کر پکارا تھا۔صدرِ اعظم، بلط جی کو اِس خط کی عبارت پر ذرہ بھر یقین نہ آیا تھا۔بلط جی ایک زیرک اور دانا وزیر اعظم تھا۔وہ اس واقعہ کو تمام پہلوؤں سے دیکھ رہا تھا۔اُسے سردار ڈوگاسا کے دوبارہ زندہ ہوجانے کی خبر ہضم نہ ہورہی تھی، اور یہی ایک شخص تھا، جس کی بات پر سلطان یقین کرسکتا تھا، لیکن بلط جی نے اِس واقعہ کو بھی سلطنت کے حق میں مفید سمجھا اور سلطان سے کچھ نہ کہا۔وہ تو سردار ڈوگاسا کے قاتلوں کو گرفتار کرنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔بلط جی سوچ رہا تھا کہ جس شخص نے بھی، سردار ڈوگاسا کے مرجانے کے بعد اِس حکمتِ عملی کو ترتیب دیا، وہ کوئی انتہائی ذہین شخص ہی نہیں بلکہ، دل

Marfat.com

سے سلطنت کا خیر خواہ ہے، کیونکہ بلط جی .... جس بھی پہلو پر غور کرتا اُسے یہ مکتوب عیسائیوں کے خلاف اور مسلمانوں کے حق میں دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے شک کا اظہار، سلطان کے سامنے مطلق نہ کیا۔ اس کے برعکس بلط جی نے سلطان سے کہا کہ وہ بلقان کے وفادار مسلمان سردار، خالص پاشا کے بیٹے کو رہا کر دیا جائے۔

بلط جی کے مشورے پر سکندر کو فوراً، باعزت بری کر دیا گیا۔ سکندر پاشا حیران تھا کہ آخر ایسا کیا انقلاب آیا، جس کی بدولت اُسے رہا کر دیا گیا، لیکن قید خانے سے باہر آتے ہی اُسے پراسرار مکتوب کی کہانی پتہ چل گئی۔ پہلے تو وہ بے حد حیران ہوا، کیونکہ سردار ڈوگاسا کو اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا تھا اور طاہرہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے، ڈوگاسا کا چہرہ مسخ کر دیا تھا، لیکن بعد میں سکندر پاشا کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ رینگنے لگی، اور اُس نے دل ہی دل میں کہا:۔

''شیراز میاں!......... تم تو استادوں کے بھی استاد نکلے''۔

سکندر پاشا قید خانے سے سیدھا اپنی حویلی، واپس آنا چاہتا تھا، لیکن، قید خانے سے باہر اُس کے لیے ایک اور حیران کن پیغام موجود تھا۔ داروغہء جیل نے اُسے بتایا کہ اُسے صدرِ اعظم بلط جی نے یاد کیا ہے۔ سکندر پاشا کا دل ایک مرتبہ تو زور سے دھڑکا۔ اُس نے سوچا کہیں کوئی اور مصیبت ہی نہ کھڑی ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑنے شروع ہو جائیں۔ بہر حال وہ صدرِ اعظم کا حکم نہ ٹال سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے سیدھا صدارتی محل کا رُخ کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ صدرِ اعظم کے سامنے تھا۔ رات شروع ہو رہی تھی۔

صدر اعظم نے سکندر پاشا سے الگ کمرے میں ملاقات کی۔ سکندر جونہی بلط جی کے سامنے نمودار ہوا۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنے بڑے آدمی سے ملنے جا رہا تھا۔ اُس کے دل میں خوف تھا، نہ جانے بلط جی کیا کہے۔ لیکن صدرِ اعظم نے اُسے انتہائی نرم لہجے میں مخاطب کیا:۔

''تمہیں معلوم تو ہو چکا ہوگا کہ وہ کیا حالات تھے، جن کی وجہ سے سلطان نے تمہاری رہائی کا حکم دیا؟''

صدرِ اعظم کا لہجہ سوالیہ تھا۔ سکندر نے فوراً جواب دیا:۔

''جی ہاں!......... صدرِ مکرم! مجھے رہائی کے بعد داروغہ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

Marfat.com

صدر اعظم ، گہری نظروں سے سکندر کے چہرے پر پیدا ہونے والے آثار کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ سکندر صدر اعظم کی تیز نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے ، ٹپٹا گیا۔ اسی اثنا میں صدر اعظم نے پھر کہا:۔

"نوجوان ! میری ایک بات غور سے سنو!.........بے شک سلطان نے اِس واقعہ پر یقین کرلیا ہے ، لیکن مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اِس واقعہ کی حقانیت پر یقین نہیں آیا۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ وہ پراسرار گھڑسوار ، تمہارا ساتھی تھا ، جس نے ڈیڑھ ماہ پہلے قتل ہونے والے سردار ڈوگا سا کا خط ....صدر دروازے کے دستہ سالار کے ہاتھوں تک پہنچایا۔ کیا تم میری بات کو سمجھ رہے ہو؟"

لیکن سکندر کی حالت تو غیر تھی۔ اُسے اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ یہ تو سچ مچ سر منڈاتے ہی اولے پڑنے والی بات تھی۔ وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ کیا وہ صدرِ اعظم کو سب کچھ سچ سچ بتا دے؟۔ وہ بے حد پریشان ہو گیا۔ بلط جی ، بڑے غور سے سکندر کی حالت ملاحظہ کر رہا تھا۔ سکندر خاموش کھڑا زمین کو گھور رہا تھا۔ اُس کی زبان ، اِس اچانک اُفتاد کے آجانے سے گنگ ہو چکی تھی۔ اچانک اُسے بلط جی کی آواز پھر سنائی دی:۔

"ہو سکتا ہے تم ، اصل حقائق بتانے سے اِس لیے گریز کرو کہ شاید تم پر کوئی زد آپڑے گی۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں اگر چاہتا تو خط پڑھتے ہی سلطان کو اپنے شکوک کے بارے میں بتا دیتا ، لیکن میں سلطنت کا خیر اندیش ہوں ۔ مجھے محسوس ہوا کہ تمہاری رہائی ، سلطنت کے حق میں اور عیسائیوں کے نقصان میں ہے۔ یہی سوچ کر میں خاموش رہا۔ اب اگر تمہیں میری باتوں سے سچائی کی بو آئے ، اور تم ، مجھے سلطنت کا وفادار محسوس کرو ، تو سب کچھ سچ سچ بتا دو ، اور اگر تم محسوس کرتے ہو کہ صدرِ اعظم بھی عیسائیوں کا آلہ کار ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا کہ مجھے اپنے راز میں شامل کرو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم ایسا سوچنے میں حق بجانب ہو گے۔ سلطنت کی ایک ایک اینٹ پر اس وقت زارِ روس اور شہنشاہ آسٹریا کے جاسوس بیٹھے ہیں ، جبکہ ہمارے سلطان انتہائی سادہ دل اور جلد باز ہیں۔ اس لیے میں تمہیں مجبور نہیں کرونگا۔ تم چاہو تو جا سکتے ہو۔"

سکندر کے دل کی حالت بڑی عجیب تھی۔ اُس کا دل کہتا تھا کہ صدرِ اعظم سچ کہہ رہا ہے اور اِسے سب کچھ بتا دینا ہی بہتر ہوگا ، لیکن دماغ کہتا تھا کہ یہ صدرِ اعظم کی چال بھی ہو سکتی ہے ، وہ

Marfat.com

اُس پراسرار گھڑ سوار کو گرفت میں لینے کے لیے کوئی بھی چال چل سکتا ہے۔ سکندر ....ازحد متذبذب ہوگیا،لیکن اُس نے مزید خاموش رہنا.........آداب کے خلاف جانا اور بڑے ادب سے کہنے لگا۔

''محترم صدرِ اعظم !........آپ کا شک درست ہوسکتا ہے،لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسا کچھ میرے ساتھی نے کیا ہے تو یقین جانیے ،اُس نے مجھے بے خبر رکھ کر کیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں تو اُس خط کی حقیقت بھی نہیں جانتا جو ایک پراسرار گھڑ سوار سے پکڑا گیا۔ البتہ میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ سردار ڈوگاسا کو میں نے قتل نہیں کیا۔ میں بے شک سردار ڈوگاسا کے قتل پر خوش ہوں اور یہ بھی سچ ہے کہ میں اُسے قتل کرنا چاہتا تھا۔لیکن افسوس میں اُسے قتل کرنے کی سعادت حاصل نہیں کرسکا۔''

سکندر نے کچھ ایسے طریقے سے سچ بولا کہ بلط جی اُس کی ذہانت پر عش عش کر اُٹھا،سکندر نے سب کچھ سچ سچ کہا تھا۔ اُس نے واقعتاً اپنے ہاتھوں سے سردار ڈوگاسا کا قتل نہیں کیا تھا۔ صدرِاعظم ، سکندر کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا آخر وہ ایک دانا شخص تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش نظروں سے سکندر کی جانب دیکھتا رہا اور پھر بڑے بردبارانہ لہجے میں بولا:۔

''ٹھیک ہے نوجوان !.........تم جا سکتے ہو،لیکن جانے سے پہلے میری طرف سے ایک پیشکش سنتے جاؤ۔ تم جب بھی محسوس کرو کہ تم اسلام کے لیے سچے دل سے کام کرنا چاہتے ہو اور کسی مخلص حاکم سلطنت سے ملنا چاہتے ہو تو تم بے فکر ہو کر میرے پاس آجانا ۔میرے دروازے ہمہ وقت تم جیسے نوجوانوں کے لیے کھلے ہیں ۔تم ایک بہادر باپ کے بیٹے ہو۔ مجھے تمہارے ،باپ کی شہادت کا سن کر بھی بہت دکھ ہوا تھا۔ بہرحال تم مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو۔ یہ میں سچے دل سے کہہ رہا ہوں۔''

اتنا کہہ کر صدرِاعظم بلط جی دو قدم آگے بڑھ کر سکندر کے نزدیک آیا اور اپنا ہاتھ اُس سے مصافحے کے لیے پھیلا دیا۔ وہ سکندر کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ سکندر کے جسم میں کپکپی کی تیز لہر دوڑ گئی۔ صدرِاعظم اُس سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا۔ سکندر نے تیزی سے اپنا ہاتھ بلط جی کے ہاتھ میں تھما دیا اور بڑے احترام سے کہنے لگا:۔

''محترم ،صدرِ اعظم !.........میں آپ کی پیشکش کو ہمیشہ یاد ....رکھونگا،اور ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دونگا جب میں سلطنت کے لیے کچھ کرنا چاہوں اور مجھے آپ کی ضرورت

Marfat.com

پیش آئے۔آپ مجھے ہمیشہ ایک وفادار دوست پائیں گے۔"

سکندر کا ہاتھ بلط جی کے ہاتھ میں تھااور بلط جی بڑے محبت بھرے لہجے میں اس خوبصورت نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سکندر نے بلط جی سے اجازت چاہی اور کہا:۔

"صدرِمحترم!........میں جانا چاہتا ہوں،لیکن میرے دل میں ایک خلش ہے،آپ کو کیسے شک پڑا کہ پراسرار گھڑسوار میرا ساتھی تھا،کیا میں آپ کے شک کی وجہ جان سکتا ہوں؟۔"

اب بلط جی کے چہرے پر بڑی،ذہانت بھری مسکراہٹ تھی:۔

"دراصل خط پر لگی مہر دیکھ کر مجھے شک ہوا۔جس روز سردار ڈوگاسا قتل ہوا تھا تو پولیس کے تفتیشی افسروں نے مجھے بتایا کہ سردار ڈوگاسا کے چہرے کو بری طرح مسخ کیا گیا اور اُس کے ایک ہاتھ کی کچھ انگلیاں بھی کٹی ہوئی تھیں۔ خط پر لگی مہر دیکھتے ہی میرا ذہن فوراً اُن کٹی ہوئی انگلیوں کی طرف چلا گیا۔تب میں نے اصل راز کو پکڑ لیا۔لیکن ایک بات کہوں؟"

بلط جی کے لہجے میں اپنائیت تھی......سکندر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔تب بلط جی نے کہا۔

"تمہارا ساتھی،جوکوئی بھی ہے،بے حد ذہین ہے اور بہادر بھی۔سلطنت کوایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔تم سلطنت کے حالات دیکھ رہے ہو،ہر طرف شور ہو رہا ہے کہ مسلمان گئے۔ کفار کوتو خوشی ہوگی کہ کعبے کے نگہبان دنیا سے نابود ہو جائیں۔"

سکندر کوصدر اعظم کی بات میں سچائی نظر آئی۔وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ صدر اعظم کو سچ سچ بتادے گا،لیکن فوری طور پر اُس نے اپنی حویلی جانے کا فیصلہ کیا۔اُسے امید تھی کہ حویلی میں اُسے اُس کا ملازم،شیراز کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بتائے گا۔اُسے گھر جانے کی جلدی تھی۔ چنانچہ اُس نے اجازت چاہی اور صدر اعظم سے اجازت ملنے کے بعد ....آزادی کا نیا احساس لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔

سکندر کا ملازم ایلام حویلی پر ہی تھا۔وہ کوہِ بلقان سے جلد لوٹ آیا تھا۔اُسے خالص پاشا کی وفات کے موقع پر کوہِ بلقان جانا پڑا تھا لیکن اُسے واپس استنبول آنے کی بھی جلدی تھی۔اُس کے دل میں یہی تھا کہ کسی دن سکندر پاشا رہا ہو کر گھر واپس آئے تو اُسے حویلی میں ہونا چاہیے۔سکندر کی آمد اچانک تھی۔ایلام سکندر کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔وہ ہکا بکا،سکندر کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اُسے اُس کی رہائی پر مبارکباد دے یا اُس کے بابا کی وفات پر اُس کے ساتھ افسوس کرے۔یہ ایک مشکل فیصلہ تھا جو اُسے کرنا تھا۔

Marfat.com

لیکن وہ کوئی فیصلہ بھی نہ کر سکا۔ سکندر نے خود ہی آگے بڑھ کر ایلام کو گلے سے لگا لیا۔ بے ساختہ ایلام کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سکندر، ایلام کے رونے کی وجہ جانتا تھا۔ سکندر خود بھی کئی روز تک آنسو بہاتا رہا تھا، لیکن وہ قید خانے میں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اُسے قید خانے میں اُس کے اہل قبیلہ اور عزیز واقارب ملنے کے لیے آئے تھے، جن سے اُسے خالص پاشا کی شہادت کی اصل خبر ملی تھی۔ بترو، نے خالص پاشا کو دھوکے سے شہید کیا تھا۔ اُس نے اپنی طبیعت کی خباثت کا پورا پورا، اظہار کیا تھا۔ ٹھیک اُس وقت جب خالص بابا ایک ماہ مکمل ہو جانے کے بعد .... استنبول کی طرف اِس غرض سے روانہ ہوئے تھے کہ وہ سلطان سے، سکندر کی رہائی کے لیے دوبارہ بات کریں گے، راستے میں بترو، اپنے بیس ساتھیوں سمیت گھات لگا کر بیٹھا تھا۔ بترو، نے ایک تنگ گھاٹی میں گھیر کر خالص بابا کے آدمیوں کو چاروں طرف سے بندوق کی گولیوں کی زد پر رکھ لیا۔ بارود کی بوچھاڑ خالص بابا اور اُن کے ساتھیوں کی جانب اچانک لپکی اور آن کی آن میں خالص بابا جیسا مردِ میدان، بترو، کے ہاتھوں شہید ہو کر فردوس مکانی ہو گیا۔

خالص بابا کے خاندان کا یہ تیرہواں قتل تھا، جو بترو کے قبیلہ کی طرف سے ہوا تھا۔ بترو کے اِس اقدام سے دونوں قبیلوں میں دوبارہ دشمنی شدت اختیار کر چکی تھی۔ خالص بابا کی وفات کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے، بترو، کے خاندان سے تین آدمیوں کو مار کر اپنے فوری غصے کو ٹھنڈا کر لیا تھا۔ خالص بابا سے پہلے اُن کے چار بیٹے، جوان العمری میں ہی اِس دشمنی کی نظر ہو چکے تھے۔ سکندر، خالص بابا کی آخری اولاد تھا۔

تمام تفصیلات بتانے کے بعد ایلام نے سکندر سے کہا۔

"سکندر پاشا! .... میں آپ سے منت کرتا ہوں کہ آپ پہاڑی پر نہ جایئے گا۔ اِس وقت خالص بابا کے خاندان سے صرف آپ ہی بچے ہیں۔ اب اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کے خاندان کا نام ہی مٹ جائے گا۔"

لیکن سکندر نے ایلام کو بڑا عجیب جواب دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا:۔

"ایک سچے مسلمان کا ایمان اپنا خاندان بچانا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے دین کو بچانا مقدم سمجھتا ہے۔ بترو، ہمارے دین کا ایسا دشمن ہے، جس کا باپ ہمارے مرکزِ خلافت کی تباہی اور بربادی کا خواہاں تھا اور اب اُس کی جگہ بترو، نے سنبھال لی ہے۔ چنانچہ بترو کا خاتمہ بھی ضروری ہو گیا

Marfat.com

ہے۔اور پھر میں اگر تمہارا مشورہ مان لوں، تب بھی تو موت سے چھپ نہیں سکتا۔بترو، اگر مجھے قتل کرنا چاہے تو یہ کام وہ قبیلے کی بجائے استنبول میں زیادہ آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ مجھے اپنے قبیلہ میں تو جانا ہی پڑے گا۔لیکن ابھی مجھے یہاں کچھ کام ہیں، میں اُن کو نمٹا کر ہی یہاں سے جاؤں گا۔اچھا تم یہ بتاؤ، شیراز کی کوئی خیر خبر ہے تمہارے پاس؟''

سکندر نے ایلام کو مطمئن کرنے کے بعد اُس سے سوال کیا، ایلام کو اچانک کچھ یاد آیا اور وہ تیزی سے اندرونی کمرے کی طرف دوڑتا چلا گیا۔سکندر بھی اُس کے پیچھے تھا۔کچھ دیر بعد ایلام باہر آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک مختصر خط تھا۔اُس نے وہ خط سکندر کو تھماتے ہوئے کہا:۔

''آج ہی ایک ادھیڑ عمر شخص یہ ملفوف خط دے کر گیا ہے، اور اُس نے مجھ سے کہا کہ آپ جس وقت بھی رہا ہو کر آئیں، سب سے پہلے آپ کو یہ خط دے دیا جائے۔لیکن میں فوری طور پر آپ کو بتانا بھول گیا تھا۔''

سکندر نے جلدی جلدی خط کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔یہ شیراز کا خط تھا۔

''سکندر !.............آزادی مبارک ہو!.......مجھے معلوم تھا کہ تم آج رہا ہو کر گھر آ جاؤ گے۔میں ابھی کچھ دن پوشیدہ ہی رہنا چاہتا ہوں لیکن میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔تم کل دن کے وقت مجھے باسفورس کے کنارے ملو، شہر سے پانچ میل شمال کی طرف، صنوبر کے جھنڈ میں، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ باقی باتیں ملاقات پر کریں گے۔اجازت چاہتا ہوں۔

فقط تمہارا دوست، علی پاشا۔''

شیراز نے اس مختصر خط میں اپنا اصل نام نہیں لکھا تھا، لیکن شیراز کا خط دیکھ کر سکندر کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔اُس کے دل کی ساری کلفت جاتی رہی، اور اب وہ اپنے بابا کی یاد سے پیدا ہونے والی اداسی کی دلدل سے باہر آ چکا تھا۔آج ڈیڑھ ماہ کی اسیری کے بعد سکندر کی پہلی رات تھی، جو وہ آزادی کے ساتھ اپنے گھر میں گزارنے والا تھا۔

◆ ...... ◆

رئیس آفندی کے گھر میں سازشیوں کا اجلاس جاری تھا۔یہ بظاہر ایک مختصر دعوت تھی۔ جو رئیس آفندی عمر پاشا کی طرف سے سفیرِ برطانیہ کو دی گئی تھی۔لیکن اِس دعوت میں اُن لوگوں کو

Marfat.com

بلایا گیا تھا، جو سردار ڈوگاسا کے مکتوب سے متذبذب تھے۔ سازشیوں کا گروہ حیران تھا کہ آخر سردار ڈوگاسا پھر سے زندہ کیسے ہو گیا اور پھر.......... اُس نے استنبول میں اپنے کس دوست کے نام خط لکھا تھا۔ آج اس اجلاس میں ایک اور ہستی بھی شریک تھی، جو سفیر برطانیہ کی ذاتی مہمان تھی، اور سردار ڈوگاسا کے قضیہ کے سلسلے میں ہی استنبول وارد ہوئی تھی۔ یہ مادام تھروشیا تھی۔ اُس کا بیٹا کلاڈیوس بھی اِس اجلاس میں شریک تھا۔

اجلاس کی پہلی نشست دعوت پر مشتمل تھی، جس میں سب کے سامنے رئیس آفندی نے اپنے خیالات کا کھل کر اظہار نہ کیا تھا لیکن دعوت کے اختتام پر جب سب لوگ چلے گئے اور آخر میں سفیر برطانیہ سٹن اور مادام تھروشیا رہ گئے تو، رئیس آفندی نے ان لوگوں کو کچھ دیر کے لیے روک لیا اور اب پانچ سازشیوں کا خفیہ اجلاس جاری تھا۔ رئیس آفندی، سفیرِ برطانیہ، مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کے علاوہ اِس اجلاس میں نائب صدر اعظم عثمان پاشا بھی شریک تھا۔ یہ بھی غداران سلطنت میں سے ایک کردار تھا۔ گفتگو کے آغاز میں رئیس آفندی نے کہا:۔

"میں اِس بات کو تسلیم کرنے کیلیے تیار نہیں کہ سردار ڈوگاسا زندہ ہے اور، روس میں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم میں سے کسی نہ کسی کو ضرور خبر ہوتی۔ ہم پانچ افراد کے علاوہ چھٹا کوئی شخص نہیں جو سردار ڈوگاسا کا قریبی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ ہم کسی سازش کا شکار ہو چکے ہیں اور اب تو سلطان اتنا برہم ہے کہ وہ کسی بھی شخص پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اُس نے تین دن پہلے اُس لڑکے کو بھی رہا کر دیا ہے، جس نے سردار ڈوگاسا کو قتل کیا تھا اور اِس وقت سکندر پاشا اپنی حویلی میں بڑے آرام کے ساتھ مقیم ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہ انہی، قاتلوں میں سے کسی ایک کا کام ہے جنہوں نے سردار ڈوگاسا کو قتل کیا۔"

سب لوگ رئیس آفندی کی بات نہایت غور سے سن رہے تھے۔ رئیس آفندی کی بات ختم ہوئی تو مادام تھروشیا نے کہا:۔

"یہ بات تو سوچنے کی بھی نہیں کہ سردار ڈوگاسا قتل نہیں ہوا۔ میں آپ کو بتاتی ہوں، اصل صورتحال کیا ہے، جس کسی نے بھی سردار ڈوگاسا کو قتل کیا، اُسی نے اُس کے چہرے کو مسخ کیا، اور اُسی نے اُس کی مہر والی انگلیاں کاٹ ڈالی۔ قاتل نے سردار ڈوگاسا کی مہر اپنے پاس رکھی اور پھر اُسی مہر کی مدد سے یہ خط لکھا گیا، لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جو ہم سلطان کے سامنے ثابت نہیں کر سکتے۔ اِس لیے اب ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ ہمیں سردار

Marfat.com

ڈوگاسا کے قاتلوں کی سازش کو یوں آرام سے برداشت نہیں کرنا چاہیے۔''

مادام تھروشیا کے چہرے پر حسبِ معمول غصہ تھا۔سفیر برطانیہ نے مادام کی بات سن کر کہا۔

''ہمیں ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے ،جس سے ہم میں سے کسی پر شک آئے ۔ ہمارا دشمن بہت شاطر ہے۔اُس نے ڈوگاسا کے نام نہاد مضمون میں ایسی باتیں لکھیں،جن کی وجہ سے اب سلطان ہر دوسرے تیسرے شخص پر شک کرنے لگا ہے۔ایسے حالات میں ہمیں کچھ دنوں کے لیے خاموشی سے بیٹھ جانا چاہیے۔''

لیکن مادام تھروشیا نے اُس کی بات کاٹ دی۔

''نہیں، ہم خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتے۔ میں مقدونیہ میں ایک بہت بڑی بغاوت کے لیے فضا تیار کر چکی ہوں،اور اِن حالات میں اُن معمولی لڑکوں کی وجہ سے میں اپنے کیے کرائے پر پانی نہیں پھیر سکتی۔ مجھے ہر قیمت پر اُن لڑکوں کو ختم کرنا ہوگا۔ چاہے اِس کام میں آپ لوگوں میں سے کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے۔''

مادام تھروشیا کے لہجے میں جارحیت تھی۔سٹن کو آج بھی یہ، وہی مادام تھروشیا محسوس ہوئی، جو آج سے بیس سال قبل آسٹریا کے دارالحکومت میں تھی۔سٹن نے سوچا ،مادام ،اُن لڑکوں کو کبھی نہیں چھوڑے گی۔اسی اثناء میں خاموش بیٹھے ،نائب عثمان پاشا نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

''ہمارے دشمن صرف وہی معمولی لڑکے نہیں ہیں۔ہمارا اصل دشمن کوئی اور ہے، جو ہماری سرگرمیوں سے واقف ہے ورنہ ،اُن لڑکوں کو کیسے پتہ چلا کہ سردار ڈوگاسا قصر سلطانی میں کسی کو خط لکھ سکتا ہے۔یہ بات کسی اہم سرکاری عہدہ دار کے بغیر کوئی اور نہیں بتا سکتا۔میں سمجھتا ہوں کہ صدرِاعظم بلط جی کو ہماری سرگرمیوں پر شک ہو چکا ہے۔اِس کا مطلب ہے کہ اب صدر اعظم کے سراغرساں ہر مشکوک سرکاری افسر پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔خاص طور پر، رہا ہونے والے لڑکے پر کڑی نظر رکھی گئی ہوگی۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ڈوگاسا کا جعلی مکتوب اور سکندر پاشا کی رہائی ،خود بلط جی کا منصوبہ ہو۔ہوسکتا ہے بلط جی سلطنت کے غداروں کو اپنے بل سے باہر نکالنے کے لیے یہ چال چل رہا ہو۔ان حالات میں اُن لڑکوں کو ہلاک کرنا ہماری اپنی ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ہمیں ہر قدم پھونک کر اُٹھانا چاہیے۔''

عثمان پاشا کی بات معقول تھی۔مادام تھروشیا یکلخت خاموش ہوگئی،لیکن اُسی لمحے کلاڈیوس

Marfat.com

نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"تو کیا ہم لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ خاص طور پر جب کہ ہمارے اپنے بعض عیسائی رہنما، مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔"

کلاڈیوس کی بات پر سفیر برطانیہ سٹن نے بڑی سخت نگاہوں سے کلاڈیوس کی جانب دیکھا ، جیسے اُس سے کہنا چاہتا ہو کہ ایک غدار مسلمان کے گھر میں بیٹھ کر یوں مسلمانوں کے خلاف بولنا ٹھیک نہیں۔ اِسی خیال کے تحت سٹن نے فوراً کہا:۔

"ہمیں مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہیں ،ہم تو استنبول کی مظلوم عوام کو عثمانی سلطنت کے مظالم سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے ، بیٹھے نہیں رہیں گے۔ ہم یہاں پیٹر اعظم کے استقبال کی تیاریاں کریں گے۔ ہمیں ، ایک دو اشخاص کو قتل کرنے کی بجائے ، بغاوت کے عمل پر دھیان دینا چاہیے۔ روسی افواج بہت جلد عثمانی سرحدات کو عبور کرنے والی ہیں۔ کریمیا کی حالت نازک ہے۔ وادیء ازف کی اہمیت تو آپ سب جانتے ہیں۔ گذشتہ سولہ سال سے ازف میں پیٹر اعظم کی افواج موجود ہیں۔ آسٹروی افواج ، اسی مہینے کے آخر تک ، اُس عظیم اتحاد کی تکمیل کے لیے چل پڑیں گی ، جو پیٹر اعظم کے ساتھ مل کر عثمانی سلطنت کے مردہ ہوتے ہوئے گھوڑے کو اُٹھا کر یورپ سے باہر پھینکنے والا ہے۔ ہمیں اپنی ذاتی رنجشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مقاصد پر نظر رکھنی ہوگی۔"

پانچوں سازشی سفیر برطانیہ کی بات کو اہمیت دے رہے تھے۔ مادام تھروشیا کے چہرے پر بھی سوچ کی لکیریں نظر آرہی تھیں۔ کلاڈیوس کسی حد تک غیر مطمئن تھا۔ اُس نے کچھ دیر خاموش رہ کر پھر کہا:۔

"لیکن کیا کوئی ایسی صورت ممکن نہیں کہ ہم کم از کم اُن لوگوں کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں ، جن سے ہمیں مسلسل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ خاص طور پر "شیراز" کی وجہ سے مقدونیہ میں کیا کچھ ہوسکتا ہے آپ کو اندازہ نہیں۔ ہم مقدونیہ میں ایک عظیم انقلاب کے لیے راہ ہموار کر چکے ہیں ، لیکن اگر مقدونیہ کے سب سے بڑے عیسائی رئیس سردار لارنس ڈیگرے کو اصل حقائق کا پتہ چل گیا تو یقیناً ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔"

کلاڈیوس کی بات سن کر ایک مرتبہ پھر سفیر برطانیہ نے بات کی:۔

"اس میں کوئی حرج نہیں ، لیکن ایک بات کا دھیان رہنا چاہیے کہ ہم میں سے کوئی شخص

Marfat.com

ذاتی طور پر کسی کام میں شامل نہ ہو۔"

اس کے بعد سفیر برطانیہ نے خصوصی طور مادام تھروشیا کو مخاطب کر کے کہا:۔

"آپ اگر مقدونیہ میں بیٹھ کر، اپنے مقاصد کے لیے کچھ کرسکتی ہیں، تو ہم میں سے کسی کو اعتراض نہیں، لیکن ایک چیز کا دھیان بہت ضروری ہے کہ کسی ایک فرد کی کارروائی دوسرے کے علم میں نہ ہو۔ ورنہ کسی وقت ہم سب ایک ساتھ مارے جائیں گے۔"

سازشیوں کا اجلاس دیر تک جاری رہا۔ مختلف موضوعات پر بحثیں ہوتی رہیں۔ رئیس آفندی عمر پاشا اور نائب صدر اعظم سازشیوں کے ساتھی تھے۔ صدر اعظم بلط جی کو اپنے نائب صدر پر شک تھا لیکن بلط جی نے کبھی اپنے شک کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا تھا۔ کیونکہ عثمان پاشا نے یہ عہدہ اپنے خاندان اور اثر ورسوخ کی وجہ سے حاصل کیا تھا۔ بلط جی اگر کسی کے سامنے عثمان پر اپنے شک کا اظہار کرتا تو بلط جی کی مخالفت میں کئی آوازیں اُٹھنے کا خدشہ تھا۔ یہی سوچ کر بلط جی چپ ہو رہتا تھا۔ رئیس آفندی عمر پاشا اور عثمان پاشا دونوں سفیر برطانیہ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ مادام تھروشیا تو پہلی مرتبہ اِس محفل کا حصہ بنی تھی۔ البتہ مادام تھروشیا کو ان دونوں غداروں کی بابت نہ صرف معلوم تھا بلکہ وہ خود رئیس آفندی جیسے غداروں کی خدمات حاصل کرتی رہتی تھی۔

اُس سے اگلی شب مادام تھروشیا، استنبول میں موجود اپنی رہائش گاہ پر اپنے بیٹے کلاڈیوس کے ساتھ ایک بند کمرے میں بیٹھی .... ایک عجیب خبر سن رہی تھی۔ کلاڈیوس کا کارندہ بتا رہا تھا کہ اُس نے سکندر اور شیراز کو ایک ساتھ دیکھا۔

یہ........ دونوں ماں بیٹے کے لیے ایک چونکا دینے والی خبر تھی۔ انہیں ایک مدت سے شیراز کی کچھ خبر نہ مل رہی تھی۔ اچانک اِس طرح کی خبر سن کر مادام تھروشیا خوشی سے جھوم اُٹھی۔

"کہاں دیکھا؟ تم نے انہیں؟........ جلدی بتاؤ"۔

"میں نے آپ کی ہدایت پر سکندر کی حویلی کو اپنی کڑی نگرانی میں رکھا، آج صبح سکندر اپنی حویلی سے نکل کر باسفورس کے ساحل تک گیا۔ وہ وہاں کچھ دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ پھر اچانک میری نگاہ شیراز پر پڑی، وہ سامنے سے آرہا تھا۔ میں چوکنا ہوگیا، اور دور سے اُن دونوں کی نگرانی کرتا رہا۔ کافی دیر تک وہ دونوں ساتھ ساتھ رہے، پھر شیراز، سکندر کو اپنے ہمراہ لے کر شمال کی جانب چل پڑا۔ تقریباً دو میل مزید چلنے کے بعد وہ دونوں ایک خوبصورت مکان

Marfat.com

میں چلے گئے۔ میں بہت حیران ہوا۔ اور یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ مزید کیا کرتے ہیں، میں وہاں رکا رہا۔ میں سارا دن اُس مکان کے سامنے سے نہ ہلا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ وہ لوگ سارا دن اُس مکان سے دوبارہ باہر نہ آئے۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے سکندر مکان سے باہر آیا۔ شیراز بھی اُس کے ساتھ باہر نکلا، لیکن اُس کے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ سکندر کو محض دروازے تک چھوڑنے آیا ہو۔ تب میں نے جانا کہ وہ مکان شیراز کی رہائش گاہ تھا۔ سکندر وہاں سے چلا آیا تو میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے واپس شہر چلا آیا اور اب میں سکندر کی حویلی سے ہی آ رہا ہوں۔ وہ اِس وقت اپنی حویلی میں ہے، لیکن میں نے سوچا کہ اِن حالات کی خبر آپ تک پہنچانا ضروری ہے چنانچہ میں یہاں چلا آیا"۔

مادام تھروشیا کی آنکھیں حیرت اور خوشی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اُس نے کارندے کی بات سن کر بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور کارندے کو شاباش دی۔ کلاڈیوس بھی اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا تھا۔ اُس نے بے صبری سے کہا:۔

"ماں!.........ہمیں شیراز پر ہاتھ ڈالنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ کام جلد سے جلد نمٹانا ہوگا۔ اگر وہ وہاں سے نکل گیا تو ہم لکیر ہی پیٹتے رہ جائیں گے۔"

"نہیں وہ وہاں سے کہیں نہیں جائے گا۔ دن بھر، جب مجھے، دور ہی دور سے اُس مکان کی نگرانی کرنی پڑی تو.....اُس تمام وقت میں، میں نے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اُس مکان کی حقیقت دریافت کرلوں......تب مجھے پتہ چلا کہ وہ مکان کسی بوڑھے فوجی افسر کا ہے، جو ترک فوج میں تھا لیکن عیسائی تھا، اور جس کا نام کپتان الفانسو ہے۔ اِس کے علاوہ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ شیراز وہاں کافی عرصہ سے مقیم ہے"۔

"یہ سب باتیں تم نے کس سے پوچھیں؟"۔

کلاڈیوس کے لہجے میں غصہ تھا۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں اُس کا کارندہ کوئی کمزور مہرہ نہ چھوڑ آیا ہو، لیکن کارندے کا جواب تسلی بخش تھا، اُس نے پورے اعتماد سے کہا:۔

"نہیں نہیں........محترم سردار! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے وہاں کوئی کمزور مہرہ نہیں چھوڑا۔ دراصل مجھے یہ سب کسی سے پوچھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ کپتان الفانسو کے مکان سے کافی فاصلے پر زیتون کے بیوپاریوں کی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی ہے، میں وہاں صرف پانی پینے کی غرض سے رکا تھا، لیکن وہاں دو افراد، پہلے سے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں

Marfat.com

نے اُن کی باتیں سنیں اور تب مجھے پتہ چلا کہ وہ مکان کس کا تھا۔"

مادام تھروشیا نے کلاڈیوس کے کارندے کو ایک مرتبہ پھر شاباش دی اور اُس سے کہا۔

"تم نے بہت اچھے طریقہ سے شیراز کا کھوج لگایا، شاباش۔ اب یہ بتاؤ کہ اُس مکان کے آس پاس کتنی آبادی ہے؟"

"میں نے بتایا نا!.........کہ اُس مکان سے کافی ہٹ کر مٹی کی صرف ایک کوٹھڑی ہے اِس کے علاوہ وہاں کچھ نہیں۔ یہ مکان ایک نہایت خوبصورت جگہ پر ہے۔"

اب مادام تھروشیا اور کلاڈیوس نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ وہ دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ شیراز کے خاتمے میں اب مزید دیر نہ کرنی چاہیے۔ شیراز اب تک اُن کے لیے ایک چھلاوہ ہی ثابت ہوا تھا۔ وہ اب شیراز کو ایک بار پھر کھونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ نے انہوں نے دل ہی دل میں شیراز کو گرفت میں لینے کا منصوبہ مکمل کرنا شروع کر دیا۔

لیکن شیراز کے بارے میں مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کے تمام اندازے غیر درست تھے۔ شیراز نے کچی گولیاں نہ کھیلی تھیں۔ اُس کا مرشد کامل تھا۔ کپتان الفانسو کی تربیت نے اُسے کندن بنا دیا تھا۔ شیراز اور سکندر اپنے دشمنوں سے بے خبر نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے تعاقب میں آنے والے، دبلے پتلے شخص کو دیکھ لیا تھا۔ یہ دبلا پتلا شخص مادام تھروشیا کے بیٹے کلاڈیوس کا وہ کارندہ تھا جسے کلاڈیوس نے سکندر کی حویلی پر سکندر کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ کلاڈیوس کا کارندہ بے پناہ شاطر اور چالاک شخص تھا اُس نے سکندر کو ایک بار بھی یہ پتہ نہ چلنے دیا کہ کوئی اُس کی نگرانی کر رہا ہے۔

یہ تو شیراز تھا، جس نے سکندر کے تعاقب میں آنے والے شخص کو تاڑ لیا۔ شیراز کو بھی تعاقب کا علم بہت دیر سے ہوا۔ اُس وقت جب وہ دونوں کپتان الفانسو کے مکان کی طرف جانے کیلئے اُس اکیلے کچے راستے پر چلنے لگے، جو صرف کپتان کے مکان کی طرف جاتا تھا۔ سامنے کپتان الفانسو کا مکان تھا۔ اب شیراز اور سکندر واپسی کے لیے نہ مڑ سکتے تھے۔ تعاقب کرنے والے کی نظر میں مکان تو آ ہی چکا تھا۔ چنانچہ سکندر اور شیراز کپتان الفانسو کے مکان میں داخل ہو گئے۔ اب انہیں استنبول کی حکومت سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ یہ تعاقب کرنے والا کسی دوسرے دشمن کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ سکندر کا خیال تھا

Marfat.com

کہ تعاقب کرنے والا شخص ....بترو، کا کارندہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے پہاڑی لوگوں کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ شیراز نے دبلے پتلے شخص کے بارے میں صوفیہ اور کپتان کو بتایا تو کپتان کے چہرے پر دلچسپی کی لکیریں نظر آنے لگیں۔ کپتان نے بڑی تیزی کے ساتھ مکان کی ایک کھڑکی کی ہلکی سی درز میں سے دیکھا........دبلا پتلا شخص، درختوں کے جھنڈ میں خود کو چھپائے دور سے کپتان کے مکان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ کپتان فوراً پیچھے ہٹ آیا اور پھر اس کے ذہن نے بڑی تیزی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔

چند لمحے بعد کپتان الفانسو اور اُس کا ادھیڑ عمر ملازم ''سائمن'' مکان کے عقبی دروازے سے نکل کر دور زیتون کے بیوپاریوں کی ویران کوٹھڑی کے پاس جا بیٹھے۔ کپتان کو یقین تھا کہ تعاقب کرنے والا شخص اِس مکان کے بارے میں ضرور سن گن لینے کی کوشش کرے گا۔ اور پھر الفانسو کا خیال درست نکلا۔ تعاقب کرنے والا سچ مچ اسی کوٹھڑی کی طرف آ رہا تھا۔ کپتان الفانسو نے کنکھیوں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر اس نے اپنے ادھیڑ عمر ملازم کے ساتھ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرنا شروع کر دیں جن کے ذریعے اُس نے اپنے مکان کے بارے میں سب کچھ دہرا دیا۔ وہ شیراز کے دشمنوں کو شکنجے میں پھانسنے کی ترکیب بنا رہا تھا۔ دبلا پتلا شخص پانی پینے کے بہانے اس کوٹھڑی کی جانب آیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ بغیر کسی سے کچھ پوچھے اسے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ وہ شام تک کسی نہ کسی بہانے سے کپتان الفانسو کے مکان کے گرد منڈلاتا رہا، یہاں تک کہ شیراز نے سکندر کو واپس جانے کے لیے کہا، شیراز جاننا چاہتا تھا کہ وہ شخص آخر کب تک سکندر کا تعاقب کرتا ہے۔ چنانچہ جونہی سکندر، کپتان کے مکان سے باہر آیا، تعاقب کرنے والا شخص پھر سے اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اب تعاقب کرنے والے کا تعاقب ہو رہا تھا۔ کپتان کا ادھیڑ عمر ملازم ''سائمن'' بڑی احتیاط کے ساتھ کچھ دیر بعد اُن کے پیچھے برآمد ہوا اور دبلے پتلے شخص کا تعاقب کرنے لگا۔

◆......◆

Marfat.com

دولت عثمانیہ

اس نے تیزی کے ساتھ پوری عمارت کا ایک چکر لگایا اور پھر تمام روشنیاں گل کر دیں۔ اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں وہ دشمن کے لئے گھات لگا سکتا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آنے والے افراد کتنے ہوں گے۔ الفانسو کے گھر میں زیادہ کمرے نہیں تھے۔ یہ ایک مختصر عمارت پر مشتمل مکان تھا لیکن پوری حویلی رقبے کے لحاظ سے کافی بڑی تھی۔ وسطی عمارت اصل تھی جس کے دونوں اطراف میں بغلی راہداریاں تھیں۔ شیراز نے اپنے لئے اسی راہداری میں چھپنا مناسب سمجھا۔ ان راہداریوں سے گزر کر عمارت کی عقبی سمت میں جایا جا سکتا تھا۔ شمالی راہداری میں تقریباً آٹھ نو فٹ بلند ایک چھجہ تھا جو عمارت کی دیوار سے راہداری میں ایک سائبان کے طور پر باہر نکلا ہوا تھا۔ شیراز کسی بلی کی طرح اچھل کر چھجے پر سوار ہو گیا۔ یہاں سے وہ عقبی سمت کے ساتھ ساتھ حویلی کے صدر دروازے کی جانب بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ مکمل طور پر اسلحہ سے لیس تھا۔ موسم خنک تھا اور رات دھیرے دھیرے دھند کی چادر میں چھپنے لگی تھی۔

اب شیراز لکڑی کے چھجے پر بیٹھا دشمن پر جھپٹنے کے لئے مستعد تھا۔ اس کی نظریں کسی چیتے کی طرح ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے سوچا اس کے دشمن یقیناً حویلی کی کوئی نہ کوئی دیوار پھلانگ کر ہی اندر داخل ہوں گے۔ اسے یقین تھا کہ آج رات الفانسو کے گھر پر ضرور حملہ ہوگا۔ اچانک شیراز کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے حویلی کی عقبی دیوار پر کوئی سایہ سا دیکھا تھا۔ شیراز کی نظریں پوری طرح سے سائے پر جم گئیں۔ چند ہی ثانیوں میں دو اور سائے عقبی دیوار پر دکھائی دیئے۔ اگلے لمحے تینوں سائے دیوار سے اتر کر الفانسو کی حویلی میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ پائیں باغ کو عبور کرتے ہوئے عمارت کی جانب بڑھنے لگے۔ کچھ دیر بعد ان میں سے دو سائے شیراز کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ راہداری کی طرف سے آنے کی بجائے غالباً عمارت کے عقبی کمروں کی کھڑکیوں اور دروازوں سے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ تیسرا سایہ بدستور اسی راہداری کی جانب بڑھ رہا تھا جس میں شیراز کسی چیتے کی طرح

Marfat.com

مستعد بیٹھا تھا۔ شیراز دم سادھے بیٹھا رہا۔ سایہ راہداری میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ ایک لحیم شحیم نقاب پوش تھا۔ لیکن جونہی وہ چھجے سے نیچے گزرنے لگا اس پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ شیراز نے چھجے سے چھلانگ لگائی اور اسے خاموشی سے چھاپ لیا۔ شیراز کا ایک ہاتھ اس کے منہ اور ناک پر پڑا جبکہ اس کا دوسرا بازو سائے کی گردن کے گرد لپٹ چکا تھا۔ اگلے لمحے شیراز نے اپنی کہنی کو ایک مخصوص جھٹکا دیا۔ دشمن کے حلق سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔ وہ شاید بے ہوش ہو چکا تھا۔ شیراز نے لمبے تڑنگے نقاب پوش کو اپنے ساتھ گھسیٹا اور عمارت کے سامنے کی جانب نکل آیا۔ یہ سمت ابھی تک دشمن سے محفوظ تھی۔ اس نے بے ہوش نقاب پوش کو برآمدے کے فرش پر ڈالا اور ایک لمحے کی دیر کئے بغیر واپس راہداری کی طرف دوڑا۔ معاً شیراز کی نگاہ راہداری میں داخل ہوتے ہوئے ایک سائے پر پڑی اور وہ ٹھٹک کر رک گیا کیونکہ اب وہ سائے کی نظروں میں تھا۔ لیکن نہ جانے سائے کو کیسے پتہ چلا کہ شیراز اس کا ساتھی نہیں بلکہ دشمن ہے...... کیونکہ وہ بجلی کی رفتار سے پیچھے دوڑا پڑا تھا۔ کچھ ہی دیر میں راہداری میں نظر آنے والا سایہ غائب ہو چکا تھا۔ یکایک فضا میں اُلو کی آواز گونجی۔ شیراز کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ دشمن سائے ایک دوسرے سے رابطہ کے لئے رات کی تاریکی میں اُلو کی آواز کا سہارا لے رہے ہیں۔ غالباً وہی سایہ جس نے شیراز کو دیکھ لیا تھا اپنے شک کو دور کرنے کے لئے اپنے حلق سے اُلو کی آواز نکال رہا تھا۔ شیراز نے یکایک اپنے منہ پر ہاتھ رکھا اور اپنے حلق سے اُلو کی آواز نکالی۔ یہ گویا انہی کی ترکیب انہی پر استعمال کرنے والی بات تھی۔ دشمن کی سچ مچ تسلی ہو گئی۔

شیراز کو معلوم تھا کہ باقی دو سائے عقبی جانب سے عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شیراز کے اس خیال کی مزید تصدیق اس وقت ہوئی جب اُسے عقبی جانب کی ایک کھڑکی کا کھٹکا سنائی دیا۔ یہ صوفیہ کے کمرے کی کھڑکی تھی۔ کھٹکا بہت ہلکا تھا لیکن شیراز نے محسوس کر لیا۔ شیراز نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر کسی چھلاوے کی طرح عمارت کے اندر سے ہوتا ہوا صوفیہ کے کمرے تک جا پہنچا۔ صوفیہ اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ شیراز دشمن کے کھڑکی کھولنے سے پہلے صوفیہ کے کمرے میں آ پہنچا تھا۔ اس کا مسلح دشمن کھڑکی کی دوسری جانب تھا۔ جبکہ کمرے میں شیراز اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے بے تاب تھا۔ کھٹا کھٹ کی آواز کچھ دیر تک آتی رہی اور پھر ہلکی سی کھٹاک کے ساتھ کمرے کی کھڑکی کا ایک پٹ کھل گیا۔

Marfat.com

شیراز کے دل کی دھڑکن یکلخت تیز ہوگئی۔ وہ کمرے میں دیوار کے ساتھ چپکا کھڑکی سے اندر داخل ہونے والے کا منتظر تھا۔ اس کی توقع کے عین مطابق ایک سایہ کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے ایک قدم اٹھانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ اب وہ شیراز کے بازوؤں میں جھول رہا تھا۔ لیکن شیراز ابھی مطمئن نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ایک اور سایہ ابھی تک کھڑکی کے پار موجود ہے۔ شیراز نے اپنے شکار کو زمین پر لٹایا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ کھڑکی کی جانب متوجہ ہوتا...... تیسرا سایہ اچھل کر کمرے کے فرش پر آن اترا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ شیراز اپنے دشمنوں کو قتل نہ کرنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت سی معلومات درکار تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ابھی تک شمشیر استعمال نہ کی تھی۔ لیکن اب شیراز کو بے اختیار اپنی تلوار نکالنی پڑی۔ کیونکہ تیسرے سائے نے اپنی برہنہ تلوار بلاوجہ فضا میں لہرانا شروع کر دی تھی۔ وہ غالباً تاریکی سے خوفزدہ تھا۔ معاً شیراز کو ایک آواز سنائی دی۔

''رولڈن!...... رولڈن!...... تم کہاں ہو؟ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔''

تیسرا سایہ اپنے ساتھی کو پکار رہا تھا۔ لیکن جب اُسے رولڈن کا جواب نہ ملا تو وہ مزید چوکنا ہوگیا۔ کمرے کی تاریکی میں شیراز کے لئے تیسرے سائے کو پہچاننے کا ذریعہ صرف وہی چمک تھی جو دشمن کی تلوار لہرانے سے پیدا ہو رہی تھی۔

غالباً اسی اثناء میں شیراز کی شمشیر کی چمک بھی دشمن نے دیکھ لی۔

اب دو چمکتی ہوئی تلواریں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ ٹن ٹن کی آواز سے پوری حویلی گونج اٹھی۔ تیسرا سایہ ایک ماہر شمشیر زن تھا۔ وہ شیراز کے ہر حملے کو تلوار کی چمک سے پہچان کر روک رہا تھا۔ لیکن یہ جنگ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکتی تھی۔ شیراز آخر کپتان الفانسو کا شاگرد تھا چنانچہ جلد ہی فیصلہ ہوگیا۔ شیراز کے ایک خوفناک وار نے تیسرے سائے کا سر اس کے دھڑ سے الگ کر دیا۔ اب تینوں سائے زیر ہو چکے تھے۔ چنانچہ شیراز نے آگے بڑھ کر صوفیہ کے کمرے میں موجود مشعل روشن کر دی۔

کچھ دیر بعد وہ سب صوفیہ کے کمرے میں موجود تھے جہاں ابھی ابھی ایک خونریز معرکہ ہوا تھا۔ کپتان الفانسو کے کہنے پر برآمدے میں پڑے بے ہوش شخص کو بھی اسی کمرے میں لا کر باندھ دیا گیا تھا۔ صوفیہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان تینوں دشمنوں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے کمرے میں آڑے ترچھے پڑے تھے۔ یہ تمام تر کارروائی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں لائی گئی

Marfat.com

تھی۔ کپتان الفانسو نے از خود شیراز کو تمام ہدایات دی تھیں۔ وہ اور صوفیہ بھی پوری طرح پیش آمدہ خطرات سے نمٹنے کے لئے تیار تھے لیکن شیراز نے اکیلے ہی تمام کام نمٹا لئے اور اب اس کے سامنے ایک مُردہ اور دو بے ہوش شخص پڑے تھے۔

شیراز نے لحیم شحیم نقاب پوش کو گریبان سے پکڑا اور گھسیٹ کر ایک دیوار کے ساتھ بٹھا دیا۔ اگلے لمحے وہ اس کا نقاب اتار چکا تھا۔ لیکن یہ شخص شیراز کے لئے اجنبی تھا۔ شیراز نے اُسے ہوش میں لانے کے لئے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ کمرے میں موجود ہر شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسی اثناء میں شیراز نے اپنے جوتے کی نوک سے ایک زوردار ضرب نوجوان کی ٹھوڑی پر لگائی۔ اس کے حلق سے ایک دردناک کراہ نکلی اور وہ آگے کی طرف جھک گیا۔ شیراز نے اُس کی گردن پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔ اب وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اذیت کے سائے لہرائے۔ شیراز کے چہرے پر اس طرح کی کرختگی اور سفاکی صوفیہ نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ شیراز کے طرزِ عمل پر بے حد حیران ہو رہی تھی۔ لیکن آج وہ لائیسم کا شیراز نہیں تھا۔ آج وہ ایک سفاک قاتل اور درندہ دل انسان کی طرح اپنے دشمن پر تشدد کر رہا تھا۔ شیراز نے نفرت بھرے انداز میں لحیم شحیم شخص کی ناک پر ایک زوردار مُکا جڑ دیا۔ اس کے نتھنے پھٹ گئے۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور چہرہ خون سے بھر گیا۔

"رکو رکو...... مت مارو...... کیوں مارتے ہو؟ تم انسان نہیں جانور ہو۔ خدا کے لئے رک جاؤ۔"

لحیم شحیم شخص تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے چیخنے لگا۔ شیراز نے اپنے ہاتھ روک لئے اور اطمینان بھرے انداز میں اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"تم کس کے آدمی ہو؟"

شیراز کی بات سن کر زخمی شخص بڑی تیزی کے ساتھ کہنے لگا۔

"میں چور ہوں...... ہاں ہاں! ہم چور ہیں...... ہم یہاں چوری کے لئے داخل ہوئے تھے۔ میں سچ کہتا ہوں...... میں کسی کا آدمی نہیں ہوں۔"

اس نے درد کی شدت سے اپنا سر دائیں اور بائیں مارتے ہوئے کہا لیکن شیراز نے اسے مزید جھوٹ بولنے کی مہلت نہ دی۔ شیراز کی شمشیر بجلی کی طرح فضا میں لہرائی اور زخمی شخص کا

Marfat.com

کان کاٹتی ہوئی چلی گئی۔

اس کی دلدوز چیخ فضا میں بلند ہوئی اور وہ خون میں لت پت ہونے لگا۔

''بتاؤ...... جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو...... تم کس کے آدمی ہو؟'' شیراز نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی تلوار فضا میں بلند کی لیکن اب زخمی شخص ہمت ہار چکا تھا۔ وہ فرفر بولنے لگا۔

''ہم مادام تھروشیا کے آدمی ہیں۔ مادام تھروشیا اور کلاڈیوس یہیں ہیں، استنبول میں۔ ہم تمہیں قتل کرنے کے لئے آئے تھے...... تم شیراز ہونا؟''

زخمی شخص کا جواب شیراز کی توقع کے مطابق تھا۔ لیکن شیراز اس کا آخری جملہ سن کر چونکا اور کہنے لگا۔

''اگر تم مجھے شکل سے نہیں پہچانتے تو پھر تم لوگ مجھے کیسے قتل کرنے آئے تھے؟''

زخمی شخص نے کمرے میں پڑی ہوئی سر بریدہ لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیراز کی بات کا جواب دیا۔

''وہ...... وہ شخص...... وہ ''مارسیو'' ہے، جسے تم نے قتل کر دیا۔ وہ تمہیں پہچانتا تھا۔ وہ مقدونیہ کا رہنے والا ہے۔''

شیراز نے چونک کر سر بریدہ لاش کی طرف دیکھا۔ اس کا سر لڑھک کر دیوار سے جالگا تھا۔ شیراز کی نظریں لاش سے ہٹیں اور اس کے سر پر جاٹکیں۔ شیراز نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی شخص تھا جو کل اس کا تعاقب کرتا ہوا الفانسو کے مکان تک آ پہنچا تھا۔ اسی اثناء میں کپتان الفانسو کا ادھیڑ عمر ملازم سائمن کمرے میں داخل ہوا۔ سب کی نگاہیں سائمن کی طرف اٹھیں۔ شیراز نے بہ عجلت سائمن سے پوچھا۔

''کہو...... کیا خبر ہے؟''

''کوئی نہیں...... شاید یہی تین لوگ تھے۔ ان کے علاوہ دور دور تک مجھے کوئی شخص دکھائی نہیں دیا...... آپ نے حویلی میں دیکھا؟ ہوسکتا ہے کوئی چوتھا شخص حویلی میں ہی کہیں چھپ گیا ہو۔''

سائمن کے توجہ دلانے پر الفانسو بری طرح چونکا اور شیراز سے کہنے لگا۔

''شیراز! کیا تمہیں یقین ہے کہ حویلی میں یہی تین آدمی داخل ہوئے تھے؟ میرا تجربہ کہتا

Marfat.com

ہے ان کے اور ساتھی بھی ہوں گے...... سائمن! تم نے اچھی طرح دیکھا نا؟"

"جی ہاں...... حویلی کے باہر تو کوئی نہیں۔"

شیراز کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے تینوں حملہ آوروں کو مار گرایا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ اسے یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ کلاڈیوس اور مادام تھروشیا استنبول میں ہی موجود ہیں۔ گویا اس کا آج کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اب شیراز کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ان دو حملہ آوروں کا کیا کرنا ہے۔ انہیں قتل کر دیا جائے یا کوتوال شہر کی پولیس کے حوالے؟ شیراز نے استفہامیہ نگاہوں سے کپتان الفانسو کی جانب دیکھا۔ کپتان نے شیراز کا اشارہ سمجھتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں جواب دیا۔

"تم چاہو تو انہیں قتل کر دو...... میری طرف سے اجازت ہے۔"

زخمی شخص کانپ کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ان کا بچنا ممکن نہیں۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں شیراز سے التجا کی۔

"خدا کے لئے مجھے مت مارو...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں تو مادام تھروشیا کا ساتھی نہیں۔ میں تو کسی اور کے کہنے پر کلاڈیوس کے ساتھیوں میں شامل ہوا۔ میں سچ کہتا ہوں، میں تمہارا دشمن نہیں۔"

اب شیراز کے ماتھے پر تجسس کے بل دکھائی دیئے۔

"کیا؟...... کسی اور کے کہنے پر؟...... کس کے کہنے پر؟"

زخمی شخص تھر تھر کانپ رہا تھا۔ موت کا خوف پوری طرح اس پر مسلط ہو چکا تھا۔ وہ گڑگڑایا۔

"خدا کے لئے مجھے کچھ نہ کہو...... مجھے چھوڑ دو...... میں بے قصور ہوں۔"

وہ بار بار یہی دہرا رہا تھا۔ یکلخت شیراز کی آنکھوں میں زخمی شخص کو سچ مچ موت دکھائی دینے لگی۔ رقص کرتی ہوئی موت...... شیراز نے منہ سے کچھ نہ کہا البتہ اپنی شمشیر کی نوک اس کے سینے پر رکھ کر کسی قدر دباتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"میں نے پوچھا تم کس کے کہنے پر کلاڈیوس کا ساتھ دے رہے ہو؟ بتا دو گے تو شاید بچ جاؤ۔ نہیں بتاؤ گے تو تمہارے بچے کبھی تمہارا منہ نہیں دیکھ سکیں گے۔ میں سورج طلوع ہونے سے پہلے تین لاشیں بھاری پتھر باندھ کر باسفورس کے پانی میں پھینکنے والا ہوں۔"

زخمی شخص کی حالت غیر ہو گئی۔ اس نے فوراً کہا۔

Marfat.com

"سرسٹن!......سر آرسٹن کے کہنے پر...... میں ان کے محافظ دستے کا سپاہی ہوں۔ سرسٹن نے مجھے مادام تھروشیا کی خدمت میں بھیجا کیونکہ یہاں مادام کے پاس با اعتماد سپاہیوں کی کمی تھی۔ میں بالکل بے گناہ ہوں...... مجھے معاف کردو۔"

الفانسو اور صوفیہ کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ وہ سرسٹن کو جانتے تھے۔ انہوں نے شیراز کے سامنے بھی سفیر برطانیہ سے اپنی شناسائی کا ذکر کیا تھا۔ انہیں حیرت تھی کہ انگلستان کا سفیر سلطنت عثمانیہ کے انتہائی اندرونی معاملے میں کیونکر ملوث ہوا۔ شیراز کے لئے اس نوجوان کا زندہ رہنا ضروری ہو گیا۔ وہ سلطان کے سامنے سفیر برطانیہ کا اصل چہرہ بے نقاب کرسکتا تھا۔ چنانچہ شیراز نے کہا۔

"بہت خوب!......تم تو میرے لئے ایک قیمتی آدمی ہو۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا بلکہ میں تمہیں سلطان احمد ثالث کی عدالت میں ایک گواہ کے طور پر پیش کروں گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ان کی سلطنت کے اندرونی معاملات میں کون کون غدار ملوث ہیں جو سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ اب میں سلطان کے سامنے براہِ راست یہ ثابت کرسکتا ہوں کہ مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کی حقیقت کیا ہے۔ اب میں سلطان کو بتا سکتا ہوں کہ سردار ڈوگا سا کو میں نے یا سکندر نے قتل نہیں کیا بلکہ ایک مظلوم عرب لڑکی نے اس کی جان لی ہے۔ صرف تمہاری بدولت میں سلطان کی آنکھوں پر بندھی پٹیاں کھول سکتا ہوں۔ لیکن تمہیں سلطان کے سامنے سب کچھ سچ سچ بولنا ہوگا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارے خاندان کو اس کا بدلہ چکانا ہوگا۔"

شیراز بہت خوش تھا۔ وہ کچھ اور کہنے والا تھا کہ الفانسو نے آگے بڑھ کر شیراز کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ وقت ان باتوں کے کرنے کا نہیں ہے۔ اسے قیدی بنا لیتے ہیں۔ لیکن باقی دو افراد کا کیا کرو گے؟ اگر اسے سلطانی عدالت میں پیش کرنا ہے تو ان کی لاشیں چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی لاشیں بھی ہمیں عدالت کے سامنے پیش کر دینی چاہئیں۔

شیراز کو کپتان کی تجویز پسند آئی۔ لیکن اسی لمحے کسی خیال کے تحت شیراز نے زخمی شخص سے پوچھا۔

"اور وہ کون ہے؟...... وہ نقاب پوش جو بے ہوش پڑا ہے...... کیا وہ بھی سفیر برطانیہ کا آدمی ہے؟"

Marfat.com

"نہیں...... وہ رولڈن ہے...... مادام تھروشیا کا ساتھی اور......"

اس سے پہلے کہ زخمی شخص اپنی بات مکمل کرتا، کھڑکی کے کھلے ہوئے پٹ سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور زخمی شخص کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ شیراز اور الفانسو بری طرح اچھلے۔ شیراز نے کھڑکی کی جانب اندھا دھند دوڑ لگا دی۔ لیکن تیر پھینکنے والا نکل چکا تھا۔ باہر اندھیرا تھا۔ شیراز کھڑکی عبور کر کے صحن میں آیا تو اسے کہیں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔ سائمن کا مشورہ ٹھیک تھا۔ یقیناً کوئی چوتھا شخص حویلی کے عقبی حصے میں چھپا ہوا تھا۔ شیراز کو اب اپنی غلطی پر پچھتاوا ہونے لگا۔ اس کا قیمتی مہرہ ضائع ہو گیا تھا۔ اس کا سلطانی گواہ مار دیا گیا۔ لیکن شیراز صحن میں نہ رکا۔ وہ برق رفتاری سے حویلی کی عقبی دیوار کو عبور کر کے حویلی سے باہر نکل آیا۔ لیکن یہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ بالآخر شیراز بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا۔

♦ ...... ♦

مادام تھروشیا غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ کلاڈیوس پشت پر ہاتھ باندھے کمرے میں تیز تیز ٹہل رہا تھا۔ اس کا کارندہ تمام واقعات کی تفصیل اسے سنا چکا تھا۔ مادام تھروشیا کسی غضب ناک درندے کی طرح اپنے غصے کا اظہار کر رہی تھی۔ اسے پتہ چل چکا تھا کہ شیراز نے اس کے بھیجے ہوئے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ اس کی بہت بڑی شکست تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ شیراز کو کچا چبا جاتی۔ اس کے سرخ چہرے پر اس کی بڑی بڑی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ بے بس تھی۔ یہ تو اچھا ہوا تھا کہ سفیر برطانیہ کا کارندہ مارا گیا۔ ورنہ سفیر برطانیہ "سر آرسٹن" کی خیر نہیں تھی۔ البتہ کلاڈیوس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے کارندے کو بہت بہت شاباش دی تھی جس نے بروقت سرسٹن کے ساتھی کو قتل کر کے عیسائیت کو بڑے نقصان سے بچا لیا تھا۔ اچانک کسی خیال کے تحت کلاڈیوس نے اپنے کارندے سے سوال کیا۔

"کیا شیراز کو ہماری رہائش گاہ کا پتہ چل چکا ہے؟"

"نہیں...... ریمنڈ نے تشدد کے دوران یہ تو بتایا کہ مادام تھروشیا اور کلاڈیوس یہیں ہیں یعنی استنبول میں لیکن اس نے رہائش گاہ کا پتہ نہیں بتایا تھا۔"

کلاڈیوس نے اپنے کارندے کی بات سن کر اطمینان کا اظہار کیا لیکن اسی لمحے مادام تھروشیا کی آواز کمرے میں گونجی۔

Marfat.com

''کیا تمہیں سننے میں تو کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ تم نے سچ مچ یہی سنا تھا کہ سردار ڈوگا سا کو ایک عرب لڑکی نے قتل کیا ہے؟...... یہ عرب لڑکی کون ہو سکتی ہے؟''

کلاڈیوس بھی کافی دیر سے یہی سوچ رہا تھا۔ اس کے کارندے نے شیراز کے منہ سے سنی ہوئی تمام باتیں اسے ٹھیک ٹھیک بتائی تھیں۔ مادام کے سوال پر کارندے نے ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی۔

''میں نے جو کچھ سنا مادام!...... وہ ٹھیک ٹھیک آپ کو بتا دیا۔ میں نے شیراز کے منہ سے یہی سنا تھا کہ سردار ڈوگا سا کو سکندر یا شیراز نے قتل نہیں کیا بلکہ ایک مظلوم عرب لڑکی نے قتل کیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں، میں نے یہی سنا تھا۔''

یکایک کلاڈیوس کے ذہن میں ایک جھماکا ہوا...... وہ ایک ایسی عرب لڑکی کو جانتا تھا جس کا تعلق سکندر پاشا کے ساتھ تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے شروع شروع میں کلاڈیوس نے نظرانداز کر دیا تھا۔ کلاڈیوس کے کارندے شروع دن سے ہی سکندر کی حویلی کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے سکندر پاشا کو رہائی پانے کے بعد اس عرب لڑکی کے گھر جاتے دیکھا تھا اور کلاڈیوس کو اطلاع بھی دی تھی۔ کلاڈیوس نے مزید تحقیقات کروائیں تو اسے پتہ چلا کہ اس عرب لڑکی کا نام ''طاہرہ'' ہے اور یہ کہ وہ ایک معذور عرب سپاہی کی بیٹی ہے۔ جب کلاڈیوس کو یہ پتہ چلا کہ لڑکی اور اس کی ماں سرکنڈوں کی ٹوکریاں بنا کر بیچتی ہیں تو اس نے طاہرہ کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ لیکن آج اس پر حقیقت کھل چکی تھی۔ گزشتہ شب اگر اس کا کارندہ بچ کر نہ لوٹتا تو اسے کبھی پتہ نہ چلتا کہ اصل حقائق کیا ہیں۔

طلوعِ آفتاب کے بعد مادام تھروشیا کی بگھی سفیر برطانیہ سرسٹن کی عالیشان رہائش گاہ کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کلاڈیوس پہلے ہی سفیر برطانیہ سے ملنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد دونوں ماں بیٹا مادام تھروشیا کے پرانے چاہنے والے سرسٹن کے پاس سر جوڑ کر بیٹھے کسی مسئلے پر انتہائی باریکی سے غور کر رہے تھے۔ تمام تر بحث کے اختتام پر سرسٹن نے اپنی حتمی رائے کا اظہار کیا۔

''میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سردار ڈوگا سا کی مہر والی انگوٹھی اُسی عرب لڑکی کے پاس ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈوگا سا کے ہاتھ کی انگلیاں کٹی ہوئی تھیں۔ یقیناً انگوٹھی ان انگلیوں کے ساتھ نیچے گر پڑی ہوگی جسے بعد میں اس لڑکی نے اٹھا لیا اور پھر اسے ایک جعلی

Marfat.com

مکتوب پر لگا کر سلطان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگر ہمیں وہ انگوٹھی مل جائے تو ہم سلطان کے سامنے ساری قلعی کھول سکتے ہیں۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ پراسرار گھڑسوار سے ملنے والا مکتوب اسی انگوٹھی کی مدد سے تیار کیا گیا تھا۔"

کلاڈیوس کی آنکھوں میں کسی درندے جیسی چمک لہرائی۔ اس نے گول گول دیدے گھماتے ہوئے ایک لمبی ہوں کی اور کہنے لگا۔

"یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ اگر انگوٹھی اُس عرب لڑکی کے پاس ہے تو کل آپ کے پاس ہوگی۔ میں آج رات ہی یہ انگوٹھی حاصل کرلوں گا۔"

سرسٹن نے سوچتی ہوئی نگاہوں کے ساتھ کلاڈیوس کی طرف دیکھا۔ اسی اثناء میں مادام تھروشیا نے بات کی۔

"لیکن یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ انگوٹھی اب اس لڑکی کے پاس نہ ہو...... ہوسکتا ہے شیراز یا سکندر نے اُس سے وہ انگوٹھی حاصل کر لی ہو۔ کیونکہ پراسرار گھڑسوار سے ملنے والا مکتوب یہ ثابت کرتا ہے کہ انگوٹھی کو شیراز نے استعمال کیا۔"

"بے شک...... مکتوب سے یہی ثابت ہوتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ انگوٹھی اس لڑکی کے پاس ہی ہوگی۔ کیونکہ اس عرب لڑکی کا گھر ہی وہ محفوظ ترین جگہ ہوسکتی ہے جہاں اس انگوٹھی کو بے فکری کے ساتھ چھپایا جاسکتا ہے۔ شیراز یا سکندر کا گھر اس خطرناک ثبوت کو رکھنے کی صحیح جگہ نہیں ہیں۔ کلاڈیوس! تم آج رات ہی یہ انگوٹھی حاصل کرو۔ ایک مرتبہ ہمارے ہاتھ سردار ڈوگاسا کی انگوٹھی لگ گئی تو پھر ہمارے دشمنوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی۔ میں سلطان کو کل ہی وہ انگوٹھی دکھا کر تمام حقائق سے آگاہ کردوں گا۔"

کلاڈیوس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ آج رات اسے ایک مجبور اور بے بس لڑکی کا شکار کرنا تھا۔ یکایک اس کے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

کلاڈیوس جلد ہی سٹن کے گھر سے نکل آیا۔ اس کی ماں ابھی تک وہیں تھی۔ دن بھر وہ اپنی واردات کی تیاریاں کرتا رہا اور رات کا پہلا پہر گزر جانے کے بعد اس نے طاہرہ کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ طاہرہ، اس کا معذور باپ اور بوڑھی ماں پیش آمدہ خطرے سے بالکل بے خبر تھے۔ بوڑھے عرب سپاہی کا گھر ایک متوسط درجے کے محلے میں تھا۔ یہاں زیادہ تر بوڑھے سپاہی یا مزدور طبقہ کے لوگ رہتے تھے۔ پانچ سواروں پر مشتمل کلاڈیوس کا سیاہ پوش

Marfat.com

دستہ طاہرہ کے گھر کے پاس نمودار ہوا۔ یہ رات کا دوسرا پہر تھا۔ پورا استنبول خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ کلاڈیوس مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک بوڑھا اور معذور سپاہی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ گھر میں باقی صرف دو عورتیں تھیں۔ کلاڈیوس کو ایک لمحے کے لئے بھی کسی کے ساتھ لڑائی ہونے کا خیال نہ آیا۔

طاہرہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے درمیان ایک چارپائی پر گرم کمبل میں لپٹی دنیا ومافیہا سے بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں تیل کا ایک چھوٹا سا دیا جل رہا تھا جس کی مدھم سی روشنی میں طاہرہ کی شفاف جلد کسی ٹھہرے ہوئے تالاب کی طرح چمک رہی تھی۔ عرب نسل کی یہ حسینہ اپنی ملائم کہنی پر سر رکھے نہ جانے کتنے حسین خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کی بوڑھی ماں اور معذور باپ اپنی اپنی چارپائیوں پر ہلکے ہلکے خراٹے لے رہے تھے۔ ہر طرف سکوت اور خاموشی تھی۔ یکایک فضا کسی زوردار آواز سے گونج گئی۔ کمرے میں سوئے تینوں نفوس بری طرح ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ یہ دو تلواروں کے ٹکرانے کی آواز تھی جن کی ٹن ٹن کی گونج پورے محلے میں سنائی دے رہی تھی۔ طاہرہ اور اس کے ماں باپ حیرت سے ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے۔ طاہرہ کی بوڑھی ماں کے چہرے پر خوف کے گہرے سائے دیے کی مدھم لو میں بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ انہیں بیدار ہوتے ہی پتہ چل چکا تھا کہ ان کے گھر میں دو شمشیر زن زوردار جنگ کر رہے ہیں۔ طاہرہ کے لئے یہ ایک عجیب بات تھی۔ عجیب اور حیران کن۔ طاہرہ کا باپ جو کبھی ایک بہادر سپاہی تھا، اپنی جگہ بار بار پہلو بدلنے لگا۔ وہ اٹھنا چاہتا تھا لیکن اپنی معذوری کے سبب ایسا نہ کر سکتا تھا۔ ان کے کمرے سے باہر برآمدے میں کون لڑ رہا تھا یہ بات ان تینوں میں سے کوئی نہ جانتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ٹکراتی ہوئی شمشیروں کی آواز میں اضافہ ہو گیا۔ اب دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ لوگ لڑ رہے تھے۔ طاہرہ سے رہا نہ گیا، وہ بھڑک کر اٹھی۔ اس نے اپنا کمبل ایک طرف پھینکا اور اٹھ کر دیوار پر لٹکی اپنے باپ کی تلوار بے نیام کر لی۔ وہ باہر جانا چاہتی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ خدا جانے باہر کیا ہو رہا تھا۔ تلواریں ٹکرانے کی آواز میں شدت آتی جا رہی تھی۔ طاہرہ دروازے کی کنڈی ہٹانے ہی والی تھی کہ اس کے باپ نے اسے لرزتی ہوئی آواز کے ساتھ پکارا۔

"بیٹی رکو...... باہر اندھیرا ہے۔"

طاہرہ ٹھٹک کر رک گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے بوڑھے بہادر باپ کے دل پر اس وقت کیا

Marfat.com

گزر رہی ہو گی۔ لیکن یوں کمرے میں دبک کر بیٹھنے رہنا بھی تو ٹھیک نہیں تھا۔ طاہرہ نے یکلخت مشعل لے جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ دوڑی، کمرے کے ایک کونے میں رکھی مشعل اٹھائی، اسے دیے کے شعلے سے جلایا اور پھر دوبارہ دروازے کی طرف پلٹی۔ اس کی ماں اور باپ بے بسی کے ساتھ اس کی ہر ہر حرکت دیکھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں انہیں ایک دردناک کراہ سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی شخص کے پیٹ میں تلوار اتر گئی ہو۔ یقیناً برآمدے میں لڑتے ہوئے لوگوں میں سے کوئی مارا گیا تھا۔ کراہ کی آواز سن کر طاہرہ ایک مرتبہ پھر ٹھٹک گئی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا لیکن اب وہ مزید دیر نہ کر سکتی تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر دروازے کی کنڈی ہٹائی اور مشعل لئے باہر نکل آئی۔ دروازے کے سامنے ہی ایک لاش پڑی تھی جس کا پیٹ پھٹ چکا تھا اور انتڑیاں باہر کولڑھک آئی تھیں۔ پاس ہی ابھی تک کچھ لوگ بری طرح جنگ کر رہے تھے۔ طاہرہ نے مشعل کی روشنی میں دیکھا، یہ کل پانچ آدمی تھے۔ اس نے مزید غور کیا تو اسے پتہ چلا کہ تین شمشیر زن، دو شمشیر زنوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ برآمدے کے فرش پر آڑا ترچھا پڑا شخص چھٹا تھا۔ وہ فوری طور پر کچھ نہ سمجھ سکی کہ یہ کیا ماجرا ہے...... لیکن اسی لمحے اسے دفاعی انداز میں لڑتے ہوئے ایک نوجوان کی آواز سنائی دی۔

''بہن! میں ہوں، ایلام! یہ تینوں حملہ آور ہیں۔ تم فوراً مکان کی چھت پر چلی جاؤ۔ خدا کے لئے جلدی کرو...... ہم انہیں تم تک نہیں پہنچنے دیں گے۔''

طاہرہ ایلام کی آواز فوراً پہچان گئی۔ لیکن وہ ہکا بکا کھڑی محض دیدے گھماتے ہوئے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک وہ کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔ ایلام بڑی بہادری کے ساتھ کلاڈیوس کے بھاری وار اپنی شمشیر پر روک رہا تھا۔

ایلام کا دوسرا ساتھی بھی کم شجاعت کا مظاہرہ نہیں کر رہا تھا۔ لیکن کلاڈیوس ایک مایہ ناز شمشیر زن تھا۔ اس نے ایلام اور اُس کے ساتھی کو تھوڑی دیر میں ہی دوڑا دوڑا کر تھکا دیا۔ کلاڈیوس کا ایک سپاہی ہلاک ہو چکا تھا۔ معاً طاہرہ کی نظر ایک چھوٹی سی ڈھیری پر جا پڑی۔ اگلے ہی لمحے اس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کیونکہ یہ ایک انسانی سر تھا...... تو کیا؟...... کوئی اور شخص بھی ہلاک ہوا تھا......؟ ہاں، یہ ایلام کے ایک ساتھی کا سر تھا، اس کا سر کٹا جسم پاس ہی پڑا تھا۔ تلواروں کی ٹناٹن بدستور جاری تھی اور دونوں طرف کے سپاہی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ کلاڈیوس کے لئے یہ تمام تر صورت حال انتہائی غیر متوقع تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس

Marfat.com

بے آسرا لڑکی کے گھر میں یوں تین تین کڑیل محافظ اس کے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔ کلاڈیوس کو اب پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ اپنے پانچویں سپاہی کو مکان سے باہر کیوں چھوڑ آیا۔ یہ تین محافظ کون تھے جو عرب لڑکی کی حفاظت کے لئے یوں خدائی فوجدار بن کر پہنچ گئے۔

یہ ایلام، زریاب اور شہروز تھے۔ شیراز کل رات کے شب خون سے فارغ ہو کر بے فکر نہ ہو گیا تھا۔ الفانسو کے مکان میں کلاڈیوس کے ساتھیوں پر قابو پانے کے بعد جب اسے معلوم ہوا کہ ان کے ہمراہ ایک چوتھا حملہ آور بھی تھا جو ان کی باتیں سنتا رہا تھا تو شیراز نے فوری طور پر اپنی ان باتوں کو اپنے ذہن میں دہرانا شروع کر دیا۔ کیونکہ کلاڈیوس کا چوتھا ساتھی زندہ بچ کر بھاگ نکلا تھا۔ شیراز جانتا تھا کہ وہی چوتھا شخص کلاڈیوس اور مادام تھروشیا کو ایک ایک بات بتا دے گا۔ شیراز نے اپنی کہی باتیں اپنے ذہن میں دہرائیں تو اسے یاد آیا کہ اس نے اپنی گفتگو کے دوران عرب لڑکی کا بھی ذکر کیا تھا۔ طاہرہ شیراز کی منہ بولی بہن تھی۔ وہ اپنی ایک بہن کھو چکا تھا۔ وہ سانپ کا ڈسا تھا اور اب اس کو بھی سانپ سمجھتا تھا۔ جونہی اسے یاد آیا کہ اس نے عرب لڑکی کا ذکر کیا تھا تو وہ بے قرار ہو گیا۔ اس نے الفانسو اور صوفیہ کے ساتھ مشورہ کیا اور سب کے مشورے سے یہی طے پایا کہ جلد سے جلد طاہرہ کی حفاظت کا خفیہ طور پر کوئی بندوبست کیا جائے۔ ابھی رات پوری نہ گزری تھی کہ شیراز آندھی اور طوفان کی طرح اُڑتا ہوا سکندر کے پاس پہنچا۔ اس نے سکندر کو تمام حالات بتائے اور فیصلہ کیا کہ وہ طاہرہ کی حفاظت کرے گا۔ لیکن سکندر نے اسے منع کر دیا۔

”تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ شہروز اور زریاب یہیں ہیں۔ تم جانتے ہو وہ کتنے خطرناک جنگجو ہیں۔ میں ایلام کے ساتھ انہیں طاہرہ کے گھر کی نگہبانی کے لئے بھیج دوں گا۔ یہ شہر ہے، یہاں وہ لوگ طاہرہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم ایک قیاس کی بناء پر کب تک طاہرہ کا پہرہ دیتے رہو گے۔ اور پھر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس مظلوم لڑکی کو ان حالات کی خبر ہو۔ تم مطمئن رہو، طاہرہ اب میری ذمہ داری ہے۔“

کلاڈیوس پر سب سے پہلا حملہ شہروز نے کیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے شہروز کا پیر کسی چیز پر پھسلا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ تلوار چلانے کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ کارڈیوس نے ایک ہی وار میں اُس کڑیل جنگجو مرد کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔ شہروز کے بعد ایلام اور زریاب اکیلے رہ گئے جبکہ حملہ آور چار تھے۔ لیکن زریاب نے اپنی تلوار بازی کے ایسے

Marfat.com

جوہر دکھائے کہ کلاڈیوس اور اس کے ساتھی دنگ رہ گئے۔ زریاب نے ان میں سے ایک کو ہلاک کر دیا اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ کلاڈیوس کے ساتھی کا پیٹ پھٹ گیا۔

لیکن یہ معرکہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ البتہ طاہرہ اب ساری صورتحال سمجھ چکی تھی۔ چنانچہ وہ بہادروں کی طرح شمشیر لہراتے ہوئے آگے بڑھی اور کلاڈیوس پر حملہ کر دیا۔ اب دونوں طرف لڑنے والوں کی تعداد برابر تھی۔ طاہرہ ایک بہادر عرب سپاہی کی بیٹی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے کون سے وار کو کہاں روکنا ہے...... لیکن بہر حال وہ ایک ناتواں لڑکی تھی۔ جبکہ ایلام بھی سپاہی نہیں تھا۔ وہ تو سکندر کا گھریلو خادم تھا۔

شہروز کی شہادت کے بعد فی الحقیقت اکیلا زریاب ہی ایک ماہر شمشیر زن تھا۔ کلاڈیوس کو جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا۔ اس لڑائی کو کافی دیر ہونے والی تھی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا۔ شمشیروں کی گونج اہل محلہ کو بیدار کرنے کے لئے کافی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد مکان کے صدر دروازے کی پرلی طرف کسی شخص کی آواز سنائی دی۔

''محترم کلاڈیوس! بھاگ نکلئے...... اہل محلہ بیدار ہو چکے ہیں۔ کچھ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں۔''

کلاڈیوس کے لئے یہ خبر مایوس کر دینے والی تھی۔ لیکن طاہرہ اور اس کے ساتھیوں پر اس خبر کا بے حد حوصلہ افزاء اثر پڑا اور نتیجتاً ان کا دفاعی انداز حملہ آور انداز میں بدل گیا۔ باہر محلے میں کچھ لوگوں کے بولنے کی ہلکی ہلکی آوازیں یہاں تک پہنچ رہی تھیں۔ کلاڈیوس کے باہر کھڑے ساتھی نے ایک مرتبہ پھر کہا۔

''محترم کلاڈیوس! مجھے یہاں سے ہٹنا ہو گا...... بہت سے لوگ اسی طرف آ رہے ہیں۔ آپ نکلنے کی کوشش کیجئے۔''

اب اگر کلاڈیوس مزید کچھ دیر یہ لڑائی جاری رکھتا تو اہل محلہ کے ہاتھوں اس کا مارا جانا یقینی تھا۔ اس نے لڑتے لڑتے اچانک ایک جست بھری اور کئی قدم دور جا گرا۔ وہ فرار ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی دھر لئے گئے۔ فضا میں یکے بعد دیگرے دو دلدوز چیخیں گونجیں اور کلاڈیوس کے دونوں سپاہی زریاب اور طاہرہ کی تلواروں کا لقمہ بن گئے۔ ایلام پہلے ہی وہ جگہ چھوڑ چکا تھا۔ وہ کلاڈیوس کے پیچھے تھا۔ کلاڈیوس بجلی کی سی تیزی سے مکان کے زینوں تک پہنچا اور پھر دو دو زینے ایک ساتھ پھلانگتے ہوئے وہ مکان کی چھت پر چلا آیا۔ اس سے پہلے کہ ایلام

Marfat.com

مکان کی چھت پر پہنچتا، کلاڈیوس کسی چھلاوے کی طرح مکان کی چھت سے باہر گلی میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

انگوٹھی سچ مچ طاہرہ کے پاس رکھی تھی۔ آج اگر سکندر پاشا کا خادم ایلام اور اس کے ساتھی نہ ہوتے تو کلاڈیوس ہر قیمت پر وہ انگوٹھی لے کر ہی یہاں سے جاتا۔ انگوٹھی حاصل کرنے کے علاوہ وہ طاہرہ کے ساتھ اور کیا کچھ کرتا یہ سوچ کر طاہرہ کانپ گئی۔ یہ دوسری مرتبہ ہوا تھا کہ اس کی آبرو لٹنے سے بال بال بچ گئی تھی۔

دشمن پر قابو پا لینے کے بعد ایلام اور زریاب ان کی لاش گھسیٹ کر باہر گلی میں لے آئے۔ اب اہل محلہ کافی سے زیادہ اکٹھے ہو چکے تھے۔ چوتھی لاش شہروز کی تھی جسے زریاب اور ایلام نے مل کر چارپائی پر ڈالا۔ اس کا سر اٹھا کر دھڑ کے ساتھ رکھا اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔ زریاب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شہروز اس کا بچپن کا دوست تھا۔ ان دونوں یتیم بچوں کو ''خالص بابا'' نے خود پالا تھا۔ لیکن زریاب کو ایک بات کی خوشی تھی کہ انہوں نے خالص بابا کی ہونے والی بہو کو بے آبرو ہونے سے بچا لیا۔ زریاب شہروز کی چارپائی کے پاس بیٹھا غم اور اطمینان کی عجیب دورنگی کیفیت کا شکار تھا۔ ایلام سکندر کو خبر کرنے کے لئے جا چکا تھا۔ اسی اثناء میں زریاب نے طاہرہ کی آواز سنی۔

''یہ سب میری وجہ سے ہوا...... میں ہی آپ کے دوست کی موت کا باعث بنی۔''

طاہرہ کی بات سن کر زریاب جیسے اپنی کیفیت سے نکل آیا۔ وہ یکلخت اٹھا اور طاہرہ کے نزدیک کھڑے ہوتے ہوئے انتہائی شفقت اور ادب سے بولا۔

''بہن! آپ سکندر پاشا کی عزت ہو، سکندر پاشا ہمارا بھائی بھی ہے اور سردار بھی۔ آپ کی حفاظت کرتے ہوئے ہمارا سارا قبیلہ قربان ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ ہماری موت رائیگاں نہیں گئی۔ ہمیں کل ہی خبر مل چکی تھی کہ دشمن آپ کے گھر پر دھاوا بولنے والا ہے۔ تمام رات ہم نے چھپ کر پہرہ دیا۔ شیراز بھیا کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ انہوں نے ہی ہمیں بتایا تھا کہ کلاڈیوس آپ پر حملہ کرے گا۔''

''کلاڈیوس؟...... کون کلاڈیوس؟...... میں سمجھی نہیں۔''

زریاب نے طاہرہ کو کلاڈیوس کے بارے میں بتایا۔ شیراز کی سب سے بڑی دشمن مادام تھروشیا کا بھی ذکر کیا۔ قبل ازیں طاہرہ، شیراز کی کہانی سے بے خبر تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ

Marfat.com

شیراز کی بہن نورین کے بارے میں سن چکی تھی۔آج اسے تمام حالات کا علم ہوا تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔اس وقت تک طاہرہ کی بوڑھی ماں اور معذور باپ کے ساتھ زریاب کا تعارف ہو چکا تھا۔وہ اہل محلہ کی آوازیں سنتے ہی کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔اہل محلہ تو اب تک گلی میں موجود تھے۔کچھ دیر بعد کسی شخص نے طاہرہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔زریاب تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تو طاہرہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو بھیا! میں دیکھتی ہوں۔اہل محلہ میں سے کوئی ہوگا۔''

طاہرہ گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اور پھر کچھ دیر تک محلے کی عورتوں اور مردوں کا آنا جانا باقی رہا۔یہاں تک کہ ایلام سکندر کو لے کر طاہرہ کے گھر پہنچ گیا۔شہروز کی لاش پر نظر پڑتے ہی سکندر کے دل کو دھچکا لگا۔اسے شہروز اور زریاب بھائیوں کی طرح عزیز تھے۔سکندر پاشا کی آنکھوں میں پانی کے ننھے ننھے قطرے چمکنے لگے۔زریاب نے سکندر کو دیکھا تو اس سے لپٹ گیا۔

''بھیا! شہروز ہم میں نہیں رہا۔وہ اتنی آسانی سے مرنے والا نہیں تھا۔اسے تو لڑنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔کسی چیز پر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے لڑھک گیا اور پھر......بس......''

زریاب رو رہا تھا۔سکندر نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔طاہرہ ایک طرف کھڑی سہمی ہوئی سے سکندر کی جانب دیکھ رہی تھی۔وہ خود کو اس سارے واقعے کا مجرم اور شہروز کا قاتل سمجھتی تھی۔اسی اثناء میں سکندر کو طاہرہ کے معذور باپ کی آواز سنائی دی۔

''سکندر بیٹا! جب تم قید میں تھے تو تمہارے بابا خالص پاشا ہمارے گھر آئے تھے۔انہوں نے تمہارے لئے طاہرہ کا ہاتھ مانگا تھا۔ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ہم تو بہت خوش ہوئے تھے۔لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا اور تمہارے بابا تمہاری رہائی سے پہلے ہی چل بسے۔تم رہا ہو کر آئے ہو تو جوان بیٹی کی بابت تم سے بات کرتے ہوئے مجھے لاج آئی۔لیکن آج رات کا واقعہ دیکھ کر مجھے براہ راست کہنا پڑ رہا ہے...... بیٹا! تم طاہرہ کو لے جاؤ،اسے اپنے گاؤں لے جاؤ۔یہ وہاں محفوظ رہے گی۔کاش! میں معذور نہ ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔بیٹا، میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔''

عمر رسیدہ بہادر عرب سپاہی رو رہا تھا۔اسے اپنی معذوری اور بے بسی پر بے حد دکھ اور غصہ

Marfat.com

آرہا تھا۔ بات کرنے کے دوران اس کی آواز بھرا گئی تھی اور کپکپاتی ہوئی بوڑھی آواز میں تقدیر کے آگے بے بسی کا بے پناہ تاثر غالب تھا۔ طاہرہ کی بوڑھی ماں بھی ایک طرف کھڑی ہچکیاں لے رہی تھی۔ اور خود طاہرہ کے حسین رخسار بھی آنسوؤں سے تر تھے۔ سکندر کی نظر باری باری سب پر پڑی اور پھر سکندر نے کہا۔

''ٹھیک ہے چچا جان...... میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ طاہرہ میری عزت ہے، میں آج ہی شادی کا بندوبست کرتا ہوں۔''

سکندر پاشا کی شادی کا سن کر ایلام اپنی جگہ پر خوشی سے اچھلا۔ زریاب بھی مسکرانے لگا۔ انہیں شہروز کا غم کم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ بوڑھا عرب سپاہی اور طاہرہ کی ماں تو پھولے نہ سما رہے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ دیکھنے والا طاہرہ کا چہرہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں احسان مندی، تشکر، والہانہ محبت اور عقیدت کے جذبات یوں گھل مل گئے تھے کہ شدتِ جذبات سے اس کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا اور آنکھوں کی جھیل سے آنسوؤں کے چشمے اُبل پڑے۔ طاہرہ کبھی سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ اس کی زندگی میں اتنا خوبصورت دن بھی آئے گا۔ اس کا دل بے حد مچل رہا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ آگے بڑھ کر سکندر پاشا کو اپنے سینے سے لگا لے۔ اسی اثناء میں اسے سکندر کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

''لیکن میری ایک شرط ہے...... میں طاہرہ کو صرف اسی صورت میں لے جاؤں گا کہ آپ دونوں بھی میرے ساتھ چلیں۔''

سکندر کا اشارہ بوڑھے عرب سپاہی یعنی طاہرہ کے باپ اور ماں کی طرف تھا۔ ان دونوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوش ہونے لگے۔

◆ ...... ◆

سکندر پر نظر پڑتے ہی ''بلط جی'' اسے پہچان گئے۔ صدر اعظم بلط جی کا حافظہ بہت تیز تھا۔ وہ کسی کو ایک مرتبہ دیکھ لیتے تو پھر جب کبھی بھی اسے دیکھتے پہچان جاتے۔ اور پھر سکندر انہیں کیسے بھول سکتا تھا۔ چند دن پہلے ہی کی تو بات تھی جب سکندر زندانِ سلطانی سے رہائی پانے کے بعد ان سے ملنے کے لئے یہیں آیا تھا۔ کپتان الفانسو کو تو صدر اعظم بلط جی پہلے ہی سے جانتے تھے۔ البتہ اس کی بیٹی اور شیراز کے ساتھ وہ پہلی مرتبہ مل رہے تھے۔ یہ سب لوگ صدر اعظم بلط جی سے ملنے آئے تھے۔ دراصل سکندر نے سب کو مجبور کیا تھا کہ بلط جی کی ذات پر

Marfat.com

اعتماد کیا جائے۔ آخر اپنے حالات بتانے کے لئے کسی بڑے حکومتی عہدہ دار پر تو بھروسہ کرنا ہی ہوگا۔ کپتان الفانسو کا کہنا تھا کہ جو بات کی جائے براہِ راست سلطان سے کی جائے۔ سلطنت کے کسی بھی بڑے عہدہ دار پر اعتماد نہ کیا جائے۔ لیکن سکندر کو بلط جی پر بھروسہ تھا۔ اُسے بلط جی سے اپنی ملاقات کا ایک ایک لفظ یاد تھا۔ اس نے تمام روداد کپتان الفانسو، صوفیہ اور شیراز کے سامنے کہہ سنائی۔

آج سکندر کی شادی کو ساتواں دن تھا۔ طاہرہ اب اپنے سسرال میں محفوظ تھی۔ سکندر ایک دو روز اپنے گھر میں رہ کر واپس آ گیا تھا۔ اسے استنبول میں بہت سے کام نمٹانے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے استنبول سے بلقان تک کا سفر کم سے کم وقت میں طے کیا۔ بلقان سے واپسی پر وہ کپتان الفانسو کے مکان پر ٹھہرا۔ اب کپتان کے مکان پر باقاعدہ پہرہ دیا جانے لگا تھا۔ سکندر کے وفادار سپاہی ہمہ وقت چوکس رہتے تھے۔

کپتان الفانسو نے بالآخر سکندر کے کہنے پر بلط جی کے پاس جانے کی حامی بھر لی اور اس وقت یہ چاروں کپتان الفانسو، شیراز، سکندر اور صوفیہ بلط جی کے سامنے تھے۔ بلط جی نے بڑے پُرتپاک انداز میں کپتان الفانسو اور سکندر کا استقبال کیا۔

"مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ لوگ میرے پاس آئے۔ سکندر بیٹا! مجھے سب اندازہ ہے، میں بے خبر نہیں۔ کپتان الفانسو سے تو میری پرانی شناسائی ہے۔ تمہارے ساتھ یہ جو نوجوان ہے اگر میرا تجربہ غلط نہیں تو یہی وہ پراسرار گھڑسوار ہے جس نے گزشتہ دنوں پورے استنبول کو چونکا دیا تھا۔ البتہ یہ بیٹی کون ہے؟ میں اسے پہچان نہیں سکا۔"

شیراز بلط جی کے تجربے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ کپتان الفانسو بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ میری بیٹی ہے...... اس کی شکل ماں پر گئی ہے۔ اس لئے آپ کا تجربہ کام نہیں آیا۔"

کپتان کی بات سے سب کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ سکندر نے صوفیہ کا مزید تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"صدرِ اعظم!...... آپ انہیں نہیں جانتے؟ یہ مشہور مصورہ ہیں...... صوفیہ!"

"اوہ...... اچھا...... میں نے ان کا خوب نام سنا ہے۔ یہ تو استنبول کی بہزاد[1] ہیں۔"

---

[1] مشہور ایرانی مصور

Marfat.com

صوفیہ اپنی تعریف، صدر اعظم کے منہ سے سن کر خوشی سے جھوم اٹھی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ یکایک صدر اعظم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ آپ لوگ کھانا میرے ساتھ کھائیے گا...... اس وقت میں نماز کے لئے جانا چاہتا ہوں...... واپسی پر مجھے ایک دو چھوٹے چھوٹے کام ہیں۔ رات کو کھانے کے دستر خوان پر بیٹھ کر تفصیل سے بات کریں گے۔ میں آپ لوگوں کی پوری بات دھیان سے سننا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر مجھے شیراز کی کہانی سے دلچسپی ہے...... میرے آنے تک آپ لوگ تشریف رکھئے۔''

بلط جی کے منہ سے شیراز کا نام سن کر سب دنگ رہ گئے...... یہ کیا؟...... بلط جی شیراز کو کیسے جانتے ہیں؟ پراسرار گھڑ سوار کی بات الگ تھی لیکن بلط جی تو شیراز کو اس کے اصل نام سے جانتے تھے۔ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ لیکن بلط جی کا قہقہہ نکل گیا۔

''ارے اس میں حیران ہونے کی کون سی بات ہے...... میں سلطنت کا صدر اعظم ہوں۔ اگر میری آنکھیں ہی کھلی نہیں رہیں گی تو سلطنت کیسے چل سکتی ہے۔ مجھے یہ جاننا پڑتا ہے کہ کون سلطنت کا دشمن ہے اور کون دوست۔ آپ بے فکر رہیں، رات کو بیٹھ کر سب بتا دوں گا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

اتنا کہہ کر صدر اعظم بلط جی باہر کی جانب چل دیئے۔ سب کی تیوری پر حیرت کے بل تھے لیکن کپتان الفانسو مسکرا رہا تھا۔ شیراز، صوفیہ اور سکندر نے سر گھما کر الفانسو کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا تو الفانسو نے کہا۔

''سکندر! تم سچ کہتے تھے۔ بلط جی سلطنت کے وفادار ہیں۔ دیکھو! شیراز کا اصل نام جاننے کا مطلب ہے کہ بلط جی نے تمہاری رہائی کے بعد تم پر نظر رکھی۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں جس کے ذریعے بلط جی کو شیراز کا نام معلوم ہو سکے۔ لیکن بلط جی نے اس تمام عرصے میں شیراز پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ وہ شیراز کا ٹھکانہ جانتے تھے لیکن خاموش رہے۔ پراسرار گھڑ سوار کا واقعہ گزرنے کے بعد بلط جی کا یوں خاموش رہنا اور شیراز کو گرفتار نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ سلطنت کا اچھا برا خوب سمجھتے ہیں۔ ہم انہیں تمام واقعات تفصیل سے بتائیں گے۔ اگر ہم انہیں حقیقت سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تو مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کی گرفتاری ممکن ہو جائے گی۔ وہ صدر اعظم ہیں، ہو سکتا ہے سفیر برطانیہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت

Marfat.com

بھی کر جائیں۔"

الفانسو کی بات سن کر سب نے اطمینان سے سر ہلا دیا۔

اور پھر رات کو یہ لوگ کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

بلط جی کا دستر خوان خاصا پُر تکلف تھا۔ زیتون کے تیل میں تلے ہوئے مچھلی کے قتلے، شامی کباب، گیہوں کی روغنی روٹیاں۔ اور مرغ مسلم کے پارچے تو کچھ بھی نہ تھے، انواع و اقسام کے پھل اور خوش رنگ مٹھائیاں دستر خوان کو جواہرات کی طشتری جیسا دکھا رہی تھیں۔ صوفیہ نے اس قدر پُر تکلف کھانا دیکھا تو بھنویں اچکائیں۔ سکندر اور شیراز مسکرا دیئے جبکہ کپتان الفانسو نے صدر اعظم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اتنا انتظام آپ نے ہمارے لئے کیا...... سلطنت کو آپ کی اور آپ کے مال کی ضرورت ہے۔ ہماری سرحدی رعایا سے روسی قزاقوں نے روٹی چھین لی ہے۔ مجھے تو یہ تکلف بے جا محسوس ہوتا ہے۔

کپتان الفانسو کا جملہ ایک صدر اعظم کے لئے خاصا تلخ تھا۔ لیکن بلط جی کچھ عجیب ہی انسان تھے۔ انہوں نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور پھر شیراز، سکندر اور صوفیہ کی جانب دیکھ کر شرارت بھرے انداز میں کہا۔

"دیکھا، الفانسو بوڑھا ہو گیا ہے...... مٹھائیاں اور پھل یا مرغن کھانے ہضم کرنا اس کے لئے مشکل ہیں۔ اس لئے ہم تو جوانوں کا مزا بھی کرکرا کر رہا ہے۔ صدر اعظم کا مذاق اتنا لذیذ تھا کہ سب قہقہہ لگاتے ہوئے کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ صوفیہ دیر تک ہنستی رہی۔ البتہ شیراز نے فوراً اپنے استاد کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"کپتان بوڑھے نہیں ہیں۔ یہ مجھ سے زیادہ اچھی طرح کوئی نہیں جانتا۔ میں آج بھی ان کے ساتھ دوڑنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"

بلط جی نے دیدے پھیلاتے ہوئے شیراز کی طرف دیکھا۔ ان کے منہ میں کھانے کا لقمہ تھا چنانچہ انہوں نے ایک لمبی ہوں کرتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا اور پھر لقمہ حلق سے اتارنے کے بعد کہنے لگے۔

"ہوں...... تمہیں تو پتہ ہو گا ہی، تم تو ان کے ساتھ دوڑتے رہے ہو۔"

اب سب مسکرا رہے تھے۔ کھانا کھانے کے دوران اسی طرح کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتی

Marfat.com

رہیں۔ کھانے کے بعد چلغوزے، بادام اور لاچی دانے سے بھری طشتری درمیان میں رکھ دی گئی اور سب باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ قہوہ پینے لگے۔ تب الفانسو نے پہلی مرتبہ سنجیدہ ہوتے ہوئے صدراعظم سے کہا۔

''ہم آپ سے کچھ اہم موضوعات پر تفصیلی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے آپ شیراز کی کہانی سن لیں۔ کیونکہ سارے سلسلے کا آغاز شیراز سے ہی ہوتا ہے۔''

صدراعظم بھی فوراً سنجیدہ ہو گئے اور شیراز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''بے شک......بے شک...... میں خود بے چین ہوں کہ آپ لوگ مجھے کچھ بتائیں۔ سلطنت کے تھکا دینے والے حالات نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ میں وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا ہوں۔ روس کا شہنشاہ پیٹر اعظم اپنے ٹڈی دل لشکر کو لے کر ''سینٹ پیٹرز برگ'' سے نکلنے والا ہے۔ کریمیا کے تمام نواحی علاقے ''سقوطِ ازف'' سے لے کر اب تک دشمن کے جوتوں کی نوک پر رکھے ہیں۔ ادھر آسٹریا کا بادشاہ پورے مغربی یورپ کو لے کر پیٹر اعظم کے عظیم مسیحی لشکر سے ملنے کے لئے مزید آگے بڑھ رہا ہے۔ حالات ایسے ہیں کہ اگر ہم بروقت سنبھل نہ پائے تو سلطنت عثمانیہ چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پس کر رہ جائے گی۔ ایسے حالات میں ہم اندرونی خلفشار کے قطعاً متحمل نہیں ہو سکتے۔ جبکہ دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہم اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو جائیں۔ ہماری موت یا ہماری زندگی صرف ہماری سمجھداری پر منحصر ہے۔ سردار ڈوگاسا کے قتل سے لے کر اب تک جو حالات استنبول میں گزرے ہیں سب میری نظر میں ہیں۔ میں خود سردار ڈوگاسا کے وجود سے تنگ تھا۔ یہی ایک شخص تھا جو استنبول میں کسی بھی وقت بغاوت کھڑی کر سکتا تھا۔ سب سے بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ اربابِ حکومت میں سے کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان ایک بھولا بھالا شخص ہے۔ وہ مکار نہیں۔ ہمیں خود سلطنت کی بقاء کے لئے کچھ کرنا ہو گا۔ میں سکندر کی گرفتاری پر خوش نہیں تھا۔ میں نے سلطان کو بھی منع کیا تھا۔ لیکن عثمان پاشا اور چند دوسرے وزراء کے اصرار پر سلطان نے سکندر کو حراست میں لے لیا۔ میں چاہتا ہوں آپ لوگ میرا ساتھ دیں۔ میرے ہاتھ مضبوط کریں۔ آپ یقین جانئے میں ''کوپریلی خاندان'' کی طرح اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہوں۔''

Marfat.com

کوپریلی خاندان کا ذکر سن کر الفانسو کے چہرے پر جذبات کی ایک لہر دوڑ گئی۔ الفانسو کوپریلیوں کا دیوانہ تھا۔ ''محمد کوپریلی، احمد کوپریلی، مصطفیٰ کوپریلی اور حسین کوپریلی'' سلطنت کے وہ مایہ ناز صدور اعظم تھے جنہوں نے سلطنت عباسیہ کے ''ابرامکہ'' اور سلجوقیوں کے نظام الملک طوسی کی تاریخ دہرادی تھی۔ کوپریلی صدور اعظم کے عہد میں سلطنت کے حق میں جو کچھ ہوا تھا، بہتر ہوا تھا۔ سب سے پہلا کوپریلی صدر اعظم ''محمد کوپریلی'' تھا۔ محمد کا آبائی وطن البانیہ تھا۔ لیکن اس کا دادا ایشیائے کوچک کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''کوپری'' میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ محمد کو ابتدائی تعلیم بھی نصیب نہ ہوئی اور ابھی وہ لڑکا ہی تھا کہ اسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے گھر سے نکلنا پڑا۔ خوش قسمتی سے اسے سلطان کے مطبخ میں نوکری مل گئی۔ لیکن پھر ایک وقت وہ آیا کہ محمد کوپریلی نے دولت عثمانیہ کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال تھی۔ اور پھر بہت جلد محمد کوپریلی نے سلطنت عثمانیہ کو سنبھال لیا۔ محمد کوپریلی کی وفات کے وقت ''سلطان محمد رابع'' بیس سال کا ہو چکا تھا اور اب وہ عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا۔ لیکن اُسے شکار کا بے حد شوق تھا۔ اور وہ اسی میں اپنا تمام وقت صرف کرتا تھا۔ اس نے سلطنت کا سارا انتظام نئے صدرِ اعظم ''احمد کوپریلی'' کے سپرد کر دیا۔ 1661ء سے لے کر اپنی وفات (1676ء) تک احمد کوپریلی ہی دراصل سلطنت عثمانیہ کا فرمانروا تھا۔ وہ اپنی لیاقت، اپنے تدبر اور اپنی عظمت کے لحاظ سے دولت عثمانیہ کا سب سے بڑا اور سب سے ممتاز صدر اعظم خیال کیا جاتا تھا۔ تمام عثمانی اور مسیحی امراء حتیٰ کہ مشرق و مغرب کے بعض بڑے بڑے علماء اس کی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے۔ تقرر کے وقت اس کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ محمد کوپریلی نے اُسے بہترین تعلیم دلوائی تھی اور انتظام سلطنت کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں دی تھی۔ وہ باپ کی زندگی میں ہی ایک صوبہ کی ولایت پر مامور رہ چکا تھا۔ وہ ایک خوش خلق، منکسر المزاج اور ذاتی خوبیوں سے دوسروں کو گرویدہ کر دینے والا شخص تھا۔ وہ شرعی احکامات کی پابندی نہایت سختی سے کرتا اور اس کی زندگی اسلامی زندگی کا ایک قابل تقلید نمونہ تھی جس کا اثر اس کے ہم عصر وزیروں اور عہدہ داروں پر بھی پڑا۔ اس کے انہی محاسن کی بنا پر ترک اُسے فاضل احمد کہتے تھے۔

احمد کوپریلی بھی اپنے والد کی طرح ایک مضبوط قوتِ ارادی کا مالک شخص تھا۔ وہ ایک عظیم فاتح تھا۔ 1663ء میں اُس نے ایک زبردست فوج کے ساتھ بلغراد کے مقام سے دریائے

Marfat.com

ڈینیوب کو عبور کیا اور شمال میں نوہزل کی طرف بڑھا۔ یہ قلعہ یورپ کے سنگین ترین قلعوں میں سے تھا اور آسٹریا کو اس کی مضبوطی پر پورا بھروسہ تھا۔ لیکن پانچ ہفتے کے محاصرہ کے بعد 25 صفر المظفر 1074 ہجری بمطابق 28 ستمبر 1663ء کو محصورین نے ہتھیار ڈال کر قلعہ عثمانیوں کے سپرد کر دیا۔

26 اگست 1672ء کو احمد کوپریلی پولینڈ کے صوبہ ''پوڈولیہ'' کو فتح کر کے لوٹ رہا تھا۔ اس مرتبہ خود سلطان محمد رابع بھی اس کے ہمراہ تھا۔ 9 ستمبر 1672ء کو دوسرا مضبوط اور مشہور شہر ''لمبرگ'' بھی عثمانی افواج نے چھین لیا۔ ان فتوحات کے بعد مائیکل شاہ پولینڈ نے صلح کی درخواست کی اور صلح نامہ ''بوزاکس'' پر دستخط کر کے ''پوڈولیہ'' اور ''اوکرین'' کے صوبے سلطنت عثمانیہ کے حوالے کر دیئے اور دو لاکھ بیس ہزار ''دوکات'' سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ صلح کے بعد ''محمد رابع'' ایک فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹا۔

لیکن یہ صلح بالکل عارضی ثابت ہوئی۔ سوبیسکی اور پولینڈ کے دوسرے امراء نے اسے یک قلم مسترد کر دیا اور ازسرنو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ 1673ء میں احمد کوپریلی پولینڈ کی سرکوبی اور زارِ روس کی تنبیہ کے لئے جس نے گزشتہ جنگ میں پولینڈ کو مدد پہنچائی تھی، پھر روانہ ہوا۔ لیکن 11 نومبر 1673ء کو ترکی لشکر کو ایک عارضی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر فتح احمد کوپریلی کے حصے میں آئی۔ اسی فتح کے چند روز بعد احمد کوپریلی نے وفات پائی۔

تیسرا کوپریلی مصطفیٰ کوپریلی تھا۔ مصطفیٰ کوپریلی، احمد کوپریلی کی وفات کے تیرہ سال بعد دولت علیہ کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ اس تیرہ سال کے عرصے میں سلطنت کو ہر طرح کی خرابی اور بربادی کا سامنا تھا۔ خاندانِ کوپریلی کا یہ تیسرا فرد سلطنت کو تباہی سے بچانے کے لئے طلب کیا گیا۔ 1689ء میں جب مصطفیٰ کوپریلی کا تقرر ہوا تو اس کی عمر 52 سال تھی۔ مصطفیٰ کوپریلی اپنے بزرگوں یعنی محمد اور احمد کوپریلی کے دورِ وزارت میں مختلف ذمہ دار عہدوں پر کام کر چکا تھا۔ عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے اس نے تمام مشاہیر سلطنت کو مدعو کر کے ایک دیوان منعقد کیا اور اس کے سامنے دولت علیہ کی زبوں حالی کا صحیح صحیح نقشہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ اگر ہمارا یہی حال رہا تو آئندہ معرکہ میں غنیم قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے نظر آئے گا۔ اس کے بعد وہ حکومت کے اندرونی انتظامات کی طرف متوجہ ہوا اور ایسے تمام محصول معاف کر دیئے جن سے رعایا نہایت پریشان تھی۔ اس کے برعکس اس نے امیر لوگوں

Marfat.com

سے سختی کے ساتھ بڑی بڑی رقمیں وصول کیں اور سلطنت کا خزانہ پُر کر دیا۔ اس نے خود اپنے تمام نقرئی ظروف خزانۂ عامرہ میں منتقل کر دیئے۔ اس کے دسترخوان پر صرف تانبے کے برتن نظر آتے تھے۔ اس طرح فوج کی فوری ضروریات کے لئے خزانہ جمع ہو گیا۔

اس کے بعد اُس نے فوج کے لئے نئے سپاہی بھرتی کرنا شروع کئے اور تمام آزمودہ کار سپاہیوں اور افسروں کو جو گزشتہ جنگوں کے بعد برطرف کر دیئے گئے تھے، دوبارہ طلب کر کے اس نئی فوج کے ہر دستہ پر تقسیم کر دیا تا کہ نئے سپاہی ان کے تجربہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس نے سلطنت کے اہم صوبوں میں ایسے گورنر مقرر کئے جن پر اسے پورا اعتماد تھا۔ ترکی بحریہ کی اصلاح اور مضبوطی کے لئے بھی، جو گزشتہ معرکوں میں بہت کمزور ہو گئی تھی اس نے مختلف تدبیریں اختیار کیں اور لائق افسروں کو مقرر کیا۔ اس نے بہت سی تجارتی پابندیاں بھی جو نامناسب تھیں اٹھا دیں۔

مصطفیٰ کوپریلی کو تمام رعایا کی فلاح و بہبود کا بڑا خیال تھا۔ وہ سب کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتا۔ اس کی عدالت میں رنگ و نسل اور مذہب و ملت کی کوئی تمیز نہ تھی۔ وہ اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ بھی بے پناہ رحم دل تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ جو مسیحی حکومتیں ترکی پر حملہ آور ہو رہی تھیں انہیں دولت عثمانیہ کی عیسائی رعایا سے بہت کچھ مدد مل رہی تھی۔ چنانچہ البانیہ کی عیسائی رعایا وینس کی فوجوں میں شامل ہو رہی تھی اور ''سرویہ'' کے باشندے شہنشاہ آسٹریا کی مدد کے لئے تیار تھے۔ یونان میں ''موروسینی'' کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے عیسائیوں نے حملہ آوروں کا استقبال کیا تھا۔ ان واقعات کو دیکھ کر مصطفیٰ نے اپنی عیسائی رعایا کو منانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے اپنے تقرر کے فوراً بعد ہی تمام پاشاؤں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ عیسائی رعایا پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے اور ان کو پوری مذہبی آزادی دی جائے۔ ان تمام رعایتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی رعایا میں دولت عثمانیہ کے ساتھ ایک ہمدردی پیدا ہو گئی۔ خصوصاً ان عیسائیوں میں جو کلیسائے یونان کے پیرو تھے۔ کیونکہ مغرب کی عیسائی حکومتیں جو کلیسائے رومہ کے تابع تھیں ان پر قابو پانے کے بعد نہایت ظالمانہ برتاؤ کرتی تھیں۔ چنانچہ یونان کے عیسائیوں کو ''موروسینی'' کی حکومت کا ایسا تلخ تجربہ ہوا کہ انہوں نے آخر عاجز آ کر بغاوت کر دی۔ مصطفیٰ کوپریلی نے ''لابرس'' نامی ایک یونانی کو، جو سات سال سے ترکوں کی قید میں تھا، آزاد کر کے ایک ترکی فوج کے ساتھ موریا روانہ کیا۔ باغیوں

Marfat.com

نے اس فوج کی مدد سے اہل وینس کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا اور دولت علیہ کی حمایت میں آ گئے۔

اس موقع پر لائبرس کی فوج میں کپتان الفانسو جیسا مردِ آہن شامل ہوا۔ مصطفیٰ کوپریلی کا طرزِ زندگی نہایت سادہ تھا اور نمود و نمائش سے اسے بالطبع نفرت تھی۔ ضروری باتوں کے علاوہ گفتگو نہ کرتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس نے نہ کبھی کوئی جرم کیا اور نہ کبھی کوئی غیر ضروری لفظ استعمال کیا۔ لڑائیوں میں دوسرے سپاہیوں کے ساتھ وہ عام طور پر پیدل ہی چلتا تھا۔ اس کا خیمہ اپنی سادگی اور بے تکلفی میں ممتاز رہتا تھا۔ مطالعہ سے اسے خاص ذوق تھا۔ وہ مطالعہ سے کبھی نہ تھکتا۔ حتیٰ کہ دورانِ جنگ بھی جب وہ اپنے خیمے میں واپس آتا تو کتابیں دیکھا کرتا تھا۔ اس کے اوصافِ حمیدہ کی بناء پر لوگ اسے کوپریلی صالح کے لقب سے پکارتے تھے۔

مصطفیٰ کوپریلی کے تقرر کے وقت آسٹریا کی فوجیں مقدونیہ تک پہنچ گئی تھیں اور وہاں کے عیسائی باشندے اپنے بطریق کی قیادت میں ان کو مدد پہنچا رہے تھے۔ ایک عیسائی سردار کارپوس نے آسٹریا کی سرپرستی میں آزادی کا اعلان کر کے ''کرال'' کا قدیم لقب بھی اختیار کرلیا۔ یہ ''کارپوس'' مادام تھروشیا کا شوہر تھا۔ چنانچہ اب سلطنت عثمانیہ کے یورپین مقبوضات کے قلب پر حملہ شروع ہو گیا تھا۔ ان حالات میں کوپریلی نے ایک مجلس جنگ منعقد کی جس میں سلیم گرائی جو کریمیا کا خان تھا اور ہنگرین سردار تکیلی بھی حاضر تھا۔ مجلس کا فیصلہ حاصل کرنے کے بعد خالد پاشا سرعسکر کی سرکردگی اور سلیم گرائی کی معیت میں ایک فوج مقدونیہ کو روانہ کی۔ ترکی اور تاتاری فوجوں نے جرمنی، آسٹریا اور البانیہ کی متحدہ فوجوں کو دو معرکوں میں شکست دی اور کارپوس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ مقدونیہ اور اس کے نواح کے وہ تمام اہم مقامات جن پر آسٹریا کی فوجوں نے قبضہ کرلیا تھا ترکوں نے واپس لے لئے۔

مقدونیہ کی فتوحات کے بعد کوپریلی نے دوسرے حصوں کے تحفظ کا سامان جاری رکھا۔ 10 اگست 1690ء میں وہ ایک زبردست فوج کے ساتھ بلغاریہ اور سرویہ سے ہوتا ہوا آسٹرین فوجوں کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ صوفیہ اور نیش کے درمیان ڈراگومان کے مقام پر دو روز تک سخت معرکہ رہا جس میں بالآخر آسٹرین فوجوں کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد مصطفیٰ کوپریلی نے نیش کا محاصرہ کیا اور صرف تین ہفتے میں اسے فتح کرلیا۔ مصطفیٰ کوپریلی ایک عظیم فاتح تھا۔

Marfat.com

شہنشاہِ آسٹریا اس کے نام سے لرزتا تھا۔ اس کا انجام بھی ایک بہادر سپاہی کی طرح ہی تھا۔ آسٹریا کے ساتھ اپنی زندگی کی آخری جنگ لڑنے کے دوران مصطفیٰ نے جب دیکھا کہ ترکوں کے قدم اکھڑ رہے ہیں تو خود تلوار لے کر عیسائی فوج کے قلب میں گھس گیا اور تیغ زنی کے جوہر دکھاتا ہوا شہید ہو گیا۔ یہ 1691ء کا سال تھا اور تخت سلطنت پر احمد ثانی متمکن تھا کیونکہ اسی سال 10 مئی کے روز ''سلیمان ثانی'' کی وفات ہوئی تھی۔

مصطفیٰ کوپریلی کی شہادت کے بعد سلطنت کے حالات تیزی سے خراب ہونا شروع ہو گئے۔ ہر محاذ پر شکست ہونے لگی اور اندرونی بغاوتوں کے علاوہ اس عہد میں وبا اور قحط کے بھی کئی حملے ہوئے۔ سمرنا میں ایک بڑا زلزلہ آیا جس سے بہت نقصان پہنچا۔ اور پھر ستمبر 1693ء میں خود قسطنطنیہ میں ایک زبردست آگ لگی جو اس زلزلہ سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہوئی۔ یہ تمام عرصہ کپتان الفانسو قسطنطنیہ کی فوج کے ایک جانباز کی حیثیت سے سلطنت کی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ لیکن اس نے ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔

احمد ثانی کی وفات پر معزول سلطان ''محمد رابع'' کا لڑکا شہزادہ مصطفیٰ تخت نشین ہوا۔ یہ 1695ء کا سال تھا۔ یہ ایک نہایت شجاع اور اولوالعزم فرمانروا تھا۔ تخت نشینی کے تیسرے ہی روز اس نے ایک خط جاری کیا جو بعد میں ''خط شریف'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خط میں سلطنت کے افسوسناک حالات بیان کر کے ان حالات کو اپنے پیش رووں کی غفلت اور عیش پسندی کا نتیجہ قرار دیا اور ان کی اصلاح کے لئے پوری آمادگی اور مستعدی ظاہر کی۔ اس وقت آسٹریا، روس، وینس اور پولینڈ سے لڑائی کا سلسلہ کم و بیش جاری تھا مگر سب سے زیادہ خطرہ آسٹریا کی طرف سے تھا چنانچہ مصطفیٰ نے ایک دیوان منعقد کر کے اعیانِ حکومت سے یہ دریافت کیا کہ غنیم کے مقابلے میں فوجوں کا روانہ کر دینا کافی ہو گا یا اُسے خود بھی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں جانا چاہئے۔ تین دن تک غور و مشورہ کرنے کے بعد دیوان اس فیصلے پر پہنچا کہ میدانِ جنگ میں سلطان کا جانا نہ صرف اس کی ذات کو خطرے میں ڈالنا ہے بلکہ اس سے لشکر کے اخراجات میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو گا۔ چنانچہ فوج کی قیادت صدر اعظم کو سونپ دی گئی۔ لیکن شجاع سلطان ''مصطفیٰ ثانی'' کو دیوان کا یہ فیصلہ پسند نہ آیا اور اس نے کہا کہ مجھے فوج کے ساتھ جانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ وہ 1695ء کے موسم گرما میں ''بلغراد'' سے ''تمیس وار'' کو روانہ ہوا اور راستے میں متعدد قلعے جو آسٹریا کے قبضے میں جا چکے تھے دوبارہ فتح

Marfat.com

کر لئے۔ سلطان کی اس فوج میں کپتان الفانسو ایک بہادر سالار کی حیثیت سے شامل تھا۔
کپتان الفانسو کو اپنی زندگی کے یہی دن بہت یاد آتے تھے۔ وہ سلطان کی قربت حاصل کر چکا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ کپتان الفانسو دل سے ایک سچا مسلمان اور سلطنت عثمانیہ کا خیر خواہ تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس نے ظاہری طور پر آج تک اسلام قبول نہ کیا تھا۔
سلطان مصطفیٰ ثانی کے لشکر کا پہلا مقابلہ 22 ستمبر 1695ء کو آسٹریا کی فوج سے ہوا۔ آسٹریا کی فوج کا سپہ سالار ''وٹے رانی'' تھا۔ الفانسو کی زندگی کی سب سے بڑی فتح یہی تھی۔ وٹے رانی کی آدھی فوج میدانِ جنگ میں ماری گئی تھی۔ 1696ء میں ہی تمیس وار کے قریب آسٹرین فوج کے ساتھ سلطان کی دوسری زبردست ٹکر ہوئی۔ اس وقت آسٹرین فوج ''ڈیوک ڈیباکس'' کے زیر کمان تازہ دم ہو کر آئی تھی۔ سلطانی فوج نے ڈیوک پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ اُسے شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مصطفیٰ ثانی کے عہد میں مدت سے شکست کھاتی ہوئی عثمانی افواج ایک بار پھر فتوحات پانے لگیں۔ عثمانی فوج ایک عرصہ سے مدافعانہ جنگ میں پسپا ہوتی آ رہی تھی، اب فاتحانہ طور پر دشمن کے مقابلے میں بڑھنے لگی اور توقع کی جانے لگی کہ مصطفیٰ ثانی کے عہد میں پچھلے عہدوں کی تلافی کی جا سکے گی۔ لیکن دوسرے سال 1697ء میں آسٹریا کے ساتھ جو معرکہ پیش آیا اس نے تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور سلطنت عثمانیہ کی ہیبت بالآخر یورپ کے دل سے نکل گئی۔ کپتان الفانسو کو آج بھی اس جنگ کا ایک ایک لمحہ یاد تھا۔

1697ء میں مصطفیٰ ایک تازہ فوج کے ساتھ بلغراد سے روانہ ہو کر ہنگری میں داخل ہوا اور شمال میں دریائے تھائیس کی جانب بڑھا۔ آسٹریا کی فوج اس وقت شہزادہ یوجین کے زیر کمان تھی جو اپنے عہد کا سب سے زیادہ مشہور جرنیل تھا۔ 11 ستمبر کو دونوں فوجوں کا مقابلہ ''زنتا'' (Zenta) کے مقام پر ہوا۔ ترکوں نے دریائے زنتا پر ایک پُل بنا رکھا تھا۔ سلطان اپنے سواروں اور توپ خانہ کے بڑے حصہ کے ساتھ دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے پہنچا لیکن پیدل سپاہی ابھی پہلے کنارے پر ہی تھے کہ کپتان الفانسو بھی اپنے دستے کے ساتھ پہلے کنارے پر ہی دریا پار کرنے کے لئے اپنی باری کا منتظر کھڑا تھا کہ دفعتہً شہزادہ یوجین ان کے سر پر آ پہنچا اور ان سپاہیوں پر جو ابھی تک دریا عبور نہ کر سکے تھے، حملہ کر دیا۔ بدقسمتی سے ترکی فوج کے مختلف دستے اس وقت باہمی جھگڑوں میں مبتلا تھے۔ اس زمانے میں صدر اعظم

Marfat.com

"الماس محمد پاشا" تھا۔ مصطفیٰ کوپریلی کو فوت ہوئے چھ سال ہو چکے تھے۔ مصطفیٰ کوپریلی صدر اعظم تھا، جبکہ مصطفیٰ ثانی سلطان...... یہ مصطفیٰ ثانی کا عہد تھا۔ جس کا صدر اعظم الماس محمد پاشا تھا۔ بعض سردار صدر اعظم سے بغض و عداوت رکھتے تھے۔ میدانِ جنگ میں ینی چری کی ایک بڑی تعداد نے بغاوت کر دی اور خود اپنے افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لیکن کپتان الفانسو اور اس کا دستہ جان توڑ کر لڑا۔ نتیجہ بہر حال یہ ہوا کہ ترک شہزادہ یوجین کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور انہیں بری طرح شکست ہوئی۔ ان کے چھبیس ہزار آدمی میدانِ جنگ میں مارے گئے اور دس ہزار دریا عبور کرنے کی کوشش میں غرق ہو کر شہید ہو گئے۔ صدر اعظم الماس محمد پاشا، چار وزیر اور بہت سے فوجی افسر بھی شہید ہو گئے۔ سلطان بھاگ کر تمیس وار پہنچا اور بلغراد سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ واپس آ گیا۔ شہزادہ یوجین دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے بوسنیا میں داخل ہوا اور اس کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ زنتا کی شکست ترکوں کی فوجی طاقت کے زوال کا ایسا اعلان تھی جس کی آواز یورپ کے دور دراز گوشوں میں بھی جا پہنچی اور مغربی سلطنتیں اب اپنے آپ کو عثمانی حملوں سے بالکل محفوظ خیال کرنے لگیں۔

جنگ زنتا کے چھ روز بعد سلطان مصطفیٰ ثانی کو پھر کوپریلی خاندان کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس نے سلطنت کو تباہی سے بچانے کے لئے حسین کوپریلی کو صدر اعظم مقرر کر دیا۔ حسین کوپریلی، محمد کوپریلی کا بھتیجا تھا اور اس میں انتظامِ سلطنت کا وہ غیر معمولی ملکہ جو کوپریلی خاندان کا نمایاں امتیاز تھا، بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ محاصرۂ ویانہ کی ناکامی تک حسین کوپریلی ایک آزاد منش نوجوان تھا اور محض عیش و عشرت سے سروکار رکھتا تھا۔ لیکن ویانہ کی عبرت ناک شکست کے بعد اُس نے اپنے قومی فرض کو محسوس کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو استعداد عطا فرمائی تھی اسے دولت علیہ کی خدمت میں وقف کر دیا۔ حسین کوپریلی بے پناہ صلاحیتوں کا مالک دانا اور بہادر انسان تھا۔

چنانچہ جلد ہی اس کی نظر الفانسو پر پڑ گئی۔ وہ الفانسو پر ینی چری کے دوسرے سالاروں کی نسبت زیادہ اعتماد کرتا تھا اور الفانسو کے ہر مشورے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

گزشتہ جنگ میں خزانے پر بہت زیادہ بوجھ پڑ چکا تھا۔ اس کی تلافی کے لئے حسین کوپریلی نے یہ کیا کہ "کافی" پر محصول لگا دیا۔ پھر حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدہ داروں پر انکم ٹیکس عائد کر دیئے۔ جلد ہی اس نے یورپین صوبوں کی حفاظت کے لئے پچاس ہزار پیادوں

Marfat.com

اور اڑتالیس ہزار سواروں کی ایک فوج تیار کر لی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک بحری بیڑا بحر اسود کی جانب بھیجا اور دوسرا بحر روم کی جانب۔ لیکن یہ تمام تدابیر اس نے مدافعت کے لئے اختیار کی تھیں۔ جارحانہ اقدام کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ وہ سلطنت کی کمزوری سے خوب واقف تھا۔ بہر حال ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ آسٹریا کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ترکی فوج کے سپہ سالار ''دان طبان پاشا'' نے شہزادہ یوجین کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے بوسنیا کو خالی کر دیا۔

اس دوران وینس سے جنگ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یونان میں اہل وینس کے قدم خاکنائے کورنتھ سے آگے پہنچ چکے تھے۔ پولینڈ سے گو اس وقت جنگ نہ تھی لیکن خان کریمیا کے حملے کو ابھی دو ہی سال گزرے تھے اور اہل پولینڈ دولت علیہ کے خلاف ہر ممکن موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کو سب سے بڑا خطرہ روس کا تھا۔ پیٹر اعظم اپنی وسیع سلطنت کو روز بروز زیادہ طاقتور بنا رہا تھا۔ اس نے آسٹروی اور فرانسیسی فوجوں کے نمونہ پر ایک مضبوط فوج تیار کر لی تھی لیکن اصلی زور وہ بحری طاقت پر دے رہا تھا کیونکہ بحر اسود میں وہ اپنا تسلط قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ دولت عثمانیہ کے خلاف پوری قوت سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ''ازف'' پر قبضہ کرنا چاہا اور 1695ء میں ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا۔ یہ محاصرہ ناکام رہا اور تیس ہزار سپاہیوں کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر اسے پسپا ہونا پڑا۔ لیکن دوسرے سال اس نے پھر تازہ فوج کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا اور اس کے بحری بیڑے نے ترکی بیڑے کو شکست دی۔ اب کی بار محاصرہ کامیاب رہا اور 1696ء کو ازف نے ہتھیار ڈال دیئے۔

الغرض زنتا کی شکست کے وقت دولت علیہ ہر طرف سے دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور حسین کوپریلی کے حُسنِ انتظام کے باوجود اُس میں بیک وقت تمام دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ حسین کوپریلی اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھا چنانچہ جب سفیرِ برطانیہ ''لارڈ پیجٹ'' نے برطانیہ اور ہالینڈ کی وساطت سے صلح کی تحریک کی، اور شرطِ صلح یہ قرار دی کہ ہر فریق کا قبضہ اس کی مفتوحات پر قائم رکھا جائے۔ حسین کوپریلی نے ایک دیوان منعقد کر کے اس مسئلہ کو ارکانِ حکومت کے مشورہ کے لئے پیش کیا۔ ذاتی طور پر وہ صلح کا حامی تھا اور اسی کی تحریک سے دیوان نے بھی برطانیہ اور ہالینڈ کی وساطت سے منظور کی۔ مگر صلح کا مذکورہ بالا

Marfat.com

اصول سلطان مصطفیٰ کے لئے کسی طرح قابل قبول نہ تھا اور اس نے اس کی منظوری چند اہم ترمیمات پر مشروط کر دی۔ بالآخر یہ طے پایا کہ صلح کا مسئلہ ایک کانگریس کے سپرد کر دیا جائے جس میں دولت عثمانیہ، آسٹریا، روس، پولینڈ، وینس، برطانیہ اور ہالینڈ کے نمائندے شریک ہوں۔ اس کانگریس کے لئے ''کارلووٹز'' کا مقام تجویز ہوا جو پیٹروارڈین کے قریب واقع تھا۔ ابتدا میں روس کانگریس کی شرکت سے انکار کرتا رہا کیونکہ وہ ازف کے علاوہ اور مقامات پر بھی قبضہ کرنے کا خواہش مند تھا اور یہ لارڈ پیجٹ کے پیش کردہ اصول کی بنا پر ممکن نہ تھا۔ لیکن دوسری سلطنتوں نے مجبور کر کے اسے بھی کانگریس میں شریک کیا۔ 72 روز کے بحث و مباحثہ کے بعد فی الجملہ لارڈ پیجٹ کے اصول کے مطابق ایک صلح نامہ 24 رجب 1110ھ بمطابق 26 جنوری 1699ء کو مرتب کیا گیا جو ''صلح نامہ کارلووٹز'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی رو سے آسٹریا کا قبضہ ٹرانسلووینیا، سلادونیا اور ہنگری کے ان تمام علاقوں پر جو دریائے مروش کے شمال اور دریائے تھائیس کے مغرب میں واقع تھے، قائم رکھا گیا۔ اب ہنگری میں عثمانیوں کے سابق مقبوضات میں سے صرف ایک ثلث پر ان کی حکومت باقی رہ گئی۔ آئندہ کے لئے وہ خراج بھی موقوف کر دیا گیا جو شہنشاہِ آسٹریا، ہنگری اور ٹرانسلووینیا کی طرف سے سلطان کی خدمت میں پیش کرتا رہا تھا۔ وینس کا قبضہ موریا اور البانیہ پر باقی رکھا گیا لیکن آبنائے کورنتھ کے شمال میں جو مقامات اس نے فتح کئے تھے وہ لارڈ پیجٹ کے اصول کے باوجود دولت عثمانیہ کو واپس دلا دیئے گئے۔ البتہ جزیرہ زنط کا خراج اسے معاف کر دیا گیا۔ پولینڈ کو پوڈولیا اور کامینیک واپس مل گیا۔ روس کا قبضہ ''شہر ازف'' اور ''بحر ازف'' کے شمالی علاقوں پر قائم رکھا گیا۔ پیٹر اعظم کو اس سے سیری نہ ہوئی اور اس نے صرف دو سال کے لئے اس صلح نامہ پر دستخط کئے۔ دوسری حکومتوں نے پچیس سال کی صلح کا معاہدہ کیا۔[1]

---

[1] صلح نامہ کارلووٹز کی نسبت ''کریسی'' آلِ عثمان کے مشہور جرمن مورخ ''فان ہیمر'' کی رائے نقل کرتا ہے کہ یہ صلح نامہ صرف اس وجہ سے یادگار رہے گا کہ اس نے اہم ملکی تبدیلیوں کو برقرار رکھا اور نہ صرف اس وجہ سے کہ اس کے بعد ہی سلطنت عثمانیہ کی فاتحانہ طاقت کا رعب دلوں سے زائل ہو گیا بلکہ اس وجہ سے بھی یادگار رہے گا کہ اس موقع پر باب عالی اور روس نے پہلی بار ایک عام یورپین کانگریس میں شرکت کی اور اس کانگریس میں برطانیہ اور ہالینڈ کے نمائندوں کو داخل کر کے، جبکہ ان دونوں میں سے کوئی حکومت بھی جنگ میں شریک نہ تھی۔ سلطان اور زارِ روس دونوں نے اس اصول کو تسلیم کر لیا کہ مفادِ عامہ کے لئے یورپ کی حکومتیں دوسری سلطنتوں کے باہمی نزاعات میں دخل دے سکتی ہیں۔

Marfat.com

صلح نامہ کارلووٹنز کے تکملہ کے بعد حسین کوپریلی نے سلطنت کے اندرونی معاملات کی جانب توجہ کی۔ گزشتہ جنگ کے آخری سالوں میں کریمیا، مصر اور عرب میں بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ایران کی سرحد پر بھی بہت شورش تھی۔ حسین کوپریلی نے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کر کے سلطنت کے ہر حصے میں امن و امان قائم کیا۔ اس کے بعد اُس نے حکومت کے ہر شعبہ کی اصلاح شروع کی۔ چنانچہ فوج، بحریہ، مالیات، مدارس و جوامع، اوقاف، تمام شعبوں میں اصطلاحات جاری کیں۔ بحریہ کے لئے اس نے ایک جدید قانون نامہ مرتب کیا۔

کوپریلی کو عیسائی رعایا کی بہبود کا خاص طور پر خیال رہتا تھا اور وہ ان کے ساتھ بڑی رعایتیں کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے بوسنیا کے عیسائیوں کا ایک سال کا جزیہ معاف کر دیا اور رومیلیہ کی عیسائی رعایا کے ذمہ جو محصول باقی تھا اسے بھی چھوڑ دیا۔ اس نے مسجدیں، مدرسے، بازار اور چھاؤنیاں سلطنت کے ہر حصہ میں بہت کثرت سے تعمیر کرائیں۔ لیکن ان تمام خدمات کے باوجود بعض دشمنوں نے اس کے خلاف سلطان کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر حسین کوپریلی نے ستمبر 1702ء میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ چند ہی دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

حسین کوپریلی کی وفات پر سلطان نے ''دال طبان پاشا'' کو صدر اعظم مقرر کیا لیکن جلد ہی اسے الگ ہونا پڑا۔ دال طبان پاشا کے بعد ''رامی محمد پاشا'' صدر اعظم مقرر ہوا۔ وہ حسین کوپریلی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا چنانچہ اُس نے اُن مفاسد کی اصطلاح شروع کی جو کوپریلی کے بعد پھر سلطنت میں رونما ہونے لگے تھے۔ اس سلسلے میں بہت سے لوگ جن کو نقصان پہنچ رہا تھا اس کے مخالف ہو گئے اور اس کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ چونکہ وہ کوئی ممتاز فوجی افسر نہیں تھا اس لئے ینی چری بھی اس سے خوش نہ تھے اور بعض مفسدوں کے ابھارنے پر انہوں نے سلطان سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ نے جنوری 1703ء میں بغاوت کی شکل اختیار کر لی اور قسطنطنیہ ینی چری کی شورشوں کا مرکز بن گیا۔ فوج نے رامی محمد پاشا کے علاوہ ''مفتی فیض اللہ'' کی معزولی کا بھی مطالبہ کیا۔

سلطان اس وقت ''ادرنا'' میں تھا۔ اس نے مفتی فیض اللہ کو تو معزول کر دیا لیکن رامی محمد پاشا کا معاملہ اپنے قسطنطنیہ پہنچنے تک ملتوی رکھا۔ باغیوں نے اب خود سلطان کے عزل کی تحریک شروع کی اور علماء سے اس کے متعلق فتویٰ حاصل کر لیا۔ سلطان نے اپنا خاص ینی چری

Marfat.com

دستہ باغیوں کے مقابلہ میں روانہ کیا لیکن یہ دستہ بھی انہی میں شامل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مصطفیٰ ثانی ربیع الاول 1115ھ بمطابق 15 اگست 1703ء کو تخت سے اتر آیا اور باغیوں نے اس کے بھائی احمد ثالث کو تخت پر بٹھایا۔ اسی سال 22 شعبان، 31 دسمبر 1703ء کو مصطفیٰ کا انتقال ہو گیا۔

حسین کوپریلی کی وفات کے بعد سلطنت کے صدور اعظم یکے بعد دیگرے تبدیل ہوتے رہے۔ یہ احمد ثالث کی نا اہلی تھی یا استنبول کے دگرگوں حالات کہ چند ہی سالوں میں احمد ثالث نے پندرہ صدر اعظم بدلے۔ یہ 1711ء کا سال تھا۔ اور اس وقت سلطنت کا صدر اعظم ''بلط جی'' تھا۔ اسے احمد ثالث کی جذباتی شخصیت سے ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ زیادہ عرصہ تک صدر اعظم رہ سکے گا کیونکہ احمد ثالث کے دور میں وہ سولہواں صدر اعظم تھا۔

شیراز، سکندر، صوفیہ اور کپتان الفانسو بہت جلد بلط جی کے ساتھ یوں شیر و شکر ہو گئے جیسے ان کے پہلے سے نہایت گہرے تعلقات ہوں۔ بلط جی کی طبیعت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ جانتے تھے کہ صدر اعظم کی کرسی عارضی ہے۔ اپنے دورِ اقتدار میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اعظم ہر مخلص نوجوان کی قدر کرتے تھے۔ انہوں نے قبل ازیں بھی ایک دو مرتبہ سوچا تھا کہ کپتان الفانسو جیسے پرانے سپاہیوں کو واپس بلا لیا جائے لیکن اپنی گوناگوں اور پریشان کن مصروفیات کی وجہ سے وہ اب تک ایسا نہ کر سکے تھے اور آج کپتان الفانسو اپنے شاہینوں سمیت خود صدر اعظم کے سامنے تھا۔

صدر اعظم کو تمام حالات تفصیل کے ساتھ بتا دیئے گئے۔ شیراز نے اپنی پوری کہانی سنائی۔ نورین کے اغواء سے لے کر سردار ڈوگاسا کے قتل اور پھر مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کے بارے میں پتہ چلنے تک تمام تفصیل شیراز نے خود بتائی۔

کپتان الفانسو نے بھی ایک لمبی گفتگو کی جس میں اس نے سفیر برطانیہ سرسٹن اور بعض دیگر امرائے سلطنت کے چہروں سے نقاب اتارا اور صدر اعظم کو تادیب کی کہ وہ سلطنت کو سنبھالنے کے لئے بروقت کوئی اقدام کریں۔ کپتان الفانسو کی بات کے اختتام پر صدر اعظم نے کہا۔

''میں خود یہی چاہتا ہوں۔ میری تمام توجہ دولت علیہ کے اندرونی معاملات پر مبذول ہے۔ لیکن میرے لئے پریشانی کی بات یہ ہے کہ روس کا شہنشاہ پیٹر اعظم اپنے ٹڈی دل لشکر

Marfat.com

کے ساتھ ماسکو سے نکلنے والا ہے۔ ادھر آسٹریا کا شہنشاہ اپنے تمام اتحادیوں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا سلطنت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ دونوں عظیم لشکر ہمیں پیس دینا چاہتے ہیں۔ میری راتوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں۔ اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ میں کیا کروں۔ آسٹریا کا لشکر روکنا میرے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ ہم آسٹرین فوج کے ساتھ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ لیکن اگر میں شہنشاہ آسٹریا کی طرف توجہ دیتا ہوں تو پیٹر اعظم روسی قزاقوں کے ساتھ ہمارے پہلو پر حملہ کرتا ہے۔ یہ صورتحال انتہائی گمبھیر ہے۔ فوج میں کوئی دانا سالار باقی نہیں رہا۔ سلطنت کے بڑے بڑے امراء اور سالار یونانی ساہوکاروں کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ ایسے حالات میں آپ لوگوں کا وجود میرے لئے غنیمت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ساتھ کام کریں۔ سلطنت کو اس وقت آپ کی بے پناہ ضرورت ہے۔ میں شیراز سے درخواست کروں گا کہ وہ فوری طور پر مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کا انتقام بھول جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں زیادہ مضبوط صدر اعظم نہیں۔ ان حالات میں اگر میں نے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالا تو شہر میں بغاوت اٹھ کھڑی ہونے کا خدشہ ہے۔ سر دست ہمیں اس طوفان کا سامنا کرنا ہے جو مغرب اور شمال سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"

سب مہمان ہکا بکا صدر اعظم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کپتان الفانسو کو حالات کی اس قدر سنگینی کا احساس نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں نظر آنے لگیں۔ وہ کچھ دیر تک مدبرانہ نگاہوں کے ساتھ خلا میں گھورتا رہا اور پھر یکلخت بولا۔

"آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں......؟ ہم سلطنت کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ میں اور میرے ساتھی آپ کے ساتھ ہیں۔"

بلط جی کے چہرے پر خوشی کی ایک رنگین جھلک نظر آئی۔ وہ گاؤ تکیہ چھوڑ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"بہت خوب! مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی قابل اور با اعتماد شخص کو بحر اسود میں موجود اپنے بحری بیڑے کی حالت زار معلوم کرنے کے لئے روانہ کروں۔ مجھے شک ہے نائب صدر اعظم عثمان پاشا غداروں کے ساتھ مل کر روسی افواج کو راستہ دکھا رہا ہے۔ ہمارے بحری بیڑے پر عثمان پاشا کے آدمی متعین ہیں۔ میرے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ ترک بحری بیڑا روسی افواج کا راستہ روکنے کے لئے آمادہ نہیں۔ کھلے سمندر میں ہم اپنے

Marfat.com

بیڑے کے سالار کو فوری طور پر معزول نہیں کر سکتے۔ ینی چری کی عادات دیکھ دیکھ کر پوری فوج ذرا ذرا سی بات پر بغاوت کی عادی ہو چکی ہے۔ اگر ترک بیڑے نے پیٹر اعظم کے جہازوں کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا تو پھر انہیں روکنے والا قسطنطنیہ کی دیواروں تک کوئی نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا برا وقت آنے سے پہلے اپنے بحری بیڑے کی قیادت کسی ذمہ دار آدمی کو سونپ دوں...... کپتان الفانسو! آپ جمہوریہ وینس کے سابق سپاہی ہیں، بحری جنگ اور جہاز رانی کا آپ کو خوب تجربہ ہے۔ اگر آپ فوری طور پر بحر اسود کے لئے روانہ ہو جائیں تو شاید پیش آمدہ خطرات سے بچا جا سکتا ہے۔“

کپتان الفانسو نے چونک کر صدر اعظم کی جانب دیکھا۔

”تو کیا اس مرتبہ پیٹر اعظم بحری راستے سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھنا چاہتا ہے؟“

”نہیں...... وہ اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔ پیٹر اعظم خود ایک بڑی فوج کے ساتھ خشکی کے راستے آگے بڑھے گا اور اس کا بحری بیڑا جو تمام تر روسی قزاقوں پر مشتمل ہے سمندری راستے سے ”گولڈن ہارن“ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔“

کپتان الفانسو گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ صوفیہ انتہائی حیرت سے یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ سکندر اور شیراز بھی ششدر تھے۔ کچھ دیر بعد سردار الفانسو نے سر اٹھایا اور کہا۔

”لیکن کیا آپ خشکی کے راستے آنے والی دو بڑی افواج کو روک سکیں گے؟ ہو سکتا ہے ہم بحر اسود میں قزاقوں پر فتح پا لیں لیکن پیٹر اعظم اور آسٹروی شہنشاہ کی یلغار کو روکنے کا آپ کے پاس کیا وسیلہ ہے؟“

”جیسا کہ میں نے کہا کہ آسٹروی شہنشاہ آج بھی ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ البتہ پیٹر اعظم کے وحشی برفانی لٹیروں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں بہت کچھ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں آپ بری جنگ سے پہلے پہلے سمندر سے لوٹ آئیں۔ ہمارا بیڑا طاقتور ہے۔ ہم چاہیں تو روسی قزاقوں کو پیٹر اعظم کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل طور پر ختم کر سکتے ہیں۔ دراصل ایک سچی بات ہے اور وہ یہ کہ یہ جنگ ہمیں ہاتھوں اور ہتھیاروں کی بجائے ذہن سے لڑنی ہو گی۔ میں راتوں کو دیر تک یہی سوچتا رہتا ہوں کہ ایسی کیا ترکیب اختیار کی جائے جس سے ہم پیٹر اعظم پر لڑے بغیر فتح پا لیں۔ ایسا ہونا ناممکن ہے، لیکن پھر بھی میں سوچتا ہوں۔ آپ سب دل میں ہنس رہے ہوں گے لیکن میں کیا کروں، اپنے آپ کو لق و دق صحرا میں بے یار و

Marfat.com

مددگار کھڑا پاتا ہوں لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ اسی لئے اکثر سراب دیکھتا رہتا ہوں۔"

صدر اعظم کی آنکھ بھر گئی۔ چاروں مہمان اپنی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے۔ انہوں نے صدر اعظم کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ شیراز، صوفیہ اور سکندر جذباتی ہو گئے۔ اسی اثناء میں خلاف توقع صوفیہ نے بات کی۔

"آپ سراب نہیں دیکھتے۔ ایسا ممکن ہے...... پیٹر اعظم شمال کے برفانی پہاڑوں سے آ رہا ہے۔ راستے میں کتنے درے، کتنے دریا اور کتنی برفانی وادیاں پڑتی ہوں گی۔ ایسی ترکیب سوچی جا سکتی ہے کہ ہم بہت کم فوج کے ساتھ پیٹر اعظم کا راستہ روک لیں۔"

صدر اعظم یک لخت سر اٹھا کر صوفیہ کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ بڑے پیار سے صوفیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ارے واہ...... آپ تو کمال ہیں...... ہاں! ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے بھی بہت کچھ سوچنا ہوگا...... ایسا ہو تو سکتا ہے لیکن کیسے؟"

بلط جی کی آنکھوں میں بے پناہ تجسس تھا۔ وہ ان مہمانوں کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی اپنے دکھ درد لے بیٹھے تھے۔ حالانکہ شیراز یا کپتان الفانسو فی الحقیقت تو خود اپنے بچاؤ کے لئے بلط جی کے پاس آئے تھے۔ لیکن یہاں تو بلط جی الٹا انہی سے مدد مانگ رہا تھا۔ شیراز دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اُسے "پاتھے اوڈیسا" کی بات یاد آئی۔

"یہ سلطنتیں بڑی غریب ہوتی ہیں۔ ہمیشہ عام لوگوں کے صدقے اور خیرات کے بل پر چلتی ہیں۔ امیر تو عوام ہیں جو حکومتوں کو دیتے ہیں۔"

اچانک شیراز کو ایک بات یاد آئی اور اس نے صدر اعظم سے سوال کر دیا۔

"اوہ ہاں!!...... محترم صدر اعظم! آپ نے یہ تو بتایا نہیں کہ آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟"

بلط جی کا زوردار قہقہہ پورے کمرے میں گونج گیا۔

"دراصل آپ کے استاد محترم پاتھے اوڈیسا میرے شناسا ہیں۔ وہ میرے پاس آئے تھے۔ میں انہیں پہچان نہیں سکا۔ کیونکہ ہم بیس سال بعد مل رہے تھے۔ انہوں نے ہی مجھے تمہاری کہانی سنائی۔ وہ تمہارے ہی سلسلے میں مجھے ملنے آئے تھے۔ انہیں بہت سی باتوں کا علم نہیں تھا لیکن پھر بھی انہیں یقین تھا کہ تم قاتل نہیں ہو۔"

Marfat.com

شیراز کے بدن پر نہ جانے کون سی کیفیت طاری ہوگئی...... پاتھے اوڈیسا نے اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا۔ یکایک شیراز کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اسے اپنے پارتھی نن استاد پر بے پناہ پیار آنے لگا۔ پاتھے اوڈیسا عظیم تھا۔ شیراز اس کی عظمت کے بارے میں سوچتے سوچتے نہ جانے کن خیالات میں کھو گیا۔

رات بہت دیر گئے یہ لوگ صدر اعظم کے گھر سے لوٹے۔ لیکن واپسی پر ان کی سوچوں میں انقلاب آچکا تھا۔ اب شیراز کے دل میں ایک نیا عزم تھا۔ چھوٹے دشمن کی بجائے بڑے دشمن سے نمٹنے کا عزم...... وہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار سکندر کی حویلی کی جانب بڑھ رہے تھے اور اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ دو چمکتی ہوئی آنکھیں دور ہی دور سے ان کی ہر ہر حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں......!

♦......♦

Marfat.com

صدر اعظم کے جاسوس

گولڈن ہارن میں بے شمار جہاز لنگر انداز تھے۔ یہ ایک آباد بندرگاہ تھی۔ یورپ اور ایشیا کے مابین تجارت کی سب سے بڑی اور شاندار بندرگاہ۔ گولڈن ہارن کی بناوٹ بھی قدرت کا ایک کرشمہ تھی۔ آبنائے باسفورس کی لمبی لکیر جس کے مشرق میں ایشیا اور مغرب میں یورپ تھا، گولڈن ہارن کو پانی دیتی تھی۔

آبنائے کے مغربی کنارے پر ایک چھوٹی سی سینگ نما لکیر خشکی میں اندر کی طرف گھس آئی تھی۔ قدیم قسطنطنیہ اس تکون پر بنایا گیا تھا جو گولڈن ہارن اور آبنائے کی وجہ سے قدرتی طور پر بن گئی تھی۔ یہ آبنائے شمالاً جنوباً دو سمندروں سے جا کر ملتی تھی۔ شمال میں بحرۂ اسود تھا اور جنوب میں بحر مارمورا۔

گولڈن ہارن ایک بندرگاہ تھی جس کی جانب قسطنطنیہ شہر کا شمالی دروازہ کھلتا تھا۔ دروازے کے سامنے گولڈن ہارن میں کھڑے تجارتی جہازوں پر دن بھر شور وغوغا رہتا۔ کہیں سامان اتارا جا رہا ہوتا تو کسی جہاز پر لادا جا رہا ہوتا۔ بڑے بڑے مستول، اونچے اونچے بادبان، لمبی لمبی رسیاں اور بھاری بھاری زنجیریں ساحل پر کھڑے شخص کو ہمہ وقت متحرک دکھائی دیتیں۔ گولڈن ہارن کے کنارے کنارے حکومت استنبول نے مضبوط لکڑی کے بڑے بڑے عظیم الہیت تختے یوں جڑ دیئے تھے کہ تختے کسی چھجے کی طرح سمندر میں آگے کی طرف بڑھ آئے۔ سینکڑوں بڑھئیوں نے مل کر تختوں سے ایسا متوازن کنارا بنا دیا تھا کہ اب تجارتی جہاز سیدھے سیدھے آگے کی طرف بڑھتے ہوئے تختوں کے ساتھ آ کر لگ جاتے تھے۔ چوبی تختوں کا دوسرا سرا نہ ٹوٹے، اس لئے تہہ در تہہ جڑے ہوئے چمڑے کی ہزاروں کھالیں چوبی تختوں کے دوسرے سروں پر جڑ دی گئی تھیں۔ پانی پر تیرتا ہوا جہاز بڑے آرام سے چمڑے کی اُن گدیوں کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاتا۔ یہاں ہر وقت بھیڑ لگی رہتی۔ تجارتی جہازوں کے علاوہ استنبول کی بحریہ کا بھی گولڈن ہارن کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ شہر کے دروازے سے نکلتے ہی سب سے پہلی گودی بحریہ اور انتظامی پولیس کے لئے مخصوص تھی۔

Marfat.com

کپتان الفانسو اور اس کے ساتھی آج بحرہ اسود کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ مجبوراً کپتان الفانسو کی نوجوان بیٹی صوفیہ کو بھی ساتھ لینا پڑا تھا کیونکہ دشمنوں سے بھرے شہر میں اکیلی صوفیہ کا رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ صدر اعظم نے اعلیٰ انتظامات کے باوجود اپنے جاسوسوں کے اس سفر کو بے پناہ خفیہ رکھا تھا۔ اعلیٰ انتظامات کیے تھے؟......

صدر اعظم نے کپتان الفانسو کے لئے ایک چھوٹے سے خوبصورت جہاز کا الگ سے بندوبست کیا تھا۔ یہ جہاز براہ راست عثمانی بحری بیڑے تک جانے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ راستے کی رہنمائی کے لئے صدر اعظم نے ایک مصری ملاح افراسیاب کو کپتان الفانسو کے ہمراہ کر دیا۔ چپو چلانے کے لئے بارہ مزدور ملاح بھی ساتھ تھے۔ اس لحاظ سے جہاز کا اصل کپتان ادھیڑ عمر مصری ملاح افراسیاب ہی تھا۔ وہ ترکی بحریہ کا ایک پرانا سپاہی تھا۔ چند روز قبل ہی افراسیاب بحر اسود میں موجود ترکی بیڑے سے قسطنطنیہ آیا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سمندر میں ترکی بحریہ کا بیڑا کس مقام پر موجود ہے۔ افراسیاب بھی حقیقت حال سے بے خبر تھا۔ بیڑے میں موجود کسی دیگر شخص کو ان چار جاسوسوں کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ صدر اعظم نے افراسیاب سے صرف اتنا کہا تھا کہ ایک پرانا بحری کپتان اور دو سپاہی بیڑے پر بھیجے جا رہے ہیں۔ لیکن لڑکی کو دیکھ کر افراسیاب چونک گیا تھا۔

یہ چھوٹا سا جہاز بھی ترکی بحریہ کا ہی حصہ تھا جسے چند روز قبل افراسیاب اور اس کے بارہ مزدور ملاح بحرہ اسود سے قسطنطنیہ لائے تھے۔ جہاز کے اونچے مستول پر درفشِ کاویانی لہرا رہا تھا۔ یہ ترکی افواج کا سب سے بڑا پرچم تھا۔ چاروں جاسوس جہاز میں سوار ہو گئے۔ شیراز کی زندگی کا یہ پہلا بحری سفر تھا۔ سکندر اور صوفیہ اس سے پہلے بحری جہاز کا سفر کر چکے تھے جبکہ کپتان الفانسو تو وینس کی افواج کا سپاہی تھا جہاں خشکی پر لڑنے سے زیادہ پانی میں لڑنے کی تربیت دی جاتی تھی۔

جہاز کے لنگر اٹھا لئے گئے۔ شیراز اور اس کے ساتھی جہاز کے عرشے پر کھڑے استنبول شہر کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے بے پناہ انسانوں سے آباد استنبول کا شور مچاتا ہوا شہر تھا۔ گولڈن ہارن میں ہر طرف ارے، اوئے، یہ اٹھا، وہ رکھ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک ہنگامہ تھا جو ہر صبح شروع ہوتا اور رات گئے تک جاری رہتا۔

کسی زمانے میں ایک بھاری بھرکم زنجیر لٹکا کر گولڈن ہارن میں داخل ہونے کا راستہ بند

Marfat.com

کر دیا جاتا تھا۔ اس زنجیر[1] کو قسطنطنیہ کے فاتح "سلطان محمد" نے توڑا تھا۔ جب وہ خشک زنجیر پر اپنے جہاز دھکیلتا ہوا ایک دوسرے راستے سے گولڈن ہارن آ پہنچا تھا۔

شیراز کی طائرانہ نظر گولڈن ہارن پر کھڑے جہازوں پر پڑتی رہی۔ اس کی نظر اس جہاز پر بھی پڑی جس کے ایک تہہ خانے میں کلاڈیوس کھڑا شیراز کے جہاز کو دیکھ رہا تھا لیکن شیراز اور اس کے تمام ساتھی اس بات سے بے خبر تھے۔ ان کا جہاز دھیرے دھیرے گولڈن ہارن سے نکل کر آبنائے باسفورس میں آ پہنچا۔

کلاڈیوس اور مادام تھروشیا کے جاسوسوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ تمام خبریں ان تک پہنچائی تھیں۔ مادام تھروشیا کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس کے دشمن صدر اعظم بلط جی کے گھر رات دیر گئے تک بیٹھے رہے تھے اور پھر اگلے روز ان لوگوں کو کسی سفر کی تیاری میں مصروف دیکھ کر مادام تھروشیا کا ماتھا ٹھنکا۔ مزید تفتیش پر مادام تھروشیا کو پتہ چلا کہ یہ لوگ بحر اسود میں موجود ترکی بحری بیڑے کی طرف روانہ کئے جا رہے تھے۔ یہ خبر مادام تھروشیا اور کلاڈیوس کے لئے بے حد حیران کن تھی۔ آخر صدر اعظم ان لوگوں کو بحری بیڑے پر بھیج کر کیا کرنا چاہتا تھا؟...... کیا وہ شیراز اور سکندر کو محض دشمنوں سے چھپانے کے لئے وہاں بھیج رہا تھا یا ترکی بحریہ میں شامل کرنے کے لئے؟ مادام کو دوسری بات زیادہ قرین قیاس لگی اور وہ یک لخت بے قرار ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی...... یہ تو بہت بری خبر تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ترکی بحریہ نائب صدر اعظم عثمان پاشا کے زیر اثر ہے اور روسی افواج کو راستہ دینے والی ہے۔ ان حالات میں ان ایماندار سپاہیوں کا بیڑے پر پہنچ جانا صلیبی لشکر کے لئے بے پناہ نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ شاید یہی بات سوچ کر صدر اعظم نے ان لوگوں کو بحری بیڑے پر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مادام تو جیسے تڑپ گئی۔ وہ شیراز اور اس کے ساتھیوں کو روکنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کپتان الفانسو کا جہاز نکلتے ہی گولڈن ہارن سے ایک اور تجارتی جہاز حرکت میں آیا۔ تاجروں کے بھیس میں اس جہاز کے اندر بیس سے زیادہ مسلح سپاہی سوار تھے۔ یہ سب کے سب عیسائیت پر جان نثار کرنے والے تھے۔ ان سپاہیوں کا بندوبست خصوصی طور پر سفیر برطانیہ نے خود کیا تھا۔

دونوں جہاز یکے بعد دیگرے آبنائے باسفورس میں نمودار ہوئے اور خراماں خراماں شمالی سمندروں کی جانب بڑھنے لگے۔ آبنائے باسفورس بھی عجیب سماں پیش کر رہی تھی۔ کہنے کو یہ

---

[1] یہ زنجیر اب بھی استنبول کے عجائبات میں رکھی ہے۔ (بحوالہ "جہان دیدہ" از مفتی تقی عثمانی)

Marfat.com

ایک آبنائے تھی لیکن حقیقت میں یہ ان گنت جہازوں اور کشتیوں کی سڑک تھی۔ جس میں ہر وقت کئی کئی جہاز اور کشتیاں آتی جاتی رہتیں۔ اور دن بھر یہ آبی شاہراہ بارونق رہتی۔ آبنائے باسفورس میں شہر کی محافظ بحریہ کی جگہ جگہ چوکیاں تھیں۔ کپتان الفانسو کے جہاز کو لہراتے ہوئے درفشِ کاویانی کی وجہ سے کسی سرکاری جہاز یا کشتی نے نہ روکا۔

چند کلومیٹر شمال کی طرف چلنے کے بعد عرشے پر کھڑی صوفیہ کی نظر اچانک دو انجیر کے درختوں میں ڈھکے اپنے مکان پر پڑ گئی۔ وہ خوشی سے چلائی۔ شیراز سکندر بھی اسی جانب دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس فوجی جہاز کا عرشہ تجارتی جہازوں کی طرح گندا نہیں تھا۔ عرشے کے صاف ستھرے دھلے ہوئے چوبی تختوں پر چلچلاتی ہوئی دھوپ پڑ رہی تھی۔ فروری کا مہینہ شمال کی طرف جانے والوں کے لئے بے حد سرد تھا لیکن عرشے پر پڑنے والی دھوپ میں کھڑے شیراز، سکندر اور صوفیہ دھوپ کی تپش کا لطف لے رہے تھے۔ کپتان الفانسو نیچے چلا گیا تھا اور جہاز کے کیبن میں مصری ملاح کے ساتھ ضروری معاملات پر بات چیت کر رہا تھا۔ صوفیہ نے شیراز سے کہا۔

"دیکھا تم نے...... ہمارا مکان کتنی خوبصورت جگہ پر ہے۔ جی چاہتا ہے اس منظر کی تصویر بنا دوں۔"

"تصویر تو تم نے بنا دی۔ تصویر وہ نہیں ہوتی جو کینوس پر بنائی جائے، تصویر تو وہ ہوتی ہے جو تم اپنے ذہن میں بناتی ہو۔ کینوس تو تصویر کی مشہود شکل ہے، ایک ایسا اظہار جس کے ذریعے تم اپنی بنائی ہوئی تصویر دوسروں کو دکھا سکتی ہو...... دراصل تم تصویر دوسروں کو دکھانا چاہتی ہو۔ تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟"

صوفیہ سٹپٹا گئی۔ شیراز نے عجیب نقطہ نکالا تھا۔ سکندر شیراز کے سوال پر مسکرا دیا اور صوفیہ کی حالت سے لطف لینے لگا۔ لیکن صوفیہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔ بے شک وہ لائیسم کی طالبہ نہیں تھی لیکن اپنی بالغ نظری کے حوالے سے وہ کسی سے کم بھی تو نہیں تھی۔ شیراز کی بات سن کر کچھ چپ رہی اور پھر بولی۔

"ذہن میں تصویر نہیں بنتی...... تصور بنتا ہے اور ذہن رحمِ مادر کی طرح اس تصویر کو اپنے تن بدن کا لہو پلا کر پرورش کرتا رہتا ہے۔ بالآخر وہ تصور جنم لیتا ہے تو تصویر بن جاتی ہے۔ اور دوسری بات میں کیوں یہ نہ چاہوں کہ میری بنائی ہوئی تصویر کوئی دیکھے۔ میں مصورہ اسی لئے

Marfat.com

بنی ہوں کہ میں اپنا شاہکار دوسروں کو دکھا سکوں...... خدا کیا چاہتا ہے؟ کیا وہ بھی یہی نہیں چاہتا کہ اپنا شاہکار دوسروں کو دکھائے اور دوسرے اس کی تخلیق پر اسے داد دیں۔ خدا بھی تو ایک مصور ہے۔''

اب سکندر انہی نظروں سے شیراز کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ شیراز دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ صوفیہ صرف مصورہ ہی نہیں بلکہ ایک لائق مفکرہ بھی ہے۔ صوفیہ نے بالکل صحیح بات کی تھی۔ سکندر بول پڑا۔

''سبحان اللہ! کیا خوبصورت بات کی ہے آپ نے...... خدا نے اپنے آپ کو ''المصور'' کہہ کر پکارا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے...... هو الله الخالق البارى المصور لهُ الاسماءُ الحُسنٰى...... وہی اللہ ہی خالق اور باری اور مصور ہے اور سبھی خوبصورت نام اسی کے ہیں۔''

سکندر جامع اسلامیہ کا طالب علم تھا۔ صوفیہ اور شیراز جب بھی اس طرح کی گفتگو کرتے تو وہ قرآن و حدیث کے حوالے دے کر ان کا ساتھ دیتا۔ صوفیہ ہر بار حیران رہ جاتی۔ اُسے جو بھی بات پسند آتی سکندر کوئی نہ کوئی آیت یا حدیث سنا کر اسے یہ جتلا دیتا کہ یہ اچھی بات قرآن و حدیث میں بھی لکھی ہے۔ گزشتہ کئی دنوں سے صوفیہ یہی سوچ رہی تھی کہ وہ قرآن کا مطالعہ شروع کر دے۔ سکندر سے قرآن کریم کی آیت سن کر شیراز کے پاس بولنے کے لئے کوئی بات نہ رہی تو وہ ڈھٹائی سے مسکرا دیا اور ہلکا سا قہقہہ لگانے کے بعد کہنے لگا۔

''آپ لوگ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب سامنے والے کی دلیل وزنی ہو تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کر لینے میں ہی عافیت ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ ایک مصور کا تصور اشیاء کا مرہونِ منت کیوں ہے؟ مصور کا مقصد ہے خلاقی کا مظاہرہ کرنا۔ وہ تصویر جس کا تصور اشیاء سے لیا جائے کیونکر خلاقی کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار تصویریں بنائی ہیں لیکن ساری کی ساری موجود کائنات اس کے تصور کا ایسا شگوفہ ہے جسے بنانے کے لئے اللہ کو کسی کی مدد درکار نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں خارج سے لیا گیا تصور مادے کا ہی ترجمان ہے۔ ایک خوبصورت مکان کی تصویر دیکھنے والے کے دل میں ایک خوبصورت مکان کی خواہش بھی پیدا ہو سکتی ہے، جو ایک سراسر مادی خواہش ہے۔ ہمیں اپنی اس مادی زندگی سے بالاتر بننا ہے۔ خلاقی یا تخلیق ایسی ہونی چاہئے کہ حسنِ فطرت میں اضافہ ہو نہ کہ فطرت کے کسی بنائے ہوئے منظر کی نقل پیش کر دی جائے۔ صوفیہ کے مکان کی اصل

Marfat.com

تصویر تو کپتان الفانسو نے بنائی تھی جب انہوں نے اس تصور کو اپنے ذہن کے کینوس پر دیکھا تھا۔ مصور کا فن اس وقت تک محض نقالی اور چربہ ہے جب تک وہ کوئی نئی بات نہ دکھائے۔ تخلیق کار خدائی کا رازدان ہے۔''

صوفیہ ہکا بکا کھڑی شیراز کی تشریح سن رہی تھی۔ شیراز اس کی توقعات سے کہیں زیادہ دانا تھا۔ سکندر نے صوفیہ کو گم صم دیکھا تو فوراً کہا۔

''اب شیراز فلسفے کی مار دے رہا ہے۔ یہ گہری گہری باتیں اور پیچ در پیچ افکار عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ تصویر خوبصورت ہو تو بنتی رہنی چاہیے۔''

''تصویر خوبصورت تب ہی ہو سکتی ہے جب فنکار اسے اپنی روح کی گہرائیوں سے نکال کر لائے۔ لیکن فن تو تجربے کی آنچ پر پک کر تیار ہوتا ہے۔ صوفیہ کا سفر تو ابھی شروع ہوا ہے۔ زندگی کتنی تلخ ہے یہ ابھی جان ہی نہیں سکتی۔ زندگی کے کڑوے گھونٹ پینے کے بعد ایک مصور کے ذہن پر حقیقی فن کا نشہ چڑھ جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے آگے چل کر صوفیہ ایسی تصویریں بنانے لگے گی جو جیتی جاگتی ہوں گی۔''

اب صوفیہ پوری طرح ہار چکی تھی۔ اس کے چہرے پر یکایک پیار بھری مسکراہٹ دکھائی دینے لگی۔ اُسے فخر ہونے لگا کہ اس نے شیراز سے محبت کی۔ صوفیہ کے چہرے پر رومانویت کے سائے دیکھ کر سکندر یکایک اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے! مجھے تو بھوک لگی ہے۔ صبح میں ٹھیک طرح سے کچھ کھا نہیں سکا۔ چلتا ہوں...... میرا خیال ہے ہم دوپہر تک آبنائے سے نکل کر کھلے سمندر میں داخل ہو جائیں گے۔''

شیراز اور صوفیہ دونوں جھینپ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ سکندر انہیں تنہائی میں بیٹھنے کا موقع دینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ لیکن سکندر کے بغیر عرشے کے زینے اترتا چلا گیا۔

سہ پہر کے قریب کپتان الفانسو کے جہاز نے کھلے سمندر میں قدم رکھا۔ اب تک وہ آبنائے میں چل رہا تھا جس کے ایک طرف ایشیا اور دوسری طرف یورپ کا ساحل تھا۔ لیکن جوں جوں وہ بحر اسود کے نزدیک ہوتے گئے دونوں ساحل دھیرے دھیرے دور ہٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ بحر اسود کے کھلے پانی نے ان کا استقبال کیا اور ان کا جہاز پہلے سے زیادہ ہلکا پھلکا ہو گیا۔ آبنائے کی گہرائی کی نسبت بحر اسود کی گہرائی بے پناہ تھی۔ چنانچہ جہاز نے رفتار پکڑ لی۔

Marfat.com

شیراز اور کپتان الفانسو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کلاڈیوس ایک خطرناک دستے کے ہمراہ ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ غروبِ آفتاب سے کچھ ہی دیر پہلے شیراز نے عرشے پر کھڑے ہو کر اپنے پیچھے آتے ہوئے جہاز کو دیکھا۔ لیکن وہ مطمئن تھا کیونکہ اور بھی کئی جہاز اِدھر اُدھر روانہ تھے۔ لگ بھگ چار پانچ جہاز ایسے دکھائی دیئے جو کہیں سے آ رہے تھے یا کسی طرف کو جا رہے تھے۔ آخر استنبول اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت کا دارالخلافہ تھا اور عثمانیوں کا تمام تر کاروبار سمندری راستے پر منحصر تھا۔ چنانچہ شیراز نے کلاڈیوس کے جہاز کو دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔ اب خنکی بڑھ رہی تھی لہٰذا غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی شیراز اور صوفیہ نیچے اتر آئے۔ شیراز کو یہ سمندری سفر بہت اچھا لگ رہا تھا، خاص طور پر صوفیہ کے ساتھ کی وجہ سے۔ آج بحر اسود میں ان کی پہلی رات تھی۔ جہاز تیز رفتاری سے شمال کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

کھانے کے دستر خوان پر ان لوگوں کے ساتھ مصری ملاح افراسیاب بھی شامل تھا۔ یہ ایک ہنس مکھ اور خوش مزاج آدمی تھا۔ اس کی طبیعت میں بذلہ سنجی کے عنصر کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں ذہانت کی چمک بھی تھی۔ کھانا کھانے کے دوران افراسیاب نے بتایا کہ وہ لوگ گیارہ دن بعد شمال میں موجود اپنے بحری بیڑے تک پہنچیں گے۔ صوفیہ حیران رہ گئی اور چونک کر بولی۔

''گیارہ دن بعد؟...... کیا عثمانی بحریہ کا بیڑا اپنے مرکز سے اتنی دور موجود ہے؟''

افراسیاب نے حیرت بھری نظروں سے صوفیہ کی جانب دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جی ہاں! ہم مرکز کے نزدیک رہ کر سمندر کو دشمن کے لئے کھلا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارا بحری بیڑا ایک طرح سے عثمانی سمندروں کی سرحد ہے۔ ہم جتنا آگے تک جا سکتے ہیں، اتنا ہی آگے جا کر اپنے جہازوں کو ایک قطار کی صورت لنگر انداز کر دیتے ہیں۔ اس قطار کے علاوہ ہمارے بیسیوں جہاز اور کشتیاں دور دراز کے پانیوں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔ ہمارے پاس ایک ایک پل کی خبر ہوتی ہے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر بحر اسود میں قدم رکھ سکیں۔''

صوفیہ کو تسلی بخش جواب مل گیا۔ کپتان الفانسو یہ سب باتیں جانتا تھا۔ گیارہ دن کے سفر کا مطلب تھا کہ انہیں شمال میں بہت آگے تک جانا پڑے گا۔ یہ ایک لحاظ سے بحر اسود کے روسی اور کریمیائی ساحلوں کے نزدیک پہنچنے والی بات تھی۔ بحر اسود بہت بڑا سمندر ہے لیکن پھر بھی

Marfat.com

وہ دنیا کے دوسرے سمندروں کی نسبت چھوٹا ہے۔ بحر اسود سے بڑے سمندر بحر روم، بحر ہند وغیرہ ہیں۔ جبکہ کرۂ زمین پر دو عظیم سمندر بھی ہیں، بحر اوقیانوس اور بحر اوقیانوس سے بھی بڑا بحر الکاہل۔

کلاڈیوس جلد سے جلد شیراز کے جہاز پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ زیادہ دور جانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ خونخوار سپاہیوں کا ایک مضبوط دستہ تھا اور ان کا جہاز زبردست اسلحہ سے لیس تھا۔ کلاڈیوس کا جہاز ایک تجارتی جہاز تھا۔ ہر تجارتی جہاز کے عرشے پر قزاقوں سے بچاؤ کے لئے ایک چھوٹی توپ نصب ہوتی تھی۔ اس کے برعکس کپتان الفانسو کے جہاز پر دو بڑی توپیں نصب تھیں۔ کیونکہ وہ ایک جنگی جہاز تھا۔ لیکن کلاڈیوس کا جہاز اپنی جسامت یا حجم کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ وہ اگر الفانسو کے جہاز کو ایک بھرپور ٹکر بھی ماردیتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

الفانسو کے جہاز کو اپنے بحری بیڑے میں عقاب کے نام سے جانا جاتا تھا۔ عثمانی بیڑے کے ہر جہاز اور کشتی کے لئے الگ الگ نام رکھے گئے تھے۔ الفانسو کا جہاز سچ مچ ایک عقاب ہی تھا۔ یہ چھوٹا اس لئے تھا تا کہ تیز دوڑ سکے۔ افراسیاب خود عثمانی بحریہ کے ہراول دستے کا حصہ تھا۔ اس کا عقاب دن بھر روسی جزیروں کے نواح میں گشت کرتا رہتا اور جب بھی کوئی خطرہ درپیش ہوتا وہ بجلی کی رفتار سے فرار ہونے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اس کے برعکس کلاڈیوس کے تجارتی جہاز کا نام ایک عیسائی تاجر ''مارفیس'' کے نام پر تھا۔ مارفیس کے جہاز کو بھی مارفیس کہا جاتا تھا۔ رات بھر کلاڈیوس مارفیس کے کیبن میں کبھی جاگتا اور کبھی سوتا رہا۔ وہ شیراز کو پکڑنے میں دیر نہ کرنا چاہتا تھا۔

مارفیس میں تجارتی سامان اور کلاڈیوس کے سپاہیوں کے علاوہ کئی اور لوگ بھی سوار تھے۔ یہ ایک بڑا جہاز تھا اور اس پر دس امدادی کشتیاں اس طریقے سے لدی تھیں کہ بوقت ضرورت ایک منٹ سے کم وقت میں انہیں سمندر میں اتارا جا سکتا تھا۔ مارفیس بھی تیز رفتاری سے شمالی سمندروں میں آگے سے آگے بڑھتا رہا۔ اپنے سفر کی پہلی رات کلاڈیوس نے بڑی مشکل سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی وہ دوڑ کر اپنے کیبن سے باہر نکلا اور تیزی سے عرشے پر جا پہنچا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ استنبول سے کتنی دور نکل آیا ہے۔ اسے کسی ایسی ویران جگہ کی تلاش تھی جہاں دور دور تک نہ تو کوئی جزیرہ ہو اور نہ ہی کوئی جہاز۔

Marfat.com

کلاڈیوس کے ہمراہ آنے والے سپاہیوں میں دو تجربہ کار عیسائی بھی شامل تھے۔ یہ دونوں اس قدر پکے عیسائی تھے کہ قسطنطنیہ میں مقیم ہونے کے باوجود یہ دونوں آسٹریا کی فوج کے لئے کام کرتے تھے۔ جب بھی کبھی جنگ ہوتی تو یہ دونوں وقت سے پہلے آسٹریا کی فوج میں شامل ہو جاتے اور دوران جنگ منہ چھپا کر لڑتے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی ان کے دلوں مین کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ایک کا نام ''فلپ'' اور دوسرے کا نام ''مورو'' تھا۔ مورو اور فلپ پرانے دوست ہونے کے ساتھ ساتھ رشتہ دار بھی تھے۔ وہ تلوار بازی، تیر اندازی اور بندوق چلانے میں ماہر تھے۔ جہاز کے عرشے پر کھڑے کلاڈیوس نے دور سے آتے مورو کو آواز دی۔

''ہم کہاں ہیں؟......اور کتنا انتظار کرنا ہوگا؟''

مورو لمبے لمبے ڈگ بھرتا کلاڈیوس کے نزدیک آ کر رکا اور کہنے لگا۔

''محترم کلاڈیوس! ہم ابھی وسطی سمندر میں نہیں پہنچے۔ یہ لوگ ''کارکنٹ سکی'' (KARKINITSKIY) کے دہانے تک جائیں گے۔ انہوں نے چھ سو میل کا طویل سفر کرنا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم انہیں مزید ایک سو میل کا سفر کرنے کے بعد پکڑنے کی کوشش کریں کیونکہ وسطی سمندر میں ان کی مدد کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔''

کلاڈیوس بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ وہ کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور مورو سے کہا۔

''تم مجھے بحر اسود کے بارے میں بتاؤ...... یہ فیصلہ میں خود کروں گا کہ مجھے کس مقام پر ان لوگوں کو پکڑنا ہے۔''

مورو کسی پیشہ ور رہبر کی طرح کلاڈیوس کو بحر اسود کے بارے میں بتانے لگا۔

''بحر اسود ایک اندرونی (inland) سمندر ہے جو جنوب مشرقی یورپ اور شمال مغربی ایشیا یعنی ''ایشیا مینار'' (ایشیائے کوچک) کے درمیان لیٹا ہوا ہے۔ باقی سمندروں خصوصاً بحر ایجیئن، بحر مارمورا اور دردانیال کے ساتھ راس کا تعلق آبنائے باسفورس کے ذریعے جڑا ہے۔ رومانیہ، بلغاریہ اور ترکی کے تمام یورپین حصے اس کے مغربی ساحل ہیں۔ اس کے شمال اور مشرقی ساحلوں پر (یوکرائن) روس اور جارجیا کے علاقے ہیں۔ جنوبی سواحل عثمانی سلطنت کا حصہ ہیں۔

Marfat.com

بحر اسود سات سو پچاس میل (بارہ سو کلو میٹر) لمبا سمندر ہے اور اس کی چوڑائی 380 میل (610 کلو میٹر) ہے۔ کریمیا کا صوبہ شمال میں بحر اسود کا آخری کنارا ہے۔ یہاں سے خشکی کا وہ ٹکڑا جو کریمیا ہے، درمیان میں رہ جاتا ہے اور اس کے مشرق و مغرب ہر دو اطراف میں بحر اسود دو چھوٹے بحیرے (چھوٹے سمندر) بناتا ہے۔ مشرقی بحیرے کو "بحیرۂ ازف" اور مغربی بحیرے کو "کارکنٹ سکی خلیج" کہا جاتا ہے۔ بحیرۂ ازف پر ہمارے شہنشاہ پیٹر اعظم کا قبضہ ہے۔ لیکن کریمیا کا تمام علاقہ اور کارکنٹ سکی کی خلیج عثمانیوں کے پاس ہے۔ مشرقی اور وسطی یورپ کے دریا ڈی نایپر (Dnieper)، ڈی نائیسٹر (Dniester)، جنوبی بگ (Southern Bug) اور ڈینیوب (Danube) بحر اسود میں گرتے ہیں۔ مشرقی اور یورپی روس کا دریا "ڈان" (Don) بحر ازف میں آکر گرتا ہے۔ بحر ازف میں کوہ قاف کے پہاڑوں سے آنے والا دریا کبان (Kuban) بھی آکر گرتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں بحر اسود کو شمال کی یخ بستہ اور سنگین ہواؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ بحر اسود میں تمام طوفان سردیوں کے موسم میں ہی آتے ہیں۔ بحر اسود کسی زمانے میں آج سے بھی زیادہ مصروف سمندر تھا۔ جب تک عثمانی مسلمانوں نے ہمارے مقدس شہر قسطنطنیہ کو فتح نہیں کیا تھا یورپ کا تمام مال و اسباب اسی سمندر کے راستے آبنائے باسفورس سے ہوتا ہوا ایشیائی اقوام تک جاتا تھا۔ شہنشاہ پیٹر اعظم بحر اسود کو عثمانیوں سے دوبارہ چھیننا چاہتے ہیں کیونکہ عثمانیوں نے گزشتہ تین صدیوں سے دردانیال کا راستہ یورپی عیسائیوں کے لئے بند کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بحر اسود ایک ویران سمندر ہے۔ اگر خداوند یسوع مسیح نے چاہا تو ایک دن ہم بحر اسود مسلمانوں سے چھین لیں گے۔ اس وقت ہم بحر اسود کے جنوب مغربی کونے میں ہیں اور ہمارا سفر شمال کی طرف جاری ہے۔ یہ تمام علاقہ مسلمان جہازوں کی گزرگاہ ہے...... عیسائیوں کے زیادہ تر علاقے بحر اسود کے شمال مشرقی سواحل ہیں جن پر روس کا قبضہ ہے۔ ہمیں احتیاط کرنی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں ہم استنبول سے جس قدر دور ہوں بہتر ہے۔"

کلاڈیوس مورو کی معلومات پر حیران رہ گیا اور اسے اطمینان سا محسوس ہوا کہ وہ ایسے تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ ہے جو اسے بھٹکنے نہیں دیں گے۔ اس کا ذہنی دباؤ کم ہوا اور اس نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے مورو سے پوچھا۔

"اچھا...... تو تمہارے خیال میں کون سا وقت مناسب ہوگا اس کام کے لئے کہ ہم ان پر

Marfat.com

حملہ کریں۔"

مورو نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

"میرے خیال میں ہمیں آج کا پورا دن ان کی نظروں سے دور رہنا چاہیے۔ آنے والی رات کے آخری پہر میں جب عموماً سب ملاح اور مسافر گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں ہم ان کے جہاز پر حملہ کریں گے۔"

کلاڈیوس نے مورو کی رائے سے اتفاق کیا اور اطمینان سے سر ہلاتا ہوا عرشے سے نیچے کی جانب چل دیا۔

♦ ...... ♦

سمندر کا آئینہ کسی فرش کی طرح بچھا تھا۔ لہریں شاید کچھ وقت کے لئے سو گئی تھیں۔ بحر بیکراں کا سکوت اور فضا کی خاموشی میں ہلکی سے ہلکی آواز بھی صاف سنی جا سکتی تھی۔ مچھلیاں بھی رات کے اس پہر آسیبوں کے خوف سے سر باہر نہ نکال رہی تھیں۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ "عقاب" تقریباً ٹھہر گیا تھا۔ رات کے پہلے پہر میں اس کے بادبان باندھ دیئے گئے تھے۔ اس وقت اگر بادبان کھلے بھی ہوتے تو شاید پھر بھی عقاب تیر نہ سکتا کیونکہ آج ہوا نام کو نہیں تھی۔ مصری ملاح افراسیاب کے جہاز "عقاب" پر موجود تمام سوار بے فکر سو رہے تھے۔ رات کے اس پہر سب ملاح بھی سو جاتے تھے۔ عقاب پر چھ چھ ملاحوں کی باری بدلتی تھی لیکن رات کا زیادہ تر وقت یہ لوگ بھی چپو چلانا بند کر دیتے تھے۔ موسم بے حد خنک تھا۔ یوں لگتا تھا پورے سمندر میں شیشے کی طرح شفاف برف جم گئی ہو...... سب کچھ رکا رکا سا محسوس ہوتا تھا۔

کلاڈیوس کا جہاز "مارفیس" دبے پاؤں عقاب کے ساتھ آ لگا۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس قدم کا فاصلہ ہو گا جو ابھی طے کرنا باقی تھا۔ آج موت بیس سے زیادہ مسلح سپاہیوں کی شکل میں شیراز اور اس کے ساتھیوں کے سر پر آ پہنچی تھی۔ رات کے وقت عموماً افراسیاب دو ملاحوں کو متعین کرتا کہ وہ عقاب کی نگہبانی کریں تاکہ وہ غفلت کے عالم میں اپنے راستے سے بھٹک نہ جائے۔ لیکن آج وہ دونوں نگہبان بھی اپنے اپنے گھٹنوں میں سر دیئے سو رہے تھے۔ افراسیاب کو شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ رات کا پہرہ دینے والوں کو گرم اونی کمبل کی سہولت دینا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا ہے۔ نگہبان بے خبر تھے۔ ان کی آنکھ اس وقت کھلی جب وہ دس قدم کا

Marfat.com

فاصلہ بھی طے ہوا اور مارفیس کے بدن نے "عقاب" کے بدن کو آ کر چھوا۔ افراسیاب کے جہاز "عقاب" کو ایک زوردار ٹھوکر لگی اور وہ سمندر کے ٹھہرے ہوئے پانی میں شدید جھٹکے سے ایک بڑا ہچکولا کھا کر رہ گیا۔ جہاز میں موجود سب لوگ ایک ساتھ بیدار ہوئے اور وہ ابھی یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ جہاز کو جھٹکا کس چیز کے ساتھ ٹکرانے سے لگا کہ انہیں جہاز میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ کپتان الفانسو کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنے کیبن میں موجود اپنے تینوں ساتھیوں کو انتہائی تیز لہجے میں آواز دی۔

"اٹھو! دشمن نے حملہ کر دیا ہے...... اپنی شمشیریں تھام لو اور پوری طرح سے ہوش میں رہ کر مقابلہ کرو...... ہم آخری سانس تک لڑیں گے...... صوفیہ آج تمہیں بھی مردوں کی طرح لڑنا ہو گا۔"

یہ سب کہتے ہوئے کپتان الفانسو کے ہاتھ بڑی تیزی کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس نے اس دوران جنگ کی پوری تیاری کر لی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے کیبن سے باہر نکلتا اسے جہاز میں بہت سے آدمیوں کی موجودگی کا احساس ہوا۔ الفانسو نے دوڑ کر کیبن کا دروازہ کھولا، سامنے صحن میں بہت سے لوگ دندناتے پھر رہے تھے۔ یکایک الفانسو کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے اپنی ایڑی پر گھومتے ہوئے شیراز سے کہا۔

"شیراز! تم لوگ جہاز کے عرشے پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ صوفیہ سے کہو وہ تیروں سے بھرا ترکش ہمراہ لے لے۔ اتنے زیادہ لوگوں سے ہم دست بدست نہیں لڑ سکتے۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک بار تم عرشے پر پہنچ گئے تو پھر ہم تیراندازی سے ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

اسی اثناء میں کپتان کی نظر اس شخص پر پڑی جو چوبی تختے پھلانگتا ہوا کپتان الفانسو کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار لہرا رہی تھی اور اس کے پیچھے لپکنے والے اس کے ساتھیوں کی تعداد دس کے قریب تھی۔ کپتان الفانسو نے پھر چیخ کر شیراز سے کہا۔

"شیراز! جلدی کرو...... مجھے یہ بحری قزاق لگتے ہیں۔ ہم ان پر قابو پا لیں گے...... تم لوگ ہمت کرو۔"

لیکن اس سے پہلے کہ دشمن کا بڑھتا ہوا سیاہ پوش دستہ چند تختے مزید پھلانگ کر ان لوگوں تک پہنچتا کہ اچانک ایک طرف سے مصری ملاح افراسیاب آندھی اور طوفان کی طرح نمودار

Marfat.com

ہوااور دشمن کے آگے بڑھتے ہوئے دستے کے سامنے ایک چٹان بن کرٹھہر گیا۔

"رک جاؤ...... ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو ایک ایک کو کاٹ دوں گا...... کون ہو تم؟ اور تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ تم "عقاب" پر قدم رکھ سکو۔"

لیکن دشمن دستے کا سالار جواب میں کچھ نہ بولا بلکہ جھپٹ کر افراسیاب پر حملہ آور ہو گیا۔ عقاب پر کام کرنے والے بارہ ملاح بھی اپنی اپنی شمشیریں سنبھال چکے تھے۔ یہ چپو چلانے والے صرف ملاح ہی نہیں بلکہ ماہر سپاہی بھی تھے۔ کیونکہ عقاب عثمانی بحریہ کا ایک جنگی جہاز تھا۔ لیکن یہ بارہ شمشیر بردار اس اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں نظم و ترتیب نہ بن سکی اور وہ بھٹکی ہوئی بھیڑوں کی طرح بکھر کر دشمن کی طرف بڑھے۔

افراسیاب نے ایک ساتھ کئی تلواروں کو اپنی شمشیر پر روکا اور کسی بازیگر کی طرح کئی شمشیروں کی زد سے محض ایک جھکائی لے کر بچ گیا۔ اگلے لمحے وہ بیک وقت کئی حملہ آوروں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آواز سمندر کے ہموار پانی پر دور تک پھیلتی چلی گئی۔ اسی اثناء میں افراسیاب کے دوسرے ساتھی بھی لڑائی میں شامل ہو گئے۔ کپتان الفانسو نے چیخ کر "عقاب" کے ملاحوں سے کہا۔

"آدھے آدھے تقسیم ہو جاؤ...... دو صفیں بنالو۔ ایک حصہ دشمن کے اس دوسرے دستے کا راستہ روکے جو عرشے پر قبضہ کرنے کے لئے اس طرف بڑھ رہا ہے اور باقی اس دستے پر عقب سے حملہ کرو۔"

عقاب کے ملاح آخر سپاہی تھے۔ انہوں نے کپتان الفانسو کا حکم سنا تو جیسے چونک سے گئے اور پھر انہوں نے الفانسو کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دیر نہ لگائی۔ "عقاب" کے جہاز ران عقابوں کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے۔ لیکن کلاڈیوس کے مقابلے میں الفانسو کے سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ چند ہی لمحوں میں "عقاب" میدانِ کارزار بن گیا۔ جہاز بری طرح ڈول رہا تھا۔ دونوں طرف کے ملا کے چالیس کے قریب افراد اس وقت "عقاب" پر شدت کے ساتھ مصروف جنگ تھے۔ وہ اچھل، لپک، جھپٹ اور پلٹ رہے تھے۔

شیراز، صوفیہ اور سکندر عرشے پر پہنچ تو گئے لیکن اب ان کے لئے نشانہ لے کر تیر چلانا ایک مشکل مسئلہ تھا۔ رات تاریک تھی اور اپنے پرائے کی پہچان نہیں ہو رہی تھی۔ سکندر نے تو اسی وقت جنگ میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

Marfat.com

''شیراز! میں یہاں بیٹھ کر آنکھ مچولی نہیں کھیل سکتا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں جنگ میں شریک ہو جاؤں۔''

لیکن شیراز نے برق رفتاری سے اٹھتے ہوئے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں...... وہاں ہماری کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہے...... یہ دیکھ رہے ہو، یہ کیا ہے؟''

شیراز نے اپنے ہاتھوں میں تھمی کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سکندر شیراز کے ہاتھ میں تیل کا کنستر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے شیراز کی طرف دیکھا تو شیراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پوچھنے کا وقت نہیں۔ بس تم جلدی جلدی ان تیروں پر کپڑے کے ٹکڑے لپیٹنے شروع کرو۔ ہمیں دشمن کے جہاز کو جلانا ہے۔ یاد رکھو! سب سے پہلے بادبان کو آگ لگی تو ہمارے جہاز پر روز روشن کی طرح اجالا ہو جائے گا۔ اس دوران تم اور صوفیہ پہچان پہچان کر دشمن پر تیر برسا سکو گے۔''

صوفیہ اور سکندر شیراز کی دانش مندی پر دنگ رہ گئے۔ صوفیہ نے خراج تحسین پیش کرنے کے انداز میں کہا۔

''بابا کی نظر انتخاب کبھی غلط نہیں پڑتی شیراز! تم سچ مچ گوریلا سپاہی ہو۔''

''ہاں! وہ تو میں ہوں...... لیکن تم لوگ باتیں بند کرو اور تیزی سے ہاتھ چلاؤ، سمجھے۔''

اگلے لمحے آگ کا ایک شعلہ عقاب کے عرشے سے سنسناتا ہوا مارفیس کی جانب لپکا۔ موٹے کپڑے کے فلک بوس بادبان میں تیر لگنے کی دیر تھی، اور پھر آگ ہی آگ...... مارفیس کا بادبان تیزی سے جلنے لگا۔ دو لمحوں میں ہی دونوں جہازوں پر دن کی طرح روشنی چھا گئی۔ لیکن شیراز ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا آتشیں تیر مارفیس کی جانب پھینک رہا تھا۔ جبکہ صوفیہ اور سکندر نے جہاز کے فرش پر لڑتے ہوئے دشمن کے سپاہیوں کو اپنے تیروں پر رکھ لیا۔ اب ہر شخص صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سکندر دل ہی دل میں شیراز کو داد دینے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ میدانِ جنگ اب ان کا ہے۔ ٹن ٹن، ٹناٹن ٹن کی آوازیں بحر اسود کے پانی کو رقص کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ زخمی ہوتے ہوئے جنگجوؤں کی چیخ و پکار، آہیں اور کراہیں سمندر کا دل دہلا رہی تھیں۔ الفانسو کی تلواریوں چل رہی تھی گویا کوئی مشین خودکار طریقے سے

Marfat.com

اپنا کام کر رہی ہو۔ اس پر بیک وقت تین تین وار پڑتے لیکن وہ انہیں یوں چابک دستی سے روکتا کہ مصری ملاح افراسیاب عش عش کر اٹھا۔ اچانک روشنی ہو جانے کے سبب نقاب پوش کلاڈیوس کا دل سینے میں دھک سے رہ گیا۔ اس نے لڑتے لڑتے تیزی سے گھوم کر اپنے جہاز کی جانب دیکھا اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔

میدانِ کارزار گرم تھا۔ کلاڈیوس خود کسی سے کم نہیں تھا۔ اپنے حملے کو ناکامی کی طرف جاتا ہوا دیکھ کر کلاڈیوس کے بدن میں گویا بجلی بھر گئی۔ اس کا مد مقابل مصری ملاح افراسیاب تھا۔ کلاڈیوس نے اچھل اچھل کر انتہائی ماہرانہ قسم کے وار کرنا شروع کر دیئے۔ افراسیاب کا انداز دفاعی ہو گیا۔ کلاڈیوس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ لیکن افراسیاب ایک مایہ ناز سپاہی تھا۔ اس نے کلاڈیوس کا ہر وار روکا اور کلاڈیوس کی شمشیر اس کے لباس تک کو نہ چھو سکی۔ اب دشمن کے جہاز پر چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ غالباً مارفیس پر موجود غیر متعلقہ لوگ بادبان کو آگ لگنے کی وجہ سے بیدار ہو گئے تھے۔ لیکن مارفیس اب خود بخود ہی ہچکولے کھاتا ہوا عقاب سے کافی دور ہٹ چکا تھا۔ اب مارفیس سے کوئی کمک عقاب تک فوری طور پر نہ پہنچ سکتی تھی۔ عقاب کے چپو بردار ملاح اس وقت شمشیر زنی کے جوہر دکھا رہے تھے لیکن ان کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

اچانک عقاب کے عرشے سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور کلاڈیوس کے بائیں کندھے میں پیوست ہو گیا۔ کلاڈیوس کے حلق سے سسکاری نکل گئی۔ وہ اب جلد سے جلد یہ قصہ تمام کرنا چاہتا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے کلاڈیوس کے دو سپاہی افراسیاب پر پیچھے سے حملہ آور ہوئے۔ افراسیاب بروقت سنبھل نہ پایا اور دو تلواریں ایک ساتھ اس کے آہنی وجود کو کاٹتی چلی گئیں ...... ایک دلدوز چیخ سمندر کی فضا میں گونجی تو کپتان الفانسو نے چونک کر اس جانب دیکھا۔ افراسیاب گر چکا تھا اور اب کلاڈیوس کپتان الفانسو کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کپتان الفانسو جو پہلے ہی تین تلوار بازوں کے ساتھ مصروف پیکار تھا، مزید تین حملہ آوروں کی زد میں آ گیا۔ اس بار کلاڈیوس خود اس کے سامنے تھا۔ لیکن کلاڈیوس کے کندھے سے لہو بہہ رہا تھا۔ کپتان الفانسو اب تک تین چار حملہ آوروں کو موت کی نیند سلا چکا تھا۔ لیکن اس کے پورے بازو اب بھی تیزی کے ساتھ چل رہے تھے۔ عرشے پر بیٹھے شیراز اور سکندر نے کپتان الفانسو کو چھ تلوار بازوں کی زد میں دیکھا تو تیر پھینکنے کا کام صوفیہ کے سپرد کیا اور کسی چھلاوے کی طرح زینے پھلانگتے

Marfat.com

کپتان الفانسو کی مدد کو آ پہنچے۔ اگلے لمحے شیراز کلاڈیوس کے سامنے تھا۔

ادھر افراسیاب کی شہادت کے بعد ملاح سپاہیوں کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔ ان کے بارہ ساتھیوں میں سے پانچ شہید ہو چکے تھے اور انہوں نے بھی دشمن کے اتنے ہی سپاہیوں کی جان لے لی تھی۔ لیکن اب بھی دشمن کی تعداد ان سے زیادہ تھی۔ ساتوں عثمانی سپاہی اپنی رہی سہی قوت کو مجتمع کر کے جذبے کے ساتھ لڑنے لگے۔ کیونکہ انہوں نے شیراز اور سکندر کو شاہینوں کی طرح جھپٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسی اثناء میں صوفیہ کے تیر ٹھیک نشانوں پر پڑنے لگے۔

مارفیس کا بادبان جل چکا تھا اور اب جہاز کے مستول اور تختوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ مارفیس پر موجود سوداگر تیزی کے ساتھ آگ بجھانے میں لگ گئے لیکن عقاب پر اب صورت حال بدل چکی تھی۔ سکندر اور شیراز نے آناً فاناً کلاڈیوس کے تین ساتھیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ کلاڈیوس خود بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ لیکن پھر بھی شیراز کا دل کہتا تھا کہ یہی کلاڈیوس ہے۔ شیراز کو اس کے انداز میں عجب شان نظر آئی۔ اس کے لڑنے کا انداز شیراز سے ملتا جلتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیراز نے اسے سب کا سردار سمجھا اور للکارا۔

"کلاڈیوس! مجھے دیکھو...... میں شیراز ہوں...... آخر تقدیر تمہیں میرے سامنے لے ہی آئی۔ آج میں اپنی شہید بہن نورین کا انتقام لے سکوں گا۔"

کلاڈیوس نے گھوم کر شیراز کی جانب دیکھا، دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ نہ جانے ان چار نگاہوں میں ایک دوسرے کے لئے کیا کشش تھی کہ ایک لمحے کو تو دونوں ہی ٹھٹک کر رک گئے۔ لیکن اگلے لمحے دونوں ہی ایک دوسرے پر جھپٹے اور پھر ٹن ٹن......

کپتان الفانسو نے کلاڈیوس کے ایک اور ساتھی کا پیٹ پھاڑ دیا تھا۔ ادھر تیروں کی برسات ملاح سپاہیوں کے لئے بہت مددگار ثابت ہو رہی تھی۔ کیونکہ اب ان کی تعداد دشمن سے زیادہ ہو چکی تھی۔ دراصل صوفیہ کے تیروں نے کلاڈیوس کے ساتھیوں کو چن چن کر چھیدنا شروع کر دیا تھا۔ یکایک کلاڈیوس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن اب وہ کہاں جا سکتے تھے۔ ملاح سپاہیوں نے عقب سے ان پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ کوئی ایک بھی سمندر میں نہ کود سکا...... فیصلہ ہو چکا تھا۔ کلاڈیوس کے سارے ساتھی مارے گئے اور اب اکیلا کلاڈیوس اکیلے شیراز کی شمشیر زنی کی زد پر تھا۔ شیراز نے آواز دے کر سب کو روک دیا تھا۔ وہ کلاڈیوس کو اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ صوفیہ، شیراز کے ارادے سے بے

Marfat.com

خبر تھی۔ چنانچہ اس نے عرشے سے کلاڈیوس کا نشانہ لے کر تیر پھینکا جو سنسناتا ہوا آیا اور کلاڈیوس کے دوسرے کندھے میں کھب گیا۔ اب تو کلاڈیوس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ معاً کلاڈیوس نے کسی جنگلی بلی کی طرح ایک جست بھری اور اچھل کر کئی قدم دور جا رکا۔ شیراز اور سکندر نے دوڑ کر اس کا پیچھا کیا لیکن وہ تو جان کے خوف سے بھاگ رہا تھا۔

"چھپاک!"

کلاڈیوس کے پانی میں گرنے کی آواز کافی بلند تھی۔ شیراز نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور کلاڈیوس کے پیچھے سمندر میں چھلانگ لگا دی...... چھپاک...... لیکن کلاڈیوس نہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔ شاید وہ گہرائی میں غوطہ لگا گیا تھا۔ شیراز کے پیچھے سکندر بھی سمندر میں کود گیا لیکن وہ دونوں ہی کلاڈیوس کو نہ پا سکے۔ اور پھر کافی تلاش کے بعد جب وہ واپس اپنے جہاز میں سوار ہو رہے تھے تو ٹھیک اسی وقت کلاڈیوس بھی مارفیس کے تختوں کے نزدیک نمودار ہو رہا تھا۔ اس کا بدن لہولہان تھا اور وہ تھکن سے چور ہو چکا تھا۔

جنگ ختم ہو گئی۔ لیکن مارفیس کا بادبان ابھی تک جل رہا تھا۔ سوداگروں نے باقی تمام جگہوں پر لگی آگ پر قابو پا لیا تھا جبکہ بادبان بہت اونچا تھا اس لئے اُس کے شعلوں پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں کی روشنی میں کپتان الفانسو نے دیکھا، افراسیاب شہید ہو چکا تھا۔ عثمانی بحریہ کے پانچ ملاح سپاہی بھی شہید ہو چکے تھے۔ کپتان الفانسو خود زخمی تھا، باقی سپاہیوں میں سے بھی کچھ زخمی تھے۔ سکندر اور شیراز کے گیلے بدن کی وجہ سے انہیں سردی کا احساس ہونے لگا۔ موسم سچ مچ بے حد خنک تھا۔ صوفیہ عرشے سے اتر آئی اور اب سکندر اور شیراز کو کپڑے بدلنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ ملاح سپاہیوں نے دشمن کے مقتولوں کو ٹھکانے لگانا شروع کر دیا تھا۔ سب سپاہیوں نے نقاب پہن رکھے تھے۔ کپتان الفانسو کے کہنے پر ایک ایک کا نقاب الگ کیا گیا۔ مرنے والوں کی کل تعداد بیس تھی۔ جلد ہی شیراز اور سکندر لباس بدل کر باہر آ گئے۔ عقاب کے فرش پر ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری تھیں۔ شیراز نے جس نوجوان کو کلاڈیوس سمجھا تھا، شیراز اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ کلاڈیوس ہی ہوتا۔ اچانک صوفیہ کے کانوں میں کسی زخمی کی کراہ سنائی دی۔ اس نے گھوم کر دیکھا، یہ شخص بالکل کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ جہاز کا ذرا سا ہچکولا اسے سمندر میں گرا سکتا تھا۔ صوفیہ تیزی سے زخمی کی جانب دوڑی۔ لیکن نزدیک جا کر اسے معلوم ہوا کہ وہ دشمن کا ساتھی تھا۔ شیراز، سکندر

Marfat.com

اور کپتان الفانسو بھی اسی زخمی کی طرف بڑھے۔اس کی پشت میں تلوار کھبنے کا گھاؤ تھا اور وہ اوندھا پڑا کراہ رہا تھا۔الفانسو نے فوری طور پر اسے بچانے کا فیصلہ کیا۔وہ اس زخمی سے بہت کچھ اگلوا سکتا تھا۔لیکن صوفیہ کی بات سن کر وہ رک گیا۔صوفیہ کہہ رہی تھی۔

''بابا...... یہ بچ نہیں سکتا۔اس کی پیٹھ میں کھبنے والی شمشیر اس کا پیٹ پھاڑتی اور آنتیں کاٹتی ہوئی نکل گئی ہے۔یہ چند لمحوں کا مہمان ہے۔''

شیراز نے صوفیہ کی بات سنی تو لپک کر زخمی کے نزدیک پہنچا اور اس کا چہرہ اپنی طرف گھماتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

''تم کون ہو؟......تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارے سردار کا کیا نام ہے؟''

لیکن وہ مر رہا تھا۔اس کا بدن تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک شدید ہچکی کے ساتھ جھٹکا کھاتا اور اس کی ناک اور منہ سے خون کی تازہ لکیریں بہہ نکلتیں۔شیراز نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے پھر مخاطب کیا۔

''میں پوچھتا ہوں کون ہو تم؟ کیا نام ہے تمہارا؟ جلدی بتاؤ...... دیکھو، تم اپنے بارے میں بتا دو گے تو ہم تمہارے گھر والوں کی کچھ مدد کر سکیں گے۔''

اس کی آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں۔وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کک...... کک...... کل...... کلا...... کلاڈ......''

وہ یک لخت خاموش ہو گیا۔شیراز کے دیدے حیرت سے پھیل گئے۔وہ اسے دیوانہ وار جھنجھوڑنے لگا۔

''بولو، بولو!! کیا تم کلاڈیوس ہو؟ کیا تم اپنا نام بتانا چاہ رہے ہو؟''

مرتے ہوئے دشمن نے آخری مرتبہ آنکھیں کھولیں اور اس کے دیدے شیراز پر جم کر رہ گئے۔شیراز اس سے پوچھ رہا تھا لیکن وہ خاموش تھا۔اور پھر اس کے دیدے ایک ہی جگہ جم گئے۔

''یہ کلاڈیوس تھا...... یہ شاید اپنا نام بتانے جا رہا تھا۔تم نے سنا اس نے آخری لفظ کلاڈ ادا کیا۔''

سکندر نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔سب نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔سب یہی سمجھ رہے تھے کہ یہی کلاڈیوس ہے۔لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔یہ ''مورو'' تھا۔کلاڈیوس کا جانثار ساتھی۔

♦......♦

Marfat.com

"ہم بحر اسود" میں اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ اب ہمارے لئے واپس جانے کی بجائے آگے بڑھنا ہی بہتر ہے۔ ہمارے پاس ملاحوں کی تعداد کم ہے۔ کل سات ملاح ہیں جن میں سے تین زخمی ہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہمارا جہاز محفوظ ہے۔ ہم خود چپو چلائیں گے۔ لیکن واپس نہیں لوٹیں گے۔ ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ اس لئے تم سب ہمہ وقت تیار رہو۔"

یہ کپتان الفانسو کی آواز تھی۔ وہ تمام کاموں سے فارغ ہو چکے تھے۔ انہوں نے دشمن کی لاشوں کو سمندر میں پھینکنے کے بعد اپنے شہداء کو کفن پہنائے، ان کی آخری رسوم ادا کیں، جنازہ پڑھا اور دستور کے مطابق انہیں بڑے آرام کے ساتھ سمندر میں اتار دیا۔ افراسیاب کی شہادت کا سب کو دکھ تھا لیکن اب سب تقریباً سنبھل چکے تھے اور عقاب پہلے سے بہت کم رفتار کے ساتھ بحر اسود میں شمال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کل دن بھر سمندر خاموش رہا تھا، گزشتہ شب بھی ہوا کا نام تک نہیں تھا لیکن آج شمال سے آنے والی سرد ہواؤں نے سمندر کی لہروں کے ساتھ اٹھکیلیاں شروع کر دی تھیں۔ کپتان الفانسو اپنی پیشانی پر ہتھیلی کا چھجہ بنائے دور شمال میں دیکھ رہا تھا۔ یہ دن کا وقت تھا اور سورج آسمان پر پوری طرح چمک رہا تھا۔ صوفیہ، سکندر اور شیراز عرشے پر جا بیٹھے۔ کپتان الفانسو کے بازوؤں پر پٹیاں بندھی تھیں۔ وہ اپنے کیبن میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔ بحر اسود کے موسم سرما کی ہوائیں بہت مشہور تھیں۔ تمام جہاز اور جہاز ران ان ہواؤں سے خوف کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ جب کوہ قاف کے درّوں کو چھو کر تیز اور سرد ہوائیں بحر اسود میں داخل ہوتیں تو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لئے چلی جاتیں۔ کپتان الفانسو کے دل میں یہی ڈر تھا کہ کوئی سرد سمندری طوفان ان کا راستہ نہ روک لے۔ لیکن شیراز اور اس کے ساتھی عرشے پر بے پرواہ بیٹھے گزشتہ شب کی جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ صوفیہ نے کہا۔

"تم نے دو سوال کئے تھے شیراز!...... ایک یہ کہ تمہارا نام کیا ہے، اور دوسرا یہ کہ تمہارے سردار کا نام کیا ہے...... ہو سکتا ہے مرتے ہوئے دشمن نے آخر وقت میں اپنے سردار کا نام تمہیں بتانے کی کوشش کی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ خود کلاڈیوس نہ ہو بلکہ بھاگ نکلنے والا شخص ہی کلاڈیوس ہو۔"

صوفیہ کا خیال درست ہو سکتا تھا۔ شیراز اور سکندر نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی اور سکندر نے کہا۔

Marfat.com

"بھاگ نکلنے والے شخص کا انداز ہی سرداروں جیسا تھا اور حیرت ہے اس کے لڑنے کا انداز بھی بالکل شیراز جیسا تھا۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہی کلاڈیوس ہوگا۔"

شیراز نے حیرت سے سکندر کی جانب دیکھا اور تجسس بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بالکل، بالکل!! مجھے بھی یہی لگا۔ میں خود حیران تھا۔ لیکن افسوس میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ اس نے سر پر نقاب چڑھا رکھا تھا۔ میں اس کی صرف آنکھیں ہی دیکھ پایا اور وہ بھی رات کے عالم میں۔"

"تو کیا اگر تم اسے دیکھ لیتے تو پہچان جاتے؟ تم تو کہتے ہو تم نے کبھی کلاڈیوس کو نہیں دیکھا۔" یہ سوال صوفیہ نے کیا تھا۔

شیراز نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"شاید میں اسے پہچان لیتا۔ وہ مقدونیہ کا رہنے والا ہے۔ مادام تھرو شیا کا بیٹا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو میری نظروں سے گزرا ہوگا۔ میں کم از کم اتنا تو پہچان لیتا کہ وہ مقدونیہ کا باشندہ ہے۔"

"تو کیا یہ شخص جس نے مرتے ہوئے اپنا نام کلاڈیوس بتانے کی کوشش کی، مقدونیہ کا رہائشی نہیں لگتا؟"

"نہیں! یہی تو میں سوچ رہا ہوں...... خیر، بھاڑ میں جائے۔ ہمیں اب اس قصے کو بھلا دینا چاہئے۔ یاد رکھو کہ ہم بہت ضروری کام سرانجام دینے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

سکندر اور صوفیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہ تینوں دھوپ میں بیٹھے ہونے کے باوجود تیز اور سرد ہواؤں کی وجہ سے جکڑے اور ٹھٹھرے ہوئے بیٹھے تھے۔ تینوں نے اپنے جسموں کے گرد شالے اور کمبل لپیٹ رکھے تھے۔ سمندر کے شفاف پانی کی موجیں سرد ہوا کے ساتھ ساتھ نشیب و فراز پیدا کر رہی تھیں۔ عقاب کبھی کسی موج پر اوپر کو اٹھ جاتا اور کبھی نیچے کی طرف جھک جاتا۔ کسی کو کچھ خبر نہ تھی کہ آنے والی رات بحر اسود کا پانی ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والا ہے۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے تیز اور سرد ہوا یک دم رک گئی۔ کپتان الفانسو اپنے بستر سے باہر نکل آیا اور عرشے پر جا کر اچانک رک جانے والی ہوا پر غور کرنے لگا۔ شمالی ہواؤں کا یوں اچانک رک جانا کسی بڑے خطرے کی علامت بھی ہو سکتا تھا۔ کپتان الفانسو کی آنکھوں پر دور بین ٹکی تھی اور وہ گھوم گھوم کر سمندر کی سطح کو چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ سمندر پُر سکون ہو چکا

Marfat.com

تھا۔ دور شمالی پربت پر الفانسو کو چھوٹے چھوٹے سیاہ نقطے دکھائی دیئے تو اس کی دور بین اسی رخ پر جم گئی۔اب وہ غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہر طرف سمندر ہی سمندر تھا۔شمال کے پربت یہاں سے دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہاں کھڑے ہو کر تو یوں لگتا تھا گویا ساری کائنات ہی سمندر ہے۔لیکن کپتان جانتا تھا کہ یہ نقطے پربت پر ہی دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ اس قدر طاقت ور دور بین میں دکھائی دینے والے یہ چھوٹے چھوٹے نقطے دراصل بادل تھے۔ دن بھر چلنے والی ہوا کے رخ کا اندازہ لگاتے ہوئے کپتان الفانسو نے سوچا کہ اگر ہوا دوبارہ چل پڑی تو یہ بادل رات کا پہلا پہر ختم ہونے تک بحر اسود پر چھا جائیں گے۔اور اگر انہیں موسلا دھار بارش، تیز ہواؤں اور طوفان نے آلیا تو بہت مشکل ہو جائے گی۔ الفانسو دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں کپتان؟ ہوائیں تو رک چکی ہیں...... اب تو کوئی خطرہ نہیں۔“

یہ آواز شیراز کی تھی۔ کپتان الفانسو نے گھوم کر تختے پر ٹھک ٹھک چلتے ہوئے شیراز کی جانب دیکھا اور انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”نہیں شیراز! میں نے دور شمال میں بادل دیکھے ہیں۔ اگر خدا نہ کرے سرد ہوا دوبارہ چل پڑتی ہے تو طوفان ضرور آئے گا۔ہمیں طوفان کی آمد سے پہلے جہاز کے لنگر ڈالنا ہوں گے ورنہ جہاز کے الٹنے کا خدشہ ہے۔اس کے علاوہ ہمیں بادبانوں کو نہ صرف باندھنا ہو گا بلکہ بہتر تو یہ ہو گا کہ ہم جہاز کا مستول ہی گرا دیں۔“

شیراز پھٹی پھٹی آنکھوں سے کپتان الفانسو کی بات سن رہا تھا۔ وہ اتنے بڑے خطرے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔اس نے تعجب سے کہا۔

”کیا اتنا کچھ کرنا ہو گا؟ ہم مستول کیسے گرائیں گے...... کیا ہم اسے توڑ دیں گے؟“

کپتان کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

”نہیں، توڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم مستول کو بنیاد سے کھول لیں گے۔ لیکن یہ کام تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب ہم اسے بروقت شروع کر دیں۔ یہ ایک لمبا اور زور آزما کام ہے۔“

شیراز نے کپتان کے ہاتھ سے دور بین لے لی اور اپنی آنکھوں پر رکھ کر شمال میں دیکھنے لگا۔اسی اثناء میں جہاز کے عرشے پر ایک ملاح سپاہی نمودار ہوا۔ یہ محمود تھا۔ترک نوجوان محمود محمود نے کپتان الفانسو کے قریب آ کر مؤدبانہ لہجے میں کہا......

Marfat.com

"محترم کپتان! طوفان کا خدشہ ہے۔ میں گزشتہ دس سال سے اسی سمندر میں ہوں...... تیز ہوائیں متواتر چلتی رہیں تو اور بات ہے لیکن یوں ہوا کا رک جانا طوفان کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔"

شیراز کی آنکھوں پر دوربین تھی۔ اس کا منہ دوسری طرف تھا لیکن اس کے کان محمود کی بات پر لگے ہوئے تھے۔ معاً اس نے گھوم کر محمود سے سوال کیا۔

"آپ لوگ عجیب بات کرتے ہیں۔ ہوا تو کل بھی رکی ہوئی تھی۔ ایک جھونکا بھی نہیں تھا۔ پھر آج رکنے والی ہوا پریشانی کا باعث کیونکر ہو سکتی ہے؟"

محمود نے شیراز کو سمجھانے کے سے انداز میں مخاطب کیا۔

"کل تک ہوا رکی ہوئی تھی۔ لیکن آج تیز طوفانی ہوا یک لخت رک گئی ہے۔ یہ طوفان بادوباراں کی علامت ہے۔ کسی بڑے طوفان کی آمد سے پہلے بحر اسود ایک بار بالکل خاموش ہو جاتا ہے، گم صم اور چپ چاپ...... یوں سمجھ لو سمندر کا پانی گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اگر طوفان شروع ہوا تو سمندر کی لہریں 'آسمان' سے باتیں کرنے لگیں گی۔ پانی کسی وحشی کی طرح چیخنے، دھاڑنے اور چنگھاڑنے لگے گا' آپ کو شاید اس سے پہلے بحر اسود میں سفر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بحر اسود کی طرف آنے والی طوفانی ہوائیں کوہ قاف کے درّوں سے گزر کر آتی ہیں۔ یہ روس کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔"

شیراز بڑی دلچسپی کے ساتھ محمود کی باتیں سن رہا تھا۔ کپتان الفانسو نے محمود سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم بادبان کو لپیٹ کر مستول کو بنیاد سے کھول لیں۔ کیونکہ غروب آفتاب کے بعد ہماری دوربینیں شمالی بادلوں کو نہیں دیکھ سکیں گی۔ ہمارا مستول اور بادبان محفوظ رہا تو طوفان ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ البتہ جہاز کے لنگر ہم طوفان سے کچھ دیر پہلے ہی گرائیں گے۔ ابھی ہم جتنا آگے بڑھ سکتے ہیں ہمیں بڑھ جانا چاہیے۔"

محمود کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ دس سال سے سمندر میں تھا لیکن مستول کھولنے کی بات اس نے پہلی مرتبہ سنی تھی۔ اس سے قبل وہ لوگ صرف بادبان لپیٹنے پر اکتفا کرتے تھے۔ مستول کھولنا جوکھم کا کام تھا۔ کھولنے سے زیادہ مستول کو دوبارہ لگانا کسی جہاز بنانے کے ماہر کے ہاتھوں ہی ممکن ہو سکتا تھا۔ لیکن محمود یہ نہیں جانتا تھا کہ الفانسو وینس کی افواج میں افسر رہ

Marfat.com

چکا ہے۔ وینس کی فوج کا ہر سپاہی ہر طرح کا بحری تجربہ رکھتا تھا۔ کپتان الفانسو کی بات کو احمقانہ خیال کرتے ہوئے محمود نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم مستول کھول تو لیں گے لیکن اس کو دوبارہ کھڑا کرنے کے لئے ہمیں تین اطراف سے بڑے بڑے رسے ڈالنے ہوں گے۔ یہ کام تو اس وقت ہو سکتا ہے جب جہاز ساحل پر لنگر انداز ہو۔ ایک تیرتے ہوئے جہاز میں کھڑے ہو کر اتنا کٹھن کام ہم کیسے کر پائیں گے؟"

کپتان الفانسو کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... یہ ایک ناممکن کام ہے۔ مستول کی رسیاں اور زنجیریں کھینچ کر اسے دوبارہ اوپر اٹھانے کے لئے ہمیں اپنے پیروں تلے پختہ زمین درکار ہے۔ لیکن یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ بحر اسود کا طوفانِ باد و باراں مستول کو توڑ بھی سکتا ہے۔ طوفان کے دوران اگر مستول ٹوٹ کر گر پڑا تو جہاز الٹ جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک ہلکا جہاز ہے۔ تم نے دیکھا نہیں، اس جہاز کی بناوٹ مختلف ہے۔ یہ جنگی بیڑے کا حصہ ہے، اس لئے اسے تیز رفتار بنانے کی غرض سے اس کا مستول اور بادبان بڑے اور بھاری بھرکم لگائے گئے ہیں۔ جبکہ خود جہاز کا وزن بہت کم ہے۔ مستول ٹوٹتے ہی جہاز الٹ جائے گا۔ دراصل جنگی بیڑے میں دورانِ طوفان تمام جہازوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ تم نے اب تک جتنے طوفانوں کا سامنا کیا، ان میں تمہارا عقاب سمندر کے وسیع سینے پر تنہا نہیں ہو گا۔ اس مرتبہ صورتحال مختلف ہے۔ بے شک ہم مستول کو دوبارہ اپنی جگہ شاید نہ لگا سکیں گے لیکن اس طرح ہم غرق ہونے سے مکمل طور پر بچ جائیں گے۔"

شیراز تو حیران تھا ہی، الفانسو کی بات سن کر محمود کے دیدے بھی پھیل گئے۔ اسے یوں لگا جیسے کپتان الفانسو کوئی بہت ہی زیادہ تجربہ کار ملاح ہے۔ اس نے فوراً کپتان کی بات مان لی۔

کچھ ہی دیر بعد تمام لوگ مل کر عقاب کا بادبان باندھنے اور مستول کھولنے میں مصروف ہو گئے۔ محمود کے دوسرے ساتھی ملاح کپتان کی اس حرکت پر حیران تھے۔ لیکن جلد ہی محمود انہیں سمجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ اب سب لوگ کام میں جتے ہوئے تھے۔ بھاری بھرکم اوزاروں کے ساتھ جہاز کے مستول کو کھولا جا رہا تھا۔ لوہے کے بڑے بڑے قابلے خاصے زنگ آلود تھے۔ سب لوگ مل کر زور لگا رہے تھے اور قابلے بڑی مشکل سے چیونٹی کی رفتار کے ساتھ گھوم

Marfat.com

رہے تھے۔ اس کام میں کئی گھنٹے لگ سکتے تھے۔ کپتان بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا اور بادلوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ ابھی تک آسمان خالی تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان پر ابتدائی راتوں کا چاند غالباً کچھ وقت کے لئے اپنا مکھڑا دکھا رہا تھا۔ مستول کے قابلے کھولتے کھولتے سب کو پسینہ آ گیا۔ شیراز کے ماتھے پر پسینے کے چمکتے ہوئے قطروں کے ساتھ ہوا کا پہلا جھونکا ٹکرایا تو اس نے چونک کر سب کی جانب دیکھا۔

''لو...... ہوا چل پڑی۔ لگتا ہے کپتان کی پیش گوئی درست ہو گی۔ یہ ہوائیں شمالی بادلوں کو بحر اسود کے آسمان پر کھینچ لائیں گی۔''

کپتان الفانسو جو قریب کھڑا ہدایات دے رہا تھا، شیراز کی بات پر سر ہلانے لگا۔

''یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ اس سے پہلے کہ ہوائیں تیز ہوں اور سمندر میں جوار بھاٹا پیدا ہونے لگے تم اس مستول کو کھول کر جہاز کے فرش پر لٹا دو۔''

مستول نے کھلنے میں بہت دیر لگائی۔ یہاں تک کہ تیز ہوائیں پہنچ گئیں۔ تیسری یا چوتھی رات کا چاند جو ابھی کچھ دیر مزید آسمان پر رہنا چاہتا تھا، یکا یک کالے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اب سمندر میں لہریں اٹھنے لگی تھیں اور عقاب بری طرح ڈول رہا تھا۔ لیکن الفانسو کے جوانوں نے کمال کر دکھایا، اتنا بڑا اور بھاری مستول گرا لیا گیا۔ بادبان کا تمام کپڑا لپیٹ کر جہاز کے تہہ خانے میں سنبھال لیا گیا اور مستول کے طویل کھمبے کو فرش کے تختوں پر مضبوط رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ اب صرف لنگر گرانا باقی تھے۔ الفانسو نے ساتوں ملاحوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے چپو سنبھال لیں اور طوفان کی شدت سے پہلے پہلے جتنا آگے تک جا سکتے ہیں جانے کی کوشش کریں۔ لیکن جلد ہی الفانسو کو اپنا یہ فیصلہ بدلنا پڑا...... یہ محض ملاحوں کو تھکا دینے والا عمل ثابت ہو رہا تھا۔ شمال سے آنے والی سمندر کی موجیں اتنی شدت اختیار کر چکی تھیں کہ بغیر بادبان کے محض پتواروں کی مدد سے جہاز کو آگے بڑھانا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ الفانسو نے ملاحوں کو چپو چلانے سے منع کر دیا اور اب وہ اپنے چپوؤں کی مدد سے صرف عقاب کو سنبھالے رکھنے کا کام سرانجام دے رہے تھے۔

کچھ ہی وقت مزید گزرا تو الفانسو نے جہاز کے لنگر گرا دینے کا حکم بھی دے دیا کیونکہ اب بپھری ہوئی موجیں زیادہ بلند ہونے لگی تھیں۔ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔ آسمان پر بادل چھائے تو سنسناتی ہوئی سردی کی لہر میں یکا یک کمی واقع ہونے لگی۔ یہ ایک قدرتی امر تھا۔

Marfat.com

حالانکہ تیز ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں، لیکن بادلوں کے چھا جانے کی وجہ سے اس تیز ہوا میں سردی کی شدت پہلے جیسی نہ تھی۔ الفانسو کے جہاز کا تمام عملہ پوری طرح مستعد تھا۔ ہر لڑھکنے والی چیز کو وقت سے پہلے ہی سنبھال لیا گیا تھا۔ کسی بھی وقت بارش شروع ہو سکتی تھی۔ شیراز حیرت سے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس قدر کالی گھٹاؤں میں بجلیاں کیونکر نہ چمک رہی تھیں۔ لیکن ٹھیک اسی وقت آسمان پر اتنے زور سے بجلی کڑکی کہ پورا بحر اسود اس کی کڑک سے لرز کر رہ گیا۔ دراصل نزدیک ہی کہیں بجلی گری تھی۔ بجلی کی کڑک کے ساتھ ہی یکایک بارش شروع ہو گئی۔ تیز ہوا، کڑکتی ہوئی بجلی اور بارش...... بحر اسود کا یہ خوفناک رنگ شیراز اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ سمندر کی موجیں بار بار دوڑتی ہوئی چٹانوں کی طرح عقاب کی طرف بڑھتیں اور عقاب کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیتیں۔ الفانسو کا جہاز سطح سمندر سے کئی کئی فٹ بلند ہو جاتا لیکن الٹنے سے بچا رہتا۔

اب محمود اور اس کے ساتھیوں کو الفانسو کی ترکیب کارگر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ بحر اسود کے طوفانوں میں عقاب کبھی اپنے بیڑے سے الگ نہیں رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس چھوٹے سے جہاز کو اتنے بڑے طوفان کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اچانک سب کی نظر دوڑتے ہوئے کپتان الفانسو پر پڑی جو اپنے کیبن سے نکل کر جہاز کے نچلے حصے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں ساتوں ملاح چپو ہاتھوں میں لئے ڈولتے ہوئے جہاز کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ الفانسو نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور ایک بڑے سے چکر کو تیزی کے ساتھ الٹے رخ گھمانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ کپتان چیختی ہوئی آواز کے ساتھ ملاحوں کو ہدایات بھی دے رہا تھا۔

"جہاز کا رخ شمال کی طرف رکھو!...... ہم راستے سے بھٹک رہے ہیں...... آسمان پر بادل ہیں، ہمیں کوئی ستارہ دکھائی نہیں دے سکتا جس سے ہم اپنے راستے کا تعین کریں جبکہ عقاب رخ بدل چکا ہے۔ اگر ہم نے جہاز کو نہ سنبھالا تو چند گھنٹوں کا یہ طوفان ہمیں سینکڑوں میل دور پھینک دے گا۔ میں نے لنگر گرانے کا حکم اسی لئے دیا تھا تا کہ ہم بھٹکنے سے بچ جائیں۔ لیکن مجھے لگتا ہے یہ طوفان ہمیں اس علاقے سے کہیں دور پھینکنے والا ہے۔"

ملاحوں کے چہرے فق ہو گئے۔ شیراز، سکندر اور صوفیہ بھی پہنچ چکے تھے۔ شیراز اور سکندر نے لوہے کا بڑا چکر گھمانے میں الفانسو کا ساتھ دیا۔ وہ جہاز کو پورا زور لگا کر گھمانے کی کوشش

Marfat.com

کر رہے تھے لیکن یکایک ایک پہاڑ جیسی اونچی موج دوڑتی ہوئی آئی اور عقاب کے ساتھ ایسے ٹکرائی کہ پانی کی ایک بڑی مقدار عقاب کے اندر آ گری۔ عقاب نے اتنا بڑا ہچکولا کھایا گویا الٹتے الٹتے رہ گیا۔ جہاز میں موجود تمام لوگ فرش پر بری طرح لڑھکتے چلے گئے۔ اب طوفان اپنی پوری جولانی پر اتر آیا تھا۔ ہر طرف موجوں کے دھاڑنے اور چنگھاڑنے کی آوازیں تھیں۔ بارش اتنی زوردار تھی کہ تیز ہوا کے جھونکے بارش کو جہاز پر برسانے کی بجائے ایک طرح سے کنکروں اور پتھروں کی طرح جہاز پر مار رہے تھے۔ غالباً ژالہ باری بھی شروع ہو چکی تھی لیکن سب سے زیادہ خطرناک پانی کی دوڑتی ہوئی دیواریں تھیں جو الفانسو کے جہاز کو کسی کھلونے کی طرح اپنے سینے پر اٹھا لیتیں اور پھر بڑی بے رحمی کے ساتھ پٹخ دیتیں۔ حالانکہ جہاز پر مستول اور بادبان نصب ہی نہیں تھے لیکن پھر بھی ہر ایک کے دل میں یہی خیال تھا کہ جہاز الٹ جائے گا۔ محمود دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر مستول نہ گرایا گیا ہوتا تو اب تک شاید وہ سب کے سب غرق ہو چکے ہوتے۔ بحر اسود کا پانی آج بے حد غضبناک ہو چکا تھا۔ محمود کو اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی کسی ایسے طوفان سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ دراصل ان کا جہاز ''عقاب'' اب تک جتنے بھی طوفانوں کا سامنا کر چکا تھا، وہ سب عثمانی بحری بیڑے کے گرد و نواح میں ہی پیش آئے تھے۔ عثمانی بیڑا جب بھی کسی جنگ پر روانہ ہوتا تو عقاب اس کے ہراول دستے میں شامل ہوتا اور انہیں جب کہیں بھی کسی طوفان کا سامنا کرنا پڑتا، بیڑے کے تمام جہازوں اور کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھاری زنجیروں اور رسیوں کی مدد سے باندھ دیا جاتا تھا۔ طوفان جتنا بھی شدید ہوتا، عثمانی بیڑا بڑے نقصانات سے محفوظ رہتا۔ ہزاروں ہمراہیوں کے بیچوں بیچ محمود کو کبھی احساس ہی نہ ہوا تھا کہ طوفان کتنا شدید ہے حالانکہ ہر موسم سرما میں اس کا پالا بحر اسود کے طوفانوں سے پڑتا تھا لیکن کبھی وہ اتنا خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

الفانسو جہاز کا رخ موڑنے میں کامیاب ہو گیا لیکن کیا جہاز صحیح رخ پر مڑ گیا تھا؟ آسمان پر گھنے بادل گرج رہے تھے۔ کالی گھٹاؤں نے آفاق پر اپنی بھیانک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایسے میں سمت کا اندازہ کون کر سکتا تھا۔ لیکن جہاز میں نصب آلات کی وجہ سے الفانسو نے عقاب کا رخ موڑ کر اسے پہلے والی حالت میں کر دیا۔ عقاب میں دو بڑے قطب نما نصب تھے جو جہاز کا رخ متعین کرنے میں ملاحوں کی مدد کرتے تھے لیکن آج کا طوفان کچھ کر گزرنے کی ٹھان چکا تھا۔

Marfat.com

یکایک عقاب میں موجود تمام سواروں کی نظر دور شمال کی طرف اٹھ گئی۔ سب کے سب یکدم اپنی اپنی جگہوں پر پتھر ہو کر رہ گئے۔ کسی کی زبان میں حرکت کرنے کی تاب نہ تھی۔ سب کی آنکھیں حیرت اور خوف کی شدت سے پھٹی جا رہی تھیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ دور شمال میں انہیں سمندر کے سینے پر دوڑتی ہوئی ایک بہت ہی بڑی موج نظر آئی۔ یہ موج نہیں تھی، گویا کوہ ہمالیہ، پانی کی سطح پر تیزی سے پھسلتا چلا آ رہا تھا...... الفانسو نے دل میں یقین کر لیا کہ اس موج کی زد میں آنے کے بعد ان کا بچ جانا کسی صورت ممکن نہیں ہو گا۔

موج سطح سمندر سے سینکڑوں فٹ بلند تھی اور نہ جانے کتنے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اندھا دھند دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ عقاب جو اس عظیم موج کے سامنے بس کے ایک ننھے سے تنکے کی حیثیت رکھتا تھا شاید اپنے گھر کھو جانے کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ملاحوں نے چپو چلانے چھوڑ دیئے اور ایک ٹک سامنے سے آتی ہوئی موج کو سانسیں روکے دیکھنے لگے۔ شیراز، سکندر، صوفیہ اور الفانسو بھی ہکا بکا کھڑے اسی جانب دیکھ رہے تھے۔ شیراز نے دل ہی دل میں کلمہ شہادت پڑھنا شروع کر دیا۔ سکندر بھی زیرِ لب آیات کا ورد کر رہا تھا۔ الفانسو کو محسوس ہوا کہ زندگی کی آخری گھڑی آن پہنچی ہے...... اس نے بھیانک موج سے نظریں ہٹا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں تیرتی ہوئی اپنی جوان مصورہ بیٹی کے چہرے پر آ کر رک گئیں۔ وہ ایک بہادر انسان تھا۔ اس کی ساری زندگی خطرات سے کھیلتے ہوئے گزری تھی لیکن آج اسے پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ جوان اولاد خاص طور پر بیٹی ہمراہ ہو تو پیش آمدہ خطرات کی نوعیت اور انداز ہی بدل جاتا ہے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا لیکن یوں ان نوجوان اور قابل ساتھیوں کے ہمراہ سمندر کی ایک موج کے نیچے دب کر مرنا اُسے دکھ پہنچا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ الفانسو کی آنکھیں آنسوؤں سے روشناس ہوئیں۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اسے افسوس تھا کہ وہ ان نوجوانوں کو نہیں بچا سکا۔ قدرت کے سامنے اس کا تمام تر تجربہ دھرا رہ گیا۔

پہاڑ جیسی موج تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا بحر اسود کا آدھا پانی مشرق سے مغرب تک ایک دیوار کی صورت اوپر کو اٹھ گیا ہے۔ نہ جانے کیوں الفانسو کے ہونٹ بے اختیار یہ الفاظ دہرانے لگے۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"

Marfat.com

کیا؟؟...... الفانسو کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا...... کیا وہ مسلمان تھا؟ یا اب اسلام قبول کر رہا تھا؟ الفانسو دل سے ایک مسلمان تھا لیکن شاید زبان سے اس نے کبھی اس بات کا اقرار نہ کیا تھا۔ آج زندگی کے آخری لمحات میں اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ مرنے سے پہلے کلمہ حق ادا کر کے ایک مسلمان کی حیثیت سے جان دے گا۔

موج اتنی قریب آ چکی تھی کہ اب کسی بھی لمحے وہ ننھے منے عقاب کو اپنی لپیٹ میں لینے والی تھی۔ یکا یک صوفیہ اپنی جگہ سے دوڑی اور اپنے باپ کے سینے سے جا لگی۔ اس کی فطری نسوانیت نے پوری طرح اس پر غلبہ پا لیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ الفانسو نے اپنی بچی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ نہ جانے یہ کون سا نفسیاتی اثر تھا کہ شیراز اور سکندر غیر ارادی طور پر ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے اور ایک دوسرے کے بازو میں بازو ڈال دیئے۔ تقریباً باقی ملاحوں کی بھی یہی حالت تھی۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ پہاڑ جیسی موج نے ننھے منے عقاب کو اپنی گود میں یوں لپیٹ لیا گویا وہ کبھی تھا ہی نہیں...... موج اپنے مقام سے گزرتی چلی گئی۔ سمندر کے سینے سے یہ عظیم پہاڑ جنوب کی جانب سرکتا چلا گیا۔ وہ جگہ جہاں کچھ دیر پہلے الفانسو کا عقاب موجود تھا اب بالکل ویران اور خالی دکھائی دے رہی تھی...... جہاز کہاں گیا؟

سمندر کی طغیانی صبح کے قریب تھمی۔ پانی کا غصہ کم ہوا اور غضب ناک لہریں تھک ہار کر سمندر کے سینے پر لیٹ گئیں۔ بارش تھم چکی تھی اور تیز ہوا ایک ہلکی مگر سرد ہوا میں بدل چکی تھی۔ شیراز کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو عقاب کے فرش پر پایا۔ عقاب کا فرش پانی سے بھرا ہوا تھا اور شیراز ایک طرح سے بالشت بھر پانی میں لیٹا تھا اور زوردار چھینک نے شیراز کا دماغ روشن کر دیا۔ اسے یاد آیا کہ وہ عقاب میں ہے۔ یکا یک شیراز اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ پہاڑ جیسی موج کے گزرنے کے بعد وہ زندہ کیسے بچ گیا۔ کیا یہ دوسری دنیا تھی؟ اگلا جہان؟ لیکن اچانک شیراز کی نظر اوندھے لیٹے ملاحوں پر پڑ گئی۔ ان کے منہ پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شیراز نے سوچا شاید وہ مر چکے ہیں کیونکہ بے ہوش رہنے کے لئے بھی سانسیں لینا تو ضروری تھا۔ لیکن جن تین ملاحوں پر شیراز کی نظر پڑی وہ پانی میں اوندھے لیٹے تھے۔ شیراز کو یقین ہو گیا کہ وہ مر چکے ہیں۔

صبح ہو چکی تھی۔ شیراز اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنے جسم میں بے پناہ نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

Marfat.com

شیراز کی نظر جہاز کے کیبنوں کی طرف اٹھ گئی۔ کیبن ٹوٹ چکے تھے، چوبی دیواریں پچکی ہوئی تھیں اور کھڑکیوں کے تختے نہ جانے نکل کر سمندر کے کون سے حصے میں تیر رہے تھے۔ شیراز اپنے قدموں سے چھپاک چھپاک کی آواز پیدا کرتا ہوا جہاز کے مرکزی کمرے کی طرف بڑھا جہاں لوہے کا بڑا چکر نصب تھا اور دائیں بائیں کے جھروکوں میں بیٹھ کر ملاح چپو چلایا کرتے تھے۔ شیراز کو یاد آیا آخری وقت وہ سب اسی کمرے میں موجود تھے۔ شیراز کمرے میں داخل ہوا تو اس کے دل کو زبردست دھکا لگا۔ کمرا خالی تھا۔ تو کیا جہاز پر وہ اکیلا زندہ بچا ہے؟ شیراز کے لئے زندگی کے یہ لمحات تکلیف دہ تھے۔ اسے ابھی تک صرف تین ملاح نظر آئے تھے اور وہ بھی مرے ہوئے۔ شیراز کا دل صوفیہ، سکندر اور الفانسو کو یاد کر کے خون کے آنسو رو رہا تھا۔ بحر اسود کا سفران کے لئے بہت منحوس ثابت ہوا تھا۔ پہلے کلاڈیوس نے حملہ کیا اور پھر خونی طوفان نے انہیں آن لیا۔ شیراز کو اپنے اکیلے زندہ بچ جانے کا افسوس ہونے لگا۔

معاً شیراز کے کانوں میں کوئی آواز پڑی...... یہ کھٹ پٹ کی آواز تھی۔ شیراز بری طرح چونکا۔ یہ آواز اس کے پیروں تلے سے آ رہی تھی۔ تو کیا جہاز کے تہہ خانے میں کوئی موجود تھا؟ یکلخت شیراز نے سوچا جہاز کا تہہ خانہ تو پانی سے بھر چکا ہوگا۔ پھر تہہ خانے میں کون موجود تھا؟ شیراز دوڑتا ہوا اس راستے کی طرف بڑھا جو نیچے تہہ خانے میں جانے کے لئے بنایا گیا تھا اور یہ دیکھتے ہی اس کی جان میں جان آئی کہ تہہ خانے کا راستہ بنانے والے کاریگر نے کمال ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے دہانے کو چار دیواروں کی مدد سے جہاز کی سطح کی نسبت بلند کر دیا تھا۔ جہاز کی سطح میں جمع ہونے والا پانی تہہ خانے تک نہ جا سکتا تھا کیونکہ چوبی تختوں کے بیچوں بیچ تمام جھریوں اور سوراخوں میں تارکول بھر دی گئی تھی۔

شیراز تہہ خانے میں اترنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر الفانسو پر پڑی۔ الفانسو نیچے تہہ خانے میں کھڑا اوپر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ الفانسو نے شیراز کو دیکھا تو اس کا مرجھایا ہوا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور وہ چیخ کر تہہ خانے میں موجود کسی اور کو پکارنے لگا۔

''صوفیہ! شیراز زندہ ہے...... بیٹی شیراز زندہ ہے۔''

سنجیدہ مزاج الفانسو بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر صوفیہ کو بتا رہا تھا۔ اب شیراز سے نہ رہا گیا، وہ تیزی سے تہہ خانے میں اترنے لگا اور تہہ خانے کے فرش پر اتر کر شیراز نے دیکھا کہ یہاں بھی کچھ پانی موجود تھا۔ شیراز کی نظر تہہ خانے میں ایک خشک تختے پر لیٹی صوفیہ

Marfat.com

پر پڑی۔ صوفیہ کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ وہ شیراز کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ شیراز دوڑ کر صوفیہ کے نزدیک پہنچا اور اس کے نزدیک ہی تختے پر بیٹھ گیا۔ صوفیہ نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی تو شیراز نے اسے بازو پھیلا کر سنبھال لیا۔ اگلے لمحے شیراز اسے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ چکا تھا۔ صوفیہ رو رہی تھی۔ وہ بھی پوری طرح شیراز کے ساتھ لپٹ گئی۔ شیراز کی آنکھیں بھی جل تھل ہونے لگیں۔ صوفیہ کا سر شیراز کے شانے پر تھا اور وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ کپتان الفانسو اپنی جگہ پر کھڑا مسکراتی ہوئی آنسو بھری نظروں کے ساتھ شیراز اور صوفیہ کو دیکھ رہا تھا۔ شیراز اور صوفیہ ایک دوسرے کو بھینچتے ہوئے قریب سے قریب تر کر رہے تھے۔ دونوں کی آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں لیکن کہنے کو کسی کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اتنے بڑے حادثے کے بعد وہ ایک دوسرے کو کیا کہتے۔

معاً شیراز کو سکندر کا خیال آیا اور اس نے یک لخت صوفیہ کو اپنے بدن سے الگ کرتے ہوئے تہہ خانے میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔

"کیا سکندر نہیں تھا آپ کے ساتھ؟"

شیراز، الفانسو سے مخاطب تھا۔ الفانسو نے دیدے پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں۔ عظیم موج سے ٹکرانے کے بعد میں بڑی مشکل سے صوفیہ کو یہاں کھینچ لایا۔ سکندر تو تمہارے نزدیک تھا اور باقی ملاح بھی باہر ہی تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ہم بچ نہیں پائیں گے۔ اس طوفانی موج کو دیکھ کر تہہ خانے میں چھپنے کی بے وقوفی کوئی نہ کر سکتا تھا۔ سب جانتے تھے کہ تہہ خانے میں بہرصورت موت ہے۔ میں آخر وقت میں یہاں اس لئے چلا آیا کہ کھلے سمندر میں گرنے کی بجائے ایک اچھی قبر میں دفن ہو سکوں۔ یہ تو اتفاق ہے کہ ہم بچ گئے...... کیا سکندر باہر نہیں ہے؟"

"نہیں!...... باہر صرف تین ملاحوں کی لاشیں پڑی ہیں۔"

الفانسو اور شیراز تہہ خانے سے باہر کی طرف جانے لگے۔ شیراز کے دل میں تجسس تھا۔ اس نے ابھی تک جہاز کے کیبن نہیں دیکھے تھے لیکن اسے زیادہ توقع نہیں تھی کہ سکندر یا کوئی اور ملاح کیبنوں میں ہوں گے۔ الفانسو کے منع کرنے کے باوجود صوفیہ بھی انتہائی نحیف قدم اٹھاتی ہوئی ان کے پیچھے پیچھے آنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ تمام جہاز کا جائزہ لے چکے تھے۔ جہاز میں انہیں اپنے علاوہ ایک اور شخص

Marfat.com

بھی زندہ مل گیا تھا لیکن یہ محمود تھا، سکندر نہیں تھا۔ محمود نہ جانے کیسے جہاز کے ایک کیبن کی اندرونی دیوار کے ساتھ اٹک گیا۔ وہ کیبن میں کیسے پہنچا تھا، کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ سب کو آخری بات یہی یاد تھی کہ ان کا جہاز طوفانی موج کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ اس کے بعد صرف الفانسو کے حواس محض اتنی دیر کے لئے سلامت رہے کہ وہ صوفیہ کو لے کر تہہ خانے میں جا اترا۔ دراصل طوفانی موج نے ننھے منے عقاب کو اٹھا اٹھا کر پٹخا تھا۔ جہاز جتنی دیر موج میں رہا نہ جانے کتنی پلٹنیاں کھا کر سیدھا ہوا...... یہ ایک نہایت بھیانک طوفان تھا۔ وہ لوگ سکندر کو کھو چکے تھے۔ محمود کو بڑی محنت کے بعد ہوش میں لایا گیا۔ اس کے ناک کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔ البتہ اس کا باقی جسم سلامت تھا۔

سورج کافی اوپر اٹھ آیا تھا۔ الفانسو نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ ان کا جہاز بحراسود کے کس علاقے میں موجود ہے۔ لیکن وہ کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ اب عقاب میں صرف یہی چار افراد زندہ بچے تھے۔ تین مردہ ملاحوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد ان لوگوں نے باقی کے کام نمٹانے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے جہاز کے پیندے سے پانی نکالا جانے لگا۔ الفانسو سمیت چاروں نفوس خاموش تھے۔ سب کے دل میں اپنے بچھڑ جانے والے ساتھیوں کا دکھ تھا۔ اب ان کے لئے کسی ساحل پر پہنچنا آسان نہیں تھا۔ اگرچہ جہاز کا مستول اسی طرح جہاز کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور جہاز کا گیلا بادبان بھی تہہ خانے میں محفوظ پڑا تھا۔ لیکن الفانسو جانتا تھا کہ جہاز میں مستول نصب کرنا ان چاروں کے بس کا کام نہیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جہاز کا عرشہ مکمل طور پر محفوظ تھا۔

صوفیہ بے حد نحیف اور کمزور ہو چکی تھی۔ شیراز کے بار بار منع کرنے پر اس نے کام میں ہاتھ بٹانا بند کیا اور ٹہلتی ہوئی جہاز کے عرشے پر نکل آئی۔ لیکن جونہی اس نے مشرق کی طرف سر گھمایا، اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ سامنے پانی میں ایک بڑے سے تختے کے ساتھ کوئی شخص چپکا ہوا اوندھے منہ تیرتا جا رہا تھا۔ وہ غالباً بے ہوش تھا۔ صوفیہ کی چیخ سن کر شیراز اور الفانسو بھی اسی جانب متوجہ ہو گئے اور اگلے لمحے وہ بھی یہ دیکھ کر بری طرح چونکے کہ کوئی شخص ایک بہت ہی بڑے تختے پر بے ہوش پڑا تھا۔ یہ چوبی تختہ لکڑی کے ایک لمبے سے شہتیر کے ساتھ مضبوطی سے جڑا ہوا تھا۔ کپتان الفانسو کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ارے! یہ تختہ ہمارے جہاز کا حصہ تو نہیں...... دیکھو! اتنا بڑا شہتیر ہمارے جہاز میں کہیں

Marfat.com

بھی نصب نہیں۔ یہ کسی اور تباہ شدہ جہاز کا حصہ ہے۔"

شیراز نے بھی یہی محسوس کیا۔ کیونکہ اوندھے منہ لیٹے شخص کا لباس سورج کی روشنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یقیناً کوئی اجنبی شخص تھا۔ الفانسو اور شیراز نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اس شخص کو موت کے منہ سے بچایا جائے۔ وہ عقاب سے زیادہ دور نہیں تھا۔ شیراز اور محمود نے سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے اپنا لباس اتارنا شروع کیا لیکن اچانک انہیں الفانسو کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو!......تم دونوں بری طرح کمزور اور تھکے ہوئے ہو۔ اور پھر اس سمندر کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ میں نے ابھی کسی مچھلی کو پانی کی سطح کے نیچے محسوس کیا ہے۔ اگر یہ خونخوار مچھلیوں کا علاقہ ہوا تو تمہارے جسموں کی بُو پا کر تمام مچھلیاں تمہارے پیچھے لگ جائیں گی۔"

الفانسو کی بات درست تھی۔ لیکن شیراز اور محمود جانتے تھے کہ اس آدمی کو بچانے کے لئے بہر حال انہیں سمندر میں کودنا تو پڑے گا۔ یہی سوچ کر شیراز نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا، کیا جائے؟ سمندر میں کودنا تو پڑے گا ہی...... ہم کسی انسان کو یوں مرتا ہوا تو نہیں چھوڑ سکتے۔"

الفانسو گہری سوچ میں غرق تھا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ اچانک شیراز کے ذہن میں جھماکا ہوا اور اس نے چونکتے ہوئے الفانسو سے کہا۔

"کہیں آپ کمند پھینکنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے؟ ہم اس تختے پر کمند پھینک کر اسے اپنی جانب کھینچ سکتے ہیں۔"

"نہیں!......کمند نہیں پھینکی جا سکتی۔ لوہے کی کمند تختوں میں پیوست ہونے کی بجائے بے ہوش شخص کے جسم پر پڑ گئی تو اس کی جان لے لے گی۔"

محمود اور شیراز نے ایک ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ اتنی دیر میں صوفیہ بھی عرشے سے اتر کر ان لوگوں کے قریب پہنچ گئی۔ معاً صوفیہ کی آواز سنائی دی۔

"آپ لوگ کسی رسّی کے ساتھ بندھا تیر پوری قوت سے پھینکیں تو وہ گیلے تختوں میں کافی اندر تک کھب جائے گا۔ تیر کی مدد سے نشانہ لینا آسان ہوگا۔ بے ہوش شخص کے جسم کو بچایا جا سکتا ہے۔"

Marfat.com

تینوں مردوں نے چونک کر صوفیہ کی جانب دیکھا۔ اس نے حسب عادت ایک انوکھی اور قابل عمل ترکیب بتائی تھی۔ شیراز دل سے صوفیہ کی اس صلاحیت کا قائل تھا۔ ایسے نازک مواقع پر صوفیہ عموماً یوں چٹکی بجاتے مسئلے کا حل نکال لیا کرتی تھی۔

تیر پھینکنے کا فیصلہ ہو گیا۔ لیکن تیر پھینکنے والے کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ کمان کو اپنی آخری حد تک پیچھے کی طرف کھینچ سکے تا کہ تیر جس کی دم کے ساتھ رسی بندھی تھی، پوری قوت سے سامنے تیرتے ہوئے تختے میں پیوست ہو جائے۔

شیراز نے پوری قوت سے کمان کا چلّہ کھینچا اور اللہ کا نام لے کر تیر چھوڑ دیا۔ فرش پر گول دائرے میں بل در بل پڑی رسّی تیر کے ساتھ ہی فضا میں لپکی اور کسی لہراتے ہوئے سانپ کی طرح سامنے تیرتے ہوئے تختوں کی جانب بڑھی۔ صوفیہ کی بات مکمل طور پر درست نکلی۔ جہاز کے گیلے تختوں میں تیر کسی میخ کی طرح اندر تک گھستا چلا گیا۔ اب عقاب سے لے کر سامنے تیرتے ہوئے تختوں تک رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ شیراز نے بڑی احتیاط کے ساتھ رسّی کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اسے خاصا زور لگانا پڑ رہا تھا۔ یہ ایک طرح سے کسی بھاری مچھلی کو پکڑنے جیسا تھا۔ لیکن پانی کی سطح پر بھاری سے بھاری چیز کو بھی اپنی جانب کھینچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تباہ شدہ جہاز کے تختے اور ان پر موجود بے ہوش شخص دھیرے دھیرے شیراز کی جانب کھنچتے چلے آئے۔

کچھ دیر بعد چوبی تختے عقاب کی دیوار کے ساتھ آ لگے۔ شیراز نے رسّی چھوڑ کر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ تختے پر اوندھے منہ پڑے ہوئے شخص کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ شیراز نے سوچا شاید وہ مر چکا ہے، لیکن پھر بھی اس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ اور پھر تھوڑی سی محنت کے بعد کپتان الفانسو اور محمود نے بے ہوش شخص کو اوپر کھینچ لیا۔

جوان العمر شخص زندہ تھا۔ فوری طور پر اس کے پیٹ سے پانی نکالنے کی ترکیب کی گئی۔ اس کے چہرے پر زخموں اور خراشوں کے نشانات تھے۔ غالباً طوفان میں وہ بری طرح زخمی ہوا تھا۔ الفانسو نے شیراز اور محمود سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تم دونوں اسے اندر لے جاؤ اور اس کا لباس بدل دو۔ یہ بچ جائے گا۔ کافی سخت جان لگتا ہے۔''

شیراز اور محمود بے ہوش شخص کو اٹھا کر کیبن میں لے آئے اور اسے ایک اونچے تختے پر لٹا

Marfat.com

دیا۔ تھوڑی دیر بعد شیراز اس کا لباس بدل رہا تھا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات تھے۔ اس کے دونوں بازوؤں میں کندھوں کے قریب گہرے گھاؤ تھے۔ یوں لگتا تھا گویا طوفان کے دوران کوئی نوک دار چیز اس کے کندھوں میں کھب گئی تھی۔ لیکن حقیقت میں وہ تیروں سے لگنے والے گھاؤ تھے۔ کیونکہ وہ شخص کلاڈیوس تھا۔

شیراز نے پرسوں رات اس کا چہرہ نہ دیکھا تھا کیونکہ کلاڈیوس نے اپنے سر پر نقاب چڑھا رکھی تھی۔ البتہ جلتے ہوئے بادبانوں کی روشنی میں شیراز نے اس کے کندھوں میں پیوست دونوں تیر دیکھ لئے تھے۔ لیکن اس شخص کے جسم پر تازہ زخموں کے نشانات اتنے زیادہ تھے کہ شیراز نے اس کے زخموں کو طوفان کی کارستانی گردانا اور تیزی سے اس کا لباس بدلنا شروع کر دیا۔ وہ شخص ابھی تک بے ہوش تھا لیکن اس کی سانسیں چل رہی تھیں۔ صوفیہ نے جلد ہی اس کی تیمارداری شروع کر دی۔ اس کے حلق میں گرم دودھ انڈیلا گیا تاکہ اس کے بدن میں حرارت پیدا ہو۔ الفانسو اور صوفیہ نے مل کر اس کے زخموں کی مرہم پٹی شروع کر دی۔

کلاڈیوس کی آنکھ کھلی لیکن اسے کچھ سجھائی نہ دیا۔ اس کا دماغ تاریک تھا، اس کا پورا بدن جگہ جگہ سے پٹیوں میں لپٹا تھا۔ اب وہ ایک نرم بستر پر گرم کمبل میں لیٹا خالی خولی نگاہوں سے کیبن کی چھت کو گھور رہا تھا۔

وہ کافی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔ اس وقت کمرے میں صرف صوفیہ تھی۔ باقی لوگ جہاز کے ضروری کام میں پھر سے لگ گئے تھے۔ صوفیہ نے اُسے ہوش میں آتے دیکھا تو دوڑ کر اس کے نزدیک پہنچی اور پھر جونہی صوفیہ کی نظریں کلاڈیوس کی نگاہوں سے چار ہوئیں وہ یکلخت اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رک گئی...... یہ آنکھیں؟...... یہ آنکھیں اس نے کہاں دیکھی تھیں؟ ان آنکھوں کی رنگت، بناوٹ اور ساخت دیکھ کر صوفیہ کو ایسا لگا جیسے وہ اس شخص کو بہت قریب سے جانتی ہو۔ ذہین اور فطین صوفیہ نے اپنے ذہن پر زور دینا شروع کیا لیکن اسے کچھ یاد نہ آیا۔ اسے یاد آتا بھی کیسے؟ اس نے کلاڈیوس کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اچانک صوفیہ کے ذہن میں جھماکا ہوا...... اس نوجوان کی آنکھیں ہو بہو شیراز کی آنکھوں سے ملتی تھیں۔ صوفیہ اس حیران کن مماثلت پر دنگ رہ گئی۔

اب کلاڈیوس کے ذہن سے ہولے ہولے تاریک سائے چھٹنے لگے...... سب سے پہلے اُسے اپنے جسم کا خیال آیا۔ اس نے اپنے بازوؤں اور ٹانگوں کو حرکت دے کر یہ دیکھنا چاہا کہ

Marfat.com

اس کی کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔اس کے بدن کی کوئی ہڈی نہ ٹوٹی تھی۔لیکن پھر بھی حرکت کرتے ہوئے اس کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔دراصل وہ زخموں سے چور تھا۔قدرت کا یہ عجیب کرشمہ تھا کہ وہ کلاڈیوس کو شیراز کے جہاز پر لے آئی تھی۔شیراز نے ابھی تک کلاڈیوس کے چہرے اور آنکھوں کو غور سے نہ دیکھا تھا۔وہ دیکھ بھی لیتا تو کلاڈیوس کو پہچان نہ پاتا کیونکہ اس نے کلاڈیوس کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔صوفیہ نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے کلاڈیوس کو مخاطب کیا۔

''نئی زندگی مبارک ہو......آپ بہت مضبوط انسان ہیں۔اتنے شدید طوفان اور اپنے جہاز کی تباہی کے باوجود آپ زندہ بچ گئے۔یہ ایک معجزہ ہے۔''

اب کلاڈیوس ہوش میں آچکا تھا۔اس نے چاروں طرف نظریں گھما کر جہاز کے کیبن کا جائزہ لیا اور اپنے سامنے ایک انتہائی حسین دوشیزہ کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔اس نے سوچا کہ دنیا میں، میں نے کوئی نیک کام تو نہیں کئے تھے، پھر موت کے بعد مجھے اس قدر حسین حور کیوں عطا کی گئی؟ لیکن صوفیہ کی بات سن کر جیسے وہ چونک گیا اور اسے سب کچھ یکے بعد دیگرے یاد آنے لگا۔آخری مرتبہ اس کا جہاز ''مارفیس'' ایک خوفناک طوفان میں پھنس گیا تھا۔مارفیس میں نصب مستولوں اور بچے کھچے بادبانوں نے طوفان کے دوران جہاز کو بے حد نقصان پہنچایا۔اسے یاد آیا کہ آخر وقت میں ایک پہاڑ جیسی سمندری لہر نے ان کے جہاز کو نگل لیا تھا۔کلاڈیوس پہلے ہی سے زخمی تھا لیکن طوفان میں وہ سرتاپا چور ہو کر رہ گیا تھا۔اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔وہ شیراز اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کرتا ہوا بحر اسود میں آیا تھا۔شیراز کے جہاز ''عقاب'' پر اس نے ایک زبردست حملہ کیا تھا اور پھر ایک خونریز جنگ کے بعد وہ اپنے تمام ساتھیوں کو کھو کر واپس لوٹا تھا۔صوفیہ کی بات سن کر وہ کچھ دیر کے لئے گہری سوچوں میں گم ہو گیا۔لیکن پھر اس نے انتہائی نحیف آواز میں کہا۔

''کیا آپ نے مجھے بچایا ہے؟ میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟''

کلاڈیوس کو اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔وہ زیادہ لمبی بات نہ کر سکا کیونکہ بولنے کے دوران اسے اپنے پھیپھڑے دکھتے ہوئے محسوس ہوئے۔اپنے مریض کو بات کرتا دیکھ کر صوفیہ کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔وہ کلاڈیوس کی آنکھوں کی وجہ سے اپنے دل میں اس کے لئے اپنائیت محسوس کرنے لگی تھی۔صوفیہ نے آگے بڑھ کر کلاڈیوس کا ہاتھ

Marfat.com

اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ سمندری طوفان نے سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا۔ ہمارے بہت سے ساتھی اس کی نظر ہو گئے۔ لیکن خدا نے جسے بچانا تھا، بچا لیا۔ مجھے یقین ہے آپ بالکل تندرست ہو جائیں گے۔ کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟''

کلاڈیوس زندگی میں بہت سی جوانیوں کے ساتھ کھیلا تھا، لیکن صوفیہ کے لمس میں نہ جانے کیا چاشنی تھی کہ کلاڈیوس کو اپنا پورا بدن یک لخت بحال ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے رگ و ریشے میں محبت اور ممنونیت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے بڑے خلوص سے اپنا نام بتایا۔

''میرا نام کلاڈیوس ہے...... میں مقدونیہ کا شہزادہ ہوں۔''

صوفیہ کے پیروں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت کی اتنی شدید لہر ابھری کہ کلاڈیوس اُسے محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا اور کلاڈیوس کا دل یک دم دھک دھک کرنے لگا...... اُسے صوفیہ کے چہرے پر اتنی شدید حیرت دیکھ کر فوراً یہی خیال آیا کہ وہ دشمن کے جہاز پر موجود ہے۔ جبکہ صوفیہ کی حالت قابل دید تھی۔ اس کا بدن بری طرح سنسنا رہا تھا۔ یہ کیا؟ ...... ان کا سب سے بڑا دشمن انہی کے ہاتھوں بچایا جا رہا تھا۔ خداوند کی تقدیر کیا چاہتی تھی؟ صوفیہ تو گویا پتھر ہو گئی۔ اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔

صوفیہ کی حالت دیکھ کر کلاڈیوس کا شک یقین میں بدلنے لگا کہ وہ الفانسو کے جہاز پر موجود ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ الفانسو کے جہاز میں ایک نوجوان لڑکی بھی سفر کر رہی ہے جو کپتان الفانسو کی بیٹی ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کی تمام جرأت چھن چکی تھی۔ صوفیہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ اسی اثناء میں کلاڈیوس کو بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی آ رہا تھا۔ اور پھر اگلے لمحے شیراز کیبن میں داخل ہوا۔ اس نے اندر قدم رکھتے ہی صوفیہ سے سوال کیا۔

''مریض ہوش میں آیا؟ اب اس کی حالت کیسی ہے؟''

اور پھر ساتھ ہی شیراز کی نظر کلاڈیوس پر پڑ گئی۔ صوفیہ کی طرح شیراز کو بھی دھچکا لگا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اس نوجوان کو جانتا ہو۔ شیراز کے دماغ میں شک و شبے کے سانپ رینگنے لگے۔ اسے خیال آیا یہ کہیں کلاڈیوس تو نہیں؟ کیونکہ رہ رہ کر اسے یہی لگ رہا تھا کہ اس نے اس نوجوان کو پہلے بھی دیکھ رکھا ہے۔ شیراز نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کلاڈیوس سے سوال کیا۔

Marfat.com

"تمہارا نام کیا ہے نوجوان؟"

شیراز کے لہجے کی سردی صوفیہ نے بھی محسوس کی۔ اسے پوری طرح محسوس ہوا کہ شیراز اس نوجوان پر کلاڈیوس ہونے کا شک کر رہا ہے۔ معاً جیسے وہ خواب سے بیدار ہوگئی اور اس سے پہلے کہ کلاڈیوس کچھ کہتا صوفیہ نے آگے بڑھ کر شیراز سے کہا۔

"اس کا نام رافیل ہے...... یہ استنبول کا عیسائی باشندہ ہے۔ بحرۂ اسود کے مشرقی علاقے میں ان کے تجارتی جہاز چلتے ہیں۔ انہوں نے یہ باتیں مجھے ابھی بتائی ہیں۔ لیکن ابھی ان کے لئے زیادہ بات کرنا ٹھیک نہیں۔ اس سے ان کے پھیپھڑوں پر بوجھ پڑتا ہے اور سانسیں پھولنے لگتی ہیں۔"

شیراز کو گویا یہ توقع نہیں تھی کہ وہ کوئی اور شخص ہوگا۔ وہ اسے کلاڈیوس ہی سمجھ رہا تھا۔ صوفیہ کی بات سن کر اسے دھچکا سا لگا۔ اس نے دل میں سوچا کہ زخمی شخص نے یقیناً صوفیہ کے ساتھ جھوٹ بولا ہوگا۔ یہ کلاڈیوس ہے، اس نے اپنی اصلیت چھپانے کے لئے دروغ بیانی سے کام لیا ہے۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ جھوٹ تو صوفیہ نے بولا تھا۔ کلاڈیوس نے تو اپنا اصلی نام بتا دیا تھا لیکن صوفیہ جانتی تھی کہ اگر کلاڈیوس کی اصلیت کا پتہ شیراز کو چل گیا تو اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ یہی سوچ کر صوفیہ نے کلاڈیوس کو بچالیا تھا۔ کیسی عجیب بات تھی کہ دنیا میں شیراز کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی یعنی صوفیہ، شیراز کے سب سے بڑے دشمن کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ دراصل صوفیہ کو معلوم تھا کہ شیراز کی اکلوتی بہن نورین کا قاتل درندہ صفت کلاڈیوس ہی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ شیراز اپنی بہن کے قاتل کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ جبکہ وہ یہ نہ چاہتی تھی کہ ایک زخمی اور بیمار شخص کو مار کر شیراز اپنی مردانگی کے دامن پر داغ لگائے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا۔

شیراز ابھی تک ہکا بکا کھڑا صوفیہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ یہ شخص کلاڈیوس کے علاوہ کوئی اور ہوسکتا ہے۔ وہ کبھی کلاڈیوس کے چہرے کی جانب دیکھتا اور کبھی صوفیہ کے۔ نہ جانے شیراز کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ یک لخت اپنی ایڑھیوں پر گھوم گیا اور اس سے کوئی بات کئے بغیر کیبن سے باہر چل دیا۔

◆......◆

Marfat.com

اب ان کے حالات پہلے سے کافی بہتر تھے۔ جہاز کا مستول تو نصب نہ کیا جا سکا تھا لیکن باقی ماندہ ہر چیز درست کر لی گئی تھی۔ یہاں تک کہ کپتان الفانسو کو اپنے سفر کی سمت کا بھی علم ہو گیا تھا۔ خوفناک طوفانی لہر نے انہیں بہت دور لا کر پھینک دیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اب وہ ''روس'' کی سرحدات کے بہت نزدیک تھے۔ سمندر کی طوفانی لہر نے نہ جانے کیوں انہیں مشرق میں پھینک دیا۔ حالانکہ تیز طوفانی ہواؤں کا رخ شمال سے جنوب کی جانب جا رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ پہاڑ جیسی لہر کی نذر ہونے کے بعد وہ بے ہوش ہو چکے تھے اور انہیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوا تھا۔ طوفان نے اپنا رخ بدل لیا تھا۔ کپتان الفانسو کو امید تھی کہ انہیں جلد ہی کوئی روسی جزیرہ نظر آ جائے گا۔ وہ چپوؤں کی مدد سے اپنے جہاز کو مزید مشرق کی طرف دھکیلنے لگے۔ کپتان الفانسو نے اپنے جہاز میں نصب سمت پیما آلات کی مدد سے اپنا رخ معلوم کیا۔ اُسے بحر اسود کی کل چوڑائی کا بھی علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے آپؐ کو روسی سرحدات کے نزدیک محسوس کیا۔ ان کے پاس خورد و نوش کا سامان ابھی کافی تھا۔ لیکن کپتان جانتا تھا کہ عثمانی بیڑا اب ان سے بہت دور ہو چکا ہے۔ بغیر بادبان کے عثمانی بیڑے تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ الفانسو چاہتا تھا کہ وہ کسی ساحل پر رُکے تا کہ جہاز کا مستول نصب کیا جا سکے۔

اور پھر طوفان کے تیسرے روز انہیں سچ مچ ایک جزیرہ دکھائی دیا۔ عرشے پر موجود صوفیہ نے چیخ چیخ کر سب کو اطلاع دی۔ سب کی نظریں اسی جانب اٹھیں اور تمام چہرے خوشی سے گلاب کی طرح کھل اٹھے۔ اسی اثناء میں کپتان الفانسو نے شیراز کو مخاطب کیا۔

''یہ یقیناً کوئی روسی جزیرہ ہے۔ ہم بحرۂ اسود کے مشرق میں ہیں، مشرق کے ساتھ ساتھ اگر ہم شمال کی طرف بڑھیں تو ہم تمام روسی ساحلوں سے گزریں گے اور بالآخر ہم بحر ازف میں جا پہنچیں گے جہاں روسی بحری بیڑا موجود ہے۔ لیکن یہ ہمارا راستہ نہیں ہے۔ ہمیں عثمانی بیڑے تک پہنچنا ہے جو بحر اسود میں کھڑا ہے۔ یہ گویا بحر اسود کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک عبور کرنے والی بات ہو گی۔ جو اس ٹوٹے پھوٹے جہاز کے ساتھ ناممکن ہے۔ دعا کرو کہ اس جزیرے پر ہمیں کام کی ہر چیز مل جائے اور ہمیں کسی ایسے روسی ساحل پر نہ جانا پڑے جہاں ہمارے پکڑے جانے کا اندیشہ ہو۔''

الفانسو کو اچانک اپنی بات درمیان میں ہی ختم کرنی پڑی۔ دراصل ٹھیک اسی وقت جب الفانسو اپنا منصوبہ بتا رہا تھا، دروازے میں کلاڈیوس نظر آیا۔ کلاڈیوس آج چلنے پھرنے لگا تھا۔

Marfat.com

اس کی صحت بڑی تیزی سے بحال ہوئی تھی۔ صوفیہ نے اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ کلاڈیوس نے الفانسو کی تمام باتیں سن لیں۔ اگرچہ وہ پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ لوگ صدر اعظم ''بلط جی'' کے جاسوس ہیں لیکن آج اپنے کانوں سے سن کر اسے پختہ یقین ہو گیا۔ لیکن کلاڈیوس نے اپنے چہرے سے کچھ تجسس ظاہر نہ ہونے دیا۔ کمزوری ابھی تک اس کے بدن میں موجود تھی۔ وہ نہایت لاغر قدموں سے چلتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ الفانسو نے کلاڈیوس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب کیسے ہو رافیل؟ تمہیں چلتا پھرتا دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔''

''پہلے سے بہت بہتر ہوں...... آپ لوگوں نے میرے لئے جو کچھ کیا، میں اس احسان کا بدلہ عمر بھر نہیں چکا سکتا۔''

شیراز گہری نظروں سے کلاڈیوس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شیراز کے دل میں آج تیسرے روز بھی شک کا بیج تھا۔ اچانک شیراز نے کلاڈیوس سے سوال کیا۔

''یہ کون سا جزیرہ ہے رافیل؟ تمہارے جہاز تو ان سمندروں میں چلتے رہتے ہیں...... تمہیں تو معلوم ہوگا۔''

شیراز کی بات سن کر کلاڈیوس کا چہرہ یک دم تاریک ہو گیا۔ سچ تو یہی تھا کہ اُسے اس جزیرے کی بابت علم ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ صوفیہ نے رافیل کا تعارف کرواتے ہوئے یہی بتایا تھا کہ اس کے تجارتی جہاز بحرۂ اسود میں یورپی ساحلوں سے روسی ساحلوں تک چلتے ہیں۔ قریب تھا کہ کلاڈیوس کی قلعی کھل جاتی ٹھیک اسی لمحے صوفیہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''رافیل نے مجھے بتایا کہ سمندر کے اس علاقے میں وہ اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ کون سا جزیرہ ہے۔''

شیراز نے چبھتی ہوئی نگاہوں کے ساتھ صوفیہ کی بات سنی۔ اس کا شک پختہ ہونے لگا کہ صوفیہ، کلاڈیوس کی اصلیت چھپانا چاہتی ہے۔ نہ جانے کیوں شیراز نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ فوراً خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر کبیدگی کی لہر نظر آئی اور وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ صوفیہ شیراز کی خفگی کا حال جانتی تھی۔ گزشتہ دو دن سے شیراز اس کے ساتھ قدرے خفا خفا سا تھا لیکن شیراز نے ابھی تک کلاڈیوس کے موضوع پر صوفیہ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اسی اثناء میں الفانسو نے کہا۔

Marfat.com

"رافیل! بہتر یہ ہے کہ تم اس جزیرے پر اتر جاؤ۔ ہمیں سمندر میں بہت لمبا سفر کرنا ہے۔ اب تم پہلے سے بہت بہتر ہو۔ اس جزیرے پر رہ کر اپنی صحت بحال کرو اور پھر جس طرف جانا چاہو بعد میں چلے جانا۔ تمہارا اپنا کیا ارادہ ہے؟"

کلاڈیوس اپنے ارادوں سے خوب باخبر تھا۔ وہ خود بھی اس جزیرے پر اترنا چاہتا تھا۔ شیراز جیسے خطرناک دشمن کے ساتھ زیادہ سفر کرنا اس کے لئے محال تھا۔ اس نے جلدی سے جواب دیا۔

"جی ہاں...... میں خود یہی چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی آپ لوگوں کو بہت تکلیف دی۔ اب مزید میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔ ویسے بھی آپ کے اور میرے رستے الگ الگ ہیں۔"

اب جزیرہ نزدیک آ رہا تھا۔ یہ ایک چٹانی جزیرہ تھا۔ خط استواء سے سینکڑوں میل دور، جہاں ٹھنڈ ہی ٹھنڈ تھی۔ جزیرے میں مخصوص پہاڑی درختوں کی بہتات تھی۔ مزید نزدیک پہنچنے پر الفانسو اور اس کے ساتھیوں نے دیکھا کہ یہ ایک چھوٹا سا ٹاپو تھا۔ شاید تجارتی جہازوں کی مختصر سی بندرگاہ۔

دوپہر کے قریب ان کا جہاز ساحلی چٹانوں کے ساتھ آ لگا۔ لٹے پٹے اور کٹے پھٹے جہاز کے مسافروں نے لنگر ڈال دیئے۔ الفانسو نے حکم دیا کہ جہاز کو چٹانوں کے ساتھ باندھ کر کسی مناسب جگہ رہائشی خیمہ نصب کر دیا جائے۔ الفانسو نے کہا۔

"ہمیں کچھ روز یہاں رکنا پڑے گا اور دوبارہ لمبے سفر کی تیاری کے لئے ہمیں بہت سی چیزیں اور چپو چلانے والے ملاح درکار ہوں گے۔"

چنانچہ جہاز سے ضروری سامان اتارا جانے لگا۔ عقاب اور ابھری ہوئی چٹان کے درمیان تختے رکھ دیئے گئے۔ صوفیہ، کلاڈیوس کو سہارا دے کر جہاز سے باہر لائی اور وہ دونوں تختوں پر چلتے ہوئے چٹانی ساحل پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ ابھی تک انہیں کوئی دوسرا شخص نظر نہ آیا تھا یعنی ابھی تک جزیرے کا کوئی باشندہ انہیں دکھائی نہ دیا تھا۔ الفانسو، شیراز اور محمود باقی کام کاج میں مصروف ہو گئے جبکہ صوفیہ ایک چٹان کے پہلو میں کلاڈیوس کے ساتھ بیٹھی انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"کلاڈیوس! تم جانتے ہو کہ تم کون ہو اور ہم کون ہیں...... میں نے ایک زخمی انسان سمجھ کر

Marfat.com

تمہاری جان بچائی۔ شیراز کو تم پر شک ہو چکا ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہے۔ حالانکہ میں اس سے پیار کرتی ہوں اور اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم اسی جزیرے پر رہ جاؤ گے لیکن......"

اتنا کہہ کر صوفیہ خاموش ہو گئی۔ کلاڈیوس بڑی گہری نظروں سے صوفیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے صوفیہ کی بات سن رہا تھا۔ صوفیہ نے جب یہ کہا کہ وہ شیراز سے پیار کرتی ہے تو کلاڈیوس کے کلیجے پر گھونسہ پڑا۔ دو تین دن میں ہی وہ اس لڑکی پر فریفتہ ہو چکا تھا۔ وہ صوفیہ سے الگ نہ ہونا چاہتا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ صوفیہ کسی قیمت پر اس کے ساتھ نہیں چلے گی۔ کلاڈیوس کی حالت عجیب تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے کسی لڑکی سے سچ مچ الفت ہو گئی تھی۔ دراصل صوفیہ نے اس کی تیمارداری کے دوران اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا کہ کلاڈیوس جیسا خبیث فطرت کا انسان بھی کسی شیشے کی طرح پگھل گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صوفیہ نے اس کے لئے جھوٹ بول کر اپنے ساتھیوں کی نفرت خرید لی تھی۔ صوفیہ کی اس حرکت نے کلاڈیوس کے دل میں دیوانگی کی حد تک اس کی محبت ڈال دی تھی اور اب تو چاہتا تھا کہ یہ لڑکی عمر بھر اس کی نگاہوں کے سامنے رہے، کہیں دور نہ جائے۔ صوفیہ، لیکن کہہ کر رک گئی مگر کلاڈیوس کچھ نہ بولا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر صوفیہ نے خود بات شروع کی۔

"لیکن میں تمہاری آنکھوں میں اپنے محسنوں کے ساتھ بے وفائی کا ارادہ پڑھ چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس جزیرے پر پہنچتے ہی یہاں کی روسی چھاؤنی کے عیسائی سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے آؤ گے اور ہم سب کو گرفتار کر لو گے۔ تم ایسا اس لئے کرو گے کہ تم کلاڈیوس ہو، رافیل نہیں۔ تمہیں یہی اہم فریضہ سونپ کر ہمارے پیچھے بھیجا گیا ہے کلاڈیوس! میں نے تمہارے لئے جو کچھ کیا ہے مجھے اس کی قیمت چاہئے۔ میں تمہارے ساتھ سودا کرنا چاہتی ہوں۔"

کلاڈیوس کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ صوفیہ نے اس کے دل میں گزرنے والے خیالات کی ایک ایک تحریر پڑھ لی تھی۔ اس کے دیدے حیرت کی شدت سے اس کی آنکھوں سے باہر اُبل رہے تھے...... یہ لڑکی حیران کن تھی۔ کلاڈیوس نے جو کچھ سوچا تھا، صوفیہ نے حرف بہ حرف اس کے سامنے کہہ دیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ لڑکی علم غیب جانتی تھی۔ مارے حیرت کے اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

"کک...... کیسی باتیں کرتی ہیں آپ...... میں بھلا ایسا کیوں کروں گا؟ لل...... لیکن......

Marfat.com

اپنی تسلی کے لئے آپ جو چاہتی ہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔"

لیکن یہ بات کہتے ہوئے کلاڈیوس کی زبان اس کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔ صوفیہ نے گہری نظروں سے کلاڈیوس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ کلاڈیوس نے گھبرا کر آنکھیں جھکا لیں۔ صوفیہ نے پھر کہا۔

"میں یہ چاہتی ہوں کہ جب تک ہم یہاں سے روانہ نہ ہو جائیں تم ہماری نگاہوں کے سامنے سے نہ ہٹو۔"

صوفیہ کی بات سن کر کلاڈیوس ہکا بکا رہ گیا۔ اسے یہ لڑکی اپنے ہاتھ سے جاتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا...... یہ بڑا مہنگا سودا تھا لیکن فوری طور پر خود کو بچانے کے لئے کلاڈیوس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے...... گویا آپ مجھے یرغمالی بنا کر رکھنا چاہتی ہیں۔ آپ تم کے لئے یرغمالی بنا تو کیا میں جان دینے کو بھی تیار ہوں۔"

صوفیہ نے اطمینان سے سر ہلایا اور اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اب میں کام میں ان لوگوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے جا رہی ہوں۔ امید ہے تم اپنے وعدے پر عمل کرو گے۔ اگر خدانخواستہ تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو میں فی الفور شیراز کو تمہاری اصلیت بتا دوں گی۔ لیکن تمہیں بچانے کے بعد دوبارہ مرتے ہوئے دیکھ کر مجھے دکھ ہوگا۔"

کلاڈیوس کو صوفیہ کا لہجہ پہلی مرتبہ غیروں جیسا لگا۔ وہ تو یہ بھول ہی چکا تھا کہ یہ لڑکی بھی اس کی دشمن ہے۔ صوفیہ کی زبان سے اتنے سخت الفاظ سن کر اسے اپنا سینہ چھلنی ہوتا ہوا محسوس ہوا اور شیراز کے لئے اس کے دل میں نفرت کی وہ آگ جو ایک عرصہ سے جل رہی تھی اور زیادہ بھڑکنے لگی۔ لیکن صوفیہ اتنا کہہ کر جا چکی تھی۔ وہ عقب سے صوفیہ کو جاتا ہوا دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس نے مادام تھروشیا کی گود میں پرورش پائی تھی۔ وہ کسی کے احسان کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ اسے اپنے محسنوں کی ذرا بھر پرواہ نہ تھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک ضدی سرشت کا انسان تھا لیکن ایک بات عجیب تھی، صوفیہ کے معاملے میں وہ بالکل مختلف واقع ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں اس لڑکی کے لئے وہ اپنے دل میں عقیدت کے جذبات محسوس کرتا تھا حالانکہ اکیلی صوفیہ ہی نے اسے نہ بچایا تھا۔ اسے بچانے کا اصل سہرا تو شیراز کے سر تھا جس کے

Marfat.com

لئے اس کے دل میں غیض وغضب اور بغض ونفرت کے جذبات تھے۔ کلاڈیوس گہری سوچوں میں گم ہو گیا۔

الفانسو، محمود اور شیراز مل کر چٹانوں کے بیچوں بیچ خیمہ نصب کر چکے تھے۔ معاً صوفیہ کی نگاہ شیراز پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئی۔ اسے کام میں جتے شیراز کی آنکھیں جھلملاتی ہوئی محسوس ہوئیں شاید ان میں آنسو تھے۔ صوفیہ کے دل میں گھونسہ پڑا۔ وہ سمجھی شاید شیراز اس سے خفا ہونے کی وجہ سے دلگیر ہے۔ لیکن شیراز ایسا نہیں تھا۔ وہ زندگی کے تلخ حقائق کو اپنی وسیع نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں صوفیہ کی بے وفائی کے آنسو نہ تھے بلکہ اسے تو اپنے جگری دوست سکندر پاشا کی یاد نے رلا دیا تھا۔ رہ رہ کر شیراز کے دل میں ایک ہی خیال سر ابھارتا...... کیا سکندر مر چکا ہو گا؟ بحر اسود کے سرکش پانیوں نے سکندر کو نگل لیا تھا۔ اسے آسمان کھا گیا یا سمندر ہڑپ کر گیا، آخر وہ کہاں چلا گیا؟ وہ اتنی آسانی سے مرنے والا تو نہیں تھا۔

شیراز کا دل بھر آیا۔ سکندر کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک پل اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس نے سوچا اب طاہرہ کا کیا ہو گا جو کوہ بلقان میں آج تک اپنی دوسری سہاگ رات کی منتظر تھی۔ اچانک کسی نے شیراز کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ شیراز نے گھوم کر نہ دیکھا۔ وہ الفانسو کے ہاتھ کا لمس خوب پہچانتا تھا۔ اس لمس میں پدرانہ شفقت تھی۔ اسی لمحے شیراز کو الفانسو کی آواز سنائی دی۔

''مجھے بھی سکندر یاد آ رہا ہے...... تم جانتے ہو میرا کوئی بیٹا نہیں۔ لیکن جب سے تمہیں اور سکندر کو دیکھا، میری یہ حسرت بھی پوری ہو گئی۔ میں خود کو دو جوان بیٹوں کا باپ تصور کرنے لگا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ سکندر نہیں رہا تو دل آنسو بن کر پگھلنے لگتا ہے۔''

الفانسو سچ مچ شیراز کا گرو تھا۔ وہ شیراز کے دل کا خیال پڑھ چکا تھا۔ صوفیہ...... جو ذہانت اور فطانت میں اپنی مثال آپ تھی، شیراز کے آنسوؤں کو اپنی بے وفائی کا نتیجہ سمجھی۔ یہاں اس کی فطانت سے بڑھ کر اس کی نسوانیت نے کام دکھایا تھا۔ شیراز کی بات سن کر وہ خفیف سی ہو گئی۔ شیراز کہہ رہا تھا۔

''تین چار روز ہو گئے ہیں، لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے، سکندر کا مسکراتا ہوا چہرہ اور زیادہ واضح ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ ایک دوست اور ایک بھائی سے بڑھ کر بھی بہت کچھ تھا۔ اس نے مجھے زندگی کے مشکل ترین وقت میں سہارا دیا اور پھر آخر وقت تک ساتھ نبھایا۔ کاش

Marfat.com

میں اس کے لئے کچھ کر سکتا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اُسے تلاش کریں؟ ہو سکتا ہے کسی جزیرے یا جہاز پر اسے پناہ مل گئی ہو۔ رافیل بھی تو اسی طرح بچ گیا تھا۔''

الفانسو، شیراز کی بات بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اس نے خوداب تک اس طرح کی بہت سی باتیں سوچی تھیں۔ وہ کہنے لگا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا...... سچ تو یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح سوچتا ہوں۔ جب تک سانس ہے تب تک آس تو رہے گی۔ وہ ایسا شخص نہیں تھا جسے آسانی کے ساتھ بھلایا جا سکے۔

صوفیہ بھی ان لوگوں کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ کہا۔

''سکندر پاشا مر نہیں سکتا۔ اگر اس دنیا میں اس کا مادی وجود باقی نہیں بھی رہا تو تب بھی وہ زندہ ہے۔ موت تو ایک راستہ ہے جو ایک ادنیٰ زندگی کو ایک اعلیٰ زندگی کی طرف لے جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں سکندر زندہ ہے۔ وہ شاید تمہارے آس پاس ہی کہیں ہے۔ اگر ہم اسے چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی شخصیت کے تمام مثبت پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھنا ہو گا۔ ہمیں زندگی بھر اس کے خاندان، دوستوں، حتیٰ کہ ارادوں کی قدر کرنا ہو گی۔''

جب سے سکندر بچھڑا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ وہ تینوں مل کر اسے یاد کر رہے تھے۔ اس سے پہلے ہر ایک نے الگ الگ سکندر کے لئے آنسو بہائے تھے لیکن کوئی بھی اپنے غم کا ذکر اپنی زبان پر نہ لایا تھا۔

ساحل پر قیام کی تیاری مکمل ہو گئی۔ اب جہاز کو مرمت کرنے کا کام باقی تھا اور اس کام کے لئے جزیرے سے بعض چیزیں لانا ضروری تھیں۔ لیکن اب سائے ڈھلنے لگے تھے اور الفانسو جانتا تھا کہ اس چھوٹے سے جزیرے پر غروبِ آفتاب کے بعد زندگی کی حرکت تھم جاتی ہو گی۔ چنانچہ اس نے اگلی صبح جزیرے کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے دوسرا خیمہ بھی نصب کر دیا گیا۔ یہ الفانسو اور اس کی بیٹی صوفیہ کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ لیکن صوفیہ الگ خیمہ نصب ہوتے دیکھ کر بری طرح سٹپٹا گئی۔ اس طرح تو اس کا یرغمالی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کلاڈیوس اس کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹے کیونکہ کلاڈیوس کے فرار کی وہ خود ذمہ دار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کلاڈیوس کے راز سے صرف وہی واقف ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب کلاڈیوس کے زخم ٹھیک ہو چکے ہیں، وہ چل پھر

Marfat.com

سکتا ہے۔ لیکن وہ ان لوگوں کو دوسرا خیمہ نصب کرنے سے منع نہ کرسکتی تھی۔ وہ ایک لڑکی تھی۔ آخر کس طرح کہتی کہ دوسرا خیمہ نصب کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سب کے ساتھ ایک ہی خیمے میں رات گزارے گی۔ اس کی نسوانی شرم وحیا اس طرح کہنے سے مانع تھی۔ چنانچہ وہ چپ رہی۔ لیکن بے قرار۔

کچھ ہی دیر بعد خیموں کے اندر مشعلیں جھلملا اٹھیں۔ رات ہو چکی تھی۔ ساحل پر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رات ہوتے ہی سب اپنے بستروں میں گھس گئے۔ لیکن صوفیہ ابھی تک بے تاب تھی، نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے کان ہلکی سی آہٹ پر لگے ہوئے تھے اور وہ پوری طرح بیدار اپنے بستر میں لیٹی ایک ہی بات سوچ رہی تھی کہ کہیں کلاڈیوس فرار نہ ہو جائے۔ رات گئے جب خیمے میں الفانسو کے خراٹے سنائی دینے لگے تو صوفیہ چپکے سے اپنے بستر کو چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ اس نے گرم اونی کمبل اوڑھ رکھا تھا اور کمبل کے اندر اپنے باپ کی برہنہ شمشیر چھپا رکھی تھی۔ وہ اس قدر یخ بستہ موسم میں بھی کلاڈیوس کا پہرہ دینا چاہتی تھی۔ وہ اپنے کیے کی سزا خود بھگتنا چاہتی تھی۔ لیکن کلاڈیوس کے فرار ہونے سے زیادہ اُسے ایک اور ڈر تھا...... اُسے ڈر تھا کہ کلاڈیوس کہیں بے خبری میں شیراز پر حملہ ہی نہ کردے۔ وہ بے حد چوکنا تھی، لیکن شیراز کے خیمے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شاید وہ لوگ سو گئے تھے۔

صوفیہ یخ بستہ ہواؤں میں کھڑی اپنے تئیں کلاڈیوس کا پہرہ دے رہی تھی۔ وقت بڑی سست روی سے گزرنے لگا۔ ٹھٹھرتی ہوئی رات کا ایک ایک لمحہ صوفیہ پر بھاری پڑ رہا تھا۔ اس کے دل کو ایک ہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر کلاڈیوس نے بے خبری میں شیراز پر حملہ کر دیا تو شیراز خود کو بچا نہیں سکے گا۔ اب وہ اپنے کیے پر پچھتا رہی تھی۔ اُسے ایک زخمی کو بچانے کا کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ وہ تو خود کو اس بات پر کوس رہی تھی کہ اس نے کلاڈیوس کا راز اپنے باپ سے کیوں چھپایا۔

اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ اگر آج کی رات بخیر وعافیت گزر گئی تو وہ کل صبح اپنے باپ الفانسو کو کلاڈیوس کی اصلیت بتا دے گی۔ آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے بھی سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ سامنے سمندر کی لہروں پر زخمی ''عقاب'' ہچکولے کھا رہا تھا۔ الفانسو ابھی تک اسی کروٹ لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔

رات گزرتی گئی۔ یہاں تک کہ رات گزر گئی۔ صبح کاذب سے کچھ دیر پہلے جب ابھی تک

Marfat.com

اندھیرا ہی تھا، وہ خاموش قدموں سے چلتی ہوئی شیراز کے خیمے تک آئی۔ اس نے ایک طرف کا پردہ ذرا سا سرکا کر ہلکی سی جھری پیدا کی اور جلتی ہوئی مشعل کی روشنی میں شیراز، محمود اور کلاڈیوس کو سوتا دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ وہ بری طرح تھک چکی تھی۔ رات بھر زمستانی ہواؤں میں کھڑے رہ کر اس کا بدن بری طرح ٹھٹھر گیا تھا۔ کلاڈیوس کو گہری نیند سوتا دیکھ کر صوفیہ خفیف سی ہوگئی۔ وہ بلاوجہ ہی کلاڈیوس پر شک کر رہی تھی۔ وہ رات بھر پہرہ دیتی رہی جبکہ کلاڈیوس رات بھر مزے کی نیند سوتا رہا۔ وہ کچھ دیر ان کے خیمے کے پاس کھڑی رہی اور پھر اطمینان بھرے انداز میں واپسی کے لئے مڑ گئی۔

صبح صوفیہ کو دیر تک سویا دیکھ کر الفانسو دوبارہ خیمے میں آیا اور صوفیہ کو پکارتے ہوئے کہا۔

''صوفیہ بیٹا! اُٹھو...... سورج نکل آیا ہے۔ لگتا ہے تم رات صحیح طرح سو نہیں پائی۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟...... اٹھو، آج ہمیں جزیرے کے اندر جانا ہے۔''

صوفیہ کروٹ لے کر بیدار ہوگئی۔ اس کی نیند پوری نہ ہوئی تھی لیکن اپنے باپ کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھی اور چھوٹتے ہی باپ سے پوچھا۔

''کیا شیراز خیریت سے ہے؟''

الفانسو کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ لیکن اگلے لمحے نہ جانے کیا سوچ کر وہ مسکرا دیا۔ یہ تو اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اس کی بیٹی اور شیراز ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ لیکن اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کی بیٹی سوتے میں شیراز کی طرف سے فکر مند رہتی ہے۔ اس نے مسکراتے ہوئے صوفیہ کو جواب دیا۔

''لگتا ہے تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ شیراز بالکل ٹھیک ہے اور اس وقت ہم لوگ جزیرے پر جانے کے لئے تیار ہیں۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میری کوشش ہے کہ ہم کم سے کم وقت میں اس ساحل کو چھوڑ دیں۔ یہ روسی قزاقوں کا علاقہ ہے۔ اگر ہم قزاقوں کے کسی گروہ کے ہتھے چڑھ گئے تو ہم اپنی ذمہ داری نہ نبھا سکیں گے۔ ہمیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہئے۔''

صوفیہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔ الفانسو کی تجربہ کار نگاہیں بھانپ گئیں کہ اس کی بیٹی رات بھر سو نہیں پائی۔ الفانسو نے پھر کہا۔

''صوفیہ...... تم پگلی ہو، شیراز کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور پھر اب تو تمہارا مریض بھی صحت یاب ہو

Marfat.com

چکا ہے۔ وہ ہم لوگوں سے اس قدر مانوس ہو چکا ہے کہ اب ہمیں چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے اُسے جزیرے پر چلنے کو کہا تو کہنے لگا جب تک آپ لوگ یہاں قیام پذیر ہیں میں کہیں نہیں جاؤں گا...... ہاہاہا...... پگلا ہے۔"

اپنے باپ کے منہ سے کلاڈیوس کے بارے میں سن کر صوفیہ کو یک گونہ اطمینان ملا۔ اس نے دل میں خود کو ڈانٹا کہ وہ رات بھر کلاڈیوس پر شک کیوں کرتی رہی۔ کلاڈیوس اپنا وعدہ نبھا رہا تھا۔ صوفیہ کے دل میں کلاڈیوس کے لئے عزت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہونے لگے حالانکہ رات اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ صبح ہوتے ہی اپنے باپ کو کلاڈیوس کی حقیقت بتا دے گی۔ لیکن اب اس کا خیال بدل چکا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کلاڈیوس اس سے محبت کرنے لگا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی وفاداری کے وعدے پر قائم ہے۔

کچھ دیر بعد الفانسو، شیراز اور صوفیہ جزیرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا ٹاپو تھا جہاں چاروں طرف صرف چٹانیں ہی چٹانیں تھیں۔ خودرو جھاڑیاں، جنگلی گھاس پھونس اور پہاڑی درختوں کی بہتات تھی۔ جس جگہ یہ تینوں چل رہے تھے، یہاں سے جزیرے کا وسط قدرے نشیب میں تھا۔ وہ مختلف پتھروں کو پھلانگتے ہوئے گویا کسی بے نشان راستے پر چل رہے تھے۔ دور سے الفانسو نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ جزیرے پر زیادہ سے زیادہ کتنے لوگ آباد ہوں گے اور یہ کہ جزیرے سے انہیں کس قسم کی امداد مل سکتی ہے۔ الفانسو کا خیال تھا کہ یہ جزیرہ زیادہ آباد نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر کوئی فوجی چھاؤنی ہوگی۔ البتہ اس کے دل میں ایک ڈر تھا کہ جزیرہ قزاقوں کا مسکن ہوا تو ان کے لئے مشکل کھڑی ہو جائے گی۔ اس کی جوان بیٹی اس کے ہمراہ تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ دل ہی دل میں خود کو ہر طرح کے خطرات سے نمٹنے کے لئے تیار کر رہا تھا۔

جلد ہی وہ جزیرے پر پہنچ گئے۔ جزیرے کے وسط میں ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ بستی کے تمام مکان پتھر اور صنوبر کی لکڑی سے بنائے گئے تھے۔ بستی کے باہر کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں الفانسو کے دل کو حوصلہ ملا۔ بچوں نے تین اجنبیوں کو دیکھا تو کھیل چھوڑ کر ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی اور تجسس کے اثرات صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ الفانسو بھی بچوں کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ ایک دبلی پتلی لڑکی کے نزدیک پہنچا اور بچی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے کے بعد پوچھنے لگا۔

Marfat.com

"بیٹا! یہ کون سا جزیرہ ہے؟"

لیکن بچے شاید الفانسو کی زبان نہ سمجھ پائے تھے۔ دبلی پتلی لڑکی الجھی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک الفانسو نے ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں کہا۔

"بیٹا یہ کون سا جزیرہ ہے؟...... اس جزیرے کا نام کیا ہے؟"

لڑکی کی آنکھوں میں حیرت اور جوش کی چمک دکھائی دی۔ وہ جھٹ سے بولی۔

"لیلفوزا...... اس جزیرے کا نام لیلفوزا ہے۔ یہ ہمارا جزیرہ ہے۔"

الفانسو کا پختہ شک یقین بن چکا تھا۔ وہ لوگ فی الحقیقت روسی جزائر میں آ پھنسے تھے۔ الفانسو نے پھر پوچھا۔

"بچو! تمہارے ماں باپ کیا کام کرتے ہیں؟"

وہ اہل جزیرہ کا پیشہ جاننا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں قزاقوں کی بستی میں نہ پہنچ گیا ہو۔ لیکن بچی کا جواب سن کر اس نے ایک لمبی اطمینان بھری سانس لی۔ لڑکی نے بتایا تھا کہ وہ لوگ مچھیرے ہیں اور سمندر سے مچھلیاں پکڑ کر دوسرے ساحلوں تک پہنچاتے ہیں۔ لڑکی کی باتوں سے الفانسو کو یہ بھی پتہ چلا کہ یہ جزیرہ ایشیا کے ساحل کے بے حد قریب ہے۔ اسے اندازہ ہوا کہ وہ روس کے جنوبی ساحلوں کے نزدیک ہے اور یہ جان کر اسے تسلی ہوئی کیونکہ یہ بحر اسود کا انتہائی مشرقی علاقہ تھا اور یہاں روسی سرحدات کے ساتھ ساتھ ایران کے تاتاری قبائل آباد تھے۔ الفانسو جانتا تھا کہ یہاں سے قفقاز کی برف پوش پہاڑیاں زیادہ دور نہیں تھیں جنہیں ایک دنیا "کوہ قاف" کے نام سے جانتی تھی۔

بچوں سے اجازت لے کر آگے بڑھنے لگے تو ایک ننھی سی بچی نے اپنی توتلی زبان سے انہیں مخاطب کیا۔

"تم لوگ "ڈوڈو" کو لینے آئے ہو...... میں ڈوڈو کو نہیں جانے دوں گی۔"

الفانسو نے گھوم کر بچی کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ صوفیہ ہنستے ہوئے آگے بڑھی اور مچھیروں کی ننھی بچی کو بانہوں میں اٹھا لیا۔

"یہ ڈوڈو کون ہے؟...... مجھے تو بتاؤ!"

صوفیہ نے بچی کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اس سے پوچھا تو بچی نے جواب دیا۔

"وہ میرا دوست ہے...... میرے بابا اسے میرے لئے لائے ہیں۔"

Marfat.com

بچی کی توتلی زبان کو حرکت کرتا دیکھ کر سب بچے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ صوفیہ نے اُسے دوبارہ زمین پر کھڑا کیا اور وہ لوگ آگے کی طرف چل پڑے۔ معاً الفانسو کی نگاہ جزیرے کے پہلے مرد پر پڑی۔ یہ ایک دھان پان سا ادھیڑ عمر مچھیرا تھا۔ مچھیرے کو دو اجنبی مرد اور ایک حسین لڑکی جزیرے پر دکھائی دی تو وہ چونک گیا اور حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے ان کی جانب دیکھنے لگا۔ الفانسو اور شیراز اس دھان پان روسی مچھیرے کے نزدیک پہنچے اور اسے سلام کیا۔ مچھیرے نے بڑی عجلت اور سادگی کے ساتھ ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''جی میں سردار نہیں ہوں۔ میں تو...... میں تو معمولی آدمی ہوں۔''

شیراز مچھیرے کی سادگی پر حیرت سے مسکرا دیا۔

''کوئی بات نہیں...... ہم نے آپ کو ہی سلام کیا ہے، آپ کے سردار کو ہم بعد میں سلام کریں گے۔''

مچھیرا جو غالباً باہر کی دنیا سے بالکل نابلد تھا، شیراز کی ٹوٹی پھوٹی زبان نہ سمجھ سکا۔ تب الفانسو نے مسکراتے ہوئے اسے شیراز کی بات سمجھائی اور پھر پوچھا۔

''کیا ہمیں یہاں سے مدد مل سکتی ہے؟ ہمارا جہاز طوفان میں گھر کر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ ہمیں کرائے کے کچھ ملاحوں اور جہاز مرمت کرنے والے کاریگروں کی ضرورت ہے۔ تم لوگ مچھیرے ہو، کشتیاں بنانا اور چلانا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ ہماری مدد کرو گے۔''

مچھیرا حیرت سے الفانسو کی بات سن رہا تھا۔ کرائے کے ملاحوں کا ذکر سن کر اس کے چہرے پر تجسس کی ایک لہر دوڑی۔

''کیا آپ لوگ تاتارستان سے آئے ہیں؟ یہاں تاتارستان کے جہاز ران آتے رہتے ہیں۔ ہم لوگ تاتاریوں کی اولاد ہیں۔ آپ کو یہاں سے مدد مل سکتی ہے۔ آپ کرائے کے ملاحوں کو کتنی اجرت دیں گے؟''

الفانسو نے ادھیڑ عمر مچھیرے کے چہرے پر لالچ کی وہ لہر دیکھی تھی جو عموماً مہذب دنیا سے کٹے ہوئے اعرابی معاشروں کے افراد کے چہروں پر ہوتی تھی۔ الفانسو نے محسوس کیا جیسے سمندر میں سفر کرنا ان لوگوں کے لئے بڑی خوشی اور سعادت کی بات تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ جزیرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ لیکن اس مرتبہ ان کے

Marfat.com

ہمراہ بیس افراد کا چھوٹا سا جلوس تھا جن میں ایک بڑھئی اور باقی مزدور تھے۔ بوڑھا مچھیرا جو بڑھئی تھا، یوں شان کے ساتھ سب سے آگے چل رہا تھا گویا وہی سب کا ناخدا ہو۔ وہ دبلا پتلا اور کمزور سا شخص تھا لیکن اپنے کاریگر ہونے کا تفاخر اُسے اکڑائے دے رہا تھا۔ باقی مزدور مختلف اوزار اور سامان اٹھائے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

الفانسو کی خوش نصیبی تھی کہ یہ جزیرہ مچھیروں کا تھا، یہاں اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہ سب لوگ غریب اور مفلوک الحال تھے۔ بے شک مکان بنانے کے لئے ان کے پاس صنوبر کی قیمتی لکڑی وافر مقدار میں موجود تھی لیکن ان کے پاس کھانے کے لئے مچھلی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جزیرے پر کہیں ہموار میدان موجود نہیں تھا جہاں فصلیں اُگائی جاتیں۔ وہ لوگ گیہوں کے آٹے یا چاولوں کی ایک مٹھی کو ترستے تھے۔ جزیرے کے اکا دکا رئیس وہی لوگ تھے جن کی مچھلی ایشیا کے قریبی ساحلوں پر فروخت ہونے کے لئے جاتی تھی۔ جزیرے کا سردار بھی ایک بوڑھا شخص تھا۔

الفانسو کا قافلہ اپنے پڑاؤ پر پہنچا تو شیراز کی متلاشی نگاہیں سیدھی اس نوک دار چٹان پر جا پڑیں جس کے پہلو میں کارڈیوس بیٹھا دھوپ تاپ رہا تھا۔ کلاڈیوس کو دیکھ کر صوفیہ کے دل میں ایک بار پھر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

مزدوروں نے پڑاؤ میں آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ الفانسو جو ایک دن پہلے یہ سوچ رہا تھا کہ انہیں اس جزیرے پر کچھ روز رکنا پڑے گا، اب محسوس کر رہا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پرسوں تک کام سے فارغ ہو جائیں گے۔ الفانسو بہت خوش تھا کیونکہ اسے اس جزیرے پر اترنے کے بعد ابھی تک کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔ لیکن اب جو مشکل اسے پیش آنے والی تھی اس کے بارے میں تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

صوفیہ حیران تھی کہ کلاڈیوس اب پوری طرح رام ہو چکا تھا۔ آج پہلی مرتبہ کلاڈیوس ان کے معاملات میں دلچسپی لے رہا تھا۔ وہ مزدوروں کے ساتھ ملا۔ مزدوروں کے سردار بوڑھے ملاح کے ساتھ دیر تک جہاز ٹھیک کرنے کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ کلاڈیوس کا رویہ دیکھ کر شیراز متذبذب ہو گیا۔ آج اس کا شک کم ہو رہا تھا۔ اس نے دل میں خود کو کوسا کہ وہ اتنے اچھے انسان کو آج تک کلاڈیوس سمجھتا رہا ہے۔ یہ تو واقعی رافیل تھا۔ شاید کوئی روسی تاجر......

شیراز کافی دیر تک جہاز میں موجود رہا جہاں بوڑھا بڑھئی اور اس کے مزدور ساتھی جگہ جگہ میخیں

Marfat.com

ٹھونک رہے تھے۔ کلاڈیوس بھی انہی کے ہمراہ موجود تھا اور انہیں مختلف ہدایات دے رہا تھا۔ دیر تک کلاڈیوس اور بوڑھے بڑھئی کی باتیں سننے کے بعد شیراز کی خاطر خواہ تسلی ہوگئی اور وہ ان سب کو کام کرتا چھوڑ کر باہر ساحل پر آ گیا اور یہ اعتماد شیراز کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوا۔ نہ جانے کیوں لائیسم کا وہ نوجوان فلسفی اور وہ ہونہار چہرہ شناس کلاڈیوس کی آنکھیں پڑھنے میں ناکام رہا۔ شاید اس لئے کہ کلاڈیوس کی آنکھیں بھی تو وہی تھیں جو اس کی اپنی تھیں۔

شیراز اطمینان سے پڑاؤ میں موجود اپنے ساتھیوں کے پاس آ پہنچا۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں لیکن صوفیہ شاید اپنے خیمے میں تھی۔ محمود اور الفانسو ایک پتھر کے ساتھ کھڑے اس بادبان کو بچھانے کی کوشش کر رہے تھے جو سمندری طوفان میں گیلا ہو گیا تھا۔ یہ وہی بادبان تھا جسے طوفان کی آمد سے پہلے الفانسو کے حکم پر اتار کر سنبھال لیا گیا تھا۔ قریب ہی زمین پر مستول کا وہ طویل کھمبا بھی پڑا تھا جسے طوفان سے پہلے کھول لیا گیا تھا۔ شیراز ان کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اسی اثناء میں صوفیہ خیمے سے باہر نکلی اور اس کی نظر شیراز پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئی۔ وہ دوڑتی ہوئی شیراز کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

''تم وہاں سے کیوں چلے آئے؟ وہ سب اجنبی ہیں، ہمارا کوئی نہ کوئی آدمی ان کے سر پر موجود ہونا چاہیے۔''

الفانسو نے کسی قدر مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر شیراز سے کہا۔

''صوفیہ بہت مستعد ہے۔ اسے سچ مچ کسی فوج کا کپتان ہونا چاہیے...... یہ ٹھیک کہتی ہے، تم جہاز میں جاؤ۔ یہ کام ہم خود سنبھال لیں گے۔''

اب شیراز کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ خفت سے مسکرایا اور یہ کہتے ہوئے واپسی کے لئے مڑا کہ رافیل وہاں موجود ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔ صوفیہ کو ایسا لگا جیسے شیراز نے اُس پر طنز کیا ہو۔ وہ خاموشی سے شیراز کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ شیراز واپس جہاز کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔

◆......◆

Marfat.com

افرازون

جہاز کی مرمت کا سلسلہ شروع ہوئے آج دوسرا روز بخیر و عافیت گزر گیا تھا۔ کل کی طرح آج بھی تمام مچھیرے غروبِ آفتاب کے بعد اپنی بستی کی طرف واپس چلے گئے تھے۔ آج الفانسو بے حد مطمئن تھا۔ کل دن میں کسی بھی وقت ان کا جہاز دوبارہ سفر کرنے کے قابل ہو جاتا۔ مستول اور بادبان نصب کیے جا چکے تھے اور چھوٹا موٹا کام باقی رہ گیا تھا۔ صوفیہ بھی اب کلاڈیوس کی طرف سے پوری طرح مطمئن تھی۔ کلاڈیوس جب پیار بھری نظروں سے صوفیہ کو تکتا، صوفیہ کو دل میں یقین ہونے لگتا کہ کلاڈیوس اب ان کے ساتھ کچھ برا نہیں کرے گا۔ وہ کلاڈیوس کی نظروں کا مطلب خوب سمجھتی تھی۔ کلاڈیوس اس پر ہزار جان سے فدا ہو رہا تھا۔

حسب معمول رات ہوتے ہی سب سو گئے۔ آج تو صوفیہ بھی گھوڑے بیچ کر سوئی تھی۔ اور پھر وہی ہوا جس کا کسی کو ڈر نہیں تھا۔ الفانسو اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے چاروں طرف مشعل بردار مچھیرے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لہراتے بھوتوں کی طرح کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ الفانسو کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ سمجھا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ لیکن جلد ہی صوفیہ کی چیخ سن کر اسے یقین ہو گیا کہ مچھیروں کی نیت بدل چکی ہے اور وہ اب اجرت کی بجائے الفانسو کا پورا جہاز ہی ہتھیانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

معاً الفانسو کے کانوں میں لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔ غالباً شیراز حملہ آوروں کے ساتھ بھڑ گیا تھا۔ الفانسو نے بھی آنِ واحد میں فیصلہ کیا اور بجلی کی سی تیزی سے اپنے بستر میں چھپی اپنی شمشیر نکال لی۔ وہ ایک ماہر شمشیر زن تھا لیکن وہ تلوار نہ چلا سکا۔ خونخوار مچھیروں کی ننگی تلواریں صوفیہ کی گردن پر تھیں۔ ایک اکھڑ مزاج مچھیرے کی آواز سنائی دی۔

"خبردار! اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو تمہاری بیٹی کی گردن اڑا دوں گا۔"

الفانسو جہاں تھا وہیں رک گیا۔ شیراز کے خیمے سے ابھی تک تلواروں کی چھنکار سنائی دے رہی تھی۔ شیراز سچ مچ لڑ رہا تھا۔ بے شک مچھیرے تلوار بازی میں شیراز کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے لیکن وہ تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ ان پر قابو پانا شیراز کے لیے ممکن نہیں تھا۔ محمود تو نیند میں

Marfat.com

ہی گرفتار کرلیا گیا تھا البتہ شیراز کی آنکھ بروقت کھل گئی اور وہ تلوار سونت کر حملہ آوروں پر پل پڑا۔ لیکن پندرہ بیس نوجوانوں کے ساتھ بیک وقت لڑنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ اس کی تلوار سے ایک امیر مچھیرے کا بیٹا مارا گیا۔ جلد ہی شیراز کو ہتھیار پھینکنا پڑا کیونکہ لڑائی میں ایک لمحہ ایسا بھی آ گیا تھا کہ تاتاری نسل کے مچھیروں کی چھ سات تلواریں بیک وقت اس کے جسم کو چھو رہی تھیں۔ شیراز ذرا بھی حرکت کرتا تو یہ سب تلواریں اس کے بدن کو چھیل ڈالتیں۔ اس نے اپنی شمشیر پھینک دی اور مچھیروں نے سب کو گرفتار کرلیا۔

کچھ دیر بعد الفانسو کا قافلہ تیغ زن مچھیروں کے جلو میں بستی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صوفیہ سمیت سب کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ کلاڈیوس کو اپنے ہمراہ دیکھ کر صوفیہ دنگ رہ گئی۔ اس نے تو یہی سمجھا تھا کہ یہ حملہ کلاڈیوس کے اشارے پر ہوا تھا لیکن کلاڈیوس کے ہاتھ تو قیدیوں کی طرح اس کی پشت پر بندھے تھے اور وہ تمام اسیروں کے ہمراہ پتھریلے راستوں پر دھکے کھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ تین مشعل بردار مچھیرے آگے آگے تھے۔ ان کے پیچھے قیدیوں کا گروہ تھا اور سب سے آخر میں حملہ آور مچھیروں کا دستہ ننگی تلواریں لہراتا ہوا آ رہا تھا۔ کلاڈیوس صوفیہ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے، لیکن خداوند یسوع مسیح کی قسم! میں اس سب کچھ سے بے خبر ہوں۔ لگتا ہے مچھیروں کی نیت بدل گئی۔"

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ وہ اب کلاڈیوس پر اعتماد نہ کرنا چاہتی تھی۔ کلاڈیوس صوفیہ کو خاموش دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھنے لگا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ صوفیہ اس پر شک نہ کرے گی کیونکہ اس نے اپنے تئیں ترکیب ہی ایسی اختیار کی تھی جس میں کلاڈیوس پر شک نہ جاتا تھا۔ اس نے جہاز کے مزدوروں کو پہلے روز ہی لالچ کے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ اس وقت جب شیراز مزدوروں کو جہاز میں کلاڈیوس کے پاس چھوڑ آیا تھا، کلاڈیوس نے لالچی مزدوروں کو بڑا لالچ دے کر خرید لیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"تم لوگوں کو کپتان زیادہ سے زیادہ کتنی اجرت دے گا...... لیکن اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ سارا جہاز بھی تمہارا اور تمام مال و متاع بھی۔ میں صرف قیدیوں کو لے جاؤں گا، خاص طور پر اس لڑکی کو۔"

مچھیرے جنہوں نے ہمیشہ بھوک اور افلاس کا منہ دیکھا تھا، جہاز پر استنبول کی قیمتی اشیاء

Marfat.com

دیکھ کر پاگل ہو گئے۔ یہ ترکی بحریہ کا ایک تیز رفتار جہاز تھا۔ ان کے حساب سے اس کی قیمت لاکھوں میں تھی۔ کلاڈیوس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے نہ صرف مچھیروں کو پھنسالیا بلکہ ان کے ساتھ حملہ کرنے کی کارروائی بھی طے کر لی۔ اس نے خود کو گرفتار کروانا منظور کیا تھا۔ وہ صوفیہ کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ صوفیہ سے محبت کرتا تھا اور اس کا دل جیتنا چاہتا تھا۔

تمام قیدیوں کو بستی کے سردار کی حویلی میں پہنچا دیا گیا۔ یہ ایک بڑا مکان تھا۔ کپتان الفانسو کی پوری جماعت گرفتار ہو چکی تھی۔ شیراز کی تمام تر توجہ اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے طریقوں پر لگی ہوئی تھی۔ بستی کے سردار کی حویلی بہت بڑی تھی۔ شیراز اور الفانسو کو ایک ساتھ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ باقی قیدیوں کو بظاہر الگ الگ کمروں میں رکھا گیا۔ الفانسو نے کمرے میں بند ہونے سے پہلے احتجاج کیا کہ اس کی بیٹی کو اس کے ہمراہ قید کیا جائے لیکن مچھیرے سردار نے الفانسو کے احتجاج کی ذرابھر پرواہ نہ کی اور کلاڈیوس کی خواہش کے مطابق صوفیہ کو کلاڈیوس کے ساتھ ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اکیلا محمود ایک تیسرے کمرے میں بند تھا۔

صوفیہ کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے لیکن کلاڈیوس کے ساتھ کمرے میں داخل ہونے سے اس نے انکار کر دیا یہاں تک کہ مسلح مچھیروں نے دھکا دیتے ہوئے صوفیہ کو اندر کمرے میں پھینکا۔ مچھیروں نے جب کلاڈیوس سے کچھ تعرض نہ کیا تو صوفیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ اُسے اپنے شک کا ثبوت مل رہا تھا۔ مچھیرے کلاڈیوس کے ساتھ بظاہر سختی سے لیکن حقیقتاً مؤدبانہ انداز میں پیش آ رہے تھے۔ قیدخانے کا دروازہ بند ہوتے ہی صوفیہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اپنی ایڑھیوں پر گھومی اور کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ صوفیہ کے ہاتھ ابھی تک پشت پر بندھے تھے لیکن اس کی زبان کھلی تھی۔ اس نے کسی قدر بلند اور تیز آواز کے ساتھ کہا۔

”کلاڈیوس! تم احسان فراموش ہو...... کاش میں نے تمہیں پہلے روز ہی مرنے دیا ہوتا۔ تمہاری زندگی ہمارا احسان ہے، لیکن تم نے اپنے محسنوں کے ساتھ غداری کی۔ اس کی سزا تم بھگتو گے۔ تم نے خداوند یسوع مسیح کی قسم کھا کر اپنی وفاداری کا اعلان کیا تھا۔ تمہاری بدفطرتی کو دیکھ کر مسیحیت سے میرا ایمان اٹھ گیا ہے۔ افسوس! تم جیسے گھٹیا انسان کے ساتھ مجھے بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن یاد رکھو! تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

Marfat.com

کلاڈیوس کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا۔ اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے اور وہ حیرت سے منہ کھولے صوفیہ کی بات سن رہا تھا۔ اسے توقع نہ تھی کہ صوفیہ اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے گی۔ اس نے صوفیہ کا صرف مہربان روپ دیکھا تھا اور غلطی سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ صوفیہ اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے۔ لیکن آج اس کی ساری ترکیب ناکام رہی۔ وہ صوفیہ کی نظروں میں مقام حاصل کرنے کے لئے خود کو گرفتار کروانے کا ڈھونگ بھی رچا چکا تھا۔ لیکن صوفیہ کی ذہانت کے سامنے اس کی کوئی ترکیب نہ چلی اور اب وہ نادم و پشیمان کسی گونگے کی طرح صوفیہ کی جانب دیکھتے ہوئے آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ صوفیہ نے اچانک پھر کہا۔

"تم نے گرفتار ہونے کا جو ڈھونگ رچایا یہ بہت گھٹیا اور بے ہودہ تھا۔ افسوس کہ میں تمہاری چال کو بروقت نہ سمجھ سکی ورنہ اپنے ہاتھوں سے تمہارا سر اُڑا دیتی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ تم ہمیں زیادہ دیر تک گرفتار رکھ سکو گے۔ ہم یہاں سے نکلیں گے اور اپنی منزل پر پہنچیں گے۔"

کلاڈیوس کی حالت بری تھی۔ کیا یہ وہی صوفیہ تھی جس نے اب تک ایک مہربان مسیحا کی طرح کلاڈیوس کی تیمارداری کی تھی؟ اپنے ہاتھوں سے اس کے حلق میں دودھ ٹپکاتی رہی، اس کی مرہم پٹی، دوا اور غذا کا پورا خیال رکھتی رہی۔ اس کی ذرا سی کراہ سن کر دوڑی چلی آتی اور جو کچھ اس سے بن پڑتا اس کے لئے کرتی۔ کیا یہ وہی صوفیہ تھی؟ نہیں! یہ تو کوئی اور صوفیہ تھی۔ اس کی ایسی ہم شکل جس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں، جس کے ماتھے پر غیض و غضب کی شکنیں ابھر ابھر کر مٹ رہی تھیں۔ کلاڈیوس تن بدن سے کانپ گیا۔ زندگی میں آج اس کا جتنا دل دکھا تھا، اس سے قبل اس کا دل اتنا کبھی نہیں دکھا تھا۔ کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں۔

صوفیہ کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ یکلخت گومگو کا شکار ہو گئی۔ اگر کلاڈیوس جھوٹا تھا تو پھر اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں بھر آئے ...... کیا وہ اداکاری کر رہا تھا؟ صوفیہ کا دل متذبذب ہونے لگا۔ اسی اثناء میں پہلی بار کلاڈیوس کی آواز سنائی دی۔ اس کا گلا بھاری ہو چکا تھا اور آواز بہت دھیمی تھی۔

"صوفیہ! خدا کے لئے میرے ساتھ ایسے مت پیش آؤ ...... میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ تم نے کلاڈیوس کا دل جیتا ہے، مقدونیا کے شہزادے کا دل ...... یہ تو تمہارے لئے فخر کی بات ہونی چاہئے۔ اور تم مجھے گھٹیا کہہ رہی ہو۔ مجھے تمہاری باتیں سن کر بہت رنج پہنچا صوفیہ! میں

Marfat.com

تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم نے سنا ہوگا محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔ میں نے جو کچھ کیا تمہاری محبت میں کیا۔ اور پھر میری جنگ بھی تو تم لوگوں کے ساتھ تھی۔ میں کیا کرتا؟ تم بتاؤ! کیا کسی اور طریقے سے میں تمہیں حاصل کر سکتا تھا؟ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، بس میری یہی آرزو ہے۔"

یکایک صوفیہ کا تذبذب دور ہو گیا۔ کلاڈیوس نے تسلیم کر لیا تھا کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے۔ اب صوفیہ ہکا بکا تھی۔ جس بات کا ابھی تک اس کے دل میں محض شک تھا وہ سچ ثابت ہوئی۔ وہ حیران تھی کہ آخر اس کی مسیحائی میں کیا کمی رہ گئی جو اس کے ہاتھوں جلا پانے والا اس کا مریض شفا پانے کے بعد بے وفا ہو گیا تھا۔

صوفیہ کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ کلاڈیوس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ اب کلاڈیوس کے لئے مزید قید میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ صوفیہ کو یوں لگا جیسے ان تمام بکھیڑوں کا اصل سردار کلاڈیوس ہی تھا۔ صوفیہ کی حالت بری تھی۔ اب وہ اپنے انجام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا وہ اپنے باپ اور شیراز کے بغیر رہ سکے گی؟ کلاڈیوس اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہو سکتا ہے وہ شیراز اور الفانسو کی جان لے لے۔ صوفیہ کا تن بدن لرز گیا۔ زندگی اس سے کوئی بہت بڑا امتحان لینے والی تھی۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کلاڈیوس کے شکنجے میں یوں پھنس جائے گی۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا، صوفیہ کو کرنا تھا۔ کیونکہ اگر وہ ذرا سی بھی دیر کرتی تو شاید کلاڈیوس اُسے حاصل کرنے کے لئے اس کے باپ اور شیراز کو مار دیتا۔ ذہین صوفیہ فوری طور پر اپنے بچاؤ کے طریقے سوچنے لگی۔ ابھی سر دست کلاڈیوس اس کے سامنے تھا۔ لیکن اگر کلاڈیوس ایک بار وہاں سے چلا جاتا تو وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔

یکایک صوفیہ کا مزاج تبدیل ہو گیا۔ کلاڈیوس کی جانب حیرت سے دیکھتے دیکھتے دھیرے دھیرے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ حالانکہ آنسو تو صوفیہ کی آنکھوں میں بھی چمک رہے تھے۔ اس نے کمال اداکاری سے کلاڈیوس کو مخاطب کیا۔

"کلاڈیوس! مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو۔ میں تمہاری محبت کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن تم خود سوچو تمہارے لئے میرے دل میں نفرت کیوں نہ پیدا ہوگی۔ تم میرے باپ اور میرے باپ کے منہ بولے بیٹے شیراز کو جان سے مارنا چاہتے ہو۔ تم نے اب تک کتنی بار کوشش کی، تمہیں ہر بار ناکامی ہوئی۔ لیکن کیا میرے دل میں تمہارے لئے محبت

Marfat.com

پیدا ہو گی؟ میں ابھی تک عیسائی مذہب پر قائم ہوں، شیراز مسلمان ہے۔ بے شک میں اسے چاہتی ہوں لیکن مذہب کے فرق کی وجہ سے شاید ہم ایک دوسرے کو اپنا نہیں سکتے۔ تم عیسائی ہو، میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔ لیکن کیا مجھے جیتنے کا یہ طریقہ ہے جو تم نے اپنایا؟ اس طرح تو تم کچھ بھی حاصل نہیں کر پاؤ گے۔ تمہیں میرا جسم بھی ملا تو مُردہ حالت میں ملے گا۔ اگر تم مجھے جیتنا چاہتے ہو تو فوراً سے پہلے مجھے اور میرے ساتھیوں کو آزاد کر دو۔ میں وعدہ کرتی ہوں اب بھی خاموش رہوں گی اور اپنے باپ یا شیراز کو تمہاری اصلیت نہیں بتاؤں گی۔ کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟"

کلاڈیوس سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ صوفیہ اتنی وضاحت اور سچائی کے ساتھ بات کرے گی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ صوفیہ کا نیا رویہ دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا کہ اب کیا کرے اور کیا نہ کرے...... یہ محبت بھی عجیب چیز تھی۔ اسے اب سے پہلے اس کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ صوفیہ کی زبان سے اپنے لئے نرم بات اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر کلاڈیوس ڈگمگا گیا اور ڈرے ڈرے سے لہجے میں کہنے لگا۔

"میں تمہاری بات مان تو لوں لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم مجھے......"

اس سے آگے کلاڈیوس کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن صوفیہ سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنے والا تھا لیکن صوفیہ نے فوراً کہا۔

"کلاڈیوس! دھوکا تم نے دیا ہے۔ تم اگر پہلے ہی سے اپنے دل کا حال مجھے بتا دیتے تو تب بھی میں شاید یہی فیصلہ کرتی۔ تم گھبراؤ مت، میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گی۔ تم ہمیں رہا کر دو، میں اپنی مرضی سے تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن میری یہی ایک شرط ہے کہ میرے باقی ساتھیوں کو جانے دو۔"

کلاڈیوس کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا لیکن وہ کیا کرتا، صوفیہ کی بات مانے بغیر بھی تو چارہ نہیں تھا۔ وہ اگر صوفیہ کی بات نہ مانتا تو اس کے لئے صرف اُس کی نفرت تھی۔ وہ صوفیہ کا نفرت بھرا روپ دیکھ چکا تھا۔ اب کلاڈیوس متذبذب ہو گیا۔ اس سے کوئی بات نہ بن رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا صوفیہ کا چہرہ تکتا رہا۔ اس نے سوچ میں گم اپنا چہرہ دائیں بائیں گھمایا اور پھر سر کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے گویا وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔ اگلے لمحے کلاڈیوس کا رخ دروازے کی جانب تھا اور وہ با آواز بلند کسی مچھیرے کو نام لے کر پکار رہا تھا۔ چند لمحے

Marfat.com

دروازہ دھڑاتے دھڑاتے وہ کسی کو بار بار پکارتا رہا۔ یہاں تک کہ دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ سامنے دو تین مسلح شخص کھڑے تھے۔ بستی کا سرداران کے بیچوں بیچ تھا۔ یہ ایک دراز قد مچھیرا تھا جس کے جسم پر باقی مچھیروں کی نسبت عمدہ لباس تھا۔ سردار مچھیرے نے کلاڈیوس کی جانب دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں اپنے سر کو اوپر کی طرف جھٹکا دیتے ہوئے بھنوئیں اچکائیں۔

"کیا بات ہے...... کیوں شور مچا رہے ہو؟ کیا چاہئے؟"

"زوبن!...... میرے ہاتھ کھول دو...... میرا کام ہو چکا ہے۔ اب باقی باتیں باہر چل کر کرتے ہیں۔"

کلاڈیوس کا انداز دوستانہ تھا۔ بالکل ایسے جیسے سردار مچھیرا اس کا بہت پرانا شناسا ہو۔ لیکن شاید آنے والا لمحہ کلاڈیوس کی توقع کے بھی عین خلاف تھا۔ سردار مچھیرے زوبن نے کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"کون سا کام؟ اور تمہارے ہاتھ میں کس خوشی میں کھولوں؟ تم سب میرے قیدی ہو اور تمہارا جہاز میری ملکیت ہے۔ مجھے پتہ چل چکا ہے کہ تم سب مسلمان ہو۔ میں روسی سرحدات میں شہنشاہ پیٹر اعظم کے تحفظات کا رکھوالا ہوں...... اب تم سب کو سینٹ پیٹرز برگ کے دربار میں پابہ زنجیر بھیجا جائے گا۔ تم میں سے کسی کو رہائی نہیں مل سکتی۔ تمہیں بھی نہیں۔"

کلاڈیوس اپنی جگہ ناچ کر رہ گیا۔ یہ کیا؟...... ساری گنگا الٹی بہنے لگی تھی۔ صوفیہ کے سامنے اس کا بھانڈا بھی پھوٹ گیا اور سردار مچھیرے نے بھی اسے رہا کرنے سے انکار کر دیا۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔ کلاڈیوس کی حالت دیکھنے والی تھی۔ وہ حلق کے بل دھاڑا۔

"نہیں ہوں میں مسلمان...... تم جانتے نہیں میں کون ہوں؟ میں شہنشاہ پیٹر اعظم کا خاص کارندہ ہوں...... میری عیسائی ماں مقدونیا کی ملکہ رہ چکی ہے۔ تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے ساتھ دھوکا کرنے کی۔ تم مجھے زنجیریں پہنا کر پیٹر اعظم کے دربار میں لے جاؤ اور پھر دیکھو وہ تمہارا کیا حشر کرتا ہے...... تمہیں جہاز کی تلاشی لیتے ہوئے یہ پتہ چلا کہ ہم مسلمان ہیں...... ہاں یہ سچ ہے کہ وہ جہاز عثمانی فوج کا ہے لیکن اس کے تمام سوار مسلمان نہیں۔ کپتان الفانسو اور صوفیہ وینس کے عیسائی باشندے ہیں اور میں اپنے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں، میرا جہاز تباہ ہو گیا تھا اور ان لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم فوراً میرے ہاتھ کھول دو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

Marfat.com

کلاڈیوس کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ سردار مچھیرے کا ہاتھ گھوم گیا۔ چٹاخ کی ایک زوردار آواز کے ساتھ سردار مچھیرے زوبن کا دایاں ہاتھ کلاڈیوس کے گال پر پڑا۔ ابھی پہلے تھپڑ کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ زوبن نے دوسرا تھپڑ کلاڈیوس کو جڑ دیا اور ساتھ ہی کہا۔

"اب تم پیٹرا اعظم کے کارندے تو کیا، خود پیٹرا اعظم ہو، تب بھی سردار زوبن تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ تم عثمانی بیڑے کا جہاز ہم سے مرمت کرواتے رہے...... ہم سے؟ ہم جو عثمانی جہازوں کو تباہ کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ اب تمہیں جو کچھ کہنا ہے پیٹرا اعظم کے سامنے ہی کہنا۔"

اتنا کہہ کر سردار مچھیرے نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور انہیں حکم دیا۔

"اس کو لے جا کر اس کمرے میں بند کر دو جہاں اکیلے شخص کو قید کیا گیا ہے۔ اور اس لڑکی کو اس کے باپ اور بھائی کے ساتھ قید کر دو۔"

سردار زوبن غالباً شیراز کو الفانسو کا بیٹا سمجھ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے شیراز کو صوفیہ کا بھائی بتایا۔ زوبن کے آدمیوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دیر نہ لگائی۔ چند لمحے بعد صوفیہ، الفانسو اور شیراز کے پاس تھی۔ جبکہ کلاڈیوس محمود کے ساتھ کمرے میں بند اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا۔ مچھیرے سردار زوبن نے صوفیہ کے سامنے اس کی تذلیل کر کے اچھا نہ کیا تھا۔ اسے بے پناہ خفت محسوس ہو رہی تھی۔ زندگی میں اتنی بڑی ذلت کا سامنا اس نے پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ وہ کمرے میں بند ہونے کے بعد تک محمود کے ساتھ بھی کچھ نہ بولا اور ایک دیوار کے ساتھ اوٹ لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں غیض غضب سے شعلے اگل رہی تھیں۔ اس کا بس چلتا تو وہ مچھیرے سردار زوبن کو کچا چبا جاتا۔ صوفیہ کے سامنے اس کے چہرے پر دو تھپڑ پڑے تھے۔ یہ گویا اس کی بہت بڑی تذلیل اور بے عزتی تھی۔ صوفیہ کے عشق میں دیوانہ کلاڈیوس غم و غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا۔

الفانسو اور شیراز نے صوفیہ کو دیکھا تو ان کے سینے سے اطمینان کی سانس نکلی۔ صوفیہ دوڑ کر اپنے باپ کے سینے سے جا لگی۔ لیکن وہ خاموش تھی۔ شیراز بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور صوفیہ کے نزدیک آ گیا تھا۔ معاً الفانسو کی آواز گونجی۔

"شکر ہے تم آ گئیں بیٹی...... اس کا مطلب ہے کہ مچھیرا سردار اتنا نیچ نہیں جتنا میں اسے سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تم اب تک کہاں تھی؟ مچھیروں نے

Marfat.com

تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟"

"نہیں...... مجھے رافیل کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا۔ نہ جانے کیوں؟ پھر میرے احتجاج کرنے پر مجھے یہاں بھیج دیا گیا۔"

یکا یک شیراز کا چہرہ یوں بن گیا جیسے اس نے کوئی کڑوی گولی نگلی ہو۔ وہ بڑی تلخی سے بولا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے صوفیہ؟ تم اب بھی اسے رافیل کہتی ہو؟ حالانکہ کپتان صاحب اور میں اب یہ اچھی طرح جان گئے ہیں کہ وہ رافیل نہیں بلکہ کلاڈیوس ہے۔ میں نے پہلے روز ہی اس کے دونوں کندھوں پر گہرے زخموں کے نشانات دیکھ کر اسے پہچان لیا تھا۔ وہ دونوں تیر تم نے خود چلائے تھے۔"

صوفیہ یکلخت آنکھیں پھاڑے شیراز کی جانب دیکھنے لگی۔ شیراز کا لہجہ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنائیت سے خالی محسوس ہوا۔ صوفیہ کے چہرے پر دکھ کی لہر پھیل گئی۔ کیا شیراز اب تک اس پر شک کر رہا تھا؟ کیا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ "میں کلاڈیوس میں دلچسپی لیتی ہوں۔"

صوفیہ کانپ کر رہ گئی۔ وہ شیراز سے بے پناہ پیار کرتی تھی۔ شیراز کے لہجے میں اس طرح کی غیریت اسے بالکل اچھی نہ لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ اسی اثناء میں الفانسو نے کہا۔

"بیٹی! ہمیں معلوم تھا کہ وہ کلاڈیوس ہے...... میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ ہمیں اس کی اصلیت معلوم ہے۔ لیکن شیراز نے مجھے منع کر دیا۔ تمہیں یاد ہے ہم جب جزیرے پر آئے تھے تو محمود کو اس کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔ میں تمہیں بتا دیتا، لیکن شیراز نے مجھے بار بار منع کیا۔ اس کا خیال تھا کہ تم اپنے تئیں جو کر رہی ہو، ٹھیک کر رہی ہو۔ ہم تمہاری خوشی کے لئے چپ ہے۔ لیکن ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ کلاڈیوس مزدوروں کے ساتھ مل کر ساز باز کر لے گا۔ تم نے تو ایک رات جاگ کر پہرہ دیا، میں ہر رات جاگا ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے صرف آج رات میری آنکھ لگ گئی۔ اب تو سب کچھ کھل چکا ہے...... شیراز ٹھیک کہتا ہے، اب تم اسے رافیل مت کہو۔ وہ کلاڈیوس ہے اور یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔"

اپنے آپ کو ایک ذہین اور فطین انسان سمجھنے والی صوفیہ الفانسو اور شیراز کے عمل پر دنگ رہ گئی۔ تو کیا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ رافیل نہیں بلکہ کلاڈیوس ہے، شیراز نے اس سے اپنی

Marfat.com

بہن کا انتقام نہیں لیا۔ کیا شیراز محض اس لئے چپ رہا کہ وہ صوفیہ کا اعتماد نہیں توڑنا چاہتا۔ صوفیہ کی آنکھوں میں شیراز کے لئے محبت کے دیے جگمگانے لگے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو گئے۔ اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

''شیراز! کیا تم مجھ سے خفا ہو؟...... مجھے معاف کر دو، میں نے تمہارے دشمن کی زندگی بچائی۔ دراصل......''

شیراز سے نہ رہا گیا۔ اب اس کی کیفیت بھی جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے صوفیہ کا جملہ درمیان میں کاٹ دیا اور محبت سے لبریز لہجے میں بولا۔

''نہیں نہیں...... تمہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں...... تم نے سوچ کیسے لیا تھا کہ میں ایک زخمی اور بے بس انسان کو قتل کروں گا...... میرے جذبات بھی وہی تھے جو تمہارے تھے۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے ذہنوں کی یہی ہم آہنگی ہی ہمیں ایک دوسرے کے نزدیک لائی ہے۔''

شیراز کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ ورنہ وہ آگے بڑھ کر صوفیہ کو گلے سے لگا لیتا۔

کچھ ہی دیر بعد تینوں مسکرا رہے تھے اور صوفیہ فرش پر ان کے نزدیک بیٹھی انہیں کلاڈیوس اور مچھیرے سردار کے درمیان پیش آنے والے واقعہ کی تفصیل بتا رہی تھی۔

کلاڈیوس ابھی تک غیض و غضب میں پاگل ہو رہا تھا۔ اسے ہر طرف سے منہ کی کھانی پڑی تھی۔ مچھیرے سردار زوبن نے کلاڈیوس کو دھوکا دیا تھا۔ اور خود سر کلاڈیوس اس کی اس زیادتی کو کسی قیمت پر برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ یہاں سے نکلنا چاہتا تھا لیکن اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بندھے تھے جنہیں کھولنا نہ اس کے بس کی بات تھی اور نہ اس کے ساتھی محمود کے بس کی۔ لیکن یہ کرشمہ شیراز اور الفانسو نے کر دکھایا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے اس طرح کھڑے ہو گئے تھے کہ پشت پر بندھے ان کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں کو چھونے لگے تھے۔ سب سے پہلے کپتان الفانسو نے اپنی انگلیوں سے ٹٹول ٹٹول کر شیراز کی کلائیوں پر بندھی رسّی کا سرا تلاش کیا اور پھر خاصی مشقت کے بعد وہ شیراز کی رسیاں کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ تینوں رسیوں کی گرفت سے آزاد تھے۔

لیکن کلاڈیوس ابھی تک اپنے ہاتھ کھولنے میں ناکام رہا تھا۔ محمود اور کلاڈیوس ایک ہی کمرے میں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کر رہے تھے۔ دراصل محمود خود

Marfat.com

خاموش تھا۔ وہ دل ہی دل میں کلاڈیوس سے نفرت کرنے لگا تھا کیونکہ اسے بھی شک تھا کہ کلاڈیوس نے ہی ان کے ساتھ دھوکا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں الگ الگ بیٹھے اپنی اپنی جگہ رہائی پانے کے طریقوں پر غور کر رہے تھے۔ اس سکوت کو بالآخر کلاڈیوس نے ہی توڑا جب اس نے کہا۔

''محمود!...... اگر ہم ہمت کریں تو ایک دوسرے کے ہاتھ کھول سکتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے ایک دوسرے کی رسیوں کو ٹٹولتے ہوئے بالآخر کھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیا تم میری مدد کرو گے؟''

''نہیں...... میں صرف ایک شرط پر تمہاری مدد کر سکتا ہوں وہ یہ کہ تم میرے ہاتھ پہلے کھولو۔''

محمود نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا تو کلاڈیوس کا ماتھا ٹھنکا۔ کیا محمودؒ کو بھی اس پر شک تھا؟ اگر محمود کو اس پر شک تھا تو اس کا مطلب ہے کہ الفانسو اور شیراز کو بھی اس پر شک ہوگا...... کلاڈیوس کسی گہری سوچ میں کھو گیا...... کافی توقف کے بعد اس نے سر اٹھایا اور محمود سے کہا۔

''ٹھیک ہے...... میں پہلے تمہارے ہاتھ کھولوں گا۔ لیکن وعدہ کرو کہ تم میرے ہاتھ ضرور کھولو گے۔''

محمود نے اثبات میں سر ہلایا اور کلاڈیوس کے نزدیک جا کر ننگے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کلاڈیوس کی جانب تھی۔ کلاڈیوس نے بڑی محنت اور تگ و دو کے بعد محمود کے ہاتھ کھول دیئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ محمود بھی کلاڈیوس کی کلائیوں پر بندھی رسی کھولنے کی کوشش کرتا، انہیں کمرے کے دروازے پر پیروں کی چاپ سنائی دی۔ شاید کوئی آیا تھا۔ محمود نے تیزی سے فرش پر پڑی رسی کو اٹھا کر تیزی کے ساتھ اپنی کلائیوں پر لپیٹا اور دونوں ہاتھ اپنی پشت پر یوں باندھ کر کھڑا ہو گیا گویا ابھی تک اس کے ہاتھ بندھے تھے۔ دروازہ کھلا اور سردار زوبن کے دو سپاہیوں کے چہرے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں غالباً کھانے کی طشتری تھی۔ یہ دن کا کھانا تھا۔ گزشتہ رات وہ لوگ قید کئے گئے تھے، اب دن طلوع ہو چکا تھا۔ سردار زوبن کے سپاہیوں نے کلاڈیوس کے سامنے کھانے کی طشتری رکھتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

''آپ عیسائی ہیں...... اس لئے سردار زوبن نے آپ کے لئے اچھا کھانا بھیجا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ دونوں کا ایک ایک ہاتھ کھول دیا جائے۔''

Marfat.com

کلاڈیوس کے دل میں جھما کہ ہوا......تو گویا وہ لوگ خود ان کے ہاتھ کھولنے جا رہے تھے۔ ظاہر ہے ایک ہاتھ کھلنے کا مطلب دونوں ہاتھوں کا کھلنا ہی تھا۔ کیونکہ اکیلا ایک بازو پشت پر نہیں باندھا جا سکتا تھا۔ کلاڈیوس اور محمود ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ انہیں پھر کھانا لانے والے شخص کی آواز سنائی دی۔

''تم دونوں کا ایک ایک ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دینے کا حکم ملا ہے۔''

محمود کے لئے یہ صورتحال کافی پریشان کن تھی۔ اس کے ہاتھ تو پہلے ہی سے کھلے تھے۔ سپاہی جونہی کھلے ہاتھوں کو دیکھتے وہ غصے سے برافروختہ ہو جاتے۔ چنانچہ محمود نے یکلخت ان کے ساتھ ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا۔ غالباً ٹھیک اسی وقت دوسرے کمرے میں کپتان الفانسو، شیراز اور صوفیہ نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر بعد دونوں کمروں کی صورتحال تبدیل ہو چکی تھی۔ محمود نے اچانک ایک سپاہی پر حملہ کر دیا۔ سپاہی بالکل بے خبر تھا اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسا قیدی جس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوں، ان پر حملہ کر سکتا ہے۔ لیکن محمود عثمانی بحریہ کا ایک جنگجو تھا، وہ کسی چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور آنِ واحد میں مچھیرے سپاہی کو زیر کر لیا۔ اگلے لمحے مچھیرے کی تلوار محمود کے ہاتھ میں تھی اور وہ کمرے میں موجود دوسرے مچھیرے سپاہی پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ کلاڈیوس ایک طرف بندھا بیٹھا جنگ کو دیکھتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر میں محمود نے دونوں مچھیروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں ناکارہ کر دیا۔ اب محمود کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ اسی وقت اسے دوسرے کمرے میں تلواروں کی چھنکار سنائی دی۔ شاید کپتان الفانسو اور شیراز بھی تلواریں چھین چکے تھے۔ تلواریں ٹنٹنانے کی آواز ایک دو بار ہی سنائی دی اور پھر انہوں نے بھی دشمن پر قابو پا لیا۔ اگلے لمحے وہ چاروں کمرے سے باہر برآمدے میں تھے۔ اسی اثناء میں مچھیروں کو حقیقت حال کی خبر ہو گئی اور سات آٹھ مچھیرے ہاتھوں میں شمشیریں اٹھائے ان کی طرف دوڑے۔ سب سے آگے سردار زوبن خود تھا۔ نئی صورتحال کے مطابق زوبن کے گھر کا صحن میدانِ جنگ بن گیا۔ الفانسو اور شیراز نے دو مچھیروں کو مار کر ان کی تلواریں حاصل کر لی تھیں۔ محمود کے ہاتھ بھی دو تلواریں ہی لگی تھیں۔ محمود کے نکلنے سے پہلے کلاڈیوس نے بار بار اسے پکارا اور ہاتھ کھولنے کے لئے کہا لیکن محمود کے پاس اس کام کا وقت نہیں تھا۔ کلاڈیوس اندر کمرے میں بندھا بیٹھے رہنے کی بجائے اٹھ

Marfat.com

کھڑا ہوا اور اپنے پیروں پر چل کر تیزی سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ ابھی پشت پر بندھے تھے۔ وہ جونہی اپنے کمرے سے باہر نکلا اس کی نظر صحن میں لڑتے ہوئے الفانسو اور اس کے ساتھیوں پر پڑی اور وہ ساری صورتحال سمجھ گیا۔ کلاڈیوس نے دیکھا کہ تمام مچھیرے لڑائی میں مصروف تھے چنانچہ وہ چھپتا چھپاتا سردار زوبن کی حویلی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

الفانسو اور اس کے ساتھیوں نے جلد ہی دشمن پر قابو پا لیا۔ تین چار مچھیرے مارے گئے جبکہ سردار زوبن کی تقلید میں باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بساط الٹ چکی تھی۔ اب مچھیروں کا سردار الفانسو کا قیدی تھا۔ الفانسو نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ آخر وقت تک سردار زوبن کو اپنا یرغمالی بنائے رکھے گا۔ ان کے کامیابی کے ساتھ بچ نکلنے کی یہی ایک صورت تھی۔ جونہی سردار زوبن نے الفانسو کے سامنے ہتھیار پھینکے اس نے از خود کہا۔

”ہمیں معاف کر دو کپتان! ہم نے جو کچھ کیا، تمہارے ساتھی کے کہنے پر کیا۔ ہماری کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ تم اپنا جہاز لے کر واپس چلے جاؤ، ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔“

الفانسو نے سردار کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ شیراز سے مخاطب ہو کر کہا۔

”سردار کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔ جب تک ہم اس علاقے کی سمندری حدود سے دور نہیں نکل جاتے، یہ ہمارا قیدی رہے گا۔“

مچھیرے سردار زوبن کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ گڑگڑاتے ہوئے معافی مانگنے لگا لیکن الفانسو نے اس کی ایک نہ سنی۔ اسی دوران شیراز نے محمود سے کلاڈیوس کی بابت دریافت کیا تو محمود کی بجائے الفانسو بولا۔

”وہ جا چکا ہے۔ جب ہم لڑ رہے تھے تو وہ یہاں سے نکل رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا۔“

”ہاں...... میں نے بھی اسے دیکھا۔“

شیراز کو صوفیہ کی آواز سنائی دی۔ اب ان کے لئے مزید یہاں رکنا ٹھیک نہیں تھا۔ چنانچہ الفانسو کے حکم پر مچھیرے سردار کو یرغمالی بنا لیا گیا اور وہ لوگ ساحل سمندر پر کھڑے اپنے جہاز کی طرف بڑھنے لگے۔

◆ ...... ◆

پورا دن تلاش کرنے کے باوجود جزیرے پر کلاڈیوس کہیں نظر نہ آیا۔ اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا تھا...... شیراز اور محمود پورا دن جزیرے کے مچھیروں کے ہمراہ کلاڈیوس کو

Marfat.com

ڈھونڈتے رہے لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ چنانچہ غروبِ آفتاب کے بعد یہ لوگ تھک ہار کر جہاز پر واپس آ گئے۔ آج انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ سردار زوبن جہاز کے تہہ خانے میں بندھا پڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اہل جزیرہ ان کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے رہے تھے۔

اور پھر اگلی صبح دس مزدور ملاحوں کے ہمراہ کپتان الفانسو کا ''عقاب'' بحر اسود میں دوڑنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ لوگ تلاش بسیار کے باوجود کلاڈیوس کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے تھے۔ انہیں ایک لمبا سفر کرنا تھا۔ چنانچہ کپتان الفانسو نے جزیرے پر مزید رکنا مناسب نہ سمجھا اور کوچ کا حکم دے دیا۔

سردار زوبن ابھی تک تہہ خانے میں ایک قیدی کی حیثیت سے موجود تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جہاز پر دس مزدور ملاح بھرتی کر لئے گئے تھے۔ جزیرے سے تقریباً پندرہ میل کی دوری پر پہنچ کر کپتان الفانسو نے جہاز کو روکا اور سردار زوبن کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔ سردار زوبن کی واپسی کے لئے جزیرے سے ایک کشتی ساتھ لائی گئی تھی۔ سردار زوبن کو تہہ خانے سے نکال کر کشتی میں سوار کرایا گیا اور اس کے ہاتھ میں پتوار تھما کر اسے جزیرے کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ باقی کے دس مزدور ملاحوں کو الفانسو نے اجرت دینے کا وعدہ کر کے اپنے ہمراہ روک لیا اور یوں طوفان کے تقریباً سات روز بعد عثمانی بحریہ کا عقاب دوبارہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ یہ ہفتہ ان لوگوں کے لئے بہت بھاری تھا۔ اپنے کئی ساتھیوں اور خاص کر سکندر پاشا کو کھونے کے بعد اب یہ لوگ ایک مرتبہ پھر شمالی سمندروں میں آگے بڑھ رہے تھے۔

لیکن کلاڈیوس کہاں چلا گیا...... کیا وہ سمندر میں کود گیا تھا یا نہیں؟...... وہ یقیناً جزیرے پر ہی کسی ایسی جگہ چھپ گیا تھا جسے ڈھونڈنا شیراز کے لئے ممکن نہ ہو سکا...... لیکن جب سردار زوبن کی کشتی اپنے جزیرے کے ساحل پر آ کر رکی تو سردار کی نظر سب سے پہلے کلاڈیوس پر پڑی جو ساحل پر مچھیروں کے درمیان کھڑا سردار زوبن کو واپس آتا دیکھ رہا تھا۔ اب سردار زوبن کے ذہن میں کلاڈیوس کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے...... اس نے کہا تھا میں مسلمان نہیں ہوں اور پیٹر اعظم کا کارندہ ہوں...... سردار زوبن کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے سوچا کہ سچ مچ اس نے کلاڈیوس کی بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا۔

ساحل پر قدم رکھتے ہی زوبن کی سرداری پھر لوٹ آئی۔ سارے مچھیرے اس کے سامنے

Marfat.com

جمع ہو گئے۔ کلاڈیوس کا چہرہ غصے اور اشتعال سے سرخ تھا۔ لیکن خاموش تھا۔ کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر سردار سے کہا۔

"زوبن! تم ایک نالائق انسان ہو...... تم نے میری بات نہ مان کر شہنشاہ روس کے خطرناک دشمنوں کو بھاگ نکلنے کا موقع دیا ہے۔ میں شہنشاہ کے دربار میں تمہاری شکایت کروں گا۔"

زوبن کا دل دہل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ شہنشاہ روس کے حکم پر اسے سزائے موت دی جائے گی۔ زوبن نے آگے بڑھ کر کلاڈیوس کو معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھئے محترم شہزادے...... مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں...... لیکن ہم چاہیں تو اب بھی انہیں پکڑ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس تیز رفتار کشتیاں ہیں۔ جس رفتار سے وہ جا رہے ہیں اگر وہ اسی رفتار پر قائم رہیں تو ہم کل دوپہر سے پہلے پہلے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔ میں اور میرے ملاح آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔"

کلاڈیوس تو جیسے چونک گیا۔ اسے یہ خیال پہلے نہیں آیا تھا۔ جونہی اسے پتہ چلا کہ وہ اب بھی صوفیہ تک پہنچ سکتا ہے، اس نے فی الفور سردار کی ہاں میں ہاں ملائی اور عقاب کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

لیکن دوسری دوپہر تو کیا، تیسری دوپہر تک بھی کلاڈیوس اور مچھیرے الفانسو کے جہاز کو تلاش نہ کر سکے۔ خورد و نوش کا سامان ختم ہو جانے اور بڑی لہرون کے خوف سے تیسرے روز وہ لوگ واپسی کے لئے مڑے۔ کلاڈیوس بے حد مایوس تھا۔ اس کی صوفیہ سمندر کی پنہائیوں میں کھو چکی تھی۔ اب اس کے لئے اس جزیرے پر رکنا بے معنی تھا۔ چنانچہ اس نے شہنشاہ روس کے دارالحکومت سینٹ پیٹرز برگ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔

اپنے سفر کے اٹھارویں روز عثمانی بحریہ کا عقاب اپنے گھر پہنچ گیا۔ عقاب کا گھر عثمانی بحریہ کا بیڑا ہی تھا۔ ترک فوجی افسروں نے دور سے ہی اپنے بیڑے کے تیز رفتار جہاز عقاب کو پہچان لیا۔ گشتی کشتیوں میں عقاب کو دیکھتے ہی خوشی کے نعرے گونجنے لگے۔ ترک سپاہیوں کو ایسا لگا جیسے ان کے بچھڑے ہوئے ساتھی لمبے عرصے بعد لوٹے ہوں۔ مصری ملاح افراسیاب اور عقاب کے دوسرے ملاح سپاہیوں کے دوستوں نے اپنی اپنی کشتیوں اور جہازوں میں ہی کپڑے لہرانے شروع کر دیئے۔ اپنے اردگرد یہ شور و غوغا دیکھ کر محمود بہت دکھی ہو گیا۔ وہ جانتا

Marfat.com

تھا کہ یہ سب لوگ اس کا اور اس کے سابقہ ساتھیوں کا استقبال کر رہے تھے۔ استقبال کرنے والوں نے ابھی جہاز کے سواروں کو نہیں دیکھا تھا۔ مصری ملاح افراسیاب سمیت عقاب کے سارے پرانے سپاہی شدید طوفان کی نذر ہو چکے تھے۔

جلد ہی عقاب بحری بیڑے کے بیچوں بیچ پہنچ گیا۔ تمام جہازوں کے عرشوں پر ترک فوجی افسر کھڑے عقاب کو کئی دن بعد واپس لوٹتا دیکھ رہے تھے۔ محمود کا جہاز دھیرے دھیرے ایک بڑے جنگی جہاز کے ساتھ آ لگا۔ اب عقاب پر صرف محمود ہی ایک ایسا شخص تھا جسے ترک فوج کے سابقہ افسران پہچانتے تھے۔ الفانسو اور اس کے ساتھیوں کو دل ہی دل میں محمود کی بے پناہ اہمیت کا احساس ہوا۔ بڑے جنگی جہاز کے عرشے پر کھڑے ترک فوجی افسروں کی نظریں عقاب سے باہر آتے ہوئے سواروں پر جم گئیں۔ وہ ان میں سے سوائے محمود کے کسی کو نہ جانتے تھے۔ ترک بحریہ کے افسر اعلیٰ عبداللہ پاشا کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ یہ ترک امیر البحر تھا۔ اس نے اپنا یہ جہاز بعض پیغامات اور احکامات کی وصولی کے لئے استنبول بھیجا تھا۔ وہ عثمان پاشا کا قریبی دوست تھا۔ اس نے جب عقاب کو استنبول کی جانب بھیجا تھا تو اس کے اس جہاز کا کپتان مصری ملاح افراسیاب تھا۔ افراسیاب عبداللہ پاشا کے اعتماد کا آدمی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صدر اعظم بلط جی نے مصری ملاح کو الفانسو اور اس کے ساتھیوں کی حقیقت بتانے سے گریز کیا تھا۔ مصری ملاح افراسیاب صرف یہی جانتا تھا کہ کپتان الفانسو ایک بحری افسر ہے جسے ترک بحریہ میں شامل کرنے کے لئے استنبول سے بھیجا جا رہا ہے۔ افراسیاب تو راستے میں ہی غرق ہو گیا اور اب صرف محمود بچا تھا۔

عقاب کے مسافر بڑے جنگی جہاز کے تختوں کو ٹھک ٹھک بجاتے ہوئے ترک امیر البحر کے سامنے آئے۔ امیر البحر عبداللہ پاشا کی بھنویں سکڑ گئیں اور چہرہ غصے سے تن گیا۔

''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ افراسیاب کہاں ہے؟ اور باقی سپاہیوں کو کہاں چھوڑ آئے؟''

عبداللہ کی نگاہیں محمود پر ٹکی ہوئی تھیں جسے شکل، انداز و اطوار اور لباس سے وہ دیکھتے ہی پہچان گیا تھا کہ عقاب میں ترکی بحریہ کا صرف یہی ایک سپاہی واپس آیا ہے۔

محمود کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ لیکن اس نے اپنے تئیں سنبھل کر جواب دیا۔

''محترم سالار! یہ کپتان الفانسو ہیں۔ ترکی بحریہ کے لئے حکومت استنبول کی طرف سے بھیجے گئے نئے افسر۔ یہ آپ کے ماتحت کام کریں گے۔ افراسیاب اور دیگر ساتھی چند روز قبل

Marfat.com

آنے والے خونی طوفان کی نذر ہو گئے...... وہ طوفان شاید یہاں سے ہو کر گزرا ہو گا۔"

عرشے پر موجود عبداللہ پاشا اور دیگر افسروں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کیا...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا افراسیاب شہید ہو گیا؟ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ اتنا کمزور آدمی نہیں تھا۔ اور پھر تمہارا جہاز تو صحیح سلامت ہے۔ طوفان نے جہاز کا کچھ کیوں نہیں بگاڑا؟"

عبداللہ پاشا کی آواز بلند تھی اور اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ محمود نے جواب دیا۔

"ہم نے اپنا جہاز ایک جزیرے پر مرمت کیا۔ افراسیاب اور ہمارے دیگر ساتھیوں کو ایک بڑی سمندری لہر کھا گئی۔ شہید ہونے والوں میں کپتان الفانسو کے ایک بہادر سپاہی سکندر پاشا بھی شامل ہیں۔"

سکندر کا ذکر آیا تو شیراز اور صوفیہ کا دل بھر آیا۔ لیکن امیر البحر عبداللہ پاشا کی چبھتی ہوئی آواز سن کر وہ سکندر کے بارے میں مزید کچھ نہ سوچ سکے۔ امیر البحر کہہ رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے نوجوان؟"

امیر البحر کے لہجے میں سخت غصہ نمایاں تھا۔ محمود نے کسی قدر نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"محمود۔"

عبداللہ پاشا یہ نام جانتا تھا۔ محمود کے بتانے پر اُسے یاد آ گیا کہ یہ کون سا سپاہی ہے۔ تب اس نے پھر اسی لہجے میں پوچھا۔

"تم نے اپنا جہاز کون سے جزیرے پر مرمت کیا؟ استنبول کے ساحل سے یہاں تک راستے میں ایک بھی جزیرہ نہیں پڑتا۔ تمہاری باتوں سے مجھے شک ہو رہا ہے۔"

اب محمود کا دل کانپنے لگا۔ وہ یہ سوچ کر گھبرا گیا کہ جزیرے کا نام لیا تو امیر البحر بالکل بھی یقین نہیں کرے گا۔ کیونکہ کسی سمندری لہر کے ذریعے بحر اسود کے مشرقی جزیروں تک پہنچنا ناممکن تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ جزیرے روسی سرحدات میں شامل تھے۔ محمود جانتا تھا کہ اس نے جونہی جزیرے کا نام لیا امیر البحر کا شک مزید بڑھ جائے گا۔ وہ متذبذب تھا کہ کیا کہے اور کیا نہ کہے...... کہ الفانسو نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

Marfat.com

"محترم امیر البحر! ہم ایک روسی جزیرے پر پناہ گزین ہوئے...... کیونکہ ہمیں سمندری لہر نے اٹھا کر دور بحر اسود کے مشرقی ساحل پر پھینک دیا تھا۔"

الفانسو کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ فضا میں جیسے یک لخت خاموشی چھا گئی۔ امیر البحر کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر الفانسو کے نزدیک آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے نہایت ترش لہجے میں جواب دیا۔

"بہت بھونڈی اور بچگانہ کہانی ہے...... بحر اسود کی ایک سرد طوفانی لہر جو ہمیشہ شمال سے جنوب کی طرف سفر کرتی ہے اور گزشتہ طوفان میں بھی وہ شمال سے جنوب کی جانب ہی بڑھی تھی...... اور جسے ہم سب نے دیکھا تھا، جہاز کو اٹھا کر ایک روسی جزیرے پر پھینک دیتی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ عقاب نے دوران طوفان شمال سے جنوب کی طرف لڑھکنے کی بجائے مشرق کی طرف سفر کیا اور ایک روسی جزیرے پر جا پہنچا جہاں جہاز کو مرمت کیا گیا اور اب آپ لوگ عثمانی بحریہ کے بہترین افسر اور سپاہیوں کو کھونے کے بعد یہاں پہنچ کر اپنے کارنامے کی داد لے رہے ہیں...... کپتان الفانسو! بے شک تمہیں صدر اعظم بلط جی نے بھیجا ہو گا لیکن میں تمہاری کہانی پر یقین نہیں کر سکتا۔ یقیناً تمہارا گواہ مصری ملاح افراسیاب تھا۔ اگر تم اسے ساتھ لاتے تو شاید میں یقین کر لیتا، اس لئے اب مجھے دارالسلطنت سے ایک بار پھر رابطہ کرنا ہو گا اور تب تک آپ سب لوگ میرے جہاز پر قید رہیں گے۔"

یہ نئی صورتحال یکایک غیر متوقع تھی۔ کپتان الفانسو کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ عثمانی امیر البحران کے ساتھ یوں پیش آئے گا۔ عبداللہ پاشا، نائب صدر اعظم عثمان پاشا کا خاص الخاص ساتھی تھا۔ اور یہ بات صدر اعظم بلط جی نے کپتان الفانسو اور اس کے ساتھیوں کو بتا رکھی تھی۔ ان سب کے دل میں یہی خیال آیا کہ عبداللہ پاشا صدر اعظم بلط جی کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو شک کا فائدہ اٹھا کر قید میں رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن الفانسو اس طرح چپ رہنے والا نہیں تھا۔ اس نے بڑے بارعب لہجے میں کہا۔

"امیر البحر! آپ عجلت میں فیصلہ کر رہے ہیں۔ میرے پاس سرکاری خط ہے جس پر صدر اعظم اور سلطان کی مہر ثبت ہے...... آپ ہمیں اس طرح گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"مجھے سلطان کے خط کی کوئی پرواہ نہیں...... تم لوگوں نے میرے ہراول دستے کے بہترین سالار اور اس کے کئی ساتھیوں کو شہید کر دیا ہے...... تمہارا جرم قابل معافی نہیں ہے۔ اور پھر

Marfat.com

تمہارے پاس سرکاری خط بھی ہو تو اس کی کیا اہمیت ہے۔ تم ایک عیسائی ہو جیسا کہ تمہارے نام سے ظاہر ہے اور میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن صرف عیسائی ہیں۔"

عبداللہ پاشا کی بات سن کر صوفیہ اور شیراز ہکا بکا رہ گئے جبکہ الفانسو کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ الفانسو نے گرج دار آواز میں کہا۔

"میں عیسائی نہیں ہوں...... میں مسلمان ہوں...... میں نے اسی طوفان کے دوران کلمہ توحید پڑھا ہے......"

ابھی الفانسو کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ عبداللہ پاشا کا زوردار قہقہہ فضا میں گونجا۔

"ہا ہا ہا...... اچھا، تو تم نے طوفان میں کلمہ پڑھا۔ الفانسو! تم کیا سمجھتے ہو میں نے کچی گولیاں کھیلی ہیں؟ تمہاری کہانی بالکل بچگانہ ہے۔ یہ رات کے وقت ایک ننھے منے بچے کو سلانے کے لئے تو سنائی جا سکتی ہے لیکن عبداللہ پاشا کو اس کہانی سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔ تم لوگ قصرِ سلطنت کا دوسرا حکم آنے تک میرے قیدی ہو۔"

اتنا کہہ کر امیر البحر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ الفانسو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیں۔ چنانچہ کچھ دیر بعد عقاب کے تھکے ہارے مسافر ایک بڑے جہاز کے تہہ خانے میں سلاخوں کے پیچھے قید تھے۔

الفانسو کے لئے یہ صورتحال بڑی عجیب تھی۔ صوفیہ اسی وقت سے خاموش تھی جب سے الفانسو نے یہ بتایا تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ وہ حیران تھی کہ اس کے باپ نے اپنی لاڈلی بیٹی سے بھی اس کا تذکرہ نہ کیا۔ کیا الفانسو سچ مچ مسلمان ہو چکا تھا؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ البتہ شیراز بے حد خوش تھا۔ اس کے لئے یہ ایک بہت بڑی خوش خبری تھی۔

ان سب کو ایک بڑے قید خانے میں بند کیا گیا تھا۔ محمود بھی ان کے ساتھ تھا اور جزیرے سے آنے والے دس اجرتی ملاح بھی ان کے ہمراہ تھے۔

یہ تہہ خانہ ایک قید خانے کے طور پر بنایا گیا تھا جس میں بحری جنگ کے قیدیوں کو بند کیا جاتا تھا۔ الفانسو اس مشکل کا کوئی حل نکالنا چاہتا تھا۔ صدر اعظم بلط جی نے اُسے اتنا تو بتا دیا تھا کہ امیر البحر عبداللہ پاشا دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اب یہ تو الفانسو اور اس کے ساتھیوں کا فرض تھا کہ وہ عثمانی بحریہ کو ایک غدار سالار سے نجات دلا کر صدر اعظم بلط جی کے حکم کے

Marfat.com

مطابق شہنشاہِ روس کی بحریہ سے جنگ کرنے کے لئے تیار کر سکیں۔لیکن الفانسو کو کوئی ترکیب سجھائی نہ دے رہی تھی۔انہیں صبح و شام کھانا دیا جانے لگا اور الفانسو کے بار بار کہنے کے باوجود کسی سپاہی نے اسے امیر البحر سے دوبارہ نہ ملوایا۔

انہیں قید ہوئے تقریباً تیسرا روز تھا کہ چند ترک سپاہی دندناتے ہوئے تہہ خانے میں آئے اور تینوں خاص قیدیوں کپتان الفانسو، شیراز اور صوفیہ کو تہہ خانے سے نکال کر ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر بندھے تھے اور مسلح ترک سپاہی انہیں شمشیروں کی نوکوں پر دھکیلتے ہوئے نہ جانے کہاں لے جانے لگے۔کپتان الفانسو نے ان سے ایک دو مرتبہ دریافت کیا لیکن پھر کپتان اچانک خاموش ہو گیا۔وہ مسلح سپاہیوں کے آگے آگے نابیناؤں کی طرح چلتے دھکے اور ٹھوکریں کھاتے تہہ خانے کے زینے چڑھ کر باہر آ گئے۔کچھ دیر بعد شیراز نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو جہاز کے ایک کنارے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔آسمان پر کھلی فضا اور جہاز کے ساتھ ٹکراتی ہوئی سمندر کی لہروں کی آواز سن کر وہ تینوں جان گئے کہ وہ جہاز کے کسی آخری کنارے پر موجود ہیں۔یہ سوچ کر صوفیہ کا دل اچھلا اور حلق میں اٹک گیا کہ اب انہیں سمندر میں دھکا دے دیا جائے گا۔لیکن کپتان الفانسو جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔

کچھ دیر بعد انہیں کسی کشتی میں اتارا جانے لگا۔الفانسو کے ماتھے پر سوچ کی شکنیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔غدار امیر البحر انہیں کہاں بھیج رہا تھا۔

کشتی دیر تک پانی میں چلتی رہی۔ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی اور ہاتھ پشت پر تھے۔ چنانچہ وہ نہ جان سکے کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔البتہ اِدھر اُدھر کی مختلف آوازوں کے بتدریج کم ہوتے چلے جانے سے شیراز نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ عثمانی بیڑے سے کافی دور لائے جا چکے ہیں۔کئی میل کی مسافت کے بعد ملاحوں نے کشتی کے چپو روک دیئے۔شاید قیدیوں کی نئی منزل آ گئی تھی۔

ایک ملاح نے آگے بڑھ کر تینوں قیدیوں کی آنکھوں پر بندھی پٹیاں کھول دیں لیکن ان کے ہاتھ مسلسل پشت پر بندھے رہے اور وہ تینوں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ ایک چھوٹے سے ٹاپو کے نزدیک پہنچنے والے تھے۔یہ سمندر میں ابھری ہوئی چند چٹانیں تھیں جن میں کہیں کہیں اکا دکا مقامات پر ہموار اور چٹیل زمین تھی۔قیدیوں کی کشتی چٹانوں کے قریب پہنچنے والی تھی۔ اس چھوٹے سے ٹاپو کو دیکھتے ہوئے شیراز کے دل میں یہی خیال آیا کہ انہیں قتل کرنے یا

Marfat.com

مستقل طور پر قید رکھنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ تینوں قیدیوں کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے لیکن پھر بھی شیراز مسلسل سوچ رہا تھا کہ کسی طرح وہ کشتی میں بیٹھے ملاحوں اور سپاہیوں پر قابو پا لے اور یہاں سے رہائی پانے کی کوشش کرے۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں تھا۔

انہیں ٹاپو پر لایا گیا۔ یہ چند ابھری ہوئی سرد چٹانیں تھیں جنہیں جزیرہ کہنا مناسب نہیں تھا۔ بحر اسود میں اس طرح کے ٹاپو شمالی ساحلوں کے نزدیک زیادہ تھے۔ اس چھوٹے سے جزیرے کے وسط میں چند سو فٹ کا ایک میدان تھا جس کے بیچوں بیچ ترک بحریہ کا ایک توپ بردار قلعہ سر اٹھائے کھڑا تھا۔ ٹاپو کے چاروں طرف گول دائرے میں گھومتے ہوئے چھ برج تھے جن کی اوپری منزل سے روشنی گھر (لائٹ ہاؤس) کا کام لیا جاتا تھا۔ اس طرح کے کئی ٹاپو شمالی سمندروں میں ترکی بحریہ کے پاس تھے۔ وسطی میدان کے قلعہ پر ترکوں کا درفش کاویانی لہرا رہا تھا۔ ٹاپو پر موجود لوگوں کے طور اطوار اور چال ڈھال دیکھ کر شیراز سمجھ گیا کہ اس جزیرے پر متعین دستے کے ترک سپاہی ہیں۔

تینوں قیدیوں کو قلعے کی عمارت میں لایا گیا جہاں اس جزیرے پر متعین دستے کا سالار ''افرازون تاتاری'' ان کا منتظر تھا۔ افرازون نے قیدیوں کے ساتھ آنے والے سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''ٹھیک ہے...... اب تم لوگ جاؤ...... اب ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ سالار عبداللہ پاشا سے کہنا کہ وہ مطمئن رہیں، مغربی جنگ سے واپسی پر ان کے قیدی انہیں یہیں ملیں گے۔''

''مغربی جنگ سے واپسی پر......'' کے الفاظ سن کر شیراز اور الفانسو بری طرح چونکے۔ تو کیا ترکی بحریہ کا بیڑا مغربی سمندروں میں کسی جنگ کے لئے روانہ ہونے والا تھا؟ گویا صدر اعظم بلط جی کا خدشہ درست تھا۔ غدار امیر البحر روسی بیڑے کو راستہ دینے کے لئے اپنے بیڑے کو آسٹریا اور پولینڈ کے ساتھ بحری جنگ میں شامل کرنے کے بہانے لے جا رہا تھا۔ الفانسو دل ہی دل میں خبردار ہو گیا۔ اسے جلد سے جلد کچھ کرنا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ترکی بیڑا کب کا روسی بحری راستوں کو چھوڑ چکا ہوتا لیکن عبداللہ پاشا کو انتظار تھا تو مصری ملاح افراسیاب کا جو اپنے سینے میں عثمان پاشا کے خصوصی احکامات چھپا کر لا رہا تھا۔ سفیر برطانیہ ''آرسٹن'' کے مکان پر تیار ہونے والا منصوبہ مصری ملاح افراسیاب کے ساتھ ہی سمندر برد ہو

Marfat.com

گیا۔ کئی روز بعد جب عقاب واپس لوٹا تو امیر البحر عبداللہ پاشا یہی سمجھا کہ عثمان پاشا کے احکامات آ پہنچے ہیں۔ لیکن الفانسو اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر وہ بے حد گڑبڑا گیا۔ چنانچہ اس نے الفانسو کو قید کرنے کا حکم دیتے ہوئے یہی فیصلہ کیا کہ وہ روسی بحری بیڑے کے راستے سے ہٹ جائے گا۔ اس کے پاس ایک معقول بہانہ تھا اور وہ یہ کہ مغربی یورپ کا بحری بیڑا جو زیادہ تر بحر اسود میں چلنے والے تجارتی جہازوں کو ملا کر تیار کیا گیا تھا، دارالسلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حالانکہ اس کمزور تجارتی بیڑے کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ عثمانی سمندروں میں قدم رکھنے کی جرأت کرتا۔ اصل خطرہ تو شہنشاہِ روس کی طرف سے تھا جس کی قزاق کشتیاں آٹھوں پہر بحیرہ اسود میں دندناتی رہتیں اور قزاقوں کے جہاز کسی مسلمان تجارتی جہاز کو پُر امن طریقے سے نہ گزرنے دیتے۔ اسی شہنشاہ روس پیٹر اعظم نے اب تک ایک بہت بڑا بحری بیڑا تیار کر لیا تھا۔ صدر اعظم کو یہی فکر تھی کہ عثمانی بحریہ کا غدار امیر البحر روسی جنگی بحری بیڑے کے لئے راستہ چھوڑ دے گا اور روسی بیڑا بحر اسود کو عبور کرتا ہوا استنبول کی دیواروں سے آ لگے گا۔ اسی خطرہ کا سدباب کرنے کے لئے دور اندیش صدر اعظم بلط جی نے الفانسو اور اس کے ساتھیوں کو ترک بیڑے پر روانہ کیا۔ لیکن بدقسمتی سے الفانسو پہلے روز ہی دھر لیا گیا اور اسے کچھ کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اب تو وہ یہ سن رہا تھا کہ عبداللہ پاشا عظیم ترکی بیڑے کو روسیوں کے راستے سے ہٹانے کے لئے مغرب کی طرف بڑھنے والا ہے۔ الفانسو کو سلطنت عثمانیہ کا بے پناہ نقصان ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ یہی سوچنے لگا کہ اب ہر قیمت پر اسے عثمانی بحریہ کا یہ کوچ روکنا ہوگا۔ عثمانی بحریہ کو روسیوں کا راستہ روکنا تھا۔ پیٹر اعظم کے ارادے بہت خطرناک تھے۔ وہ سمندر اور خشکی ہر دونوں طرف سے سلطنت عثمانیہ پر ہلّہ بولنا چاہتا تھا۔ بے شک یورپی ساحلوں پر اس جنگ میں شامل ہونے کے لئے بہت سے آوارہ جہاز اکٹھے کئے جا رہے تھے لیکن وہ کوئی باقاعدہ جنگی بیڑا نہیں تھا جس کی سرکوبی کے لئے پورے کا پورا عثمانی بیڑا حرکت میں آتا۔ یہ سفیر برطانیہ اور عیسائی ساہوکاروں کی ایسی سازش تھی جو عثمانی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹا سکتی تھی۔ خشکی کے راستے جو پولینڈ، رومانیہ اور بلغاریہ سے گزرتے ہوئے سیدھے استنبول تک آ پہنچتے تھے، روسی اور آسٹروی افواج کے ملاپ کے لئے کھلے تھے۔ ادھر شہنشاہِ روس کی فوجیں پیش قدمی کرتیں اور ادھر آسٹروی شہنشاہ کا لشکر پورے جوش و خروش سے نکلتا تو درمیان میں موجود تمام عثمانی مقبوضات اور عثمانی افواج کو پیس کر رکھ دیا جاتا۔ عثمانی بری

Marfat.com

یا بحری افواج کا تمام تر زور ہمیشہ انہی علاقوں میں رہا تھا۔ گویا اگر عثمانی سلطنت کا شمال مغربی حصہ چھین لیا جاتا تو استنبول پر قبضہ کرنا ایک بالکل معمولی سا کام رہ جاتا۔ سلطان احمد ثالث حالات سے پوری طرح باخبر نہیں تھا۔ لیکن صدر اعظم بلط جی آنے والے خطرات کی بُو سونگھ رہا تھا۔ اس نے بار بار سلطان سے ایک بڑے لشکر کے کوچ کا حکم طلب کیا۔ وہ آسٹروی افواج کے پہنچنے سے پہلے روسی شہنشاہ کا استقبال کرنا چاہتا تھا اور یہ اسی صورت ممکن تھا جب پیٹر اعظم کی افواج کو سلطنت عثمانیہ کے شمالی صوبہ کریمیا میں ہی کہیں روک لیا جاتا۔ عثمان پاشا جو عثمانی سلطنت کا نائب صدر اعظم تھا، سلطان کے کان بھرتا رہا۔ یہاں تک کہ لشکر بھیجنے کے عمل میں زیادہ سے زیادہ تاخیر ہونے لگی۔

کپتان الفانسو کی نظر میں سلطنت کے سارے حالات گھوم گئے اور یہ سوچ کر اس کی روح کانپ گئی کہ اگر عثمانی بیڑا روسیوں کے راستے سے ہٹ گیا تو استنبول کو کسی قیمت پر نہیں بچایا جا سکتا کیونکہ اس حساب سے روسی بیڑا جب آبنائے باسفورس میں استنبول کی دیواروں تلے پہنچتا تو اس وقت روسی بیڑے کے استقبال کے لئے شاید ایک ترک سپاہی بھی وہاں موجود نہ ہوتا۔ کیونکہ پیٹر اعظم جو خشکی کے راستے سے ایک لاکھ تیس ہزار کا لشکر لے کر کریمیا کی جانب بڑھ رہا تھا، تمام ترکی افواج کو اپنے ساتھ مصروف کر لیتا۔ تمام ترکی افواج شمالی وادیوں میں مصروفِ جنگ ہوتی جبکہ پیچھے سے روسی بیڑا براہِ راست استنبول کی دیواروں سے جا لگتا۔ شہنشاہِ روس کا منصوبہ یہی تھا اور اس نے آسٹروی شہنشاہ کو بھی اسی مضمون کا ایک خط بھیجا تھا جس میں لکھا تھا۔

"اگر عثمانی افواج ہمیں کہیں روک لیتی ہیں تو بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہمارا بحری بیڑا بتدریج اپنا سفر جاری رکھے گا اور دس روز کے اندر اندر آبنائے باسفورس میں داخل ہو کر استنبول پر گولہ باری شروع کر دے گا۔ منصوبہ کے مطابق ہمارے لشکر بلغاریہ میں اکٹھے ہونے والے ہیں۔ لیکن فرض کریں ہمیں پہلے ہی ترک افواج روک لیتی ہیں تو آپ صرف چند روز ہمارا انتظار کرنے کے بعد استنبول کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھئے گا۔ ادھر ہم عثمانی افواج کو الجھائیں گے اور دیر تک مصروف رکھنے کی کوشش کریں گے، ادھر خشکی کے راستے استنبول کے دروازے پر پہنچنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ روسی بحری بیڑا

Marfat.com

اس وقت تک ہر قیمت پر آبنائے باسفورس میں داخل ہو چکا ہو گا۔ روسی توپ خانے کی موجودگی میں استنبول فتح کرنا آپ کے لئے ذرا بھر مشکل نہیں ہو گا۔''

کپتان الفانسو اس خط کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ کپتان الفانسو تو محض یہ جانتا تھا کہ اگر روسی بحری بیڑے کو بحر اسود میں کہیں نہ روکا گیا تو استنبول کو کوئی نہیں بچا سکتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ صدر اعظم بلطہ جی روسیوں کے ٹڈی دل لشکر کو روکنے کے لئے خشکی کے راستے شمال کی طرف بڑھنے والے ہیں۔ اگر روسی بحری بیڑا فوجوں کی غیر موجودگی میں آبنائے باسفورس تک پہنچ گیا تو عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور مسلمان پورے یورپ میں کہیں بھی باقی نہ رہیں گے۔ وہ ایک ماہر اور تجربہ کار سالار تھا چنانچہ اسے تمام حالات سمجھتے ہوئے دیر نہ لگی۔ اب اس کا فرض تھا کہ جیسا بھی ہو وہ ترکی بحریہ کو مغربی سمندروں میں بڑھنے سے روکے کیونکہ ان کا وہاں جانا بے مقصد تھا۔ ان کی یہیں زیادہ ضرورت تھی۔ بہت جلد روسی بحری بیڑا بحر ازف سے نمودار ہونے والا تھا جسے ہر قیمت پر روکنا ترکی بحریہ کے لئے بہت ضروری تھا۔

کپتان الفانسو نے دل میں فیصلہ کیا کہ جیسے بھی ہو وہ روسی چال کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

قیدیوں کو لانے والے سپاہی واپس چلے گئے۔ افرازون تاتاری جو اس ٹاپو کا ایک اکھڑ مزاج سالار تھا قیدیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''اچھا...... تو آپ لوگ عیسائیوں کے جاسوس ہیں۔ آپ شاید جانتے نہیں مجھے عیسائیوں سے کتنی نفرت ہے۔ افسوس کہ امیر البحر نے آپ لوگوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا ہے...... میں گزشتہ بیس سال سے اسی ٹاپو پر رہ رہا ہوں۔ یہ خانِ کریمیا کا خصوصی قید خانہ ہے۔ آپ لوگ مجھے داروغۂ زندان کہنا چاہیں تو بھی غلط نہیں ہو گا۔ اب آپ لوگ اس قلعے کے تہہ خانے میں تین ماہ تک میرے مہمان رہیں گے، جب تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمارا بیڑا جب عیسائی افواج کو شکست دے کر لوٹے گا تو آپ لوگوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔''

اتنا کہہ کر افرازون نے اپنے سپاہیوں کو الفانسو اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کا حکم دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ الفانسو نے انتہائی گرج دار اور بارعب لہجے میں افرازون سے کہا۔

Marfat.com

''تم اندھے ہو چکے ہو۔ غداروں کے ساتھ رہتے رہتے تمہاری آنکھوں کا پانی مر گیا ہے۔ اب تمہیں دکھائی نہیں دیتا، تمہارا غدار امیر البحر عثمانی بیڑے کو روسیوں کے راستے سے ہٹانے جا رہا ہے۔ عبداللہ پاشا کے یہاں سے ہٹنے کی دیر ہے کہ یہاں سے روسی جہاز دندناتے ہوئے گزر جائیں گے۔ تمہارے یہ روشنی گھران کی رہنمائی کریں گے اور وہ اپنے سفر کے دسویں روز استنبول کی دیواروں تلے ہوں گے۔ عبداللہ پاشا مغرب میں اکٹھے ہونے والے چند تجارتی جہازوں کے ساتھ جھک مارتا رہے گا اور قسطنطنیہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ تم ہمیں عیسائیوں کا جاسوس کہتے ہو؟ ہم جاسوس ہیں...... لیکن عیسائیوں کے نہیں، ہم عثمانی سلطنت کے صدر اعظم بلط جی کے جاسوس ہیں۔ یہاں بہت بڑی سازش ہو رہی ہے جسے توڑنے کے لئے ہمیں یہاں بھیجا گیا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں صرف امیر البحر ہی غدار نہیں ہے بلکہ تم جیسے بہادر تاتاری بھی عیسائیوں کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ کیا تمہاری کھوپڑی میں اتنی سی بات نہیں آتی کہ اتنے بڑے سمندر کو روسی جہازوں کے لئے خالی چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔''

الفانسو کی آواز میں بے پناہ غضب تھا۔ وہ کسی جنگلی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ افراز ون تاتاری کے چہرے پر تو شدید غصہ دکھائی دیا۔ لیکن پھر اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے الفانسو کی یہ بات بہت بری لگی جب اس نے کہا کہ...... تم جیسے بہادر تاتاری بھی عیسائیوں کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں بولا۔

''تاتاری کبھی نہیں بکتے۔ تم نے بہت باتیں کر لیں اور میں نے سن لیں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم صدر اعظم کے جاسوس ہو؟''

''ہمارے پاس صدر اعظم بلط جی کا خط ہے جو ابھی تک محفوظ ہے۔ تم ہمارے جہاز عقاب کے تہہ خانے کی چھت میں دائیں طرف کا ساتواں تختہ اکھیڑو، تمہیں وہاں ایک چرمی تھیلا ملے گا جس میں تمہیں صدر اعظم بلط جی کا وہ خط مل سکتا ہے جو انہوں نے ہمارے لئے خصوصی طور پر لکھا تھا۔ ہمارے پاس ایک اور خط بھی تھا جو صدر اعظم نے غدار امیر البحر عبداللہ پاشا کے لئے لکھا تھا۔ میں نے تمہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا دیا کہ میں عثمانی بحریہ کے کوچ کی خبر سن چکا ہوں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ تم اگر ایک سچے تاتاری ہو تو میری بات کا یقین کرو اور اسلام کی عظیم سلطنت کو عیسائیوں کی خوفناک سازش سے بچالو۔''

Marfat.com

افرازون تاتاری ہکابکا کھڑا کپتان الفانسو کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تذبذب تھا جیسے وہ کپتان کی باتوں پر یقین کر بھی رہا ہو اور نہ بھی کر رہا ہو۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے سوال کیا۔

”روسیوں کے پاس ایسا کون سا بحری بیڑا ہے جو استنبول سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہے۔ چند قزاقوں کے پاس دو دو چار چار جنگی جہاز ہیں جن سے وہ آبنائے میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ جبکہ مغرب میں تمام یورپی ممالک کے اتحاد سے ایک مشترکہ بحری بیڑا تیار کیا گیا ہے جسے روکنے کے لئے عبداللہ پاشا دو تین روز میں روانہ ہونے والا ہے۔ روسیوں کی کیا مجال کہ وہ یہاں سے گزریں۔ یہاں ہمارے قلعوں کے پانچ پانچ، دس دس جہاز ہی کافی ہیں۔ آپ کی کہانی چونکا دینے والی ضرور ہے لیکن شاید سچ نہیں۔ لیکن پھر بھی میں آپ کی بات کو مانتے ہوئے عقاب کے تہہ خانے کی تلاشی لوں گا۔ اگر سچ مچ آپ کے پاس ایسا کوئی سرکاری خط ہے تو پھر شاید میں اس بارے میں کچھ سوچوں۔ سردست آپ لوگوں کو قید کرنا میرا فرض ہے۔“

◆ ...... ◆

قلعے کے نیچے ایک وسیع تہہ خانہ تھا...... ایک تاریک اور ڈرا دینے والا مہیب زندان۔ تینوں قیدیوں کو زندان میں اتارا گیا۔ افرازون نے بتایا تھا کہ یہ خانِ کریمیا کا خصوصی زندان ہے جہاں وہ خطرناک قیدیوں اور بڑے دشمنوں کو رکھتا ہے۔ اس وسیع تہہ خانے کے بیچوں بیچ ایک چوک تھا اور چاروں طرف چار راہداریاں پچاس قدم تک آگے چلی گئی تھیں۔ راہداریوں کے ہر اطراف میں قیدیوں کے لئے چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنائی گئی تھیں۔ یہاں لائے جانے والے زیادہ تر قیدی بہت خطرناک اور اہم ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک کو الگ الگ کوٹھڑی میں بند کیا جاتا۔

شیراز، الفانسو اور صوفیہ کو بھی الگ الگ کوٹھڑیوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ایک ہٹے کٹے دیو جیسے داروغہ نے تینوں کوٹھڑیوں کے تالے بند کئے اور باہر کی طرف چل دیا۔ جس وقت یہ تینوں قیدی راہداریوں میں سے گزر رہے تھے تو انہیں اپنے علاوہ چند اور لوگ بھی یہاں اسیر نظر آئے۔ ان تینوں کے قدموں کی آواز سنتے ہی اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں یوں سیدھے ہو کر بیٹھ گئے جیسے چڑیا گھر کے جانور سلاخوں کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

Marfat.com

شیراز کے حصے میں جو کوٹھڑی آئی وہ خاصی بوسیدہ تھی۔ یہاں شاید ایک مدت سے صفائی نہیں کی گئی تھی۔ کوٹھڑی کی درمیانی دونوں دیواریں مٹی کی تھیں، چھت بھی مٹی کی تھی۔ البتہ جس طرف سے شیراز کو اس میں داخل کیا گیا تھا، وہ دیوار لوہے کی سلاخوں پر مبنی تھی۔ شیراز کو امید تھی کہ افرازون صدر اعظم کا خط دیکھنے کے بعد ضرور انہیں رہا کر دے گا۔ چنانچہ وہ یہاں قید ہو کر زیادہ پریشان نہ ہوا۔ جلد ہی شیراز کو محسوس ہوا جیسے اس کے ساتھ والی کوٹھی میں کوئی بوڑھا شخص شاید کھانس رہا تھا۔ شیراز چونک سا گیا۔ کیا یہاں کوئی بوڑھا شخص بھی قیدی تھا؟ شیراز چاہتا تھا کہ وہ بوڑھے شخص کو دیکھے۔ لیکن درمیان میں مٹی کی دیوار حائل تھی۔ شیراز نے درمیانی دیوار کو ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔ کچی دیوار جگہ جگہ بھرنا شروع ہو گئی۔ شیراز کو یوں لگا کہ اگر وہ محنت کرے تو اس دیوار میں کھرچ کھرچ کر سوراخ کر سکتا ہے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ساتھ والی کوٹھڑی میں کون قید ہے۔ یکا یک شیراز کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے اپنے پیر کا جوتا اتار کر اسے اکھیڑنا شروع کر دیا۔ اس کے بھاری چرمی بوٹ کی ایڑی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ شیراز نے پوری قوت سے جوتے کی ایڑی کو جوتے کے تلوے سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ اب لکڑی کی ایڑی شیراز کے ہاتھ میں تھی جس میں جگہ جگہ لوہے کی ابھری ہوئی نوک دار میخیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد شیراز دونوں کوٹھڑیوں کے درمیان دیوار کو کھرچ رہا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کی محنت سے شیراز نے درمیانی دیوار میں تقریباً پانچ انچ قطر کا سوراخ کر دیا۔ اب وہ ساتھ والے قیدی کو پکار رہا تھا۔ زندان میں بے شک تاریکی تھی لیکن یہ تاریکی دراصل ہر وقت ایک ملگجے اندھیرے کی صورت میں چھائی رہتی۔ کیونکہ دور تہہ خانے کے چوک میں ایک بھاری مشعل ہمہ وقت روشن رہتی جو چوک کے بیچوں بیچ یوں نصب تھی جیسے کسی نے موٹی چھڑی کے سر پر آگ کا پیالہ رکھ دیا ہو۔ بھڑ بھڑاتی ہوئی روشنی چاروں راہداریوں میں رات اور دن کے وقت ایک جیسی ہی پہنچتی۔ شیراز نے اپنے پڑوسی کو پکارا۔

''ارے بھائی!......ارے بزرگ بھائی! تم کون ہو؟ تمہاری کھانسی کی آواز سن کر ایسا لگتا ہے کہ تم بوڑھے آدمی ہو...... کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے؟ مجھے بتاؤ! شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔''

وہ سچ مچ بوڑھا شخص تھا۔ اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ دیوار کے نزدیک آ گیا۔ شیراز نے اس کے ہیولے کو غور سے دیکھا۔ وہ ایک دراز قد، دبلا پتلا معمر شخص

Marfat.com

تھا اور ملگجے اندھیرے میں موجود ہلکی سی روشنی کی لو میں شیراز نے اس کے چہرے پر بڑھی ہوئی داڑھی بھی دیکھی تھی۔ شیراز نے اسے پھر مخاطب کیا۔

''میرا نام شیراز ہے...... تمہارا نام کیا ہے؟''

شیراز نے رسمی انداز میں اپنا تعارف کروانے کے بعد اس کی بابت پوچھا تو اس نے ایک بھاری اور بارعب آواز میں شیراز سے سوال کر دیا۔

''شیراز؟؟...... کیا تم ایرانی ہو؟...... تمہارا اندازِ گفتگو تو ایرانیوں جیسا نہیں۔ پھر تمہارا نام ایرانی طرز کا کیوں؟''

شیراز اس بوڑھے کو اپنا نام بتا چکا تھا اور اب مزید کچھ نہ بتانا چاہتا تھا، جب تک وہ بوڑھا بھی شیراز سے اپنا تعارف نہ کروا دیتا۔ چنانچہ شیراز نے کہا۔

''میں تب تک آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک آپ بھی اپنا نام نہ بتا دیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ اور کس جرم کی سزا کے طور پر آپ کو یہاں قید کیا گیا ہے؟''

شیراز کی بات سن کر بوڑھا شخص کچھ دیر خاموش ہوا اور پھر چند ثانیے بعد کہنے لگا۔

''میں ارسلان پاشا ہوں...... عثمانی بحریہ کا سابق امیر البحر۔ میری قیادت میں ہی عثمانی بحریہ کا بیڑا تیار کیا گیا تھا اور میں ہی اسے بحر اسود میں یہاں تک لایا تھا۔ لیکن احمد ثالث کے تخت نشین ہوتے ہی اچانک میرے نائب عبداللہ پاشا نے مجھے گرفتار کر لیا اور یہاں لا کر قید کر دیا اور اب میں گزشتہ سات سال سے یہاں قید ہوں۔ خدا جانے سلطنت عثمانیہ کی کیا حالت ہے۔ مجھے باہر کی کچھ خبر نہیں۔''

بوڑھے ارسلان پاشا کا تعارف سن کر شیراز کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا کہ سابق دور کا امیر البحریوں کسمپرسی کی حالت میں قید و بند کی زندگی گزار رہا ہو گا۔ شیراز نے فوراً بوڑھے قیدی سے سوال کیا۔

''آپ کو کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی گئی؟''

لیکن اس سے پہلے کہ بوڑھا قیدی جواب دیتا اس نے شیراز سے پوچھا۔

''پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ...... تمہیں کس جرم کی سزا میں قید کیا گیا؟''

اب شیراز کی باری تھی۔ شیراز نے اپنی آواز قدرے دھیمی رکھتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''میں مقدونیا کا رہنے والا ہوں...... ہمیں عیسائیوں کا جاسوس سمجھ کر قید کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہمارا تعلق براہِ راست صدرِ اعظم سے ہے۔ عبداللہ پاشا عثمانی بیڑے کو یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے کیونکہ یہاں سے پیٹر اعظم کا بیڑا استنبول پر یلغار کرنے کے لئے گزرنے والا ہے۔ ہمیں یہاں اس سازش کا سدباب کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن غدار عبداللہ پاشا کو ہم پر شک ہو گیا اور ہمیں قید کر لیا گیا۔ لیکن ہم پریشان نہیں ہیں۔ کپتان الفانسو نے افرازون تاتاری کو وہ خط دکھانے کے لئے اس جہاز پر بھیج دیا ہے جس کے ذریعے ہم یہاں آئے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ افرازون کی آنکھیں کھل گئیں تو وہ ہماری مدد کے لئے تیار ہو جائے گا۔''

''افرازون؟...... وہ اکھڑ مزاج شخص جو یہاں کا سالار ہے...... وہ ایک دو بار آیا تھا یہاں، مجھ سے ملنے۔ وہ میرے ماتحت کام کر چکا ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ خانِ کریمیا کا نمک خوار ہے۔ میں نے اُسے لاکھ بتایا کہ عبداللہ پاشا غدار ہے، میں نہیں...... لیکن اس نے میری بات کبھی نہیں سنی۔ اگر تم اسے حقیقت بتانے میں کامیاب ہو جاؤ تو یہ بہت بڑی بات ہو گی۔ میں جانتا ہوں افرازون ضدی اور اکھڑ ہے لیکن وہ غدار نہیں۔ میں اسے گزشتہ بیس سال سے جانتا ہوں۔''

اب شیراز قید خانے کے ماحول سے مانوس ہو چکا تھا...... اُسے بوڑھے ارسلان پاشا کی شکل کسی قدر واضح دکھائی دینے لگی تھی۔ ارسلان پاشا سفید ریش تھا لیکن اس کی مردانہ وجاہت آج بھی قائم تھی۔ سات سال ایک ہی کوٹھڑی میں قید رہنے کے باوجود وہ ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل سلامت تھا۔ یہ اس کے ایک سخت جان سپاہی ہونے کی علامت تھی۔ شیراز ابھی ارسلان پاشا سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ بوڑھا ارسلان پاشا پہلے بول اٹھا۔

''تم نے اپنی بات میں ابھی کسی کپتان کا نام لیا۔ غالباً کپتان الفانسو...... کیا یہ وہی الفانسو تو نہیں جو ''حسین کوپریلی'' کا دست راست تھا۔ اگر یہ وہی ہے تو میں اس شخص کو جانتا ہوں۔ یہ ایک ماہر سمندری ملاح اور بہادر سپاہی ہے۔ اگر تم لوگ افرازون کو اصل حقائق سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تو میں سمجھوں گا کہ سلطنت عثمانیہ کے دن ابھی باقی ہیں۔''

سلطنت کے حالات، روسی اور عثمانی فوج کی پیش قدمیاں، آسٹروی فوج کی تازہ صورتحال، استنبول میں ہونے والے واقعات...... اور اپنی اپنی ذاتی کہانیاں سناتے ہوئے شیراز اور اس کے پڑوسی قیدی ارسلان پاشا نے سارا دن گزار دیا۔ تہہ خانے میں دن اور رات

Marfat.com

کا پتہ تو چلتا نہیں تھا لیکن ایک اندازے سے کہا جا سکتا تھا کہ باہر چٹانی ٹاپو پر رات کی تاریکی اپنی چادر پھیلانے لگی تھی۔ اس دوران زندان کے ہٹے کٹے ملازم نے سب قیدیوں کے سامنے یوں کھانا پھینکا جیسے وہ کسی چڑیا گھر کے جانور ہوں۔

لیکن جب رات ہوئی تو نئے قیدیوں کے حق میں تقدیر کا فیصلہ بدل چکا تھا۔ افرازون تاتاری کئی ماہ بعد آج خود تہہ خانے میں اترا تھا اور اپنے نئے قیدیوں کو بڑے احترام کے ساتھ رہا کر کے اپنے ہمراہ لے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کپتان الفانسو، صوفیہ اور شیراز اوپر قلعے کے ایک کمرے میں افرازون کے نزدیک بیٹھے اُسے اپنے حالات کی تفصیل سنا رہے تھے۔ افرازون سچ مچ ایک کھرے دل کا انسان تھا۔ جونہی اسے صدر اعظم کا خط پڑھنے کو ملا اس کی تمام غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور اب وہ خود کو ''کریمین جنگ'' کا سب سے اہم شخص سمجھنے لگا تھا۔ سچ بھی یہی تھا کہ اب جو کچھ کرنا تھا اس اکھڑ مزاج تاتاری کو ہی کرنا تھا۔ عبداللہ پاشا کے بیڑے کو مغرب کی جانب کوچ سے روکنا آسان نہیں تھا اور فی الحقیقت یہ ذمہ داری اب افرازون تاتاری کے سر آ پڑی تھی۔ وہ کپتان الفانسو اور شیراز کی تمام کہانی سن کر شش و پنج میں پڑ گیا۔ ابھی اس کے دیدے گہری سوچ میں غوطے کھا رہے تھے کہ اسے شیراز کی آواز سنائی دی۔

''اس کے علاوہ ایک اور اہم بات بھی ہے جو آپ کو بتانا باقی ہے۔ آپ نے اپنے قید خانے میں سابق امیر البحر ارسلان پاشا کو سات سال سے قید کر رکھا ہے اور کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ سچ کے راستے پر تھا یا غداری کے......''

شیراز کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ کپتان الفانسو جیسے اپنی نشست پر اچھل پڑا۔

''کیا؟؟...... کیا ارسلان پاشا زندہ ہے؟ ...... یہ نہیں ہو سکتا...... وہ تو آج سے سات سال پہلے ایک سمندری طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ دارالسلطنت میں جب اس کی موت کی خبر پہنچی تھی تو میں اس وقت وہیں تھا...... کیا ارسلان پاشا اسی قید خانے میں ہے؟...... لیکن شیراز! تم نے اسے کیسے پہچانا؟''

افرازون تاتاری بھی حیرت سے سر اٹھا کے شیراز کی جانب دیکھ رہا تھا اور صوفیہ کی بھی یہی حالت تھی۔ شیراز نے اپنے جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے افرازون کو بتایا کہ اس نے کوٹھڑی کی درمیانی دیوار کھرچ کر کس طرح ارسلان پاشا کو دریافت کیا۔ افرازون تاتاری

Marfat.com

شیراز کی اس حرکت پر ذرا بھی برہم نہ ہوا بلکہ انتہائی مضطرب انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بے شک...... بے شک!...... اس مشکل موقع پر وہی شخص ہی ہماری کمان سنبھال سکتا ہے۔ آج مجھے یقین آیا کہ بوڑھا ارسلان پاشا بے گناہ تھا اور عبداللہ پاشا غدار۔ کاش مجھے پہلے یہ خیال آیا ہوتا تو میں غدار امیر البحر کا سر اُڑا کر سابق امیر البحر ارسلان پاشا کو رہا کر دیتا۔ غلطی میری ہے۔ میں نے دیر کر دی۔"

وہ اضطراب سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا...... اسی اثناء میں الفانسو نے پھر کہا۔

"بے شک...... عظیم امیر البحر ارسلان پاشا ہی ایسا شخص ہے جو نہ صرف موجودہ حالات کو سنبھال سکتا ہے بلکہ روسی بحری بیڑے کو آگے بڑھنے سے بھی روک سکتا ہے۔ ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن میں حیران ہوں افرازون تم پر...... کہ تم نے اسے جانتے بوجھتے ہوئے قید رکھا۔ جبکہ تم یہ سن چکے تھے کہ عبداللہ پاشا نے اس کی موت کی خبر پھیلائی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ عبداللہ پاشا جھوٹا اور غدار ہے۔"

"نہیں...... عبداللہ پاشا نے ارسلان پاشا کی موت کی خبر جھوٹی نہیں پھیلائی تھی۔ اس رات فی الحقیقت ایک طوفان نے ہمیں آ لیا تھا۔ میں عبداللہ پاشا کے حکم پر سابق امیر البحر ارسلان پاشا کو لے کر سمندر میں نکلا تاکہ اسے قتل کر کے اس کی لاش مچھلیوں کے آگے پھینک دوں۔ لیکن میرا دل نہ مانا۔ میں نے خود اسے بچایا۔ البتہ عبداللہ پاشا نے اس کے خلاف اتنے مضبوط دلائل دیئے تھے کہ میں خود اسے آج تک غدار ہی سمجھتا رہا۔ یہ تو اس کی سابقہ خدمات کی وجہ سے میرے دل میں اس کی عزت تھی اور میں نے اسے یہاں کے گم نام قید خانے میں اسیر کر لیا۔ شاید تقدیر کو یہی منظور تھا اور تقدیر آج کے نازک دن سابق امیر البحر سے کام لینا چاہتی تھی۔ میری رگوں میں تاتاری خون دوڑ رہا ہے اور میں خواب میں بھی غداری کا نہیں سوچ سکتا۔ اب جب مجھ پر عبداللہ پاشا کی حقیقت کھل چکی ہے، میں صدر اعظم بلطہ جی کا تصدیق نامہ بھی دیکھ چکا ہوں اور سلطنت کے تمام جنگی حالات بھی میرے سامنے ہیں تو قسم ہے مجھے میرے پروردگار کی! میں غدار عبداللہ پاشا کے مذموم مقاصد پورے نہیں ہونے دوں گا بلکہ آج، ابھی سابق امیر البحر ارسلان پاشا کو رہا کرتا ہوں تاکہ سب مل کر آئندہ حکمت عملی طے کر سکیں۔"

اتنا کہہ کر افرازون بوڑھے ارسلان پاشا کو لینے چل دیا۔ افرازون کے کمرے سے باہر

Marfat.com

جاتے ہی شیراز نے اطمینان بھری سانس لی۔ یوں گویا انہوں نے صدر اعظم کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داری کامیابی سے سنبھالی تھی۔ یہ سچ تھا، افرازون جیسے ایک مضبوط سپاہی کو اپنے ساتھ ملا لینا کچھ کم کامیابی نہ تھی۔ افرازون اس عثمانی ٹاپو پر اتنے عرصے سے مقیم تھا کہ ترکی سپاہی اس ٹاپو کو ''جزیرہ افرازون'' کے نام سے جانتے تھے۔ گویا جزیرے کا نام افرازون کے نام پر پڑ چکا تھا۔ وہ ایک خالص النسل تاتاری تھا جس کی چوڑی چکلی پیشانی، گہری آنکھیں، سرخ وسفید چہرہ اور معمولی سی چپٹی ناک اس کے منگول ہونے کا ثبوت تھی۔ وہ جب اپنی سرخ سرخ آنکھیں نکالتے ہوئے اپنی بڑی بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتا تو سامنے کھڑے شخص پر خواہ مخواہ رعب طاری ہونے لگتا۔ لیکن افرازون دل کا برا نہیں تھا۔ وہ ظاہری طور پر بھی برا نہیں تھا۔ وہ ایک شجاع اور واضح دماغ کا کریمیائی سردار تھا۔ آج سے بیس سال پہلے خانِ کریمیا نے اُسے اس قلعے کا سالار مقرر کیا تھا۔ تب سے اب تک وہ ہمیشہ یہیں مقیم رہا تھا۔

جلد ہی افرازون، بوڑھے امیر البحر ارسلان پاشا کو لئے کمرے میں داخل ہوا۔ ارسلان پاشا پر نظر پڑتے ہی الفانسو ہکا بکا رہ گیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا تھا کہ ارسلان پاشا اتنے سال کی قید کے بعد بھی ویسے کا ویسا ہی تھا۔ وہی قد، وہی چہرہ بشرہ، وہی گھنی سفید داڑھی اور وہی چال ڈھال۔ فرق تھا تو صرف یہ کہ وہ پہلے کی نسبت قدرے دبلا ہو گیا تھا۔ الفانسو والہانہ جوش کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے اٹھا۔ بے ساختہ الفانسو کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

''امیر البحر......''

ارسلان پاشا الفانسو پر نظریں جما کر رک گیا اور الفانسو کے چہرے کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے دھیمی آواز میں بولا۔

''تم بھی نہیں بدلے......لگتا ہے اب بھی کسرت کرتے ہو۔ یاد ہے، ہم پہلی بار کہاں ملے تھے؟''

الفانسو کی آنکھیں چمکنے لگیں......تو گویا ارسلان پاشا نے اسے پہچان لیا تھا۔ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ ابھی تک یہ پرانے دوست ایک دوسرے سے گلے نہ ملے تھے لیکن صوفیہ اور شیراز کو لگتا تھا کہ دونوں بچھڑے ہوئے دوست جوشِ جذبات میں ابھی بغل گیر ہوں گے۔ الفانسو نے ارسلان پاشا کی بات کا جواب دیا۔

Marfat.com

"مجھے یاد ہے...... ہم پہلی بار بحر روم میں ملے تھے۔ شاید اس وقت تم امیر البحر نہیں تھے۔ ہاں! مجھے یاد آیا، تمہارے ساتھ تمہارا جوان بیٹا بھی تھا جو بعد میں ایک جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ ارسلان! تم کیسے زندہ ہو گئے؟ میں نے تو یہ سنا تھا کہ سمندر تمہیں کھا گیا۔"

"ہا ہا ہا!...... الفانسو، کیا میرے جیسی ٹھیٹھ ہڈی کے انسان کو کوئی بلا نگل سکتی ہے، تم کہتے ہو سمندر کھا گیا۔ مجھے تو افرازون کا زیرزمین تہہ خانہ بھی نہیں کھا سکا۔"

ارسلان پاشا نے قہقہہ لگاتے ہوئے الفانسو سے بات کی۔ اب وہ دونوں زیادہ انتظار کرنے والے نہیں تھے۔ دونوں بزرگ ہلکے ہلکے قہقہے لگاتے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ شیراز اور صوفیہ کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں آنسوؤں کی ننھی ننھی بوندیں دکھائی دے رہی تھیں۔ الفانسو اور ارسلان دیر تک بغل گیر رہے اور پھر جب الگ ہوئے تو افرازون نے سب کو بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ کمرے کے فرش پر بچھے دبیز قالین پر عثمانی بحریہ کے لئے نئی بساط بچھائی جانے لگی۔ بات کا آغاز ارسلان نے کیا۔

"جب افرازون نے مجھے قتل نہ کیا اور تہہ خانے میں ڈال دیا تو میں اسی روز سمجھ گیا تھا کہ خالقِ عالم نے مجھے کسی بڑے مقصد کے لئے زندہ رکھا ہے۔ تب سے اب تک میں ہر روز منتظر رہا لیکن ایک دن بھی مایوس نہیں ہوا اور پھر دیکھو! جیسا میں نے سوچا تھا، وہی ہو رہا ہے۔ جو حالات شیراز نے مجھے بتائے ان کی رو سے سلطنت عثمانیہ ایک بھیانک موت کا شکار ہونے والی ہے۔ میرا اللہ پر بھروسہ ہے۔ اسی نے مجھے آج کے دن کے لئے زندہ رکھا اور وہی اللہ اس سلطنت کی بھی حفاظت کرے گا۔"

ارسلان پاشا کی بات سن کر افرازون تاتاری کی آنکھوں میں چمک دکھائی دی۔ ارسلان پاشا ترک نسل سے تھا اور افرزون تاتاری نسل کا۔ سینکڑوں سال پہلے یہ دونوں نسلیں چچازاد نسلوں کے طور پر سامنے آئی تھیں۔ افرازون جانتا تھا کہ ترک بھی تاتاریوں کی طرح بہادر اور مردِ میدان ہیں۔ ارسلان پاشا کے منہ سے امید افزا باتیں سن کر افرازون خوش ہونے لگا۔ اسی اثناء میں شیراز نے کہا۔

"ہمیں جو کچھ کرنا ہے جلد کرنا ہے...... شہنشاہِ روس کی فوجیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں لیکن اس کی بحریہ اس انتظار میں ہے کہ بحر اسود کے بیچوں بیچ سے عثمانی بیڑا کب مغرب کی جانب سرکتا ہے کہ وہ بحر اسود کا راستہ اپنے لئے کھلا پا سکیں۔

Marfat.com

سلطان احمد ثالث یا دوسرے عمائدین سلطنت روس کی بحری طاقت سے بے خبر ہیں لیکن صدر اعظم بلط جی روسی بحری بیڑے کے وجود سے باخبر ہیں۔ ہم یہاں صرف اسی لئے بھیجے گئے تاکہ غدار امیر البحر کو ہٹا کر کسی بہادر اور مناسب سالار کو امیر بنا دیں۔ میں آپ کو یہ حالات نیچے قید خانے میں بھی بتا چکا ہوں۔ اب آپ کی رائے اور حکم کے منتظر ہیں۔''

شیراز جب بات کر رہا تھا تو ارسلان کی نگاہیں شیراز کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ بات کے اختتام پر ارسلان پاشا نے نظریں ہٹائیں اور الفانسو کی جانب متوجہ ہو کر کہا۔

''الفانسو! تمہاری بیٹی بہت خوبصورت ہے۔ میں سوچ رہا تھا، شیراز اور تمہاری بیٹی کی جوڑی خوب جچے گی۔ لیکن پھر خیال آیا کہ تم تو مذہبا مسلمان نہیں ہو...... کیا سچ مچ تم ابھی تک عیسائی مذہب پر قائم ہو؟''

الفانسو سے اس کا مذہب پوچھنے کا یہ انداز بالکل انوکھا تھا۔ الفانسو مسکرا دیا اور بولا۔

''الحمد للہ...... میں چند روز قبل اسلام قبول کر چکا ہوں۔''

الفانسو نے بات کی تو ارسلان پاشا نے پھر پوچھا۔

''اور تمہاری بیٹی؟''

''میری بیٹی اپنے عمل میں آزاد ہے...... وہ جس مذہب پر چاہے قائم رہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

باپ کے منہ سے یہ جملہ سن کر صوفیہ اپنی جگہ جزبز ہو کر رہ گئی اور پھر کچھ دیر ٹپٹانے کے بعد کہنے لگی۔

''میں بھی مسلمان ہوں...... آج کی نہیں، نہ جانے کب کی۔ کیا مسلمان ہونے کے لئے رسمی طور پر اسلام قبول کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو میں ابھی اسلام قبول کرتی ہوں۔ بتائیے مجھے اسلام کیسے قبول کرنا ہوگا؟''

صوفیہ کے انداز اور اس کی بات پر سب ہنس دیئے۔ ارسلان پاشا نے پیار بھری نظروں سے صوفیہ کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''اسلام قبول کرنے کے لئے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ بس جیسا تم نے کہا ویسا ہی ٹھیک ہے۔ لیکن اب بعض اسلامی تعلیمات حاصل کرنا تمہارا فرض بنتا ہے جو تم اپنے جیون ساتھی کے ساتھ رہ کر بھی پورا کر سکتی ہو...... ہاں تو الفانسو! کیا تمہیں یہ جوڑی پسند ہے؟''

Marfat.com

الفانسو ہنس تو دیا لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر ان باتوں کے کرنے کا یہ کون سا وقت ہے۔ بالآخر اس نے کسی قدر سنجیدہ ہوتے ہوئے ارسلان پاشا سے پوچھا۔

”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہمیں اس وقت عثمانی بحریہ کو ایک لایعنی سفر سے روکنا ہے۔ یہ شیراز اور صوفیہ کی شادی کا وقت نہیں۔“

”یہی وقت ہے...... میں نے جان بوجھ کر تم سب سے پہلی بات یہی پوچھی۔ دراصل شیراز کی زبانی تمام تفصیلات سننے کے بعد میں نے پیش آمدہ حالات کے لئے اپنی منصوبہ بندی مکمل کر لی ہے۔ مجھے بحری بیڑے پر ایک بااعتماد اور بھروسہ مند ساتھی کی ضرورت ہے جو تمہارے علاوہ شاید اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمہارے ساتھ تمہاری جوان بیٹی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری جوان بیٹی اہم مواقع پر تمہاری توجہ ہٹانے کا باعث بنے۔ تم اس کی شادی کر دو گے تو خود کو آزاد پنچھی محسوس کرو گے اور بحری جنگ میں میرے شانہ بشانہ تمام ذمہ داریاں نبھا سکو گے۔

اب دوسری بات...... دوسری بات یہ ہے کہ میں اپنے ایک بااعتماد ساتھی کو شہنشاہِ روس کی پیدل فوج تک بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ شہنشاہِ روس آخر وقت تک یہی سمجھے کہ اس کا بحری بیڑا کھلے سمندر سے بآسانی گزر جائے گا۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا اور پیٹر اعظم کو بروقت پتہ چل گیا کہ اس کا بحری بیڑا عثمانی بحریہ سے ٹکرا گیا ہے تو وہ مغربی ساحلوں پر کھڑے یورپی بیڑے کو استنبول کی جانب روانہ کر دے گا۔ ہم یہاں روسی بحریہ کو بے شک ڈبو دیں گے لیکن یورپی بیڑا جو زیادہ تر تجارتی جہازوں پر مشتمل ہے اپنا رخ استنبول کی جانب سیدھا کر لے گا۔ استنبول میں اس وقت بحری دفاعی طاقت نام کو باقی نہیں۔ یورپ کا کمزور بیڑا بھی استنبول کو تسخیر کر سکتا ہے۔ ہمیں سب کچھ حکمت عملی سے کرنا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں شیراز اور صوفیہ یہاں سے نزدیکی اسلامی صوبہ کریمیا جائیں۔ کریمیا سے وہ راستہ نزدیک ہے جہاں سے پیٹر اعظم کی زمینی فوج گزرنے والی ہے۔ پیٹر اعظم کو گمراہ کرنے کا یہی ایک حل ہے کہ شیراز اور تمہاری بیٹی بھیس بدل کر شہنشاہِ روس کے پاس پہنچیں اور اس کو بحر اسود کی طرف سے بےفکر کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں ان دونوں کی شادی کر دینے کا مشورہ دیا کیونکہ شیراز نے مجھے کوٹھڑی میں سب باتیں تفصیل سے بتا دی تھیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس شادی

Marfat.com

کے حق میں ہو۔"

صوفیہ کا چہرہ حیا سے لال ہونے لگا۔ وہ اپنی جگہ کسمسائی۔ وہ اٹھ کر باہر جانا چاہتی تھی لیکن اس عمارت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر ہی چھوئی موئی ہو کر بیٹھ گئی۔ ارسلان پاشا کی بات ختم ہوئی تو افرازون تاتاری نے با آواز بلند کہا۔

"واہ...... سبحان اللہ...... امیر البحر نے رہا ہوتے ہی کتنا احسن فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اب مجھے یقین ہے کہ ہم ناکام نہیں ہوں گے۔"

افرازون کا انداز ہنسا دینے والا تھا۔ سب ہنسنے لگے۔ کچھ دیر بعد الفانسو نے کہا۔

"ٹھیک ہے...... اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں جو تم نے کیں اس صورت میں پیش آئیں گی جب ہم نے غدار عبداللہ پاشا کو ہٹا کر تمہیں امیر البحر بنا دیا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کیا ہم تین چار لوگ عثمانی بحریہ کے سربراہ کا تختہ الٹنے میں کامیاب ہو پائیں گے؟...... اس سلسلے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

الفانسو کا سوال معقول تھا لیکن ارسلان پاشا نے بے پرواہی سے کہا۔

"اس کام میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ عثمانی بحریہ کے تمام پرانے سپاہی اور افسر مجھے دیکھتے ہی ساری حقیقت سمجھ جائیں گے۔ بس ہمیں صرف عبداللہ پاشا کو قابو کرنا ہے اور اس کام میں افرازون اور اس کے با اعتماد سپاہی ہمارا ساتھ دیں گے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، صرف کل کا دن درمیان میں ہے، پرسوں کسی بھی وقت بحری بیڑا اپنے لنگر اٹھا لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تم سے تمہاری بیٹی اور شیراز کی شادی کی بات پہلے کی۔"

الفانسو دل ہی دل میں سابق امیر البحر کی قابلیت کا پھر سے قائل ہو گیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"لگتا ہے افرازون کی تاریک کوٹھڑی میں رہ کر امیر البحر کی مخفی صلاحیتیں مزید کندن بن گئی ہیں۔"

اسی اثناء میں افرازون نے خوش دلی سے کہا۔

"میں چاہوں گا کہ اس مبارک شادی کی رسم میرے غریب خانے پر ادا کی جائے۔ میری بیوی اور بیٹیاں اس موقع پر بہت خوش ہوں گی۔"

الفانسو نے چونک کر افرازون کی جانب دیکھا۔

Marfat.com

"بیٹیاں؟...... تمہاری کتنی بیٹیاں ہیں؟"

افرازون نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"میری سات بیٹیاں ہیں...... بیٹا کوئی نہیں۔ شیراز کی شادی اپنے گھر میں کر کے شاید میرے اس احساس کو تسکین پہنچے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟ اس نیک کام کا آغاز کب کیا جائے؟"

افرازون کی بیٹیوں کا سن کر صوفیہ کو یوں لگا جیسے اس ویرانے پر وہ اکیلی عورت نہیں بلکہ اس کی ہم جنس اور بھی موجود ہیں۔ وہ مزید خوش ہو گئی۔ ارسلان پاشا نے افرازون سے کہا۔

"آج ہی...... بلکہ ابھی یہ کام ہمیں مکمل کرنا ہو گا۔ یہی نہیں، صوفیہ چند روز تمہاری بیٹیوں کے ساتھ تمہارے گھر میں ہی رہے گی۔ جب تک ہم بیڑے کا کوچ روکنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے اور انقلاب کے بعد کے حالات کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے لیتے۔ شیراز بھی ہمارے ساتھ بیڑے پر رہے گا۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ تمہارا گھر اسی جزیرے پر ہے۔ صوفیہ کا دل بہلا رہے گا۔"

صوفیہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی کہ تقدیر بھی کتنی عجیب چیز ہے۔ وینس میں پیدا ہونے والی ایک عیسائی لڑکی کو کہاں کہاں سے گھما گھما کر اس جزیرے پر کھینچ لائی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ عمل پذیر ہونے جا رہا تھا۔ صوفیہ اپنے بدن میں عجیب سی ترنگ محسوس کرنے لگی۔ شیراز کا ساتھ اس کا خواب تھا۔ پہلے روز ہی شیراز نے اس کا دل جیت لیا تھا۔ وہ تو کب کی شیراز کی ہو چکی تھی۔ جسموں کا ملاپ باقی تھا، سو وہ بھی ہونے جا رہا تھا۔ صوفیہ کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔

اور پھر وہی رات جو صوفیہ اور شیراز کو تاریک زندان کی کال کوٹھڑی میں گزارنی تھی ان دونوں کی سہاگ رات بن گئی۔ قلعے کی عمارت سے اٹھ کر وہ سب افرازون کے گھر آ گئے جو قلعے کے عقب میں ایک پتھروں سے بنا انتہائی خوبصورت مکان تھا۔ افرازون کی بیٹیوں کے لئے تو جیسے عید ہو گئی۔ اس کی چار بڑی بیٹیاں جوان تھیں اور تین چھوٹی جوان ہونے والی تھیں۔ صوفیہ نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی شادی یوں شاندار طریقے سے منائی جائے گی۔ افرازون کی بیٹیوں نے حسین صوفیہ کو پل بھر میں دلہن بنا دیا۔ ساتوں لڑکیوں نے اپنے من کے ارمان بھی صوفیہ پر پورے کئے اور اسے نئے عروسی جوڑے میں عمدہ زیورات کے ساتھ کسی ہندوستانی دلہن کی طرح سجا دیا۔

Marfat.com

افرازون کا گھر خاصا کشادہ تھا۔ افرازون نے اپنے چند دیگر با اعتماد ساتھیوں کو طلب کر کے اس چھوٹی سی دعوت میں شریک کر لیا۔ عمر رسیدہ ارسلان پاشا نے لڑکی اور لڑکے کو نکاح کے بندھن میں باندھ کر ہمیشہ کے لئے ایک کر دیا۔ افرازون نے عمدہ کھانے کے ساتھ مہمانوں کی تواضع کی اور جزیرے پر موجود تمام سپاہیوں کو اگلی صبح انعامات سے نوازنے کا اعلان کیا۔ آن کی آن میں کیا ہو گیا......

گھر سے ہزاروں میل دور بحر اسود کے شمالی کنارے کے نزدیک ایک چھوٹے سے فوجی جزیرے پر شیراز اور صوفیہ کو اچانک شب وصال نصیب ہو گئی۔ دونوں عجیب طرح کے احساسات کا شکار تھے۔ کئی ماہ تک ایک ساتھ رہے، ایک ہی گھر میں، دن رات ایک دوسرے کے پاس رہتے لیکن نہ جانے آج کیا ہو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ افرازون کی بیٹیوں نے دلہن کا کمرہ بھی خوب سجا دیا تھا۔ شیراز کمرے میں داخل ہوا تو اس کے بدن میں عجب طرح کی سرشاری تھی۔ اس کی دلہن اس کے سامنے ہلکا سا گھونگھٹ اٹھائے بیٹھی اسے شرارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شیراز کو افرازون نے تحفے میں ایک نایاب شمشیر دی تھی۔ شیراز نے اپنے تحائف ایک طرف میز پر رکھے اور صوفیہ کے نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا۔

"رفیق حیات کی طرف سے نئی زندگی کا پہلا سلام قبول کرنا...... میری ماں مجھ سے بہت دور ہے ورنہ میں......ہم دونوں کے لئے اس سے دعا لیتا...... جانتی ہو، آج اس حسین موقع پر مجھے سب سے زیادہ کون یاد آیا......سکندر!...... وہ میرا یار تھا۔ میرا دل کہتا ہے سکندر شہید نہیں ہوا۔ کیا تمہارا دل بھی یہی کہتا ہے؟"

صوفیہ کے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس کا سر دھیرے سے اوپر اٹھا اور پلکیں ابروؤں کو چھونے لگیں۔ شیراز دنگ رہ گیا۔ وہ صوفیہ نہیں تھی...... وہ تو وینس کے کسی مندر کی مورتی تھی جسے سنگ مرمر سے تراشا گیا تھا۔ نہیں...... سنگ احمر سے...... یا پھر ان دونوں رنگوں کی آویزش تھی اس کے ملائم حسن میں۔ آج صوفیہ کی آنکھوں میں ایک عجب نور تھا۔ وہ شیراز کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"سکندر زندہ ہے، اس دنیا میں یا اُس دنیا میں...... یہ دنیائیں تو محض وقت کا احساس ہیں۔ کیا کوئی مرتا ہے؟ کوئی بھی نہیں مرتا۔ اگر سکندر طوفان کی نذر ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب

Marfat.com

نہیں کہ وہ مر گیا ہے۔ وہ زندہ ہے کیونکہ وہ شہید ہے...... یہی کچھ سیکھا ہے میں نے آپ سے۔ یہ آپ کی ہی بتائی ہوئی باتیں ہیں۔"

"آپ......؟"

شیراز کے منہ سے صرف ایک لفظ نکلا اور پھر وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

"آپ کہہ کر پکارا تم نے مجھے...... بہت خوب! ابھی چند ساعت پہلے تو میں تمہارے لئے تم تھا۔ یہ چند لمحوں میں کیا ہو گیا...... میں تمہارے لئے آپ ہو گیا۔ کیا تم بھی تکلفات کو ضروری سمجھتی ہو؟ میاں بیوی کو تو دوستوں کی طرح رہنا چاہئے۔"

"ہاں...... دوستوں کی طرح رہنا چاہئے لیکن دونوں میں سے کوئی ایک تو امیر سفر ہو گا ہی۔ زندگی ایک سفر ہے اور ہم ایک قافلے کی صورت اس پر رواں دواں ہیں...... شیراز، میں سمجھتی ہوں میاں بیوی میں دوستی ہوتے ہوئے بھی دونوں میں سے کوئی ایک رتبے میں بڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس عالم میں مشہودات کا طبعی تقاضا۔ زیادہ تر تو مرد ہی زندگی کے قافلے کا میر کارواں ہوتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں میاں بیوی کے درمیان دوست ہونے کے ساتھ ساتھ استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی ہونا چاہئے۔ مرشد اور مرید کا بھی کہہ سکتے ہو۔ لیکن یہ الفاظ اپنے معنی بدل چکے ہیں۔ آپ بے شک چند لمحے پہلے میرے لئے صرف ایک دوست تھے لیکن اب سب کے سامنے ہم نے ایک عہد کیا ہے کہ ہم زندگی کے سفر پر ہمیشہ ایک ساتھ رہیں گے۔ جب سفر بھی ہے، دو انسانوں پر مشتمل قافلہ بھی ہے تو پھر دونوں میں ایک میر کارواں کیوں نہ ہو۔ میں آج سے آپ کو اپنی زندگی کے سفر کا رہبر تسلیم کر چکی ہوں...... پہلے جو کام میں اپنے باپ کے ساتھ مل کر کر رہی تھی اب مجھے وہ آپ کے ساتھ رہ کر کرنا ہے۔ میں اس کے لئے آپ کو اس معاہدے کے بعد تم کہہ کر نہیں پکار سکتی۔"

شیراز کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ صوفیہ نے بڑے مختصر الفاظ میں ایک سنجیدہ تقریر کر ڈالی تھی۔ شیراز کی حیرت ابھی دور نہ ہوئی تھی کہ اسے صوفیہ کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"ارے آپ ابھی تک کھڑے ہیں...... بیٹھ جائیے!"

شیراز صوفیہ کے نزدیک مسہری پر بیٹھ گیا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے دوسری عورتیں تمہاری طرح نہیں سوچتیں۔ شاید کوئی بھی نہیں۔ اس کے برعکس ان کے ذہن میں یا تو خوف، ضد، نخوت اور مقابلے کا جذبہ بھرا ہوتا ہے۔

Marfat.com

دراصل شادی کا مطلب ہی غلط اخذ کیا گیا ہے...... عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ دوطرفہ جنسی لذت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ بعض سمجھ دار لوگ ایسا نہیں کہتے لیکن ان کا نظریہ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ عورت کو بچے پیدا کرنے والی مشین سمجھنا ناانصافی ہے۔ عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو پہیے نہیں ہیں بلکہ عورت زندگی کی گاڑی کا کوچوان ہے اور زندگی کی گاڑی کے پہیوں کو کھینچنے والا گھوڑا مرد ہے۔ اگر سفر لمبا درپیش ہو تو کوچوان اور گھوڑا دونوں کا مشاق اور تجربہ کار ہونا ضروری ہوتا ہے۔''

صوفیہ کی پیشانی پر بل تھے۔ اس نے اپنا چہرہ پوری طرح شیراز کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے شدید اختلاف ہے...... آپ کی تمثیل میں گاڑی کو کھینچنے والا مرد ہے۔ بے شک قافلے کا سارا بوجھ میر کارواں یعنی مرد پر ہوتا ہے لیکن عورت کے ہاتھ میں اس کی لگام تھما دینا مجھے درست نہیں لگتا۔ میں شوہر کو میر کارواں کا رتبہ دیتی ہوں اور آپ اسے گاڑی کھینچنے والا گھوڑا کہہ کر پکار رہے ہیں۔''

''تم شاید میری بات اچھی طرح سمجھی نہیں یا میں سمجھا نہیں پایا۔ فلسفہ جو بھی ہو حقیقت یہی ہے کہ میاں اور بیوی دو برابر رتبے کے انسان ہیں۔ ان کے الگ الگ، اپنے اپنے حقوق اور فرائض ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک محض اپنا حق طلب کرتا ہے لیکن فرض ادا نہیں کرتا تو وہ قابل مذمت ہے۔ مرد اپنی حیثیت میں محض ایک دھوکا ہے۔ وہ ایک عورت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ اس کی گود میں، اس کی چھاتی سے لگ کر دودھ کی نہروں سے فردوسِ بریں کے جام پیتا ہے۔ اس کی گود میں لیٹا لیٹا سارا سارا دن اسی عورت کا چہرہ دیکھتا ہے۔ اس کے منہ سے نکلنے والا پہلا لفظ ماں ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں اپنی ماں کی ہر ہر حرکت کا طواف کرتی ہیں۔ گویا مرد زندگی کا ہر اشارہ عورت سے سیکھتا ہے۔ اس کی اولین تعلیم و تربیت ایک عورت کرتی ہے تو پھر میں کیوں نہ کہوں کہ دراصل زندگی کی گاڑی کھینچنے والا یہ اسپ جاندار اشارے سمجھتا ہے تو صرف عورت کے۔''

''نہیں! آپ کو یوں کہنا چاہئے کہ مرد زندگی کے پہلے حصے میں عورت کا شاگرد اور دوسرے حصے میں استاد بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ماں کے پیچھے پیچھے چلنے والا بیوی کے آگے آگے چلتا رہے تو زمانہ متوازن رہتا ہے۔ قومیں برباد نہیں ہوتیں۔ آپ میرے لئے اب ایک استاد

Marfat.com

کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن زندگی کے فلسفے میں آپ کو ابھی مجھ سے بہت کچھ سیکھنا ہو گا۔"
صوفیہ نے اپنا آخری جملہ شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شیراز ہنس دیا۔
"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ عورت پہلے بھی استاد ہوتی ہے اور بعد میں بھی استاد ہوتی ہے۔ مرد تو عورت کا عکس ہے۔ ایک سایہ یا ہیولہ...... جس کی شخصیت سر تا پا عورت کی مرہونِ منت ہے۔ اب بھی میں تم سے سیکھ رہا ہوں اور آگے بھی سیکھوں گا۔ دراصل بات ہے ذہنی سطح کی۔ دو مختلف ذہنی سطح کے میاں بیوی خوش نہیں رہ سکتے۔ دونوں کی ذہنی سطح برابر ہو تو زندگی کامیاب رہتی ہے تاکہ دونوں ایک دوسرے کی بات کو سمجھ سکیں۔ میں تو سمجھتا ہوں مرد کی ذمہ داری عارضی ہے، عورت کی مستقل۔ عورت کو آنے والی نسل کی بنیاد رکھنی ہوتی ہے اور مرد کو اس نسل کے آگے بڑھنے کے لئے راستہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ دو مختلف ذہنی سطح کے میاں بیوی اس لئے خوش نہیں رہ سکتے کیونکہ وہ ایک دوسرے کی بات کو نہیں سمجھ سکتے۔"
صوفیہ کے چہرے پر اب خوش کن حیرت تھی۔ وہ دل ہی دل میں بے حد مسرور تھی کہ اسے شیراز جیسا جیون ساتھی ملا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی بات کو سمجھتے تھے۔ شاید یہ دنیا کی سب سے حسین جوڑی تھی۔ معاً صوفیہ نے کہا۔
"آپ آج کی رات بھی فلسفہ لے بیٹھے...... آپ جانتے ہیں آج کون سی رات ہے......"
صوفیہ کے لہجے میں شرارت تھی۔
"ہاں جانتا ہوں!"
"تو بتائیے، آج کون سی رات ہے؟"
"نہیں...... پہلے تم بتاؤ۔"
"یہ کیا بات ہوئی...... پہلے میں نے پوچھا ہے۔"
"نہیں...... میں نہیں بتاؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ!"
"پہلے آپ......"
"پہلے تم......"
وہ بچوں کی طرح تکرار کرنے لگے۔ یہ شاید اٹکھیلیوں کا آغاز تھا۔ وہی جو دو مور، دو کبوتر یا دو بلبلیں کرتی ہیں۔ بالآخر صوفیہ کو ہی بتانا پڑا۔
"آج ہماری......"

Marfat.com

صوفیہ خاموش ہو گئی۔ شیراز سمجھا شاید وہ ...... ''سہاگ رات'' ...... کہنا چاہتی ہے۔ شیراز نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

''سہاگ رات۔''

صوفیہ کا کھنکتا ہوا قہقہہ اور چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر شیراز سمجھ گیا کہ صوفیہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ صوفیہ بولی۔

''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آج ہماری زندگی کی پہلی شب ماہتاب ہے۔ آپ نے دیکھا ہیں، اس کھڑکی سے پوری تاریخوں کا چاند دکھائی دیتا ہے۔ کمرے میں خنکی تھی، اس لئے یکیوں نے کھڑکی بند کر دی۔ شیراز! آج چودھویں کی رات ہے۔''

شیراز، صوفیہ کی شرارت سمجھ چکا تھا۔ گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ سہاگ رات کا خیال یراز کے ذہن میں تھا، اس کے نہیں۔ کیونکہ وہ تو چودھویں رات کے چاند کی بات کر رہی تھی۔ یراز نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''عورتوں کا یہی مسئلہ ہے ...... بات کو گھما پھرا کر آخر وہیں لے آتی ہیں جہاں حوالے آئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے میرے سب سے پیارے استاد کون ہیں؟ ...... کپتان الفانسو نہیں، پاتھے وڈیسا ...... وہ یونانی لائیسم کا استاد۔ پاتھے اوڈیسا کہتے تھے عورت آگ کی پوجا کرتی ہے اور اس وجا میں مرد کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ مرد کے بغیر یہ پوجا مکمل نہیں ہو پاتی۔ س کے برعکس مرد آگ کی پوجا سے کتراتا ہے۔ وہ سیدھے راستے سے نور تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اسے لگتا ہے آگ کا شعلہ جسے نور سمجھ کر وہ اس کی طرف لپکا، اسے جھلسا دے گا۔ جانتی ہو بچے پیدا کرنا دراصل اپنے جذبۂ بقا کو تسکین دینا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ہم بچے پیدا کر کے باقی رہ سکیں گے۔ حالانکہ دو تین نسلوں میں ہی ہمارے نام مٹ جاتے ہیں۔ ہمارے اندر آگ کا ایک بھڑکتا ہوا شعلہ ہے، جسے شیطان کہتے ہیں۔ یہی ہمیں اس دنیا میں باقی رہنے کی ترکیبیں بتاتا ہے۔ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ عمل تناسل میں بقاء ہے۔ کیا تم جانتی ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سب سے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری کیوں چلائی تھی۔ وہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کر رہے تھے بلکہ وہ اولاد کی محبت اور نسل میں بقاء کے غلط نظریے پر چھری چلا رہے تھے۔ یہ ایک بالکل نیا نظریہ تھا جس کی بنیاد ابوالآباء حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ کیونکہ انہوں نے پھل کھانے کے بعد اپنے اس عمل پر ندامت محسوس

Marfat.com

کی تھی اور توبہ کا راستہ اپنایا تھا۔ نسل میں بقاء نہیں ہے لیکن پھر بھی میں یہ نہیں کہتا کہ میاں بیوی کے درمیان جنسی ربط نہیں ہونا چاہئے...... بچہ پیدا کرنا بھی ایک فطری فریضہ ہے۔ بالکل ویسا جیسے کھانا پینا...... لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

صوفیہ ششدر شیراز کو تکے جا رہی تھی۔ اس کے دل میں شیراز کا احترام اور بڑھ گیا...... وہ کسی قدر دھیمے لہجے میں شیراز سے مخاطب ہوئی۔

"آپ کی نظر میں انسان کا اہم فریضہ کیا ہے؟ یہ تو طے ہے کہ باقی رہنے کی خواہش مٹائی نہیں جا سکتی۔"

"باقی رہنے کی خواہش مٹانے کی بات کرنا ہی بیوقوفی ہے۔ لیکن یہ جان لینا چاہئے کہ بقاء آگ کی پوجا یا نسل کا پھل کھا لینے میں نہیں۔ انسانیت تک پہنچتے پہنچتے زندگی مادی کائنات کے تمام طبق طے کر چکی ہے۔ اب ہمیں سفلی یعنی زمینی زندگی سے بالاتر ہو کر بقاء کی آرزو کرنی ہو گی۔ صوفیہ! مجھے شاہین بہت پسند ہے۔ جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ وہ اپنی جسمانی ضروریات کے لئے زمین پر نہیں اترتا۔ اپنی غذا مٹی کے میدانوں سے بہت دور اوپر آسمان کی کھلی فضاؤں میں ہی تلاش کر لیتا ہے۔ شاہین گھر نہیں بناتا، پہاڑوں کی بلند و بالا چٹانوں پر زندگی بسر کر دیتا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے شاہین ہم انسانوں سے کہہ رہا ہو......

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں

کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ

ہمیں شاہین سے بڑھ کر قوتِ پرواز اور عقاب سے کہیں بڑھ کر تیز نظر عطا کی گئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شب معراج اس بات کا زندہ ثبوت ہے۔"

◆......◆

Marfat.com

دریائے پرتھ کے کنارے

سلطان احمد ثالث کی تخت نشینی ینی چری کی بغاوت کا نتیجہ تھی۔ وہ 1703ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اقتدار سنبھالتے ہی اس نے باغیوں کو انعام واکرام دے کر راضی کیا اور ان کے مطالبہ پر مفتی فیض اللہ آفندی کے قتل کی اجازت دے دی۔ مفتی فیض اللہ کا جرم یہ تھا کہ اس فوج کی خودسری کے مخالف تھے لیکن خون جلد رنگ لایا اور سلطان نے قابو پانے کے بعد ینی چری سے پورا قصاص لیا۔ اس نے ینی چری کے بہت سے افسروں کو قتل کرا دیا۔ اس نے احمد پاشا صدر اعظم کو، جو باغیوں کا منتخب کردہ تھا، معزول کر دیا اور اس عہدہ پر اپنے بہنوئی حسن پاشا کو مامور کیا۔ لیکن سازشیوں نے حسن پاشا کی صدارت کو بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہنے دیا اور وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد متعدد اشخاص صدر اعظم مقرر ہوئے اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد علیحدہ کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس عہد کے ابتدائی سالوں میں ایک کے بعد ایک صدر اعظم مقرر ہوتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹر اعظم کی خارجہ پالیسی کی طرف جیسی توجہ کرنی چاہئے تھی، دولت علیہ نہ کر سکی اور روس کی طاقت بڑھتی ہی چلی گئی۔

1700ء میں روس اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ پیٹر اعظم اس پر دیانت داری کے ساتھ قائم نہیں تھا۔ وہ اپنی مملکت کے جنوبی صوبوں میں جنگ کی تیاریاں کرتا رہا۔ احمد ثالث نے تخت نشینی کے بعد پیٹر کو اس امر کی شکایت لکھ بھیجی لیکن سلطنت کے اندرونی اختلال کی وجہ سے جو ینی چری کی سرکشی کے باعث شروع میں ہی پیدا ہو گیا تھا وہ کسی جنگی مظاہرے کے لئے تیار نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب روس سویڈن سے قوت آزمائی کر رہا تھا۔ چنانچہ وہ بھی دولت عثمانیہ سے کوئی نئی جنگ چھیڑ دینا خلاف مصلحت سمجھتا تھا۔ چنانچہ 1705ء میں دونوں سلطنتوں میں ایک جدید معاہدہ ہوا اور جنگ کچھ دنوں کے لئے پھر ملتوی ہو گئی۔ تاہم دولت علیہ روس کی نقل وحرکت سے غافل نہ تھی اور بحراسود کے ساحل پر پیٹر اعظم جو قلعے تعمیر کروا رہا تھا دولت عثمانیہ انہیں تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

ان سالوں میں پیٹر کی زیادہ تر توجہ سویڈن کی جانب رہی جس کا فرمانروا چارلس دوازدہم

Marfat.com

نہایت بہادری کے ساتھ روس کی پوری طاقت کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ترکوں کو چارلس کے ساتھ بہت ہمدردی تھی لیکن روس کے ساتھ جو معاہدہ ہو چکا تھا اس کی وجہ سے وہ چارلس کی مدد کرنے سے معذور تھے۔

8 جولائی 1709ء کو ''پلٹوا'' (Paltowa) کے مقام پر چارلس کو سخت شکست ہوئی اور اس نے بھاگ کر سلطنت عثمانیہ کی حدود میں پناہ لی۔ سلطان احمد ثالث نے اس کا شاہانہ احترام کے ساتھ استقبال کیا لیکن اس کی حمایت میں پیٹر سے جنگ شروع کر دینے پر تیار نہ ہوا۔ البتہ جب پیٹر نے یہ خواہش کی کہ چارلس کو پناہ نہ دی جائے تو سلطان نے صاف جواب دے دیا کہ آئین شرافت کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور پیٹر کی دھمکیوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ پلٹوا کے معرکہ کے بعد پیٹر نے ''لیونیا'' کو فتح کیا جس سے بالٹک سمندر میں داخل ہونے کی راہ اس کے لئے کھل گئی۔

اس کے بعد وہ دولت علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور بحر اسود میں دخل حاصل کرنے کے لئے کریمیا پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔ ازف کے قلعہ اور بحر ازف کے شمال مشرقی ساحل پر اس کا قبضہ پہلے سے تھا۔ اس نے تنگ زوگ اور دوسرے قلعوں کو جن سے کریمیا پر زد پڑتی تھی، مستحکم کر لیا۔ سلطان احمد ثالث پیٹر کی ان جنگی تیاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں سلطنتوں کے تعلقات چارلس کے قیام کی وجہ سے اور زیادہ کشیدہ ہو گئے تھے۔ پیٹر برابر سلطان کو تشویش میں مبتلا کر رہا تھا اور چارلس برابر سلطان کو پیٹر سے جنگ کے لئے اکسا رہا تھا۔ سلطان پر ابتداء میں چارلس کی ترغیبوں کا کچھ اثر نہ پڑا لیکن جب خانِ کریمیا نے آستانہ میں حاضر ہو کر ان تمام خطرات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو پیٹر کی تیاریوں نے پیدا کر دیئے تھے تو بالآخر مجبور ہو کر اس نے 28 نومبر 1710ء کو روس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ 25 فروری 1711ء کو پیٹر کی طرف سے بھی ماسکو کے سب سے بڑے کلیسا میں ترکوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا۔ پیٹر اعظم نے اس جنگ کو ایک مذہبی جنگ قرار دیا جس کا مقصد یورپ سے ترکوں کو نکال دینا تھا۔ روسی پرچم کی ایک جانب صلیب کی تصویر بنی ہوئی تھی اور دوسری جانب یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے...... ''خدا اور مسیحیت کے لئے''

مئی 1711ء میں صدر اعظم بلطہ جی محمد پاشا عثمانی فوجوں کے ساتھ مولڈیویا کی طرف روانہ ہوا جس کا امیر دولت علیہ سے غداری کر کے پیٹر سے مل گیا تھا اور پیٹر اس کی مدد سے

Marfat.com

بلقان کی سلانی قوموں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف ابھار رہا تھا۔[1] چنانچہ پیٹر بھی اپنی فوج لے کر مولڈیویا میں داخل ہوا۔ روسیوں کا ٹڈی دل لشکر اپنی کثرت کے باوجود عظیم ترک فوج کے لشکر سے کم تھا تاہم پیٹر مذہبی جوش و جذبے کی وجہ سے آگے بڑھتا چلا آیا یہاں تک کہ دریائے پرتھ کو عبور کر کے اس کے ساحل پر خیمے نصب کر دیئے۔[2]

مئی 1711ء کے مہینے میں دریائے پرتھ کا کنارا روس کے عظیم لشکر سے آباد تھا۔ ہر طرف خیمے نصب کئے جا رہے تھے۔ پیٹر اعظم نے اپنے لشکر کے پڑاؤ کی خاطر بڑی خوبصورت جگہ چنی تھی۔ ایک طرف دریائے پرتھ کا کنارا تھا، میدان کے سامنے خوبصورت پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو رہا تھا، بائیں ہاتھ کھلے میدان تھے جہاں پیٹر کے لشکر کے جانوروں کے لئے وسیع چراگاہیں موجود تھیں۔ پیٹر آج بہت خوش تھا۔ اس کے سینے میں مذہبی جوش و جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ خود کو اٹھارویں صدی کا فرڈیننڈ سمجھنے لگا۔ فرڈیننڈ کی ملکہ ازابیلہ کی طرح پیٹر کی ملکہ کیتھرائن بھی لشکر میں ان کے ہمراہ تھی۔

پیٹر اعظم اور اس کی ملکہ ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے میدان میں اپنے سپاہیوں کو شور مچاتے ہوئے خیمے نصب کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ تا حد نگاہ صلیبی سپاہی لشکری، ساربان، کارکن، گھوڑوں کو سنبھالنے والے، رتھوں کے بیلوں کو سنبھالنے والے، باورچی، نان بائی، بڑھئی، لوہار اور نہ جانے کون کون اس سرسبز و شاداب وادی میں ایک عجب دھن کے ساتھ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ پیٹر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنی ملکہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''دیکھو کیتھرائن! ہمارے لشکری کتنے جوش و جذبے سے کام کر رہے ہیں...... مجھے یقین ہے اس مرتبہ ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ مجھے لگتا ہے یورپ میں مسلمانوں کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ تم دیکھ رہی ہو ہماری سپاہ جان دینے کے لئے بے قرار ہے۔ کتنے خوش ہیں سپاہی۔ میں یہ نظارہ دیکھ کر مسرور ہو رہا ہوں۔''

ملکہ کیتھرائن بھی پیٹر کی طرح جذبے سے لبریز انداز میں لشکر گاہ کو دیکھ رہی تھی۔ پیٹر کی

---

[1] سوانح پیٹر اعظم از سٹیفن گراہم۔ مطبوعہ لندن 1929ء صفحہ 198

[2] نوٹ:۔ یہ باب شروع سے لے کر اس مقام تک ڈاکٹر محمد عزیز کی کتاب ''دولت عثمانیہ'' سے لی گئی معلومات پر مبنی ہے۔ دولت عثمانیہ۔ جلد اول۔ صفحہ 328

Marfat.com

بات کے جواب میں بولی۔

"بے شک، بے شک...... اگر ہماری سپاہ کا یہی جوش و جذبہ رہا تو خداوند یسوع مسیح کی قسم یورپ میں صرف صلیب کا پرچم لہرائے گا۔"

ملکہ اور بادشاہ دونوں اونچے ٹیلے پر کھڑے لشکر گاہ میں اپنی سپاہ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ پیٹر نے پڑاؤ کے بائیں ہاتھ پھیلے میدانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"دیکھو کتنا سبزہ ہے...... ہم یہاں "برگس" کی واپسی تک قیام کریں گے۔ یہاں لشکر کے ہزاروں جانور خوب اچھی طرح چر سکتے ہیں اور ہمارا غلہ اور رسد دیر تک محفوظ رہ سکتی ہے۔"

"برگس کب تک لوٹے گا؟ میں استنبول کے مقدس چرچ "آیا صوفیہ[1]" میں مریم کے سامنے اپنی فتح کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

بادشاہ نے اپنی پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"برگس کو شاید کئی دن لگ جائیں۔ جب تک ہمارا بیڑا وسطی بحر اسود کو عبور نہیں کر لیتا ہم یہاں سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ آسٹریا کے شہنشاہ تک میرا پیغام پہنچ چکا ہے۔ وہ لوگ بھی ہمارے راستے میں ہم سے آملیں گے۔ یہاں تو ہم محض وقت گزارنے کے لئے آئے ہیں، مجھے امید نہیں کہ ترک صدر اعظم اپنی فوجوں کو اتنا آگے لے آئے گا۔ ہم دریائے پرتھ کے کنارے ہیں۔ اگر ترک صدر اعظم یہاں تک آگے بڑھ آتا ہے تو اسے عقب سے آسٹروی افواج کے حملے کا خطرہ رہے گا۔ ہم یہاں محفوظ ہیں لیکن ہمیں ترک افواج کو مصروف رکھنا ہو گا تاکہ وہ استنبول کا دفاع کرنے کے لئے بروقت واپس نہ لوٹ سکیں۔"

شہنشاہ اور ملکہ کی نگاہوں کے سامنے ایک ہنگامہ برپا تھا۔ سامان سے لدی بڑی بڑی گاڑیوں کو پڑاؤ کے کنارے پر قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ تمام گھوڑوں اور بار برداری کے جانوروں کو بائیں ہاتھ کے میدانوں میں کھلا چرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ بھاری بھرکم اونی لباسوں والے لمبے تڑنگے روسی سپاہی مختلف آوازیں نکالتے ہوئے خیمے اور چھولداریاں نصب کرنے میں مصروف تھے۔ شہنشاہ روس اور ملکہ کیتھرائن پورے طمطراق کے ساتھ لشکر کے ہمراہ آئے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ عورتوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی۔ صلیب کے لئے

---

[1] مسلمانوں کے قبضے سے پہلے قسطنطنیہ میں آیا صوفیہ کا چرچ عیسائی دنیا کا دوسرا قبلہ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اسے مسجد میں بدل دیا جو آج بھی استنبول میں ہے۔

Marfat.com

جان کا نذرانہ پیش کرنے والی یہ عورتیں لڑنے کی بجائے فوج کے دیگر کام کاج میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے ساتھ لائی گئی تھیں۔

سینکڑوں نوجوان لڑکیاں شراب کی محفلوں کو آباد کرنے، ناچنے گانے اور سپاہیوں کا دل بہلانے کے ارادے سے لشکر میں موجود تھیں۔ بعض امرائے سلطنت کی بیویاں اور شاہی محل کی خواتین بھی اس مقدس جنگ میں اپنی منقش بگھیاں ساتھ لے کر آئی تھیں۔ یہ ایک بہت بڑا صلیبی اتحاد تھا۔ آسٹروی فوج میں آسٹریا سے لے کر جرمن، پرتگال اور سپین تک کے سپاہی مسیحیت پر قربان ہونے کے لئے اپنے سر ہتھیلیوں پر اٹھا لائے تھے اور یہی صورتحال روسی لشکر کی بھی تھی۔ روس کے ساتھ برطانیہ کا درپردہ تعاون تھا۔

برطانوی سفیر "سر آرسٹن" قصرِ سلطانی میں خلیفہ کی چاپلوسی میں لگا ہوا تھا اور وہ عثمانی سلطنت کو یقین دلا رہا تھا کہ برطانیہ درحقیقت ترکوں کا دوست ہے۔ لیکن یہ سب دکھاوا[1] تھا۔ برطانیہ ہندوستان کے راستے سے روس تک ہر طرح کی امداد پہنچا رہا تھا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے ساحلوں پر برٹش ایسٹ انڈیا اپنے قدم جما چکی تھی اور انگریزی افواج ہندوستان میں بے حد سرگرم تھیں۔ اس جنگ کو عیسائی دنیا نے ایک بڑی صلیبی جنگ کا نام دیا تھا اور دنیا بھر سے عیسائی نوجوان مذہبی جوش و جذبے کے ساتھ جوق در جوق روسی اور آسٹروی افواج میں شامل ہونے کے لئے آ رہے تھے۔

اونچے ٹیلے پر کھڑے ملکہ اور شہنشاہ اپنی تیاریوں اور جوش و جذبے کی بدولت یوں مطمئن تھے گویا وہ جنگ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کا شکار کھیلنے کے لئے اسلامی سرحدات میں وارد ہوئے تھے۔ سچ بھی یہی تھا، پیٹر اعظم ایک دانا اور بہادر عیسائی بادشاہ تھا جسے عیسائی دنیا نے مشترکہ طور پر اس صلیبی جنگ کا رہنما مانتے ہوئے پیٹر دی گریٹ کے خطاب سے نوازا تھا۔ اچانک ملکہ نے کہا۔

"برگس کو آپ نے کہاں بھیجا ہے؟"

"میں ملکہ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں، برگس کو میں نے سمندر میں کھڑے اپنے بحری بیڑے کا تازہ حال لانے کی غرض سے روانہ کیا ہے۔ ہمارا بیڑا نیا ہے۔ زیادہ تر ملاح اور سپاہی وہی قزاق ہیں جو ہماری اجازت سے بحر اسود میں لوٹ مار کرتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ عثمانیوں

---

[1] بعد کی جنگوں میں برطانیہ نے کھل کر روس کا ساتھ دیا۔

Marfat.com

کے تجربہ کار بیڑے سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو۔ عثمانی بحریہ کا سربراہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ وہ ہمارے بیڑے کو راستہ دینے کے لئے مغربی سمندروں کی جانب نکل گیا ہے۔ ہمارا جنگی بیڑا آسانی کے ساتھ استنبول کی دیواروں سے جا لگے گا۔ اب ہمیں کوئی پریشانی نہیں۔ بس ہمیں برگس کی واپسی کا انتظار ہے۔ جونہی ہم تک یہ اطلاع پہنچتی ہے کہ ہمارا بیڑا بحر اسود کے وسطی علاقے عبور کر گیا ہے، ہم برق رفتاری سے آگے بڑھیں گے اور یلغار کرتے ہوئے صدر اعظم کی فوجوں کے سامنے جا ٹھہریں گے۔ ادھر ہم صدر اعظم کو کئی روز کی جنگ میں الجھائیں گے اُدھر ہمارا آسٹروی شہنشاہ خشکی کے راستے سیدھا استنبول جا نکلے گا۔"

ملکہ یہ منصوبہ پہلے بھی سن چکی تھی۔ لیکن آج اس نے اپنے دل میں پیدا ہونے والا ایک خیال بیان کر دیا۔

"شہنشاہ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ آسٹروی افواج کا استنبول میں داخلہ ہمارے حق میں اقتصادی حوالے سے زیادہ مفید نہیں ہوگا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آسٹروی افواج صدر اعظم کو الجھاتیں اور قسطنطنیہ پر فاتحانہ یلغار ہمارے حصے میں آتی۔"

پیٹر اعظم نے سر گھما کر ملکہ کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر وہ اپنی ملکہ کے چہرے کو غور سے تکتا رہا اور پھر مخاطب ہوا۔

"اول تو یہ ایک مقدس جنگ ہے جسے ہم مال غنیمت یا مقبوضات کی خاطر نہیں لڑ رہے۔ اور دوئم یہ کہ آسٹروی شہنشاہ استنبول کے ترکوں کے سامنے ہمارے بیڑے کی مدد کے بغیر آنکھ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا۔ اگر ہمارے بحری بیڑے کی سمندری امداد نہ ہو تو آسٹروی شہنشاہ کے لئے استنبول پر یلغار ناممکن ہے۔ استنبول ہماری مشترکہ فتح کے نتیجے میں ہمارے پاس آئے گا اور اس پر تمام اتحادی ممالک کا آدھا حق اور آدھا حق ہمارا ہوگا۔"

پیٹر اعظم کے لہجے میں نخوت تھی۔ اسی اثناء میں بادشاہ اور ملکہ نے اپنے چند افسروں کو ٹیلے کی جانب آتے دیکھا۔ سہ پہر ڈھل چکی تھی اور سورج مغرب میں بتدریج جھکتا چلا جا رہا تھا۔ دریائے پرتھ کے مشرقی ساحل پر پیٹر اعظم کا پڑاؤ تھا، درمیان میں شور مچاتا اور پتھروں سے سر ٹکراتا دیوانہ دریا گزر رہا تھا اور دور برف پوش پہاڑیوں کے عقب میں سورج اپنی تیز سنہری رنگت کو لالی میں بدل رہا تھا۔ پیٹر اعظم کی نگاہوں میں یہ منظر جم کر رہ گیا۔ لشکر کے افسر ٹیلے کے نزدیک آئے اور تمام فوجی آداب بجالاتے ہوئے شہنشاہ کے حضور جھکنے کے بعد مؤدب ہو

Marfat.com

کر کھڑے ہو گئے۔ پیٹر نے ہی انہیں مخاطب کیا۔

''ہاں کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو؟''

عیسائی افسروں میں سے ایک تنومند روسی نے آگے بڑھ کر بات کی۔

''شہنشاہِ معظم! میں یہ عرض لے کر آیا ہوں کہ اس جگہ پر پڑاؤ ہمارے حق میں مفید نہیں ہو گا۔''

''ہمارے حق میں مفید نہیں ہو گا؟ الیگزینڈر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ دور دور تک مسلمان فوجوں کا نام ونشان تک نہیں، ہماری پشت پر دریا ہے، سامنے مشرقی پہاڑیاں ہیں جو بحر اسود تک عیسائی آبادیوں سے بھری پڑی ہیں۔ ہمارے دائیں ہاتھ پر ہماری اپنی بستیاں ہیں اور بائیں ہاتھ دور تک پھیلے ہوئے کھلے میدان۔ یہ ہمارا جنوب ہے۔ تم دیکھ رہے ہو ہم ہر طرف سے محفوظ ہیں...... اب تم بتاؤ! وہ کون سی وجہ ہے جس کی بناء پر تمہیں ہمارا اس جگہ پڑاؤ مناسب محسوس نہیں ہوتا۔''

شہنشاہ کے تفصیلی نقشہ کھینچنے کے بعد تمام افسروں کے چہرے مطمئن دکھائی دیئے لیکن الیگزینڈر نے پھر کہا۔

''شہنشاہِ معظم! ہم چاروں طرف سے محفوظ نہیں بلکہ چاروں طرف سے محصور اور گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے سامنے کی مشرقی پہاڑیاں کسی بھی وقت دشمن کی توپوں اور بندوقوں کے لئے بہترین مورچے ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہمارے عقب میں دریا ہے جس کے تیز اور گہرے پانی میں تیرنا ممکن نہیں۔ دریا پار کر کے پھر پہاڑی سلسلہ ہے جو بے شک آسٹریا تک پھیلا ہوا ہے لیکن دشمن نے اگر اپنے چند دستے بھی اس طرف بھیج دیئے تو ہم گھیر لئے جائیں گے اور ہمارے دائیں......''

''ہاہاہا!...... الیگزینڈر، تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ اول تو دریائے پرتھ تک آنے کی جرأت ترکی فوج میں نہیں۔ تم جانتے ہو اس وقت ہم مولڈیویا کی حدود میں ہیں اور مولڈیویا کی افواج ہمارے ساتھ ہیں۔ میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ تم نے ایک تجربہ کار سالار ہو کر اتنے مبہم اور توہم پرستانہ خیالات کیونکر قائم کر لئے۔ کیا دشمن سامنے کی پہاڑیوں پر آنے کے لئے اپنے اصل راستے کو چھوڑ کر بحر اسود کے ساحل سے آئے گا...... نہیں! ایسا ہونا ناممکن ہے۔ بلطہ جی کا لشکر بہت بڑا ہے۔ اتنی بڑی فوج کو بے نشان راستوں پر لے کر چلنا ممکن نہیں۔ ہم یہاں مکمل

Marfat.com

طور پر محفوظ ہیں۔"

پیٹر نے الیگزینڈر کی بات درمیان میں کاٹ دی تھی۔ کیتھرائن کے چہرے پر بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ سالار الیگزینڈر کو مکمل بات کرنے کا موقع دیا جائے لیکن شہنشاہ کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ کہتا شہنشاہ نے اچانک اپنے سامنے کھڑے افسروں پر متلاشیانہ نظر ڈالی اور پھر الیگزینڈر سے پوچھا۔

"زینان دکھائی نہیں دے رہا...... وہ کہاں ہے؟ میں سمجھتا ہوں وہی تمہیں اچھی طرح سے مطمئن کر سکتا ہے کیونکہ پڑاؤ کے لئے اس مقام کا انتخاب زینان نے کیا تھا۔ یہاں آ کر میں اس کی صلاحیتوں کا لوہا مان گیا ہوں۔"

الیگزینڈر نے پیچھے گھوم کر باقی افسروں کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ ایک نوجوان سالار نے دو قدم آگے بڑھ کر عرض کی۔

"شہنشاہ معظم!...... سالار زینان ہراول دستے کے دو سو سواروں کو اپنے ہمراہ لے کر جنوب میں آگے تک راستہ صاف کرنے کے لئے گئے ہیں۔ ہر میل پر ایک اطلاعاتی چوکی مقرر کرنے کے بعد ہی واپس لوٹیں گے۔"

شہنشاہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور اس نے ملکہ کی جانب اندازِ تفاخر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھا، زینان کس قدر ذمہ دار ہے۔ ہماری فوج میں ایک سے ایک پرانا سپاہی ہے لیکن اس نئے لڑکے نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جہاں تک الیگزینڈر کے وہم کا تعلق ہے تو اسے صحیح تسلی بخش جواب زینان ہی دے سکتا ہے۔ کل تک شاید وہ لوٹ آئے تو ہم اس مسئلے پر مزید غور کر سکتے ہیں۔ سر دست ہمیں کوئی جلدی نہیں۔"

اپنے شہنشاہ کے منہ سے ایک نئے سالار کی یوں تعریف سن کر الیگزینڈر کا چہرہ لٹک گیا۔ اس نے گویا کڑوی گولی چباتے ہوئے کہا۔

"شہنشاہ معظم کو ایک نئے آدمی پر اس قدر بھروسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں اپنے اس جملے پر شہنشاہِ معظم سے معافی چاہتا ہوں۔ لیکن ایک مقدس جنگ کے سپاہی کی حیثیت سے میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمام خطرات سے شہنشاہِ معظم کو آگاہ کروں۔"

پیٹر کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولا البتہ اس کی ملکہ چپ نہ رہ سکی۔

Marfat.com

''الیگزینڈر! تمہیں شہنشاہِ معظم سے بات کرتے ہوئے آدابِ گفتگو کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ زینان ہمارے بھروسے کا آدمی ہے۔ اس نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے یہ مقام حاصل کیا ہے۔ تم لوگ اب جا سکتے ہو۔ اگر اس سلسلے میں مزید کوئی بات ہوگی تو وہ زینان کی واپسی پر ہوگی۔''

کیتھرائن کا لہجہ ترش تھا۔ الیگزینڈر جانتا تھا کہ نوجوان یونانی سردار زینان جو حال ہی میں پیٹر اعظم کی طرف سے فوج کے ہراول میں پانچویں دستے کا سالار مقرر کیا گیا تھا درحقیقت ملکہ کیتھرائن کا منظور نظر تھا۔ الیگزینڈر من ہی من میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ تمام فوجی افسر جو الیگزینڈر کے ہمراہ آئے تھے واپس چلے گئے۔ بادشاہ کا مزاج ناخوشگوار ہو گیا تھا چنانچہ وہ اپنے بھاری بھرکم لباس کو سمیٹتا ہوا شاہی خیموں کی جانب چل دیا۔ جلد ہی سورج دریائے پرتھ کے دوسرے کنارے اونچی نیچی چٹانوں کے بیچ کہیں کھو گیا۔

اگلی صبح روسی لشکر کا پڑاؤ خیموں کے ایک شہر کی صورت دکھائی دے رہا تھا۔ مشرقی پہاڑیوں سے سورج نے سر نکالا اور اس کی پہلی کرن دریائے پرتھ کے شفاف پانی میں ہاتھ منہ دھونے کے لئے اتری تو اسے دریا کی گیلی ریت پر کسی گھوڑے کی ٹاپوں کے تازہ نشان دکھائی دیئے۔ سپاہی بیدار ہو چکے تھے اور پڑاؤ میں زندگی حرکت کرنے لگی تھی۔ لیکن کل کے تھکے ہارے سپاہی شراب پی کر بے سدھ سوئے تو ان میں سے زیادہ تر دن چڑھے تک سوتے رہے۔ لیکن پیٹر اعظم حسب معمول پہلی کرن کے ساتھ ہی بیدار ہو چکا تھا۔ سورج کی پہلی کرن نے جس گھڑ سوار کو دیکھا، پیٹر اعظم نے بھی اسے لشکر گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پیٹر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ یہ گھڑ سوار کون ہو سکتا تھا...... پڑاؤ کے پہرے داروں نے خیموں کے شہر کے باہر ہی اجنبی گھڑ سوار کو روک لیا۔

''کون ہو تم...... اور اتنی صبح کہاں سے آ رہے ہو؟''

اجنبی گھڑ سوار کا آدھا بدن گیلا تھا اور اس کا گھوڑا پوری طرح پانی میں نہایا ہوا تھا۔ پہرے دار اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ اس گھڑ سوار نے دریا کے گہرے مقامات کو گھوڑے کے ساتھ تیر کر عبور کیا ہے۔ موسم خاصا سرد تھا لیکن اجنبی گھڑ سوار بے پرواہی سے سینہ تانے کھڑا پہریداروں سے بات کر رہا تھا۔

''مجھے شہنشاہِ معظم سے ملنا ہے...... میں بہت دور سے آیا ہوں اور شہنشاہ کا شناسا ہوں۔''

Marfat.com

نوجوان کا لہجہ، شخصیت اور شہنشاہ سے شناسائی کی بات سن کر پہریدار یکدم مؤدب ہو گئے اور اجنبی نوجوان کو بڑے احترام کے ساتھ خوابگاہِ شاہی کی طرف لے چلے۔

شہنشاہ اپنے خیمے کے باہر ہی موجود تھا۔ خیمہ شاہی کے سامنے ایک کھلا میدان خالی چھوڑ دیا گیا تھا اور میدان کے چاروں طرف باقی سپاہ کے خیمے ہی خیمے تھے۔ امرائے سلطنت اور بڑے سالاروں کے منقش خیمے بھی خوابگاہِ شاہی کے دائیں بائیں نصب کئے گئے تھے۔ شاہی خوابگاہ کے عقب میں محافظ دستے کی گیارہ چھولداریاں لگی تھیں جبکہ خیمہ شاہی باقی تمام لشکر کی نسبت بلندی پر تھا۔ اس لحاظ سے شاہی خیمہ دریا کے نزدیک تھا۔

اجنبی نوجوان کو شہنشاہ کے سامنے لایا گیا۔ نوجوان کی حالت دیکھ کر شہنشاہ کو ایسا لگا جیسے وہ بہت دور سے آیا ہو اور بے حد تھکا ماندہ ہو۔ شہنشاہ کو نوجوان کی صورت جانی پہچانی سی محسوس ہوئی اور اس نے پیٹر کے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں ڈال دیں۔ شہنشاہ نے نوجوان کے آداب قبول کرتے ہوئے از خود اس سے پوچھا۔

''تمہاری شکل وصورت دیکھی بھالی لگتی ہے۔ کیا ہم پہلے کہیں مل چکے ہیں؟ کیا تم کبھی ماسکو یا سینٹ پیٹرز برگ آئے؟''

پیٹر کی بات سن کر اجنبی نوجوان کے چہرے پر خوشگوار حیرت چھا گئی اور وہ بڑی متانت سے بولا۔

''بندہ اس سے قبل شہنشاہِ معظم کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہو سکا لیکن میری ماں شہنشاہِ معظم اور ملکہ محترمہ سے مراسم رکھتی ہے۔ میں مقدونیا کے سابق بادشاہ کارپوس کا بیٹا کلاڈیوس ہوں۔ میری ماں آسٹروی شاہی خاندان سے ہے اور مقدونیا میں مادام تھروشیا کے نام سے جانی جاتی ہے۔''

شہنشاہ انتہائی غور اور گہری فکر کے ساتھ نوجوان کا تعارف سن رہا تھا۔ وہ مادام تھروشیا کے نام سے واقف تھا کیونکہ مادام تھروشیا کے جاسوس اور اس کے خفیہ خطوط پیٹر تک پہنچتے رہتے تھے لیکن پیٹر کے لئے پریشانی کی بات یہ تھی کہ اسے اس نوجوان کی شباہت دیکھی بھالی لگتی تھی۔ شہنشاہ کو حیرت اس بات پر تھی کہ نوجوان قبل ازیں اس کے سامنے کبھی نہ آیا تھا۔ معاً پیٹر کے ذہن میں جھماکا ہوا اور اسے یاد آیا کہ اس نوجوان کی شکل اس کی ملکہ کے پسندیدہ سالار زینان سے ملتی جلتی ہے۔ شہنشاہِ روس جسے اُس کے لقب کے اعتبار سے زارِ روس کہہ کر پکارا

Marfat.com

جاتا تھا۔اس عجیب وغریب مشابہت پر حیران رہ گیا۔اس نے متعجب لہجے میں کلاڈیوس سے سوال کیا۔

”کیا تمہارا کوئی بھائی بھی ہے؟“

اب کلاڈیوس کے حیران ہونے کی باری تھی۔ بادشاہ کے چہرے پر مسلسل حیرت اور تجسس دیکھ کر کلاڈیوس کو بھی چونکنا پڑا۔کلاڈیوس نے فوراً جواب دیا۔

”نہیں شہنشاہ معظم! میرا کوئی بھائی نہیں۔ میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔“

”تم مقدونیا کے رہنے والے ہو۔کیا تم مقدونیا کے کسی یونانی سردار زینان کو جانتے ہو؟“

”زینان؟......نہیں زار محترم! مقدونیا میں اس نام کا کوئی سردار نہیں۔“

اسی اثناء میں شاہی خیمے کا پردہ سرکا اور ملکہ کیتھرائن اپنی دو خادماؤں کے درمیان خیمے سے باہر آئیں۔ ملکہ کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے لیکن پیٹر اور کلاڈیوس کے نزدیک پہنچتے پہنچتے نہ جانے کیوں وہ مسکرانے لگی۔

”نوجوان! زار محترم نے تم سے زینان نامی ایک مقدونی سردار کی بابت دریافت کیا ہے۔ دراصل زینان خود سردار نہیں، وہ ایک مقدونی سردار کا بہادر بیٹا ہے اس لئے شاید تم اسے پہچان نہیں سکے۔لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ تمہاری اور اس نوجوان کی شکل و شباہت میں خاصی مشابہت ہے، خاص طور پر تمہاری آنکھیں۔“

کلاڈیوس بہت بری طرح چونکا۔اس کا ذہن فوراً شیراز کی طرف گیا لیکن وہ فوری طور پر اپنے شک کا اظہار نہ کر سکتا تھا۔وہ ایک اجنبی تھا جبکہ سپاہ کا یونانی سردار شاید کوئی مؤثر سالار تھا چنانچہ کلاڈیوس نے سردست اپنے شک کو دل میں ہی رکھا اور بڑے ادب کے ساتھ ملکہ سے بات کی۔

”جی ہاں ملکہ محترمہ! ہوسکتا ہے وہ کسی مقدونی سردار کا بیٹا ہو...... میں اسے ملوں گا تو پہچان لوں گا......اور وہ بھی شاید مجھے پہچان لے گا۔“

اب پیٹر کی حیرت دور ہو چکی تھی۔ وہ مسکرانے لگا۔

”اچھا......تو تم مادام تھروشیا کے بیٹے ہو...... ہمارا تمہاری ماں کے ساتھ خط وکتابت کا رابطہ ہے۔ وہ مقدونیا کی آزادی اور عیسائیت کے لئے جو کچھ کر رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کیا تم ہماری فوج میں شامل ہونے کے لئے آئے ہو؟“

Marfat.com

کلاڈیوس بادشاہ کا سوال سن کر ایک دم مستعد ہو گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ شمشیر کے دستے پر رکھا اور جذبے سے سرشار لہجے میں بولا۔

"جی ہاں شہنشاہِ معظم! میں اسی سعادت کو پانے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں۔"

اب ملکہ کیتھرائن نے کلاڈیوس کو سر سے پاؤں تک گہری نگاہوں کے ساتھ دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مادام تھروشیا کے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ ہمیں تو توقع تھی کہ تم اپنے ہمراہ کئی سپاہیوں کو لاؤ گے لیکن تم تو خود شاید بہت سی مشکلات سے نمٹ کر آ رہے ہو۔"

کلاڈیوس نے ملکہ کے لہجے کا طنز محسوس کیا لیکن اس نے پہلے سے بھی زیادہ مؤدب لہجے میں ملکہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"ملکہ محترمہ! میرے ہمراہ بیس سپاہی تھے۔ میرا جہاز بحر اسود کے طوفان میں غرق ہو گیا اور میرے سارے ساتھی ہلاک ہو گئے۔ میں نے ایک روسی جزیرے پر پناہ لی اور پھر ایشیائی ساحلوں کا ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے آج تقریباً ایک ماہ بعد میں آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا ہوں۔"

کلاڈیوس کی کہانی سن کر ملکہ کے چہرے پر گہرے دکھ کے تاثرات دکھائی دیئے۔ ملکہ کو اپنے لہجے پر افسوس ہوا تو وہ دلاسہ دینے کے انداز میں کلاڈیوس سے کہنے لگی۔

"ہمیں تمہاری کہانی سن کر بہت افسوس ہوا۔ تم نے مسیحیت کے لئے بہت مشکلات اٹھائیں، اس کا اجر تمہیں خداوند یسوع مسیح کے ہاں سے ملے گا۔ اب تم مقدس لشکر تک آ پہنچے ہو۔ لہٰذا اب تم یوں سمجھو کہ تمہیں مسیح نے قبول کر لیا ہے۔"

کلاڈیوس کچھ دیر بعد ایک افسر کی معیت میں خصوصی خیموں کی جانب بڑھ رہا تھا۔

♦ ...... ♦

روسی فوج کو دریائے پرتھ کے کنارے پڑاؤ ڈالے تیسرا روز تھا لیکن سالار زینان ابھی تک واپس نہ لوٹا تھا۔ پیٹر اعظم کے دل میں اب زینان کے خلاف شکوک و شبہات سر اٹھانے لگے تھے۔ لیکن کیتھرائن ابھی تک زینان کی طرفدار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پیٹر نے زینان کی تلاش میں کوئی دستہ روانہ نہ کیا لیکن وہ بے چین اور بے کل تھا۔ دریائے پرتھ کے اس کنارے کو روسی لشکر کے پڑاؤ کے لئے زینان نے منتخب کیا تھا۔ پہلے روز شہنشاہ اور ملکہ اس خوبصورت مقام کو

Marfat.com

دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔ لیکن آج دن چڑھے پیٹر کے کانوں سے ایک ایسی خبر ٹکرائی جسے سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یہ لشکر کے بیلوں اور گھوڑوں کو سنبھالنے والے دستہ سالار کی اطلاع تھی جو ابھی ہانپتا کانپتا زارِ روس کے سامنے پہنچا تھا اور زارِ روس کو ایک انتہائی عجیب اور سنسنی خیز اطلاع بہم پہنچا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''زارِ محترم! ہمارے ساتھ قدرت نے دھوکا کیا ہے۔ اپنے جنوب میں پہلے جن میدانوں کو ہم سبزہ زار سمجھ رہے تھے اور جنگ کے لئے بہترین رزم گاہ قرار دے رہے تھے، وہ میدان سبزہ زار نہیں بلکہ یہاں سے ایک دو میل کی دوری پر ایک بہت ہی عجیب دلدل ہے جو ایک طرف تو دریا تک پھیلی ہوئی ہے اور دوسری طرف پہاڑی سلسلے کے آغاز تک چلی گئی ہے۔ گیلی مٹی کا یہ خطہ بظاہر محض کیچڑ دکھائی دیتا ہے لیکن اس میں قدم رکھنے والا دوبارہ زندگی بھر اپنا قدم باہر نہیں کھینچ پاتا[1]۔''

شہنشاہ کا چہرہ پتھر کی طرح جامد و ساکت ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ زبان سے کچھ بولے بغیر دیدے پھاڑے دستہ سالار کی بات سن رہا تھا۔ دستہ سالار کی بات کے اختتام پر شہنشاہ کی زبان سے صرف ایک لفظ نکلا۔

''دلدل......؟''

زار کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ جن میدانوں پر بھروسہ کر کے وہ اس پڑاؤ کو بہترین رزم گاہ قرار دے رہا تھا وہی میدان اس کے لشکر کی خاطر موت کا پھندا بن گئے تھے۔ شہنشاہ کے پہلو میں کھڑی ملکہ کیتھرائن کی حالت بھی مختلف نہیں تھی۔ لیکن ملکہ نے ہمت کر کے دستہ سالار سے پوچھا۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ جنوبی میدانوں میں کیچڑ کی دلدل ہے؟''

''ہمارے کچھ جانور چرتے ہوئے اس طرف نکل گئے تھے۔ جب میں انہیں ہانکنے کے لئے ان کے پیچھے جنوبی میدانوں میں آگے بڑھا تو میں نے انہیں کیچڑ کی دلدل میں پھنسا ہوا پایا۔ تب میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ لشکر کے کئی بیل اور گھوڑے دلدل میں غرق ہو چکے ہیں۔ آپ کو اطلاع دینے سے پہلے میں نے دلدل کی لمبائی کا اندازہ لگانا چاہا تب مجھے پتہ چلا کہ خونی دلدل پوری طرح سے لشکر کے راستے میں حائل ہے۔''

---

[1] روسی لشکر کے پڑاؤ کی ایک جانب خونی دلدل تھی۔ (بحوالہ دولت عثمانیہ۔ جلد اول)

Marfat.com

زارِ روس اور ملکہ روس کا رنگ فق ہو گیا۔ یہ بہت بری خبر تھی۔ وہ کچھ اور پوچھنے کی ہمت نہ کر پا رہے تھے۔ زار کو یوں لگا جیسے وہ کسی چوہے دان میں پھنس گیا ہو۔ اسے صرف ایک تسلی تھی اور وہ یہ کہ ترک لشکر ابھی اس سے بہت دور تھا۔ وہ اگر آج پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیتا تو ترک لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے وہ اپنی جگہ تبدیل کر سکتا تھا۔ زار انہی خطوط پر سوچنے لگا۔ اسی اثناء میں دستہ سالار نے واپسی کی اجازت چاہی تو شہنشاہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور کہا۔

''خونی دلدل کی سرحد پر سرخ رنگ کی چھڑیاں گاڑ دو تاکہ لشکر کا کوئی اور نقصان نہ ہو۔ اور اب تم جا سکتے ہو۔''

اس کے ساتھ ہی زار نے اپنی ملکہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''کیتھرائن!...... آپ کا زینان ابھی تک نہیں لوٹا۔ آپ جانتی ہیں اس میدان میں لشکر کے پڑاؤ کا مشورہ زینان نے دیا تھا۔ اب میرا شک یقین میں بدل چکا ہے کہ وہ مسلمانوں کا جاسوس تھا۔ تم دیکھنا وہ نہیں آئے گا۔ وہ تو گیا لیکن اس کے ساتھ ہراول دستے کے دو سو سوار بھی گئے۔''

ملکہ کا سر ندامت سے جھک گیا۔ وہ دل ہی دل میں خود کو کوس رہی تھی۔ اب تو اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ زینان نے ہی انہیں دھوکا دیا...... سالار زینان کا مسکراتا ہوا چہرہ ملکہ کے سامنے گھوم گیا۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ کاش زینان دشمن نہ ہوتا۔ وہ سالار زینان کے اخلاص بھرے چہرے کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب چند روز پہلے زینان ان کے لشکر میں شامل ہوا تھا۔ اس نے تن تنہا پانچ تاتاری بدمعاشوں کو گرفتار کیا گیا۔ پہلی مرتبہ جب وہ پڑاؤ میں آیا تھا تو اپنے ہمراہ پانچ زخمی قیدی لایا تھا جنہیں اس نے دشمن کے جاسوس کے طور پر لشکر گاہ کے نزدیک ہی زیر کیا تھا۔ کیتھرائن اس کی بہادری کا لوہا مان گئی تھی۔ اور پھر اگلے روز جب معمول کی مشقیں ہوئیں تو زینان نے اپنے کرتب دکھا کر ملکہ کے دیدے پھیلا دیئے تھے۔ ملکہ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے پیٹر نے زینان کے کرتب دیکھ کر ایک جملہ کہا تھا۔

''یہ سپاہی ہے یا بازیگر؟''

ملکہ کے دماغ میں زار کا کہا ہوا جملہ گونج گیا۔ زینان سچ مچ ایک بازیگر ثابت ہوا تھا لیکن ملکہ نہ جانے کیوں پھر بھی اپنے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ محسوس کر رہی تھی۔ ہاں، اس

Marfat.com

لگاؤ کی وجہ زینان کی وہ چکنی چپڑی باتیں تھیں جو وہ ملکہ کی تعریف میں کہا کرتا تھا لیکن ایک بات ملکہ کے دل میں یقین کے ساتھ موجود تھی اور وہ یہ کہ زینان نے کبھی اس کی جھوٹی تعریف نہ کی تھی۔ اسے یاد تھا ایک مرتبہ جب اس نے زینان سے پوچھا۔

''زینان! یہ بتاؤ ہم تمہیں کیسے لگتے ہیں؟''

تو زینان نے جواب دیا تھا۔

''ملکہ محترمہ! تعریف کے قابل انسانی جسم کے وہ اعضاء نہیں ہوتے جو انسان کو وراثت میں ملیں مثلاً قد، آنکھیں، ناک، کان وغیرہ...... یہ سب کچھ تو خداوند کا دیا ہوا ہے، اس میں انسان کا کیا کمال ہے۔ تعریف کے قابل تو ہے آپ کا وہ حُسن جو ہر دیکھنے والے کا دل موہ لیتا ہے۔ تعریف کے قابل تو ہے آپ کے پہلو میں دھڑکتا ہوا وہ ننھا سا دل جس میں سب کے لئے محبت ہے۔ ملکہ محترمہ! میں آپ کو پہلے دن ہی پہچان گیا تھا۔ آپ صرف ملکہ ہی نہیں ایک بہترین بیٹی، بیوی، ماں اور بہن بھی ہیں...... نہ جانے کیوں آپ کے ساتھ یہ سب رشتے جوڑنے کو جی چاہتا ہے۔''

ملکہ، زینان کے انداز پر ذرا بھی طیش میں نہ آئی تھی۔ حالانکہ اس کا آخری جملہ ایک ملکہ کے ادب کے منافی تھا۔ اس کے برعکس کیتھرائن کا چہرہ زینان کی بات سن کر گلاب کی طرح کھل اٹھا تھا اور اس نے نورانی مسکراہٹ کے ساتھ زینان سے کہا تھا۔

''زینان! تم پہلے مرد ہو جس نے ہمیں پہچانا۔ ہم تمہیں اپنے دل کے بہت قریب محسوس کرتے ہیں۔ آج کے بعد لشکر میں تم جو چاہو گے وہی ہو گا۔ پیٹر ہماری کسی بات کو نہیں ٹالتے۔''

ملکہ کو سب باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔ اس کا دل بے حد دکھی ہو گیا۔ زینان نے تو کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ہر سچا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو پھر زینان نے ایسا کیوں کیا؟ بے شک وہ مسلمان تھا لیکن اس نے ملکہ کے دل میں چھپے انسان کو دیکھ لیا تھا۔ پھر اس اچھے انسان نے اپنی ملکہ کے ساتھ دھوکہ کیوں کیا...... ملکہ یہی سوچ رہی تھی۔ آنسوؤں کی دو ننھی ننھی بوندیں کیتھرائن کی پلکوں سے الجھنے لگیں۔ اپنی ملکہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے دیکھ کر پیٹر نرم ہو گیا اور کیتھرائن سے کہنے لگا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں...... اس مقدس جنگ کے سالارِ اعلیٰ ہم ہیں۔ ہمیں ہی

Marfat.com

سوچنا چاہئے تھا۔ افسوس کہ ہم ایک مسلمان جاسوس کو نہ پہچان سکے۔ لیکن اب بھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے جاسوسوں نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ صدر اعظم بلط جی کا لشکر ابھی بہت دور ہے۔ وہ یہاں تک کئی دن میں پہنچے گا۔ ہم یہاں سے پڑاؤ اٹھا سکتے ہیں۔ میں ابھی لشکر کو کوچ کا حکم دیتا ہوں۔"

زار احکامات جاری کرنے میں مصروف ہو گیا لیکن کیتھرائن کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ آنسو بھری آنکھیں لئے خیمے میں آ گئی۔ زار نے فوری طور پر فوجی افسروں کو طلب کیا اور انہیں جلد سے جلد پڑاؤ اٹھانے کے احکامات جاری کر دیئے۔ الیگزینڈر نے فاتحانہ نظروں کے ساتھ شہنشاہ کی طرف دیکھا اور کسی قدر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"زار محترم! اتنے بڑے لشکر کو ایک دن میں کوچ کے لئے تیار کرنا ممکن نہیں...... ہم کوشش کرتے ہیں کہ کل تک یہاں سے روانہ ہو سکیں۔

پیٹر الیگزینڈر کے لہجے میں چھپے طنز کو سمجھ رہا تھا لیکن اب پیٹر کی جنگجویانہ حس بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے الیگزینڈر کی بات کا برا نہ منایا بلکہ بے پرواہانہ لہجے میں اپنے افسروں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں...... دشمن ہم سے بہت دور ہے۔ ہم آرام سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن میرا ایک حکم پوری توجہ سے سنو! چاروں طرف پہاڑیوں پر اپنے بندوق بردار دستے بھیج کر قبضہ جما لو، جگہ جگہ عارضی مورچے بنا دو۔ جب تک لشکر اس چوہے دان سے نکل نہیں جاتا یہ بندوق بردار سپاہی مورچوں میں ہی رہیں گے۔"

تمام افسروں نے تعمیل میں سر جھکا دیا اور احکامات پر عمل کرنے کے لئے واپس مڑ گئے۔ اب ٹیلے پر صرف زار روس اور ماسکو کے بڑے کلیسا کا بشپ رہ گئے تھے۔ شہنشاہ نے بشپ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"فادر! ہم پھنس چکے ہیں۔ آپ دعا کا اہتمام کروائیے۔ ہمیں اس وقت دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

فادر نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے زار کی بات سنی اور پھر ایک خاص انداز میں کہا۔

"شہنشاہِ معظم! ابھی آپ فرما رہے تھے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں کیونکہ دشمن ہم سے دور ہے۔ لیکن آپ بے حد پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ کیا سچ مچ دشمن ہم سے دور ہے؟"

Marfat.com

شہنشاہ کو بشپ کا اندازِ تخاطب پسند نہ آیا لیکن یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کچھ کہتا۔ پھر بھی زارِ روس نے پشت کی بات کا جواب دیا۔

''فادر! دشمن کا لشکر بے شک ابھی دور ہے لیکن زینان کی چال کے بعد اب کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہوسکتا ہے زینان نے دشمن کو پہلے خبر کر دی ہو اور بلط جی نے ینی چری کے خونخوار دستے ہمارے لئے گھات لگانے کی نیت سے پہلے ہی بھیج رکھے ہوں۔ میں نے پہاڑوں پر مورچے بنانے کا حکم اسی لئے دیا ہے تا کہ تمام دروں اور چوٹیوں پر ہمارا قبضہ ہو جائے۔ کیونکہ ہم نشیب میں ہیں، اگر ہم بروقت اردگرد کی تمام اونچی جگہوں پر قبضہ کر لیتے ہیں تو یقیناً اس چوہے دان سے نکلتے ہوئے ہم محفوظ رہیں گے۔''

زار کی بات کے ساتھ ساتھ بشپ سر گھما کر اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنی لشکر گاہ اور پہاڑیوں کے فاصلے پر غور کر رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر دشمن کے بندوق بردار سپاہی ان پہاڑیوں پر چھپ کر لشکر گاہ پر فائرنگ کریں تو کیا ان کی گولی پڑاؤ تک پہنچ پائے گی؟ اور پھر فاصلے کا اندازہ کر کے فادر دل ہی دل میں مطمئن ہو گیا کیونکہ پہاڑیاں اتنی دور تھیں کہ بندوق کی گولی کا پڑاؤ تک پہنچنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔

معاً بشپ کی نظر سامنے سے آتے ہوئے ایک گھڑ سوار پر پڑی جو اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا اسی ٹیلے کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں شہنشاہ کھڑا اپنے لشکر کا جائزہ لے رہا تھا۔ شہنشاہ بھی اب اپنے ماتھے پر بل ڈالے آتے ہوئے گھڑ سوار کی جانب دیکھنے لگا۔ آج بری خبروں کا دن تھا۔ چنانچہ پیٹر اپنے آپ کو پھر کسی خبر کے لئے تیار کرنے لگا۔ گھڑ سوار ٹیلے کے نزدیک پہنچا تو گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کا سر اور چہرہ گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بہت لمبا سفر کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ زار اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ زینان کے ساتھ جانے والے دستے کا ہی ایک افسر تھا۔ زار کا ماتھا ٹھنکا...... تو گویا وہی بات سچ ہوئی جس کا خدشہ تھا۔ سالار زینان نے بالآخر دھوکا دے دیا تھا۔

گرد سے اٹا نوجوان جونہی ٹیلے پر چڑھ کر زار کے سامنے آیا۔ زار نے از خود اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''زینان نے دھوکا دیا؟...... مجھے پہلے ہی خدشہ تھا۔ لیکن تم اکیلے واپس آئے ہو۔ تمہارے ساتھ دو سو سوار گئے تھے، ان لوگوں کا کیا ہوا؟''

Marfat.com

خیمے کے اندر اپنے بستر پر بیٹھی ملکہ کیتھرائن کا دل زور سے دھڑ کا۔ اس کے کانوں میں بھی پیٹر کی آواز پڑ چکی تھی۔ وہ جان گئی کہ کوئی اطلاع آئی ہے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتی اطلاع لانے والے کی بات سننے کے لئے خیمے سے باہر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''نہیں شہنشاہِ معظم! بہادر سالار زینان نے آخر تک مقابلہ کیا۔ ہم تمام راستے میں ہر میل پر فوجی چوکیاں قائم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ کئی میل کے بعد جب ہماری تعداد بھی تقریباً نصف رہ گئی تو اچانک کریمیا کے تاتاریوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ سالار زینان جان توڑ کر لڑے۔ آخر وقت تک انہوں نے ہتھیار نہیں پھینکے لیکن دشمن کے سپاہی سینکڑوں میں تھے۔ ہمارے سارے ساتھی مارے گئے۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا لیکن ہمارے بہادر سالار زینان مسیحیت پر قربان ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو یہی دردناک خبر سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

ٹیلے پر موجود ملکہ کیتھرائن، بشپ اور پیٹر اعظم کی حالت یک لخت بدل گئی۔ کیتھرائن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اوہ میرے خدا!!!...... تُو نے مجھے سرخرو کر دیا۔''

پیٹر اور بشپ کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ وہ تو زینان کو جاسوس سمجھ رہے تھے جبکہ زینان تو ایک سچا سپاہی نکلا۔ پیٹر نے مشکوک نگاہوں سے افسر کی آنکھوں میں دیکھا اور اس سے سوال کیا۔

''کیا تم نے زینان کو خود جان دیتے ہوئے دیکھا؟''

اب ملکہ کے دل پر زینان کی موت کا صدمہ چھا گیا تھا۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے دو قدم آگے بڑھ آئی اور پیٹر کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ملکہ سر پر چھوٹا تاج رکھے بغیر باہر نکل آئی تھی۔ سوار دستے کا افسر جانتا تھا کہ سالار زینان ملکہ کے بہت قریب تھا۔ چنانچہ اس نے شہنشاہ اور ملکہ سے مخاطب ہو کر جواب دیا۔

''جی ہاں! میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ تن تنہا چالیس سے زیادہ سپاہیوں کے گھیرے میں کھڑا یوں تلوار چلا رہا تھا جیسے کوئی انسان نہیں بلکہ چھلاوہ ہو۔ اس نے میرے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کے بیسیوں سپاہی مار گرائے اور آخر میں زخموں سے چور ہو کر وہ خود بھی

Marfat.com

گر پڑا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بہت عظیم ہے زار محترم! بہت ہی عظیم۔"

پیٹر کے دل سے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔ کیتھرائن کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑیاں تھیں لیکن وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ فتح کی مسکراہٹ تھی۔ احساس کی فتح کی مسکراہٹ۔ اس کا دل کہتا تھا کہ نیک سیرت زینان دھوکا باز نہیں...... پیٹر کے سامنے کیتھرائن کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ پیٹر نے بھی مسکراتے ہوئے کیتھرائن کی جانب دیکھا اور کسی قدر مسرور لہجے میں کہا۔

"ہمیں خوشی ہے کہ ہماری ملکہ کا دکھ دورا ہوا۔ کیتھرائن آپ سچ کہتی تھیں۔ زینان بہت عظیم تھا۔ ہم اسے ایک شہید کے تمام اعزازات سے نوازیں گے۔ کاش وہ اتنی جلدی جدا نہ ہوتا......ہمیں ابھی اس کی بہت ضرورت تھی۔"

اب تو بشپ کے دل سے بھی ڈر دور ہو چکا تھا۔ اس نئی اطلاع کی وجہ سے شہنشاہ نے اپنے احکامات واپس نہ لئے۔ وہ اس دلدل سے گھرے علاقے کو جلد سے جلد خیر باد کہنا چاہتا تھا۔ کریمیا کے تاتاری اگر اس کے سوار دستے پر حملہ کر سکتے تھے تو یہاں تک بھی پہنچ سکتے تھے۔ وہ اتنے بڑے لشکر کو شاید شکست تو نہ دے سکتے لیکن نقصان ضرور پہنچاتے رہتے۔ یہی سوچ کر پیٹر نے یہاں سے کوچ کا فیصلہ برقرار رکھا۔

پیٹر کے حکم پر سینکڑوں بندوق بردار سپاہیوں پر مشتمل ایک عارضی فوج تیار کی گئی جس کی ذمہ داری چاروں طرف بکھری پہاڑیوں اور چوٹیوں پر مورچے بنانا تھی۔ الیانوف کو اس بندوق بردار فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا جس کے ماتحت مزید چار سالار تھے جو چہار اطراف اپنی اپنی فوجوں کو لے جاتے۔ آج کا دن کافی سنسنی خیز تھا۔ پڑاؤ میں ایک بار پھر ہنگامہ برپا تھا کیونکہ میدان سے خیمے اکھیڑے جا رہے تھے۔ بھاری سامان کو گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا اور لشکر کے کوچ کے تمام انتظامات سرانجام دیئے جا رہے تھے۔ پیٹر کا آج سارا دن انہی مصروفیات میں گزرا تھا اور اس وقت وہ اپنے خاص گھوڑے کی پشت پر سوار پہاڑیوں کی جانب روانہ ہونے والے بندوق بردار دستے کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا۔ دریائے پرتھ کے پانی میں مغرب کی طرف جھکتا ہوا سورج چندھیا دینے والے عکس ڈال رہا تھا جبکہ ساحل کے نزدیک پیٹر کا گھوڑا کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف پلپلیں ڈالتا ہوا گھوم رہا تھا۔

اب پیٹر مطمئن تھا۔ زینان کی بہادرانہ موت کا ذکر سننے کے بعد اس کے دل سے تمام ڈر

Marfat.com

جاتا رہا تھا۔ لہٰذا اب اس کے چہرے پر وہی جوش و خروش دکھائی دے رہا تھا جو روس سے جدا ہوتے وقت اس کے چہرے پر تھا۔ بندوق بردار سواروں کے سامنے شہنشاہ کی آواز گونجی۔

''سپاہیو! دشمن ہمارے آس پاس موجود ہے...... لیکن اس کی تعداد زیادہ نہیں۔ استنبول کی فوج ابھی بہت دور ہے۔ ہماری مڈبھیڑ مسلسل خانِ کریمیا کی تاتاری فوج سے ہو رہی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے دستوں پر مشتمل ایک غیر منظم فوج ہے۔ آپ لوگوں کو دریا کے پار اور دریا سے اس طرف کی پہاڑیوں پر اس لئے بھیجا جا رہا ہے تاکہ آپ لوگوں کے مورچوں کی موجودگی میں ہمارا لشکر یہاں سے کوچ کر سکے۔ دراصل اتفاق سے ہمارے ایک طرف خونی دلدل نکل آئی ہے۔ اگر یہ دلدل نہ ہوتی تو اس وادی کو ہم اپنے لئے محفوظ خیال کرتے تھے لیکن اب تم لوگوں کے سروں پر ذمہ داری ہے۔ تم یہاں سے ابھی روانہ ہوئے تو پہاڑیوں کے آغاز تک نصف گھنٹے میں پہنچ جاؤ گے اور پھر چوٹیاں سنبھالتے سنبھالتے شاید تمہیں رات ہو جائے۔ لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جب تک اچھی اور مناسب جگہوں پر مورچے نہ سنبھال لو نیند کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ لشکر یہاں سے روانہ ہوتے ہوتے دو روز لگ سکتے ہیں۔ تب تک تم میں سے کوئی نہ تو شراب پیئے گا اور نہ لشکر گاہ میں واپس آئے گا۔ اب تم روانہ ہو جاؤ۔ خداوند یسوع مسیح تمہارا نگہبان ہو۔''

پیٹر کی تقریر کے بعد لشکر کے بشپ نے دعا کروائی اور بندوق بردار سرداروں کے دستے چار مختلف اطراف میں دھول اڑاتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ پڑاؤ میں موجود ہر شخص کی نگاہیں ان روانہ ہونے والے سپاہیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ پیٹر اپنے گھوڑے پر سوار ان لوگوں کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک شام کا دھندلکا چھا نہ گیا۔ غروبِ آفتاب سے کئی ساعت بعد پیٹر نے اپنی آنکھوں سے دوربین ہٹائی اور اس اطمینان کے ساتھ اپنے خیمے میں لوٹا کہ اس کے سپاہی پہاڑی چوٹیوں کے قریب پہنچے والے تھے۔ اب اندھیرا اس قدر بڑھ گیا تھا کہ انہیں مزید دیکھتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ پیٹر لوٹ آیا اور خیمے میں داخل ہوتے ہی پیٹر نے کیتھرائن سے کہا۔

''کیتھرائن! اب میں مطمئن ہوں...... اب کچھ نہیں ہوگا۔''

پیٹر نے اپنے سر پر رکھا ہلکا پھلکا تاج اتار کر اپنی ملکہ کو تھما دیا اور خود شاہی خیمے میں بچھی مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے بڑے خوش کن لہجے میں اپنی ملکہ سے کہنے لگا۔

Marfat.com

''کیتھرائن! تم جانتی ہو میں نے بہت بڑا کھیل کھیلا ہے...... میں نے بڑی محنت سے جو بحری بیڑا تیار کروایا اگر اسے سمندر میں عثمانی بحریہ نے نہ روکا تو سمجھ لو کہ ہم جیت گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جلد ہی ہم بلط جی کی عظیم فوج سے ٹکرانے والے ہیں لیکن تم یقین جانو ہم جتنی دیر مسلمان فوج کو اپنے ساتھ الجھائے رکھیں گے اتنا ہی ہمارا فائدہ ہوگا۔ سچ پوچھو تو یہ جنگ ہم لڑیں گے نہیں بلکہ کھیلیں گے۔''

پیٹر کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ کیتھرائن بھی مسکراتے ہوئے آگے بڑھی اور شہنشاہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام کر زار کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور پھر کہا۔

''میں تو خداوند سے یہ دعا کرتی ہوں کہ سچائی کی فتح ہو...... میں نے آج ہی اپنی دعا کا اثر دیکھ لیا۔ میں اب بھی زینان کو نہیں بھلا پائی۔ وہ مسیحیت کے لئے سرمایہ تھا۔''

اسی طرح کے موضوعات پر باتیں کرتے کرتے ملکہ اور بادشاہ بستروں پر دراز ہو گئے۔

رات ہو چکی تھی اس لئے تمام کام بند کر دیئے گئے تھے اور دن کے تھکے ہارے سپاہی اپنے اپنے بستروں میں دبکے بے سدھ پڑے سو رہے تھے لیکن ایک شخص جاگ رہا تھا، یہ کلاڈیوس تھا۔ کلاڈیوس کو پیٹر سے ملاقات کئے آج تیسرا روز تھا لیکن ابھی تک شہنشاہ کو وہ اپنی اہمیت نہ جتا سکا تھا۔ فوج کے سپہ سالار نے اسے محض دس سپاہیوں کا افسر مقرر کر کے اپنے تئیں اس کے عہدے کا حق ادا کر دیا تھا۔ کلاڈیوس اپنی کم اہمیتی کا احساس کر کے جز بز ہونے لگا اور اب وہ بستر میں لیٹا یہ سوچ رہا تھا کہ اسے شہنشاہ روس کا لشکر چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں مادام تھروشیا آسٹروی شہنشاہ کی فوج میں شامل ہو کر بڑے شاہانہ طمطراق کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہو گی۔ کلاڈیوس نے یہی سوچا کہ وہ آسٹروی فوج سے جا ملے۔ اس کی ماں نسلاً آسٹروی شاہی خاندان سے تھی۔ اس عظیم جنگ میں کلاڈیوس کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ آسٹروی شہنشاہ کے پرچم تلے مسلمانوں سے لڑتا۔ حقیقت یہ تھی کہ کلاڈیوس روسی فوج میں شامل ہونے کے لئے تو استنبول سے روانہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے زار روس کے سامنے جھوٹ بولا تھا کہ وہ بیس سپاہیوں کو لے کر روسی لشکر میں شامل ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ وہ تو شیراز کے تعاقب میں نکلا تھا اور پھر مختلف حادثات و حالات نے اسے کسمپرسی کے عالم میں یہاں پہنچا دیا اور اب وہ دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کل صبح ہوتے ہی وہ پیٹر سے اجازت لے کر آسٹروی فوج میں اپنی ماں سے جا ملے گا۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے کلاڈیوس کی آنکھ لگ گئی۔

Marfat.com

رات دھیرے دھیرے گزرتی جا رہی تھی۔ موسم بہت سرد تھا۔ پورے لشکر پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کتوں کے بھونکنے اور مختلف جانوروں کی آوازوں کا سلسلہ بھی شاید ٹھنڈ کی وجہ سے بند تھا۔ حالانکہ یہ مئی کا مہینہ تھا اور میدانی علاقوں کے لوگوں کے لئے مئی کو موسم گرما شمار کیا جاتا تھا لیکن کرۂ زمین پر شمال کے تمام علاقے ہر حال میں سرد تھے۔ البتہ موسم سرما کی نسبت اس رات کی سردی زیادہ تکلیف دہ نہیں تھی۔ چار سو بندوق بردار عیسائی جب ایک ایک پہاڑی چوٹی پر تقسیم کئے گئے تو ان کی تعداد بمشکل دو دو اور چار چار رہ گئی۔ وہ سرد اور خنک رات میں پہاڑیوں پر اپنے لئے مختلف مقامات پر مورچے بنانے میں مصروف ہو گئے۔ ہر جماعت کو اپنا مورچہ خود بنانا تھا۔ چنانچہ رات بھر یہی کام جاری رہا۔ سپاہی بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور کسی مناسب مقام پر اوپر تلے اس طرح جوڑ کر رکھتے کہ چاروں طرف سے ایک چھوٹی سی دیوار اٹھ کھڑی ہو اور وہ ایک ننھے سے مورچے میں محفوظ ہو جائیں۔ چار سو کی اس فوج کا سپہ سالار الیانوف مشرقی پہاڑیوں پر تھا کیونکہ اسے یہی علاقہ تاتاریوں کے سب سے زیادہ نزدیک محسوس ہوا۔ دن بھر سفر اور چڑھائی...... اور رات بھر پتھر ڈھو ڈھو کر صبح کے قریب تمام سپاہی تھکن سے چور ہو کر اپنے اپنے مورچوں میں گر پڑے۔ ان کے پاس بستر نہیں تھے لیکن بھاری کمبل لپیٹتے ہی ان کی آنکھ لگنے لگی۔

الیانوف سونا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اپنے مورچے سے نکل کر ایک قدرے مسطح چٹان پر ٹہلنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ اب تک مغربی، شمالی اور جنوبی پہاڑیوں کی طرف جانے والے سپاہی گہری نیند سو چکے ہوں گے لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل ڈر رہا تھا۔

صبح ہونے والی تھی۔ رات کی تاریکی ہولے ہولے چھٹنے لگی۔ دور مشرق میں صبح کا ستارا پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ الیانوف بھاری کمبل میں لپٹا ایک پتھر کے ساتھ اوٹ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی بندوق اس کی ران پر دھری تھی کہ دھیرے دھیرے اس کی بھی آنکھ لگ گئی۔ اور پھر کسی کھٹکے کی آواز سن کر اچانک الیانوف کی آنکھ کھلی تو اس کا لہو اس کے بدن میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ ایک تاتاری سپاہی الیانوف پر بندوق تانے کھڑا تھا...... الیانوف کے جسم سے جان نکل گئی۔ اس کے اعضاء شل ہو گئے اور وہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا۔ الیانوف کا سر گھوما اور اس نے اپنے پہلو میں دیکھا تو اسے تاتاری سپاہیوں کا ایک پورا دستہ نظر آیا جو روسی فوجیوں کی مشکیں باندھ چکا تھا۔ اور تمام روسی سپاہی ان کے سامنے سر جھکائے

Marfat.com

کھڑے تھے۔ ابھی صبح پوری طرح نہ ہوئی تھی، ہر طرف اندھیرا تھا۔ الیانوف نے دل میں سوچا کہ دوسری پہاڑیوں پر بھی تاتاری سپاہیوں نے روسی فوجیوں کو اسی طرح خاموشی سے گرفتار کرلیا ہوگا۔ الیانوف کی سوچ صحیح تھی۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے جب دن بھر کا تھکا ماندا روسی لشکر بے سُدھ پڑا سو رہا تھا، پہاڑی مورچوں میں عیسائی فوج کے چار سو بندوق بردار سپاہی گرفتار کیے جاچکے تھے......!

♦ ...... ♦

آج زارِ روس مطمئن تھا۔ اب اس کے دل میں کسی حملے یا شب خون کا خوف باقی نہ رہا تھا۔ آج صبح ہوتے ہی الیانوف نے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر دوربین کی مدد سے اپنے سامنے پھیلی پہاڑیوں پر اپنے سپاہیوں کے مورچے دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ لشکر تمام خیمے کھول کر گاڑیوں پر لاد چکا تھا۔ یہ کام لشکریوں نے کل ہی کرلیا تھا اور تمام لشکری رات بھر کھلے آسمان تلے سوئے ہوئے تھے۔ صرف امرائے سلطنت، وزیروں، مشیروں، سالاروں اور سرداروں کے خیمے باقی رہنے دیئے گئے تھے جنہیں اب صبح ہوتے ہی اکھاڑا جارہا تھا۔ لشکر کے تمام بیل لکڑی کی بڑی بڑی گاڑیوں کے آگے جوت دیئے گئے تھے۔ کوچ کا اہتمام آج دوپہر کسی بھی وقت مکمل ہوسکتا تھا۔ بادشاہ کے پہلو میں کھڑی اس کی پیاری ملکہ اپنے لشکر پر نظر ڈالتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی کہ آج دن میں ہی کسی وقت روسی لشکر یہاں سے کوچ کر جائے گا اگر دوپہر تک ہر چیز باندھ اور سنبھال لی گئی تو سپہ سالار تک تمام دستے معمول کی ترتیب میں آنا شروع ہو جائیں گے۔ اچانک ملکہ کو پیٹر کی آواز سنائی دی۔

''اس مرتبہ ہمارا ہر سپاہی دینِ مسیح پر قربان ہونے کے لئے سچے جذبے سے آیا ہے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں کہ ایک ہی رات میں ہمارے چار سو بندوق برداروں نے پوری وادی پر قبضہ جمالیا۔ مجھے ہر پہاڑی پر مورچے دکھائی دے رہے ہیں۔ حیرت ہے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوگیا۔ لگتا ہے یسوع ہماری مدد کر رہا ہے حالانکہ یہ کام کم سے کم دو دنوں کا تھا۔''

شہنشاہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس نے بات مکمل کرنے کے بعد دوربین ملکہ کو تھما دی۔ ملکہ نے پُرتجسس انداز میں دوربین آنکھوں سے لگائی اور تھوڑی دیر بعد وہ بچوں کی طرح مچل کر اپنی خوشی کا اظہار کررہی تھی۔

''بہت خوب...... اب ہم پوری طرح محفوظ ہیں۔ خداوند کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں

Marfat.com

خطرے سے نکال لیا...... ارے وہ کون ہے؟ مجھے لگتا ہے سامنے کی پہاڑی کی طرف سے کوئی گھڑ سوار آ رہا ہے۔ ذرا دیکھئے تو۔"

ملکہ نے دوربین پیٹر کی طرف بڑھا دی۔ بادشاہ نے تیزی سے دوربین آنکھوں کے ساتھ لگائی اور اسی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سچ مچ کوئی گھڑ سوار تھا جو ایک پہاڑی نالے میں سے ہوتا ہوا نیچے لشکر کی طرف آ رہا تھا۔ بادشاہ کی نظریں اسی پر جم گئیں۔ وہ زبان سے کچھ کہے بغیر اپنی دوربین کے عدسے میں گھڑ سوار کو دیکھنے لگا۔ اس دوران ملکہ کے حکم پر ایک خادمہ اندر سے دوسری دوربین اٹھا لائی تھی اور اب ملکہ بھی ماتھے پر بل ڈالے خاموشی سے اُسی سوار کو دیکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد سوار پہاڑی سے اتر آیا...... اب اس کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا لشکر کی جانب آ رہا تھا۔ یکا یک بادشاہ کے جنہ سے آواز نکلی۔

"یہ الیانوف ہے...... بندوق برداروں کا سالار...... حیرت ہے یہ لشکر کی طرف واپس کیوں آ رہا ہے؟"

"شاید کوئی ضروری بات کرنے کے لئے۔"

ملکہ نے جواب دیا۔

پیٹر صرف ایک ہوں کر کے رہ گیا۔ اب انہوں نے دوربین آنکھوں سے ہٹا لی تھی کیونکہ دوربین کے بغیر ہی گھڑ سوار صاف دکھائی دینے لگا تھا۔

جلد ہی الیانوف پیٹر اعظم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس وقت ٹیلے پر پیٹر کے علاوہ لشکر کا بشپ اور چند دیگر سالار بھی موجود تھے۔ الیانوف کو دیکھ کر سب حیران تھے کیونکہ الیانوف کے گھوڑے سے اترنے کا انداز اور چال ڈھال دیکھ کر شہنشاہ سمیت سب کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ الیانوف ضرور کوئی بری خبر لایا تھا۔ وہ سر جھکائے اور منہ لٹکائے شہنشاہ کے سامنے آیا، تعظیم میں جھکا اور پھر سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ الیانوف کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کیتھرائن کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ بشپ دو قدم آگے بڑھ آیا لیکن پیٹر اعظم اپنے لہجے کو لرزش سے پاک بناتے ہوئے از خود بولا۔

"الیانوف! تم یہاں کیوں آئے؟ ایک سالار کو ہمہ وقت اپنی سپاہ میں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی ضروری پیغام تھا تو تمہیں کسی اور کو بھیج دینا چاہئے تھا۔"

Marfat.com

الیانوف نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ایک مکتوب نکال کر بادشاہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''زارِ عالی! ہم چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہیں......''

سب کے دلوں میں گویا توپ کا گولہ پھٹ گیا۔ یک لخت شہنشاہ کی تمام استقامت جاتی رہی۔ اس کی نبضیں بے حد تیز ہو گئیں۔ بشپ نے تیزی سے اپنے سینے پر کراس بنایا۔ کیتھرائن نے بھی بشپ کی تقلید کی۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں الیانوف پر جمی ہوئی تھیں۔ معاً شہنشاہ کی دھاڑ سنائی دی۔

''کیا بک رہے ہو تم؟ ہم اس دروغ گوئی پر تمہارا سر تن سے جدا کر دیں گے۔''

زار کا بدن غصے سے کانپنے لگا۔ یہ لرزش درحقیقت خوف کی لرزش تھی۔ الیانوف دوبارہ کہنے لگا۔

''ہمیں ترک فوج نے گھیر لیا ہے...... یہ مکتوب ترک صدر اعظم بلط جی کی طرف سے ہے۔ ترکی افواج کا صدر اعظم اس وقت شہنشاہ کی آنکھوں کے سامنے مشرقی پہاڑی کی چوٹی پر موجود ہے۔ ہمارے سب نوجوانوں کو قیدی کر لیا گیا ہے اور اس وقت ہمارا لشکر ترک فوج کے گھیرے میں ہے۔''

پیٹر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی تیز لہر دوڑ گئی۔ یہ کیا ہو گیا تھا...... ایسا تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے دل میں سوچا ضرور الیانوف کو چند تاتاری سپاہیوں نے دھوکا دیا ہوگا کیونکہ الیانوف تو صرف سامنے کی پہاڑی پر تھا۔ پیٹر کو یقین ہونے لگا کہ چند تاتاری سپاہیوں نے الیانوف کے ذاتی دستے کو حراست میں لینے کے بعد یہ کہہ دیا ہو گا کہ وہ ترک فوجی ہیں اور سب پہاڑیوں پر قبضہ کر چکے ہیں۔ پیٹر نے سوچا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سامنے کی پہاڑی پر موجود الیانوف کو لشکر کے چاروں طرف پھیلی پہاڑیوں کا پتہ چل جاتا۔ اسی خیال کے تحت پیٹر نے کہا۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ بلط جی خود یہاں پہنچ چکا ہے؟''

الیانوف نے بلط جی کا خط آگے کر دیا اور انتہائی ادب سے بولا۔

''مجھے ایک دراز قد ادھیڑ عمر ترک سالار کے سامنے لے جایا گیا اور یہی بتایا گیا کہ یہ بلط جی ہے۔ بلط جی نے مجھے یہ مکتوب دیتے ہوئے کہا کہ وہ میری جان بخشی کرتا ہے اور یہ کہ میں

Marfat.com

اس کا مکتوب زار روس تک پہنچا دوں۔"

بادشاہ کے اشارے پر فوج کا سپہ سالار آگے بڑھا اور اس نے الیانوف کے ہاتھ سے مکتوب تھام لیا۔ اب شہنشاہ کو مکتوب سنایا جا رہا تھا۔ مکتوب کی تحریر یہ تھی۔

"اسلامی افواج کے سربراہ صدر اعظم بلط جی کی طرف سے زار روس کے لئے!......

محترم زار روس! میں اسلامی افواج کا سربراہ صدر اعظم بلط جی ہوں۔ آپ کا تمام لشکر اس وقت ہمارے سنگین گھیرے میں ہے۔ ہماری توپوں کا رخ آپ کے لشکر کی جانب ہے۔ جس وقت یہ مکتوب آپ کے ہاتھ میں ہو گا اس وقت ہماری توپوں کے دہانوں اور نالیوں پر رکھی گھاس پھونس اور جھاڑیاں ہٹائی جا چکی ہوں گی جن میں ہم نے اپنی سینکڑوں توپوں کو چھپا رکھا تھا اور مکتوب پڑھنے کے بعد جب آپ اپنی آنکھوں پر دور بین لگا کر اپنی چاروں طرف دیکھیں گے تو آپ کو سینکڑوں توپوں کے بھیانک منہ اپنے لشکر کی جانب نظر آئیں گے۔ میں چاہوں تو صرف ایک گھنٹے کی گولہ باری سے آپ کو اور آپ کے تمام عظیم لشکر کو راکھ کا ڈھیر بنا دوں۔ لیکن اس سے بہتر یہ ہو گا کہ میں آپ کو اپنی بالادستی اور آپ کی کمتری کا احساس دلا کر ایک پُر امن شکست دوں۔ آپ کی طرف سے کوئی شرائط قابل قبول نہیں ہوں گی۔ آپ کو اور آپ کے لشکر کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنا تاج اتار کر الیانوف کے ہاتھ میرے پاس بھیج دیں۔ تمام بھاری ہتھیار میدان میں ایک طرف کھڑے کر کے خود قیدیوں کی طرح شمالی میدان میں الگ کھڑے ہو جائیں۔ ایسی صورت میں ہم آپ کو موت کی سزا نہیں دیں گے۔ ایک آخری بات...... مولڈیویا کا حکمران جس نے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ دھوکا کیا آپ کے لشکر میں مہمان ہے۔ اس کے بارے میں فیصلہ ہمارے سلطان کریں گے۔ لہٰذا آپ اُسے پابہ زنجیر ہماری طرف روانہ کر دیں۔

فقط آپ کا خیر خواہ

بلط جی۔"

Marfat.com

جوں جوں سالار خط پڑھتا جاتا تھا اس کے ہاتھوں اور آواز کی لرزش بڑھتی جاتی تھی۔ خط ختم ہوتے ہی ٹیلے پر موجود سب لوگوں نے اپنی اپنی آنکھوں سے دوربینیں لگا لیں اور اب زار روس اور اس کے امراء اپنے چاروں طرف پھیلی پہاڑی چوٹیوں کو دیکھ رہے تھے۔ پیٹر کو ہر مورچے پر توپیں نظر آئیں، ہر توپ کا دہانہ روسی لشکر کی جانب تھا۔ یکایک ٹیلے پر موجود تمام لوگوں کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ بری طرح پھنس چکے تھے۔ شہنشاہ نے سوچا آخر صدر اعظم کا لشکر اتنی جلد یہاں تک پہنچ کیسے گیا؟ پیٹر کے خاص جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق بلطہ جی کا لشکر ابھی سو کوس دور تھا لیکن پہاڑیوں پر نصب توپیں زار روس اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اب ان کے چاروں طرف صرف موت تھی۔ مسلمان سپہ سالار چاہتا تو پیٹر کے لشکر کا بھرکس بنا سکتا تھا۔ یہ تو صدر اعظم کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ اس نے پیٹر کو احترام کے لہجے میں مخاطب کیا تھا۔ ٹیلے پر موجود تمام افراد موت کے خیالوں میں گم گونگوں کی طرح کھڑے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ پیٹر کی آنکھوں پر ابھی تک دوربین تھی۔ کیتھرائن نے ہی سکوت توڑا۔

''میرا مشورہ یہ ہے کہ فوری طور پر لشکر کے اُمراء کا اجلاس طلب کیا جائے اور پھر صلح کی بات چیت شروع کی جائے۔ ضروری نہیں کہ ہم پہلے روز ہی ان کی سب شرطیں مان لیں۔ ہمیں خداوند کی نصرت کا انتظار کرنا چاہئے۔ ہم مکتوبات کے ذریعے صلح کی بات چیت کو کئی دن تک طول دے سکتے ہیں۔ اس دوران اگر آسٹروی افواج ہماری مدد کے لئے پہنچ جائیں تو شاید ہم فتح یاب ہوں۔''

ملکہ نے زبان کھولی تو سب لوگ جیسے خواب سے بیدار ہو گئے۔ بہادر شہنشاہ پیٹر نے سینہ تان کر ایک عجیب بات کہی۔

''ہم مسیح کے پرچم کو رسوا نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا لشکر بہت بڑا ہے...... ہم پیدل فوج کے ساتھ یلغار کریں گے۔ ہم چاروں پہاڑیوں پر چڑھ دوڑیں گے اور جانوں کا نذرانہ دیتے ہوئے دشمن سے اس کی توپیں چھین لیں گے۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ امتحان کی گھڑی ہے۔ لیکن فوری طور پر ہمیں ملکہ محترمہ کے مشورے سے اتفاق ہے۔ سردست ہمیں صلح کی بات چیت کو طول دینا چاہئے۔ البتہ میں اس بات پر ابھی تک حیران ہوں کہ بلطہ جی کا لشکر اتنی جلد دریائے پرتھ کے کنارے کیسے پہنچ آیا۔''

اتنا کہہ کر پیٹر اپنے ایک وزیر کی طرف گھوما اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

Marfat.com

''ابھی اور اسی وقت شاہی خیمے میں امرائے لشکر کے اجلاس کا انتظام کیا جائے۔ خاص طور پر محکمہ جاسوسی کے سربراہ سے سوالات کئے جائیں کہ آخر بلط جی کا لشکر ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں تک کیسے پہنچ آیا؟ ہمیں عقلمندی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اس صورتحال میں صرف عقلمندی ہی ہمارے کام آسکتی ہے۔''

آن کی آن میں اجلاس کا اہتمام کر دیا گیا اور اب وسیع شاہی خیمے میں بیسیوں روسی افسر بیٹھے فق چہرے لئے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ وہ سب عثمانی فوج کی توپوں کو دیکھ چکے تھے۔ توپوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ وہ حیران تھے کہ اتنی زیادہ تعداد میں توپیں پہاڑیوں پر چڑھائی کیسے گئیں؟ اجلاس میں سب کو بلط جی کا مکتوب پڑھ کر سنایا گیا۔ مکتوب کے اختتام پر سب سے پہلی بات الیگزینڈر نے کی۔ اس نے کہا۔

''شہنشاہِ معظم!...... ہمیں اس نقطے پر زیادہ غور کرنا چاہئے کہ یہ دشمن کی چال بھی ہوسکتی ہے۔ صدر اعظم کا لشکر اطلاعات کے مطابق ابھی بہت دور ہے۔ ہوسکتا ہے یہ تاتاریوں کا کوئی چھوٹا سا لشکر ہو اور جن چیزوں کو ہم توپیں سمجھ رہے ہیں، یہ محض درختوں کے تنے ہوں۔ آپ چاروں طرف نظر دوڑائیے، آپ کو ایسے بے شمار درخت دکھائی دیں گے جنہیں کاٹ کر ان کے تنوں کو ایک خاص زاویئے سے رکھ دیا جائے تو دور سے دیکھنے والے کو وہ توپ کی نال ہی نظر آئے گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے اتنی زیادہ تعداد میں توپیں پہاڑیوں پر چڑھانا آسانی سے ممکن نہیں۔ اس کام کے لئے کئی دن درکار ہوں گے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے چاروں طرف توپیں نصب ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن نے ہماری آمد سے پہلے ہی یہاں ہمارے لئے گھات لگا رکھی تھی۔ حیرت ہے ہمارے جاسوسوں کی اطلاعات کیونکر غلط ثابت ہوئیں۔''

الیگزینڈر کی بات سب نے دلچسپی کے ساتھ سنی اور اس کی بات سن کر سب کے دل میں یہی خیال گزرا کہ یقیناً دشمن کی چال ہوگی۔ اس خیال کو مزید تقویت محکمہ جاسوسی کے سربراہ ''روہان'' کی بات سے ملی۔ اس نے کہا۔

''میرے جاسوس غلط نہیں ہو سکتے...... کیونکہ میں کسی ایک پر اعتماد نہیں کرتا۔ میں اب بھی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بلط جی کا عظیم لشکر ہم سے سو کوس کے فاصلے پر ہے۔''

یہ سن کر سب کے چہرے کھل اٹھے۔ لیکن لشکر کا مذہبی پیشوا بشپ خاموش تھا۔ سب نے مقدس فادر کی طرف دیکھا کیونکہ مقدس فادر کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ بشپ نے

Marfat.com

سب کی نظریں اپنی جانب اٹھی محسوس کیں تو کہنے لگا۔

''میں نے رات ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے...... میں نے دیکھا ہے کہ مقدس صلیب زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور بہت سے گھڑ سوار اس کے اردگرد قہقہے لگاتے ہوئے گول دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ میں نے صلیب کو روتے ہوئے دیکھا۔ لیکن پھر میں نے دیکھا کہ صلیب آزاد ہوگئی ہے اور گھڑ سواروں کا دور دور تک پتہ نہیں۔ تب میں نے اس خواب کو اپنے لئے مبارک جانا اور میں نے اس کا یہی مطلب اخذ کیا کہ ایک طویل غلامی کے بعد بالآخر ہم مسلمانوں کو یورپ سے نکال دیں گے۔ لیکن اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ خواب ہماری موجودہ صورتحال کے بارے میں تھا۔ الیگزینڈر کی بات سچ ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ دشمن کا دھوکا ہو، اس نے توپوں کی جگہ درختوں کے تنے لگا رکھے ہوں۔ لیکن بفرض محال ہمارے چاروں طرف درختوں کے تنے نہیں بلکہ توپیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیب کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔''

زارِ روس بڑی توجہ سے بشپ کی بات سن رہا تھا۔ اس نے دانشمندانہ انداز میں سر کو ہلایا اور خاص طور پر الیگزینڈر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہمیں یہ دیکھنے کے لئے کہ پہاڑوں پر نصب توپیں اصل ہیں یا نقل، قربانی دینی ہوگی۔ ہمیں پہاڑیوں پر اپنے دستے روانہ کرنے ہوں گے۔''

سب سالار بادشاہ کی تائید میں سر ہلا رہے تھے۔ اسی اثناء میں الیانوف نے کچھ کہنا چاہا، بادشاہ نے اسے بولنے کی اجازت دی۔

''شہنشاہ معظم! بلطہ جی نے کہا تھا کہ اگر شام تک مکتوب کا جواب نہ آیا تو وہ پہلی گولہ باری کریں گے۔ ہمیں دستے بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہوسکتا ہے شام تک وہ......''

اچانک شاہی خیمے کا قیمتی کپڑا ابری طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ وہ ایک کان پھاڑ دھماکا تھا جو اجلاس میں موجود ہر شخص کے دل پر موت کی طرح برسا۔ یکلخت سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگلے لمحے سب باہر تھے۔ گولہ شاہی خیمے کے قریب ہی پھٹا تھا۔ زمین میں ایک بڑا سا گڑھا پڑ چکا تھا، تمام امراء کے چہرے ہلدی کی طرح زرد ہوگئے۔ پیٹر کا دل یہ سوچ کر دہل گیا کہ دشمن کے پاس لمبی نالوں والی توپیں تھیں۔ اب تک تو وہ صرف یہی سوچ رہا تھا کہ دشمن توپوں کے ذریعے انہیں کوچ کے دوران درے کے قریب گھیرنے کی کوشش کرے گا لیکن یہ

Marfat.com

گولہ تو شاہی خیمے کے پاس آ کر گرا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ دشمن کے پاس ایک میل کے فاصلے تک گولہ پھینکنے والی توپیں ہیں۔ پیٹر نے دل میں سوچا کہ شاید اجلاس کا فیصلہ ہو چکا۔ اب سب لوگ حواس باختہ چہرے لئے ٹیلے پر کھڑے تھے۔ سب کو پتہ چل چکا تھا کہ پہاڑیوں پر درختوں کے تنے نہیں بلکہ سچ مچ کی توپیں نصب ہیں۔

معاً پیٹر کو شاہی ٹیلے کی جانب وہی نوجوان بڑھتا ہوا دکھائی دیا جس کی شباہت شہید سالار زینان سے ملتی تھی۔ یہ کلاڈیوس تھا۔ نوجوان تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ٹیلے پر کھڑے تمام اہلیانِ اجلاس کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ کلاڈیوس نے کمر تک جھک کر بادشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

''زارِ عالی! میں بھی اس اہم اجلاس میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔''

کلاڈیوس کی بات عجیب تھی۔ سب نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ایک سالار نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے اپنے پاس کھڑے دوسرے سالار سے پوچھا۔

''یہ شخص کون ہے؟ اور اجلاس میں کیوں شریک ہونا چاہتا ہے؟ کہیں یہ دشمن کا جاسوس تو نہیں؟''

لیکن اسی اثناء میں پیٹر نے کلاڈیوس سے سوال کیا۔

''تم اس اجلاس میں کیوں شریک ہونا چاہتے ہو؟''

''زارِ عالی!...... میں آسٹروی شاہی خاندان کا فرد ہوں۔ میری ماں آسٹریا کے محل میں جوان ہوئی ہے۔ میرے کہنے پر شہنشاہِ آسٹریا ایک پوری فوج ہماری مدد کے لئے بھیج سکتا ہے۔ جب تک صلح کی بات چیت چلتی ہے، میں آسٹروی دستوں کو لے کر دشمن کے عقب تک پہنچ جاؤں گا۔''

اہلیانِ اجلاس کے چہرے پر امید کی کرن نظر آئی لیکن شہنشاہ مسکرا رہا تھا۔

''آسٹریا تو ہمارا حلیف ہے۔ ہم جب چاہیں آسٹریا سے کمک منگوا سکتے ہیں۔ اصل چیز تو ہے صلح کی بات کو طول دینا۔ ہم آسٹریا سے مدد نہیں چاہتے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جب تک ہمارا بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل نہ ہو جائے ہم دشمن کو یہیں الجھائے رکھیں۔ آسٹریا کی فوج استنبول کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہمیں اپنے بچاؤ سے زیادہ استنبول کی تسخیر مطلوب ہے۔ تم سب صلح کی بات کو طول دینے کے معاملے کی بات کرو۔''

Marfat.com

بشپ سمیت تمام اہلیانِ اجلاس بادشاہ کے ساتھ متفق ہو گئے۔ الیگزینڈر کچھ خاموش تھا۔ کچھ دیر بعد رکا ہوا اجلاس پھر سے شروع ہو گیا۔ دشمن نے شاید محض اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لئے یہ گولا پھینکا تھا۔ اب اجلاس میں صلح کی بات کو طول دینے کے معاملے پر غور ہونے لگا۔ شہنشاہ کا اجلاس سہ پہر تک جاری رہا اور پھر سہ پہر کے وقت یہ فیصلہ کیا گیا کہ الیانوف کو ہی ایلچی بنا کر بھیجا جائے تا کہ وہ اسلامی فوج کے سربراہ کو آج شام کی گولہ باری سے روک سکے۔ دوسرا فیصلہ یہ کیا گیا کہ کلاڈیوس کو آسٹروی لشکر کی طرف جانے دیا جائے اور ایک مختصر لیکن تیز رفتار کمک طلب کر لی جائے تا کہ دشمن کو زیادہ دیر تک الجھایا جا سکے۔ اجلاس کے آخر میں زارِ روس نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہمارے نکلنے کے تمام راستے بند ہیں۔ تمہیں رات کی تاریکی میں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ تم اپنے ہمراہ صرف چند سو تیز رفتار سوار لاؤ گے تا کہ وہ عقب سے دشمن کو پریشان کئے رکھیں۔ تم پہاڑیوں کے پیچھے رک جاؤ گے۔ ہمارے ساتھ تمہارا رابطہ محض رات کے کالے جاسوسوں کی مدد سے ہی ہو گا۔ ہم صلح کی بات چیت کا آغاز کرتے ہیں۔ امید ہے محض مکتوبات کے ذریعے ہی ہم چند دن تک دشمن کو روک سکیں گے۔"

کلاڈیوس دل میں خوش تھا۔ اس چوہے دان میں پھنسے رہنے سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ باہر نکل کر کھلی جنگ لڑتا۔ اجلاس برخاست ہونے سے پہلے ایک عمر رسیدہ شخص نے اٹھ کر بادشاہ سے بات کرنے کی اجازت چاہی۔ یہ مولڈیویا کے غدار حکمران کا خاص وزیر تھا۔ بادشاہ کے اجازت دینے پر معمر شخص بولا۔

"زارِ عالی! میں بھی آج رات کو ہی یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ دراصل میں اپنے بادشاہ کو اس مکتوب کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے ہماری مٹھی بھر وہ فوج بھی آسٹروی سواروں کے ساتھ مل کر دشمن کو الجھانے میں مدد دے سکے۔"

تھوڑی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد بوڑھے مولڈیویائی وزیر کو بھی جانے کی اجازت دے دی گئی۔ بحث و تمحیص اس بات پر ہوئی تھی کہ لشکر میں مسلمانوں کا کوئی جاسوس موجود تھا جس نے بلطہ جی کو یہ خبر دی کہ مولڈیویائی حکمران زارِ روس کا مہمان ہے کیونکہ مکتوب میں یہ لکھا تھا کہ مولڈیویائی حکمران کو پابہ زنجیر الیانوف کے ہمراہ بھیجا جائے۔ لشکر میں مولڈیویائی حکمران تو نہیں تھا لیکن اس کا بوڑھا وزیر تھا۔ شاید مسلمان جاسوس نے اس وزیر کو مولڈیویا کا حکمران

Marfat.com

سمجھا۔

سہ پہر سے پہلے زار روس کی طرف سے بلط جی کے نام مکتوب لکھا جا چکا تھا اور تقریباً سہ پہر کے بعد الیانوف کا گھوڑا مشرقی پہاڑیوں کی جانب اُڑتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے پاس ایک مکتوب تھا جس کی تحریر یہ تھی۔

''زار روس پیٹر کی طرف سے ترک صدر اعظم بلط جی کے نام!

محترم صدر اعظم! ہم آپ کی بالا دستی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے آپ کا مکتوب ملنے کے بعد حسب ضابطہ مشورے کے لئے اجلاس طلب کیا لیکن آپ نے بتائے ہوئے وقت کے برخلاف شاہی خیمے کے نزدیک گولا پھینکا۔ اسے ہم زار روس کے خلاف آپ کا حملہ بھی تصور کر سکتے ہیں۔ ہم اور ہمارے سپاہی جان دینے کے لئے ہی یہاں تک آئے ہیں۔ اگر آپ نے صلح کی بجائے حملے کا راستہ اپنایا تو ہمارے لاکھوں پیدل سپاہی چاروں طرف کی پہاڑیوں پر چڑھ دوڑیں گے اور آپ کی گنتی کی یہ چند توپیں دست بہ دست لڑتے ہوئے سپاہیوں کا راستہ نہیں روک پائیں گی۔ ہمارا آدھا لشکر جل جائے گا لیکن فتح پھر بھی ہماری ہو گی۔ ہم صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور بڑی اقوام کا ہمیشہ یہ ضابطہ رہا ہے کہ وہ جنگ میں بھی اصولوں کا دامن نہیں چھوڑتے۔ ہم آپ سے امید کرتے ہیں کہ آپ آج شام گولہ باری نہیں کریں گے۔ ہمیں سوچنے کا موقع دیا جائے تاکہ ہم اپنے اجلاس میں آپ کی شرائط پر غور کر سکیں۔ ہمیں یہ بھی موقع دیا جائے کہ ہمارے لشکری اپنے خیمے دوبارہ نصب کر لیں۔ کیونکہ اگر ہمیں یہ موقع نہ دیا گیا تو ہزاروں سپاہی بھوک اور سردی سے مر جائیں گے۔ ہمارا تمام غلہ بیل گاڑیوں میں بندھا کھڑا ہے اور ہم سب کھلے آسمان تلے مستعد موجود ہیں۔ اب ہمارے پاس دو راستے ہیں، یا تو ہم دوڑتے ہوئے آج رات کی تاریکی میں آپ کے سپاہیوں کی گردنیں دبوچ لیں اور یا ہم آرام سے دوبارہ یہاں پڑاؤ ڈالیں اور آپ کی شرائط پر غور کرنے کے لئے اپنے افسروں کا ایک بڑا اجلاس مقرر کر سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کشت و خون کا راستہ نہیں اپنائیں گے اور ہمارا فیصلہ ہونے تک انتظار کریں گے۔''

Marfat.com

زارِ روس نے کھل کر اپنے تمام ارادے لکھ دیئے تھے۔ وہ ایک بہادر انسان تھا۔ الیانوف کا گھوڑا دھول اُڑاتا مشرقی پہاڑیوں کی جانب اُڑا چلا جارہا تھا۔

♦ ...... ♦

شیراز نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ خانِ کریمیا تو خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تھے۔ وہ اس نوجوان کی حیران کن صلاحیتوں کے قائل ہو کر رہ گئے۔ شیراز نے ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دیا تھا۔ بلط جی کی سپاہ ابھی سوکوس دور تھی۔ چاروں طرف کی پہاڑیوں پر دیودار کے شہتیر خطرناک توپوں کے دہانے دکھائی دیتے تھے۔ خانِ کریمیا کے سپاہیوں نے مشرقی پہاڑی پر صرف ایک بڑی توپ پہنچائی تھی۔ بلط جی کی طرف سے لکھا جانے والا خط بھی شیراز کا کرشمہ تھا۔ اس نے الیانوف کو مشرقی پہاڑی پر کچھ ایسا تاثر دیا تھا کہ الیانوف کو ترک فوج کی موجودگی کا یقین ہو گیا۔ شیراز نے واقعی ہی کمال کر دکھایا تھا۔ محض چند تاتاری سپاہیوں کی مدد سے اس نے پیٹر اعظم کے ٹڈی دل لشکر کو یرغمال بنالیا تھا۔ چاروں طرف کی پہاڑیوں پر کوئی توپ موجود نہ تھی۔ شہنشاہ کو دوربین میں نظر آنے والے دہانے درختوں کے تنے تھے۔

پچھلا پورا ایک مہینہ شیراز نے بے حد مصروف گزارا تھا۔ افرازون کے چھوٹے سے جزیرے پر اس کی شادی سے لے کر اب تک شیراز نے ایک چھلاوے کی طرح سلطنت عثمانیہ کی خدمات سرانجام دی تھیں۔ کبھی وہ کریمیا کے دارالحکومت میں دکھائی دیتا تو کبھی روسی لشکر کے بیچوں بیچ۔ کبھی وہ گھوڑے کی پشت پر کسی مافوق الفطرت ہستی کی طرح انجانے راستوں پر اُڑتا چلا جاتا تو کبھی تاتاری دستوں کی رہنمائی کرتے ہوئے نہ جانے کہاں سے کہاں تک اپنی شطرنج کی بساط بچھا دیتا۔ یہ تمام عرصہ صوفیہ اس کے ساتھ نہ رہی تھی۔ شیراز نے اپنی سہاگ رات کو ہی صوفیہ سے کہہ دیا تھا۔

”صوفیہ! وقت بہت کم ہے، کسی بھی لمحے روسی اور عثمانی افواج آپس میں ٹکرانے والی ہیں۔ جو کچھ ہمارے ذمہ بلط جی نے لگایا تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہ جاؤ، افرازون کی بیٹیوں کے پاس۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے مجھے اب کئی روز تک بے پناہ بھاگ دوڑ سے کام لینا ہو گا۔ اس دوران اگر تم میرے ساتھ ہوئیں تو میں تیزی سے کام نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے روسی لشکر کو گمراہ کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے اس خطرناک کام میں، میں پھنس جاؤں۔ جبکہ میں نہیں چاہتا کہ تم میرے ہمراہ ان مصائب کو جھیلو۔“

Marfat.com

شیراز کو توقع نہیں تھی کہ صوفیہ اس کی بات مان لے گی کیونکہ وہ صوفیہ کو جانتا تھا۔ وہ ایک بہادر، معاملہ فہم اور وقت کی اہمیت کو سمجھنے والی لڑکی تھی۔ اس نے شیراز کی بات پر غور کیا اور جب اسے یہ احساس ہوا کہ شیراز کا کام ایک منجھے ہوئے جاسوس کی طرح مشکل اور خالص جنگی نوعیت کا ہے تو اس نے شیراز پر زیادہ زور دینا مناسب نہ سمجھا۔ شیراز کی بات کے جواب میں اس نے صرف اتنا کہا۔

"زندگی کے تمام مصائب اب ہمیں اکٹھے جھیلنے ہیں۔ کیونکہ ہم ایک ایسے مقدس رشتے میں بندھ چکے ہیں جو اس دنیا میں دو انسانوں کو ایک دوسرے کے سب سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ لیکن میں آپ کی بات کی اہمیت کو سمجھتی ہوں۔ میں ان لڑکیوں کے ساتھ خوش رہوں گی۔ یہ بہت پیاری ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ آپ ایک ماہ کے اندر اندر اپنی تمام ذمہ داریاں نبھالیں گے۔ اس وقت تک میں اس چھوٹے سے خوبصورت جزیرے پر آپ کا انتظار کروں گی۔ اور ویسے بابا بھی تو میرے ساتھ ہیں...... مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں۔ آپ اپنا کام اطمینان سے کیجئے۔"

شیراز نے زندگی کی سب سے حسین رات افرازون کے جزیرے پر گزاری تھی۔ وہ دونوں رات بھر باتیں کرتے رہے تھے۔ ہر زبان کی باتیں، آنکھوں، انگلیوں، ہونٹوں اور احساسات کی باتیں۔ صوفیہ کے لئے یہ تجربہ کسی سہانے خواب کی طرح تھا۔

اپنی شادی کے بعد شیراز نے محض دو دن جزیرے پر گزارے تھے اور یہ دو دن بھی وہ زیادہ وقت بیڑے پر رہا تھا کیونکہ ارسلان پاشا کی حکمت عملی سے انہوں نے بغیر کوئی صعوبت اٹھائے اور بغیر کسی کا خون بہائے بیڑے پر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ عبداللہ پاشا کو بڑی خاموشی کے ساتھ گھیر کر گرفتار کر لیا گیا تھا اور عثمانی بیڑے کی زمام کار ارسلان پاشا نے سنبھال لی تھی۔ اب شیراز فارغ تھا۔ اسے فوری طور پر نزدیکی اسلامی صوبہ کریمیا پہنچنا تھا کیونکہ کریمیا سے محض پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر روسیوں کا ٹڈی دل لشکر گزرنے والا تھا۔ شیراز نے وقت ضائع کئے بغیر کریمیا پہنچنے کو ترجیح دی۔ وہ خان کریمیا سے ملا۔ خانِ کریمیا کو امیر البحر ارسلان پاشا اور صدر اعظم بلط جی کے خطوط دیئے تو خانِ کریمیا شیراز کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

شیراز نے اپنے فلسفیانہ ذہن کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسی حکمت عملی تیار کی کہ آخر

Marfat.com

تک ترپ کے تمام پتے شیراز کے ہاتھ میں ہی رہے۔ اس نے چند تاتاری سپاہیوں کو چارے کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت خانِ کریمیا سے حاصل کی اور پھر ایک روز اچانک وہ زارِ روس کے لشکر میں پہنچ گیا۔ اب وہ خود کو مقدونیا کا ایک عیسائی سردار ظاہر کر رہا تھا۔ اس نے لشکر گاہ میں پہنچتے ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ پیٹر اعظم کی بجائے اس کی ملکہ کیتھرائن پر اثر انداز ہونا زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ اس نے بادشاہ اور ملکہ سے کہا تھا کہ وہ تاتاریوں اور مسلمانوں کا شدید دشمن ہے اور یہ کہ وہ پانچ خطرناک تاتاری جاسوسوں کو اکیلا گرفتار کر کے لایا ہے جو روسی لشکر کی رسد کا راستہ کاٹنے والے تھے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ بروقت نہ پہنچتا اب تک تمام روسی رسد جو لشکر سے دو میل پیچھے سفر کر رہی تھی، آگ کے شعلوں کی نذر ہو چکی ہوتی۔

ملکہ کیتھرائن شیراز سے بہت متاثر ہوئی۔ شیراز نے اپنا یونانی نام زینان بتایا تھا۔ روسی لشکر میں پہنچنے کے بعد وہ چند ہی دنوں میں ملکہ کیتھرائن کا منظورِ نظر ہو گیا اور ملکہ کے کہنے پر بادشاہ نے اسے ہراول سواروں کے پانچویں دستے کا سالار مقرر کر دیا۔ اب وہ شیراز نہیں، زینان تھا۔ اس نے چند ہی دنوں میں روسی لشکر کو حیران کن فائدے پہنچائے۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے افسروں کی کارکردگی کو بادشاہ کی نظروں میں کم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب ملکہ اور بادشاہ اس پر پورا اعتماد کرتے تھے۔

سفر کے دوران ایک روز شیراز شہنشاہ اور ملکہ سے اجازت لے کر لشکر کے لئے جاسوس کاری کے کسی خاص کام پر روانہ ہوا۔ ملکہ بہت خوش تھی۔ وہ شیراز کو کوئی عام انسان نہ سمجھتی تھی بلکہ عموماً پیٹر سے کہتی۔

''زینان کو خداوند نے لشکر کی مدد کے لئے آسمانوں سے بھیجا ہے۔ اس کی پھرتی اور بہادری دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ نوجوان ایک فرد نہیں بلکہ خود ایک لشکر ہے۔''

شیراز ملکہ اور بادشاہ سے اجازت لے کر دو روز کے لئے اچانک غائب ہو گیا۔ اس نے اپنے ہمراہ کسی سپاہی کو نہ لیا تھا اور ملکہ سے کہا تھا کہ تاتاری قزاقوں کو دھوکا دینے کے لئے اسے ایک عجیب حکمت عملی سوجھی ہے جسے سرانجام دینے کے لئے وہ اکیلا ہی روانہ ہوگا۔ لیکن لشکر گاہ سے نکلنے کے بعد شیراز غائب ہو چکا تھا۔

اب وہ ایک بار پھر خان کریمیا کے پاس موجود تھا۔

''خان محترم! میں بہت پریشان ہوں...... بلطہ جی کا لشکر ابھی مولڈیویا سے بہت دور ہے

Marfat.com

لیکن شہنشاہِ روس مولڈیویا پہنچنے والا ہے۔ اگر زارِ روس نے مولڈیویا عبور کر لیا تو پھر آسٹروی لشکر تک وہ بے دھڑک نکلتے چلے جائیں گے کیونکہ مولڈیویا سے آگے وسیع میدان ہیں اور پوٹھوہاری زمین کا سلسلہ جنوب میں کافی آگے تک کہیں بھی نہیں۔ میری ذمہ داری یہ ہے کہ میں پیٹر کو گمراہ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں دریائے پرتھ کے کنارے کسی نشیبی وادی میں پہنچا کر پڑاؤ کا مشورہ دوں۔ میں ایسا کر سکتا ہوں، ملکہ اور بادشاہ دونوں میری بات نہیں ٹالتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں عملی طور پر ان راستوں سے ناواقف ہوں، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ جبکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہمراہ نہ صرف کسی راستہ جاننے والے تجربہ کار سپاہی کو بھیجیں بلکہ تیز رفتار گھڑ سواروں کا ایک بڑا دستہ بھی میری مدد کے لئے روانہ کریں۔"

خانِ کریمیا شیراز کی بات سن کر ہکا بکا رہ گیا اور بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے...... تم دشمن کے لشکر میں مقیم ہو۔ کیا تم تیز رفتار گھڑ سواروں کا دستہ پیٹر کے لشکر میں لے جاؤ گے؟ مجھے سمجھاؤ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ میں تمہارا منصوبہ سمجھ نہیں پا رہا۔"

"میں پیٹر اعظم کے عظیم لشکر کو گمراہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں پیٹر کے لشکر کے ہراول دستے کا سالار زینان ہوں۔ ملکہ میری بات نہیں ٹالتی۔ میں جہاں چاہوں عیسائی لشکر کو پڑاؤ کے لئے روک سکتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کسی ایسی جگہ عیسائی لشکر کو پہنچا کر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دوں جہاں وہ کسی چوہے کی طرح پھنس جائیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں آگے کے راستے نہیں جانتا۔ راستہ جاننے والا تجربہ کار شخص اور تقریباً تین سو گھڑ سوار تاتاری سپاہیوں کو لے کر میں روسی لشکر کی طرف نہیں جاؤں گا بلکہ آندھی اور طوفان کی طرح اُڑتا ہوا ان سے پہلے آگے کے راستے میں پہنچ جاؤں گا، کسی مناسب جگہ پر شہسوار تاتاریوں کو اس طرح گھات میں بٹھا دوں گا کہ روسی لشکر کو کسی ایک سپاہی کے موجود ہونے کا گمان بھی نہ گزرے۔"

اب خانِ کریمیا شیراز کی حکمت عملی سمجھ رہا تھا۔ اس نے ایک اور سوال کیا۔

"لیکن تم خود لشکر سے کیسے نکلو گے؟ اگر تم پر شہنشاہ کو شک پڑ گیا تو شاید ہماری ساری حکمت عملی ناکام ہو جائے۔"

لیکن شیراز مسکرا رہا تھا۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ بولا۔

"نہیں مجھ پر شک نہیں ہو سکتا۔ میں روس کی ملکہ کا منظور نظر ہوں۔ جہاں تک لشکر سے

Marfat.com

نکلنے کا تعلق ہے تو سالار زینان ہراول دستے کا سالار ہے، وہ کسی بھی وقت پیش قدمی کا راستہ صاف کرنے کے لئے لشکر کے آگے آگے جا سکتا ہے۔ آپ میری خاطر پریشان نہ ہوں۔ میری زندگی سلطنت عثمانیہ کی امانت ہے...... بس مجھے صرف ایک ایسی جگہ کا پتہ معلوم کرنا ہے جہاں میں پیٹر کے لشکر کو پھنسا سکوں۔"

تب خانِ کریمیا نے ایک عجب مسکراہٹ کے ساتھ شیراز کی طرف دیکھا، اس کے کندھے پر تھپکی دی اور کہا۔

"ان راستوں کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ میرا لشکر تو اپنے وقت پر روسی فوج کے عقب میں روانہ ہوگا لیکن میں تمہارے ساتھ وقت سے پہلے چل سکتا ہوں۔"

شیراز کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کریمیا کا حکمران خانِ کریمیا از خود شیراز کے ساتھ چلنے کی بات کر رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ کریمیا کا اپنا ایک بڑا لشکر تھا جو فی الوقت دفاعی حالت میں کریمیا کی چاروں طرف موجود تھا۔ کیونکہ کریمیا کے نزدیک سے پیٹر کی افواج گزر رہی تھیں۔ بے شک تاتاری اتنے جنگجو تھے کہ روسی لشکر بھی کریمیا کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی وقت اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ خانِ کریمیا اپنے ملک میں ہی موجود رہے۔ شیراز نے اسی حیرت کے سبب خانِ کریمیا سے کہا۔

"خانِ محترم!...... آپ؟؟...... آپ خود میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں؟ آپ کا یہاں سے کہیں بھی جانا مناسب نہیں۔ آپ کسی اور آزمودہ کار سپاہی کو میرے ہمراہ بھیج دیں۔"

"نہیں!...... یہاں کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ مجھے تمہاری منصوبہ بندی قابلِ عمل دکھائی دیتی ہے۔ اگر میں روسی لشکر کے سر پر موجود رہوں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی۔ اہم بات یہ ہے کہ تم پیٹر کو دلدل کی طرف کیسے لاؤ گے؟ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم پیٹر کو دلدل کے پہلو میں لا کر بٹھا دو تو میں صرف چند سو سپاہیوں کی مدد سے اسے چوہے دان میں قید کر کے ماروں گا۔ میرے لئے کریمیا کا حکمران ہونے سے زیادہ فخر کی بات یہ ہے کہ میں روسی شہنشاہ کا سر کاٹ کر اپنے نیزے پر سجا سکوں۔"

"دلدل......؟ ایسی دلدل کہاں ہے؟"

خانِ کریمیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

Marfat.com

"مولڈیویا کے علاقے میں ایسی دلدلیں بہت ہیں۔ لیکن سب سے بڑی دلدل دریائے پرتھ کے کنارے چٹانوں کے جنگل میں ہے۔ یہ عجیب جنگل ہے، چٹانی سلسلہ سے شروع ہو کر دریائے پرتھ کے کنارے تک یوں پھیلی ہوئی ہے کہ ایک پل کے لئے بھی دلدل کے ہونے کا گمان نہیں ہوتا۔ دور دور تک سبزے کے میدان دکھائی دیتے ہیں۔ تم اگر کسی طرح روسی لشکر کو اس مقام تک لانے میں کامیاب ہو جاؤ تو سمجھو کہ ہم جنگ جیت گئے۔"

اچانک شیراز نے ایک معقول سوال کر دیا۔ اس نے کہا۔

"اگر روسی لشکر میں کسی پرانے سپاہی کو اس دلدل کی بابت معلوم ہوا تو؟"

"امید ہے ایسا نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس راستے سے وہ آ رہے ہیں یہ ہمارا علاقہ ہے۔ وحشی روسیوں کو اس کی بابت کچھ خبر نہیں۔ اور بفرضِ محال کوئی شخص اُس دلدل سے واقف بھی ہوا تو تم متبادل راستہ اختیار کر لو۔ دریائے پرتھ کو عبور کرتے ہی تم جہاں بھی پڑاؤ ڈال دو گے، ہم تمہیں گھیر سکیں گے۔ کیونکہ دریائے پرتھ کو عبور کرتے ہی روسی لشکر ہماری چٹانوں کے نیچے آ جائے گا۔"

خانِ کریمیا کی بات سن کر شیراز کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس نے عارفانہ انداز میں سر ہلایا اور کہا۔

"تو سمجھ لیجئے کہ ہم جنگ جیت گئے۔ لشکر اسی راستے پر جائے گا جس طرف میں اسے لے جاؤں گا۔ ہمارے لشکر میں ابھی تک وہ پانچ تاتاری قیدی پابہ زنجیر ہیں جنہیں میں اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ مجھے وہاں سے اکیلے نہیں نکلنا، مجھے اُن پانچ بہادر تاتاریوں کو اپنے ساتھ لانا ہے۔ اس دوران اگر مجھے آپ تک کوئی خاص پیغام پہنچانے کی ضرورت پیش آئی تو میں ان میں سے کسی ایک کو فرار کروا کے آپ تک پیغام بھیج دوں گا لیکن اس طرح میں ایک آدھ بار ہی کر سکتا ہوں۔ دوسری مرتبہ ایسا کرنے سے پیٹر کے افسروں کا شک سیدھا مجھ پر جائے گا۔"

خانِ کریمیا شیراز کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ شیراز نے جیسا کہا تھا، کر دکھایا۔

اور ٹھیک چند روز بعد روسی لشکر دریائے پرتھ کے کنارے موت کے چوہے دان میں پھنس چکا تھا۔ سالار زینان نے روسی شہنشاہ کو بیوقوف بنایا تھا۔ سالار زینان شیراز تھا اور شیراز نے یہ تمام معرکہ کچھ اس طرح سرانجام دیا تھا کہ خانِ کریمیا دنگ رہ گیا۔ وہ اس نوجوان کی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوا تھا، خاص طور پر جب شیراز نے آخری مرتبہ روسی لشکر کو چھوڑا تو

Marfat.com

ایسا طریقہ اپنایا کہ تاتاری افسر شیراز کی منصوبہ بندی پر عش عش کر اٹھے۔

شیراز کا آخری معرکہ قابل دید تھا۔ وہ اپنے ہی مسلمان سپاہیوں کے ساتھ لڑنے کی خطرناک اداکاری کر رہا تھا۔ اس تمثیل میں انتہائی قابل تاتاری افسروں کو شامل کیا تھا اور اس مصنوعی لڑائی میں شیراز خود بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ کئی تاتاری سپاہی بھی زخمی ہو گئے تھے لیکن تمثیل کامیاب رہی تھی۔ پیٹر کے دو سو گھڑ سواروں کو اپنے ہمراہ لانے والا شیراز اپنی حکمت عملی میں مکمل طور پر کامیاب رہا۔ دو میں سے تقریباً ایک سو روسی فوجی تاتاریوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

خانِ کریمیا بہت خوش تھا۔ اس نے شیراز کو بڑے والہانہ انداز میں گلے سے لگایا اور انتہائی پُر جوش لہجے میں کہا۔

''شیراز! تم عام انسان نہیں ...... یقیناً کسی خاص اور بڑے مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ تم نے کمال کر دیا۔ اب شہنشاہِ روس کا لشکر ہمارے قدموں تلے ہے۔''

لیکن شیراز کے چہرے پر جوش نہیں تھا۔ وہ پریشان دکھائی دیتا تھا۔ خانِ کریمیا کی مسرت یکدم کافور ہو گئی اور اس نے بے تابی کے ساتھ شیراز سے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ ...... شیراز! تم پریشان دکھائی دیتے ہو۔ کیا کوئی گڑبڑ ہے؟''

''نہیں خانِ محترم! ...... میں اس لئے پریشان ہوں کہ ہماری توپیں اصلی نہیں ہیں۔ اگر خدانخواستہ پیٹر کے لشکر کو اس بات کی بھنک پڑ گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

خانِ کریمیا بھی یکدم پریشان ہو گیا۔ لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''بے شک! بلط جی کا لشکر ابھی دور ہے ...... لیکن کریمیا کا لشکر دور نہیں۔ مجھے اطلاعات ملی ہیں کہ میرے ہزاروں جانثار کل تک ان پہاڑیوں میں پہنچ جائیں گے۔ ہم کل ہی نقلی کی جگہ اصلی توپیں چڑھا دیں گے۔ کریمیا کا لشکر دنیا کا بہادر ترین لشکر ہے۔ ہماری سپاہ کی نظیر کسی فوج میں نہیں ملتی۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم نے شہنشاہِ روس کو گھیر لیا ہے۔ اگر مجھے بلط جی اور سلطان کی ناراضگی کا ڈر نہ ہوتا تو میں پیٹر کو ابھی گرفتار کر لیتا۔''

وہ دونوں مشرقی پہاڑی پر کھڑے دور بینوں کی مدد سے روسی لشکر کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں شہنشاہ کے جواب کا انتظار تھا۔ شیراز کے کہنے پر خانِ کریمیا نے

Marfat.com

جو اکلوتی توپ مشرقی پہاڑی پر پہنچائی تھی اس نے بڑا کام دکھایا تھا۔ خانِ کریمیا کے سپاہیوں کے پاس یہی ایک توپ سب سے بڑا ہتھیار تھی۔ اس کے علاوہ وہ تلواروں اور بندوقوں سے لیس تھے۔

معاً شیراز کو ایک گھڑ سوار سفید پرچم لہراتا ہوا پہاڑیوں کی جانب آتا دکھائی دیا۔ اسی لمحے خانِ کریمیا نے بھی اسے دیکھ لیا اور بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''سفید پرچم! وہ دیکھو، شہنشاہ ہماری چال میں آ گیا۔ تمہارے بے وقت دھماکے نے کام کر دکھایا۔ اگر ہم بے وقت دھماکا نہ کرتے تو شاید انہیں ہمارے مکتوب پر یقین نہ آتا۔ لیکن یہ کیا؟...... وہ تو اکیلا آ رہا ہے۔ ہماری شرائط میں تو یہ لکھا تھا کہ مولڈیویا کے حکمران کو پابہ زنجیر ہمارے پاس بھیجا جائے۔ مجھے لگتا ہے ایک دھماکا اور کرنا پڑے گا۔''

شیراز نے یکلخت خانِ کریمیا کی طرف گھوم کر دیکھا اور کسی قدر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں خانِ محترم!...... اگر ہم نے دوسرا دھماکا کیا تو پیٹر کو یقین ہو جائے گا کہ ہمارے پاس صرف ایک ہی توپ ہے۔ کیونکہ دوسرا دھماکا بھی ہم اسی مقام سے کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ پیٹر آسانی سے ہماری شرائط نہیں ماننے لگا۔ وہ شاید آج رات کی تاریکی میں اپنے پیدل دستے پہاڑیوں کی طرف بھیجے۔ ہمیں آج رات کسی خونریز معرکے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہی غنیمت ہے کہ انہوں نے صلح کا جھنڈا لہرا دیا ہے۔ یہ گھڑ سوار یقیناً الیانوف ہے۔ میں اس کے سامنے نہیں آؤں گا، یہ مجھے سالار زینان کی حیثیت سے پہچانتا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان کی درخواست مان لیں۔ یہ صلح کی بات چیت کے لئے مہلت طلب کرنے آ رہا ہے۔ جب تک ہماری نقلی توپوں کی جگہ اصلی توپیں نہیں لے لیتیں، ہمیں ڈھیل دینی ہوگی۔''

خانِ کریمیا سوچ میں پڑ گیا۔ شیراز کی باتیں معقول تھیں۔ معاً خانِ کریمیا نے کسی خیال کے تحت شیراز سے کہا۔

''تم کیوں چھپتے ہو؟ اب تمہیں چھپنے کی ضرورت نہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ اب شہنشاہ کو تمہاری اصلیت کا پتہ چل جانا چاہئے کیونکہ ہمارے جاسوس اس قدر قابل ہیں کہ اُسے اُس کے شاہی خیمے میں رہ کر دھوکا دے آئیں۔ جب اسے اس بات کا پتہ چلے گا تو اس کی امیدیں مایوسی میں بدل جائیں گی۔''

Marfat.com

لیکن شیراز نہیں چاہتا تھا کہ اس کی اصلیت ملکہ کیتھرائن پر کھلے۔ وہ اس اچھی عورت کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ شیراز نے ایک مبہم سی دلیل کا سہارا لیا۔

''نہیں خانِ محترم! ابھی میرا سامنے آنا مناسب نہیں۔ ہو سکتا ہے مجھے پھر سالار زینان بن کران کے لشکر میں جانا پڑے۔ یہی بہتر ہے کہ حسب سابق الیانوف کے ساتھ آپ بات چیت کریں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو تم چہرہ چھپا لو۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ الیانوف سے تم بات کرو۔ تم روسی لشکر کے بارے میں جانتے ہو اور تمہارے لئے شہنشاہ کو مناسب پیغام بھیجنا زیادہ آسان ہے۔ دوبارہ نقلی بلطہ جی کو دکھانے کی ضرورت پیش آئی تو ہم اسی ترک سپاہی کو پھر طلب کر لیں گے جو ہمارے ہمراہ یہاں موجود ہے۔ ٹھیک ہے، ابھی ہم ایک دو دن محض وقت گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاتاری جانبازوں کے پہنچنے تک ہمیں دم سادھنا ہوگا۔''

شیراز بار بار خانِ کریمیا کی تردید نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ شیراز نے چہرہ چھپا کر الیانوف سے خود بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔ الیانوف کا گھوڑا ہوا میں اُڑا چلا آ رہا تھا۔

یہ وادی لگ بھگ چار میل مربع کی شکل میں ایک میدان کی صورت پھیلی ہوئی تھی اور وادی کے بیچوں بیچ سے دریائے پرتھ کسی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا شمال کی جانب دوڑا چلا جا رہا تھا۔[1] دریائے پرتھ کے مشرقی کنارے پر اس وقت روسی فوج کا لشکر مقیم تھا۔ خانِ کریمیا کی سپاہ جو زیادہ سے زیادہ چار سو شہسواروں پر مشتمل تھی، چاروں طرف سے اس وادی کو گھیرے ہوئے تھی۔ اصل پڑاؤ مشرقی پہاڑ پر تھا جہاں خانِ کریمیا خود شیراز کے ساتھ موجود تھا۔ یہ لوگ اب تک بغیر خیموں کے پہاڑی غاروں اور جھاڑ جھنکاڑ میں گھات لگائے بیٹھے تھے لیکن پیٹر کے محصور ہو جانے کے بعد اب تاتاری سپاہیوں نے خیمے نصب کر دیئے تھے۔ انہی چار سو سواروں میں سے دو گھڑ سواروں نے شیراز کے آخری معرکے میں ایک خطرناک تمثیل رچائی تھی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے مقدس لشکر کو دریائے پرتھ کے کنارے گھیر لیا تھا۔

صدر اعظم بلطہ جی کا عظیم لشکر دھول اُڑاتا کسی آندھی کی طرح مولڈیویا کی جانب بڑھ رہا تھا۔ انہیں شہنشاہ روس کے گھیر لئے جانے کی اطلاع پہنچا دی گئی تھی اور اب بلطہ جی مزید دیر نہ کرنا چاہتے تھے لیکن وہ حیران تھے کہ آخر ایسا کیونکر ممکن ہوا؟ پیٹر اعظم جیسا عظیم بادشاہ جسے

---

[1] ایشیائی دریاؤں کی نسبت یہ دریا الٹا بہتا ہے۔ یعنی شمال کی جانب۔ کیونکہ اس کا پانی بحر اسود میں جا کر گرتا ہے۔

Marfat.com

لوگ پیٹر دی گریٹ کہہ کر پکارتے تھے آخر کس طرح اس چوہے دان میں آ پھنسا۔ بلط جی کو اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ لیکن اطلاع دینے والے پختہ کار جاسوس تھے۔ اور پھر ایک روز اچانک بلط جی کے پاس خود خانِ کریمیا کا نمائندہ بھی آ پہنچا۔ اب بلط جی کو یقین ہو گیا کہ سچ مچ پیٹر دی گریٹ کا لشکر تاتاریوں کے گھیرے میں آ چکا ہے۔ چنانچہ عثمانی افواج کی رفتار تیز ہو گئی۔ یہ ایک عظیم سپاہ تھی جس کی قیادت بلط جی کر رہے تھے۔ نائب صدر اعظم عثمان پاشا اور رئیس آفندی عمر پاشا بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔ عثمانیوں کی فوج پیٹر کی سپاہ سے زیادہ تھی۔ صدر اعظم آبٹروی لشکر سے پہلے روسیوں کے ساتھ نمٹنا چاہتے تھے لیکن خانِ کریمیا نے تو ان کا سارا کام ہی خود نمٹا لیا تھا۔ عثمانی لشکر پورے طمطراق اور شان وشوکت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ ہزاروں سوار دستوں کو پہلے روانہ کر دیا گیا تھا۔ پولینڈ کا حکمران "چارلس دواز دہم" بھی عثمانی افواج کے ہمراہ تھا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جسے پیٹر نے پے درپے شکستیں دے کو پولینڈ سے نکال دیا تھا اور آج کل چارلس سلطنت عثمانیہ کا مہمان تھا۔

شیراز اور خانِ کریمیا کا مورچہ بہت زیادہ بلندی پر نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اکلوتی توپ کا گولہ زارِ روس کے خیمے کے نزدیک پھینکا جا سکتا تھا۔ چاروں پہاڑیاں اب تاتاریوں سے آباد تھیں۔ مشرقی پہاڑی کے عقب میں ایک اور وسیع آبادی تھی جہاں خانِ کریمیا کے حکم سے عثمانی لشکر کے لئے جگہ ہموار کی جا رہی تھی۔ عثمانی لشکر اس وسیع قطعہ اراضی میں پڑاؤ ڈالنے والا تھا۔ خانِ کریمیا نے جنگی اصطلاحات کے مطابق اس قطعہ اراضی کو قطعہ منتظرہ کا نام دیا۔

تمام وادی گھنے اور طویل درختوں سے اٹی پڑی تھی۔ مئی کا مہینہ دریائے پرتھ کے کنارے نئی بہاریں لایا تھا...... مشرقی پہاڑی کے عقب میں، سر دست خانِ کریمیا کے مختصر دستوں کے خیمے تھے۔ لیکن بہت جلد قطعہ منتظرہ عظیم اسلامی افواج سے آباد ہونے والا تھا۔ کریمیا کے صوبہ سے بھی جنگجو تاتاریوں کی فوج اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے پہنچنے والی تھی۔ الغرض اٹھارویں صدی کی عیسائی دنیا کے سب سے طاقتور حکمران پیٹر دی گریٹ کو چاروں طرف سے موت کے شکنجے میں جکڑنے کے تمام انتظامات مکمل تھے۔

الیانوف کا گھوڑا پہاڑی نالے میں چڑھائی چڑھتا ہوا تاتاری مورچوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شیراز نے اپنا چہرہ چھپانے کے لئے اپنے سر پر عرب سپاہیوں جیسی پگڑی باندھ لی تھی۔ یہ عرب جنگجوؤں کا مخصوص مجاہدانہ لباس تھا۔ شیراز نے عمامے کا پلو اپنے چہرے کے گرد یوں لپیٹا

Marfat.com

کہ صرف اس کی آنکھیں باہر رہ گئیں۔ اور جب الیانوف شیراز کے سامنے پہنچا تو وہ شیراز کو پہچان نہ سکا۔ الیانوف یہی سمجھ رہا تھا کہ عظیم عثمانی لشکر مشرقی پہاڑی کے عقب میں موجود ہے لیکن اسے پہاڑی کی چوٹی تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ پہاڑی کے عقب میں بلط جی کی فوج موجود ہے یا نہیں۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ ترکوں کا عظیم لشکر انہیں گھیرے میں لے چکا ہے۔ الیانوف نے پیٹر کا خط شیراز کو تھمایا تو یہ سوچ کر اس کے دل میں حیرت پیدا ہوئی کہ مسلمان سالار نے چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے۔ شیراز نے الیانوف کے ہاتھ سے خط وصول کیا اور الیانوف کو تاتاری سپاہی شیراز اور خانِ کریمیا کے پاس سے ہٹا کر ایک طرف لے گئے۔ جلد ہی شیراز اور خانِ کریمیا زارِ روس کا خط پڑھ رہے تھے۔

♦ ...... ♦

روسی لشکر کو مسلمانوں کے گھیرے میں آئے آج بیسواں دن تھا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھیک ہوا تھا اور اس وقت دریائے پرتھ کی مشرقی پہاڑیوں کے عقب میں چارلس دوازدھم اور صدر اعظم بلط جی جیسے مایہ ناز جرنیل موجود تھے۔ خانِ کریمیا نے صدر اعظم کو شیراز کے کارناموں کی تفصیل بتائی تو صدر اعظم کے چہرے پر حیرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ شرارت بھرے انداز میں کہنے لگے۔

"استنبول کے لوگوں نے اسے بجا طور پر پراسرار گھڑ سوار کا خطاب دیا ہے۔"

شیراز بھی مسکرا دیا۔ اب روسی لشکر سچ مچ ترکی اور تاتاری توپوں کی زد میں تھا۔ پیٹر دی گریٹ کے لشکر میں شدت کی مایوسی پھیل چکی تھی۔ دنوں پر دن گزرتے جا رہے تھے اور بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ زارِ روس کی ملکہ کیتھرائن ہمہ وقت دکھی اور سوچوں میں گھری رہتی۔ وہ اکثر سوچتی سالار زینان وقت سے پہلے دنیا سے چلا گیا۔ آج وہ ذہین نوجوان ہوتا تو شاید کوئی راہ نکل آتی۔ دونوں فوجوں کے درمیان مسلسل سفارت کا سلسلہ جاری تھا۔ بلط جی چاہتے تو ایک دن میں ہی روسی لشکر کا خاتمہ کر دیتے لیکن وہ شہنشاہ سے کچھ ایسی شرائط منوانا چاہتے تھے جو سلطنت کے حق میں مفید تھیں اور جن کا تعلق موجودہ جنگ کے ساتھ نہیں تھا۔ جن میں سب سے اہم بحر اسود کے ایک اہم حصہ بحر ازف اور صوبہ ازف کو خالی کر دینے کی بات تھی۔ بلط جی نے شہنشاہ کو حکم دیا تھا کہ وہ صوبہ ازف میں آباد کردہ اپنا نیا شہر "تگروگ" اور وہ تمام قلعے جو تعمیر کروائے گئے تھے، مسمار کر دے۔ ایک شرط یہ تھی کہ اس لشکر

Marfat.com

کے تمام مال و اسباب کے علاوہ صوبہ ازف اور ''کیمنسکی'' میں جمع شدہ تمام روسی توپیں ا
دیگر اسلحہ بھی سلطنت عثمانیہ کے حوالے کیا جائے۔ ان احکامات میں ایک یہ بھی تھا کہ چارلس
دوازدھم کا ملک ''سویڈن'' اسے واپس کیا جائے اور سویڈن سے تمام روسی فوج نکالی جائے۔

اس طرح کے سنگین احکامات زار روس کے لئے بے حد توہین کا باعث تھے اور وہ مسلسل
ان کو ماننے میں لیت ولعل سے کام لے رہا تھا۔ بلط جی نہیں چاہتے تھے کہ خون خرابہ ہو اور
مقصد ہزاروں انسانی جانیں ضائع کر دی جائیں۔ خانِ کریمیا اور سویڈن کے بادشاہ چارلس ک
بلط جی سے اختلاف تھا۔ وہ شہنشاہِ روس کو گرفتار کرنے اور روسی فوج کو ختم کرنے کے حق میں
تھے۔ لیکن بلط جی کا خیال مختلف تھا۔ بلط جی جانتے تھے کہ اگر روسی لشکر کو یہاں کیڑوں مکوڑو
کی طرح مسل دیا گیا تو اہل روس بے حد مشتعل ہو جائیں گے اور اپنے ہزاروں فوجیوں ک
انتقام لینے کے لئے اس سے بھی بڑا لشکر لے کر سلطنت عثمانیہ پر حملہ آور ہوں گے۔[1]

بلط جی دولت علیہ کے مفاد میں سوچ رہے تھے لیکن چارلس اور خانِ کریمیا کو اپنا انتقا
عزیز تھا۔ البتہ نائب صدر اعظم عثمان پاشا اور رئیس آفندی عمر پاشا جو فی الحقیقت دشمنوں ک
آلہ کار تھے، صدر اعظم بلط جی کے فیصلے سے بہت خوش تھے۔ روسی شہنشاہ کو ختم کرنے میں
صدر اعظم جس قدر تاخیر سے کام لے رہے تھے، غداروں کی خوشی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن
بلط جی کو زارِ روس یا غداروں سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ انہیں تو دولت علیہ کا مفاد عزیز تھا۔ شیرا
یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بلط جی کے صلح کے فیصلے پر خوش تھا۔

آج بلط جی کو اس وادی میں پہنچے دوسرا دن تھا۔ بلط جی تمام ہنگامی کاموں سے فار
ہوئے تو انہوں نے شیراز کو اپنے پاس علیحدہ خیمے میں بلوا بھیجا۔ شیراز صدر اعظم کے سامن
پہنچا تو انہوں نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا اور اس سے پوچھا۔

''تمہارا دوست کہاں ہے؟ سکندر پاشا!...... اور تمہارے باقی ساتھی کپتان الفانسو اور اس
کی بیٹی...... یہ سب لوگ کہاں ہیں؟ تم مجھے یہاں اکیلے دکھائی دیئے ہو۔ بحری بیڑے پر کیا ہو
تھا؟ کیا عثمانی بحریہ روسی بیڑے کا راستہ روک پائے گی؟''

شیراز نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ وہ بلط جی کے اطمینان بھرے لہجے سے ہی سمجھ گی
کہ دانا صدر اعظم کو تمام خبریں مل چکی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ صدر اعظم شیراز کی زبانی تما

---

[1] ایورسلے۔ صفحہ 195، 196 بحوالہ دولت عثمانیہ

Marfat.com

داستان سننا چاہتے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ لشکر روانہ ہونے سے پہلے صدر اعظم عثمانی بحریہ کی طرف سے تسلی حاصل نہ کر لیتے۔ اور اب تو ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں صدر اعظم کے کئی قاصد عثمانی بیڑے تک آ اور جا چکے ہوں گے۔ لیکن صدر اعظم کی بات سن کر شیراز کو ایک دھچکا ضرور لگا اور وہ یہ کہ صدر اعظم نے سکندر کی بابت بھی شیراز ہی سے پوچھا تھا حالانکہ شیراز سوچ رہا تھا کہ وہ بلط جی سے سکندر پاشا کے بارے میں دریافت کرے گا۔ شیراز کے دل میں دکھ کی لہر اٹھی۔ وہ اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ سکندر بلط جی کی فوج کے ساتھ ہی نمودار ہوگا۔ جب سے عثمانی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا، شیراز دیوانوں کی طرح سکندر کو ڈھونڈتا رہا تھا۔ لیکن سکندر اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ اس نے بہت سے سپاہیوں اور سالاروں سے پوچھا لیکن سکندر کی بابت کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ اب رہ گئی تھی تو اس کے پاس صرف یہی ایک امید کہ وہ سکندر پاشا کے بارے میں صدر اعظم بلط جی سے دریافت کرے گا۔ لیکن صدر اعظم نے از خود ہی سکندر کے بارے میں دریافت کر کے شیراز کو شش و پنج میں ڈال دیا۔ ابھی تک شیراز کے دل کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں کہا...... ہوسکتا ہے بلط جی مذاق میں شیراز کے صبر کا اندازہ کر رہے ہوں۔ کیونکہ بلط جی کے چہرے پر بدستور ایسے تاثرات تھے جنہیں شیراز جیسا ذہین شخص آسانی کے ساتھ نظر انداز نہ کر سکتا تھا۔ شیراز نے صدرِ اعظم کی بات کے جواب میں انتہائی درد بھرے لہجے کے ساتھ کہا۔

''سکندر پاشا ہمارے ساتھ نہیں رہا...... بحر اسود کے ایک ٹھنڈے طوفان نے ہمارا راستہ روک لیا تھا اور ہمیں روس کے ایک مشرقی جزیرے پر جا پھینکا تھا۔ ہمیں ہوش آیا تو سکندر اور ہمارے دیگر کئی ساتھی عظیم طوفانی لہر کی نذر ہو چکے تھے۔ جزیرے پر چند مشکلات سے نمٹنے کے بعد ہم بہر حال عثمانی بحریہ تک جا پہنچے جہاں ہم نے امیر البحر عبداللہ پاشا کا تختہ الٹ دیا اور اس کی جگہ سابق امیر البحر ارسلان پاشا کو افرازون جزیرے کی قید سے رہا کروا لیا۔ امید ہے عثمانی بحریہ کی تمام خبریں آپ کے علم میں ہوں گی۔ مجھے تو سکندر کی موت کا یقین ہی نہیں ہو رہا۔ میں آج تک اس امید کے ساتھ تھا کہ سکندر کسی نہ کسی طرح بچ گیا ہوگا اور آپ تک پہنچ گیا ہوگا۔ لیکن آپ بتا رہے ہیں...... نہیں بلکہ......''

شیراز نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کی امید و یاس سے لبریز نگاہیں بلط جی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ بلط جی اچانک مسکرا دیں اور مسکراتے ہوئے یہ کہیں کہ

Marfat.com

سکندر زندہ ہے اور ان سے مل چکا ہے...... لیکن بلط جی نے ایسا کچھ نہ کہا۔ سکندر کی موت کا سن کران کے چہرے پر دکھ کے آثار دکھائی دیئے اور وہ کہنے لگے۔

"مجھے سکندر کی موت کا افسوس ہے...... وہ شہید ہے...... بے شک بحر اسود میں موجود اپنے ایک جہاز کی خبر مجھ تک متواتر پہنچتی رہی ہے۔ تم لوگوں کے کھو جانے کی خبر اور پھر بحری بیڑے کے حالات، ارسلان پاشا کی واپسی یہاں تک کہ تمہاری تمام تر کارگزاری مجھے معلوم ہے۔ خاص طور پر تم نے سالار زینان بن کر روسی لشکر میں جس جانفشانی سے کام کیا وہ سب کچھ میں سن چکا ہوں۔ خانِ کریمیا تمہارے نام کی تسبیح پڑھتا ہے۔ لیکن حیرت ہے آج تک مجھے کسی نے سکندر کے بارے میں نہیں بتایا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ سکندر تمہارے ساتھ ہوگا۔ یہ جان کر دکھ ہوا کہ سکندر پاشا جیسا بہادر نوجوان سمندر میں غرق ہو گیا۔"

بلط جی کے چہرے پر سچ مچ افسوس تھا۔ یہ بھی سچ تھا کہ بلط جی ارسلان پاشا کی واپسی اور بحری بیڑے کے تمام حالات سے آگاہ تھے۔

حقیقت تو یہ تھی کہ دونوں افواج کے سربراہوں کی پوری توجہ بحر اسود کی جانب مبذول تھی۔ شہنشاہِ روس پیٹر دی گریٹ اور اس کی بیوی کیتھرائن اپنے جاسوسوں کی اطلاعات کے منتظر تھے۔ شہنشاہِ روس بے شک چوہے دان میں پھنس چکا تھا لیکن اسے اپنے پھنسنے سے زیادہ اپنے نئے بحری بیڑے کی کارگزاری کا انتظار تھا۔ وہ خود چاہتا تھا کہ صلح کی بات زیادہ سے زیادہ طویل ہو جائے تا کہ روسی بیڑا بحر اسود کو عبور کرتا ہوا قسطنطنیہ کی دیواروں تلے جا پہنچے، روسی شہنشاہ سخت بے چین تھا۔ کیونکہ ابھی تک اس کے جاسوس کوئی نئی اطلاع نہ لائے تھے۔

یہی صورتحال صدر اعظم بلط جی کی تھی۔ بلط جی کی بھی تمام تر توجہ اپنے بحری بیڑے کی جانب مبذول تھی۔ انہیں تسلی تھی کہ غدار امیر البحر عبداللہ پاشا کے بعد اب روسی جہازوں کو غرق آب کر دینا عثمانی بحریہ کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بلط جی کا انتہائی خفیہ راز تھا اور اب تک شیراز نے بھی کسی کو یہ نہ بتایا تھا کہ عثمانی بیڑے پر انقلاب آ چکا ہے۔ دراصل صدر اعظم بلط جی شہنشاہ روس کو زیادہ سے زیادہ بے خبر رکھنا چاہتے تھے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ نائب صدر اعظم عثمان پاشا سے بیڑے پر انقلاب کی خبر نہیں چھپائی جا سکتی، کسی لمحے بھی عثمان پاشا اور رئیس آفندی کے خاص آدمی انہیں بیڑے پر انقلاب کی اطلاع دے سکتے ہیں۔ بلط جی یہ بھی سوچتے تھے کہ ہو سکتا ہے عثمان پاشا اب تک بیڑے پر تبدیلی کی خبر پا چکا ہو۔ لیکن حقیقت

Marfat.com

تو یہ تھی کہ روسی لشکر کے گرد عثمانیوں کا کڑا پہرہ تھا ماسوائے سفیروں کے کسی ایک شخص کا بھی روسی لشکر سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اس طرح کے حالات میں شہنشاہِ روس کا اپنے بیڑے کی خبروں سے محروم رہنا قدرتی امر تھا۔

بلط جی نے آگے بڑھ کر شیراز کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''شیراز! میں تم سے بہت خوش ہوں۔ مجھے معلوم ہے ہم بیڑے پر انقلاب کی خبر زیادہ دن تک نہیں چھپا سکتے۔ جلد یا بدیر شہنشاہِ روس کو یہ خبر ملنے والی ہے۔ لیکن اب ہمیں پریشان ہونے یا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب ہم دونوں محاذوں پر محفوظ ہیں۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ جب تک روسی بیڑا تباہ نہیں ہو جاتا کوئی خبر پیٹر تک نہ پہنچنے پائے۔ تم اب میرے ساتھ ہی رہو گے۔ میں یہاں کسی شخص پر بھی اتنا بھروسہ نہیں کر سکتا جتنا تم پر کرتا ہوں۔ میں خون خرابہ نہیں چاہتا بلکہ دولت علیہ کی بہتری اور بالا دستی چاہتا ہوں۔ لیکن خانِ کریمیا اور چارلس بضد ہیں کہ روسی فوج کو یہیں مسل دیا جائے۔ تم کیا بہتر سمجھتے ہو؟ میں تمہاری رائے سننا چاہوں گا۔''

''میں آپ کے ساتھ متفق ہوں...... روسی لشکر کے ایک طرف خونی دلدل ہے جبکہ باقی ہر طرف سے بہادر ترک سپاہیوں کی بھیانک توپیں نصب ہیں۔ یہ موقع شاید پھر کبھی ہاتھ نہ آئے۔ ہم اس وقت شہنشاہِ روس سے جو چاہیں منوا سکتے ہیں۔ ہمیں بے گناہ سپاہیوں کا خون بہانے سے گریز کرنا چاہئے۔''

شیراز کا مشورہ سن کر بلط جی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ پُر جوش لہجے میں بولے۔

''بہت خوب...... بالکل یہی سوچ میری بھی ہے۔ لیکن بعض سالاروں کے اصرار پر میں نے سلطان کی طرف تیز رفتار قاصد دوڑا دیئے ہیں اور جنگ کے خواہش مند سالاروں سے یہ کہہ دیا ہے کہ سلطان کے احکامات پہنچنے تک ہم حملہ نہیں کریں گے۔''

صدر اعظم مطمئن تھے۔ حقیقت میں تو وہ جنگ جیت چکے تھے۔ تقدیر مکمل طور پر ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ روس کا شہنشاہ جو کئی سال سے اس جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، بری طرح گھیر لیا گیا تھا۔

ادھر بحر اسود میں بھی ارسلان پاشا کے جہاز عقابوں اور شاہینوں کی طرح روسی بحریہ پر جھپٹ رہے تھے۔

Marfat.com

روسی بحریہ...... جس کے خواب وخیال میں بھی یہ نہیں تھا کہ عثمانی بیڑا ان کا راستہ روکے گا، اس اچانک افتاد سے بری طرح گھبرا گئی تھی۔ ان کے جہاز اور سپاہی عثمانیوں جیسے تربیت یافتہ نہیں تھے۔ ارسلان پاشا نے روسی بیڑے کے ہراول دستوں کو سامنے سے روکا اور ماہرانہ گولہ باری سے ہراول کے آدھے سے زیادہ جہاز تباہ کر دیئے۔ یہ روسی کپتان کے لئے ایک رلا دینے والی خبر تھی۔ اس نے انتہائی غمزدہ لہجے میں اسی شام پیٹر دی گریٹ کی طرف ایک خط روانہ کیا۔ جس میں لکھا تھا۔

"ہم اپنے سفر کے آغاز میں ہی گھیر لئے گئے ہیں۔ عثمانی سپہ سالار نے غداری کی ہے۔ اس نے ہمیں راستہ دینے کی بجائے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ ہمارا ہراول آدھے سے زیادہ غرق ہو چکا ہے۔ ہم شاہی منصوبہ کے مطابق آگے نہیں بڑھ سکتے اور نہ ہی مقررہ تاریخ پر استنبول پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن ہم پوری طرح لڑنے کی کوشش کریں گے اور آبنائے باسفورس تک پہنچنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔"

اسی مضمون کا ایک خط اس نے شہنشاہِ آسٹریا کی طرف بھی روانہ کیا۔ کیونکہ یہ آسٹریا کی فوج ہی تو تھی جسے منصوبے کے مطابق خشکی کے راستے سے استنبول پہنچنا تھا۔

شیراز، بلط جی سے رخصت ہو کر سیدھا اپنے خیمے میں چلا آیا۔ اس کے ذہن میں مسلسل سکندر پاشا کی یادیں گردش کر رہی تھیں۔ آج تک تو وہ اس امید میں تھا کہ سکندر پاشا کسی نہ کسی طرح استنبول پہنچ گیا ہو گا لیکن آج اس کی یہ امیدیں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ سکندر پاشا سچ مچ دنیا میں نہ رہا تھا۔ اس کا جگری دوست، اس کا محسن، جس نے شیراز کو ایک نئی زندگی دی تھی، فلسفے کا وہ طالب علم جو لائیسم میں پار تھے نن نسل کے استادوں سے فلسفے کی تعلیم حاصل کرتا تھا اب ایک سپاہی بن چکا تھا، ایک مکمل سپاہی۔ یہ سارا سہرا سکندر پاشا کے سر تھا۔ شیراز کو سکندر کی ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ خالص پاشا کا وہ بہادر بیٹا جس نے ہر قدم پر شیراز کی مدد کی تھی، ایک خوفناک سمندری موج کی نذر ہو گیا۔ شیراز کے دل پر غم کے گہرے سائے چھا گئے۔ وہ اپنے خیمے میں جا کر لیٹ گیا۔

میدانِ جنگ کی صورتحال بڑی عجیب تھی۔ آسمان کی آنکھوں نے اس سے قبل شاید ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ نیچے وادی میں ایک مسطح میدان پر روسی لشکر کے خیمے نصب تھے جن کے

Marfat.com

ساتھ روس کے بڑے بڑے اُمراء، وزراء حتیٰ کہ شہنشاہ روس پیٹر دی گریٹ اور اس کی چہیتی ملکہ کیتھرائن بھی مقیم تھی۔ جبکہ روسی لشکر کے چاروں طرف اونچی نیچی پہاڑیوں پر عثمانی سپاہی اپنی توپیں اور بندوقیں روسی لشکر پر تانے قہقہوں پر قہقہے لگا رہے تھے۔ ہر سپاہی کے اندر کھلبلی مچا دینے کی خواہش تڑپ رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اس قدر تر نوالہ شاید زندگی میں پھر کبھی کھانے کو نہ ملے۔ لیکن روس کا عظیم شہنشاہ پیٹر کچھ اور ہی ٹھان چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حملے کے جواب میں دست بستہ جنگ لڑے گا اور قاتل ترکوں کے مقابلے میں صلیب کے مقدس پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دے گا۔ لیکن ایسا سب کچھ اس نے حملے کی صورت میں سوچا تھا۔ اگر بلطہ جی کے سپاہی حملہ نہ کرتے تو پھر روسی شہنشاہ کی سوچ الگ تھی۔ وہ صلح چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا ایک سپاہی بھی نہ مرے اور وہ اپنے پورے لشکر کو زندہ بچا کر واپس لے جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صلح کی بات چیت کو طول دے رہا تھا۔ اسے اپنے جاسوس کا انتظار تھا۔ وہ بے چین تھا کہ کب بحری بیڑے کی کامیابی کی خبر اس تک پہنچے اور کب وہ صلح کی بات چیت چھوڑ کر لڑائی کے لئے آمادہ ہو۔

ملکہ کیتھرائن ہر وقت اپنے خیمے میں لیٹی کھوئی کھوئی نگاہوں سے خلا میں گھورتی رہتی تھی۔ اس کے دل میں کیا تھا...... کیا موجودہ حالات کی پریشانی یا سالار زینان کی یاد؟ نہیں! اس کے دل میں کچھ شک تھا۔ کچھ ایسا شک جسے وہ کوئی نام نہ دے سکتی تھی۔ دراصل اسے مادام تھروشیا کے بیٹے کلاڈیوس کی آنکھیں نہ بھولتی تھیں۔ یہی آنکھیں سالار زینان کی تھیں۔ لیکن سالار زینان تو سب کی آنکھوں کے سامنے دین مسیح پر اپنی جان نچھاور کر چکا تھا...... ملکہ کی کیفیت عجیب تھی۔

شہنشاہ کے حکم پر بہت سے ماہرین خطرناک اور خونی دلدل پاٹنے پر غور کرنے لگے۔ طرح طرح کی ترکیبیں سوچی جا رہی تھیں لیکن ابھی تک ان ماہرین کو دلدل کی اصل وسعت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔

بلطہ جی کا خیمہ مشرقی پہاڑی پر ایک واضح جگہ نصب تھا جہاں سے دور دور تک پوری وادی دکھائی دیتی تھی۔ دن بھر بلطہ جی کی دوربین بلطہ جی کی آنکھوں سے لگی رہتی۔ وہ دلدل کے نزدیک کام کرتے ہوئے روسی سالاروں کو دیکھتے اور پریشانی کے عالم میں یہ سوچتے رہتے کہ آخر روسی فوج کیا کر رہے ہیں۔

Marfat.com

دن بھر شیراز بلط جی کے آس پاس ہی رہتا۔ شیراز کے ذمہ سب سے ضروری کام یہ تھا کہ وہ شام کا دھندلکا چھاتے ہی پوری وادی کی نگرانی سنبھال لے۔ بلط جی نہویں چاہتے تھے کہ عثمانی لشکر سے روسیوں کا کوئی جاسوس نکل کر روسی پڑاؤ کی طرف جا سکے۔ دن کی روشنی میں تو ایسا ممکن نہیں تھا لیکن رات کی تاریکی میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ بلط جی نے برق رفتار سواروں کا ایک ماہر دستہ شیراز کے حوالے کر دیا۔ شام ہوتے ہی شیراز اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہوتا اور پھر اگلی صبح نمازِ فجر کے وقت گھوڑے کی پشت سے اترتا۔ یہ تمام رات وہ کسی چھلاوے کی طرح پوری وادی کے کئی چکر لگاتا۔ اپنے ماہر دستے کو اس نے کئی حصوں میں بانٹ رکھا تھا اور شیراز کی موجودگی میں سچ مچ کوئی پرندہ بھی روسی پڑاؤ کی جانب پر نہیں مار سکتا تھا۔

دن پر دن گزرتے چلے گئے اور پھر ایک دن شہنشاہ روس پیٹر دی گریٹ کے خیمے میں خوفناک بم پھٹ پڑا...... یہ اطلاع تھی جو روسی بحریہ کا ایک جاسوس پیٹر اعظم تک لایا تھا۔ یہ خبر کہ روسی بحریہ عثمانی بیڑے کے مقابلے میں شکستوں پر شکستیں کھا رہی تھی، پیٹر اور کیتھرائن کے لئے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ پیٹر کا رنگ یک لخت فق ہو گیا۔ کیتھرائن کا جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ گویا امید کا آخری سہارا ٹوٹ چکا تھا۔ اب تک وہ یہ سوچ رہی تھی کہ بہت جلد روس کا تازہ دم بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل ہو کر استنبول کو اپنی توپوں کے نشانے پر رکھ لے گا۔ اُدھر استنبول گھیرے میں آئے گا تو ادھر بلط جی شہنشاہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔ لیکن شہنشاہ روس کی تمام آسوں اور امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس کے ناتجربہ کار قزاق ارسلان پاشا کے ہاتھوں غرق ہونے لگے۔ آج سچ مچ پیٹر کو اپنا آپ کسی چوہے جیسا لگ رہا تھا جو چوہے دان میں پھنس گیا ہو اور چاروں طرف سے راستے بند ہوں۔ اب مرنے کے سوا پیٹر کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ بلط جی کی تمام شرائط بلا چون چراں مان لے۔ لیکن شہنشاہ ایسا نہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ پوری مسیحی دنیا کی رسوائی تھی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ شہنشاہ خود بہادروں کی طرح لڑتا ہوا جان دے دے۔ صلیب کا وہ پرچم جس کی پشت پر لکھا تھا...... ''خدا اور مسیحیت کے لئے'' ...... پیٹر کے اونچے خیمے پر ابھی تک لہرا رہا تھا۔ پیٹر مریمؑ اور عیسیٰؑ کے دین کو رسوا نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ لیکن شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے مدمقابل نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا سپاہیوں کی فوج تھی۔

اسی شام پیٹر نے روس کے دارالحکومت ''ماسکو'' کی جانب ایک خط روانہ کیا جسے تاریخ کے

Marfat.com

اوراق نے ایک مایوس ترین شہنشاہ کے خط کی حیثیت سے اپنے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا۔ یہ خط شہنشاہِ روس نے اپنی رعایا کو لکھا تھا۔تحریر کے الفاظ یہ تھے۔

''میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ جھوٹی خبر سے فریب کھا کر اور اپنی کسی غلطی کے بغیر میں اپنے آپ کو اس حالت میں پاتا ہوں کہ ترکی فوج نے مجھے خود میرے لشکر میں بند کر رکھا ہے۔ ہمارے سامانِ رسد کی فراہمی منقطع کر دی گئی ہے اور ہمیں ہر لمحہ ہلاک یا قید ہو جانے کا خطرہ ہے۔ بجز اس کے کہ خدا کسی غیر متوقع طریقہ پر ہماری مدد کر دے۔ (ہماری رہائی کا کوئی اور راستہ نہیں) اگر میں ترکوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاؤں تو پھر تم مجھے اپنا زار اور فرمانروا نہ سمجھنا اور نہ میرے کسی حکم کی پرواہ کرنا جو میری طرف سے تمہارے پاس پہنچایا جائے خواہ تم میرے خط کو پہچان ہی کیوں نہ لو۔ بلکہ خود میری آمد کے منتظر رہنا۔ اگر میں یہاں ہلاک ہو جاؤں اور تمہیں میری وفات کی تصدیق شدہ اطلاع ملے تو اس وقت تم میرا جانشین اس شخص کو منتخب کر لینا جو تم میں سب سے زیادہ اہل ہو[1]''

یہ خط پیٹر کی مایوسی کی انتہا تھا۔ گویا پیٹر دی گریٹ اپنی شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اسے اپنے بچنے کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ وہ چاہتا تو بلطہ جی کی شرائط تسلیم کر لیتا اور اپنا سارا لشکر بچا لیتا لیکن وہ ایسا نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ شرائط بے حد توہین آمیز اور سخت تھیں۔ بحر ازف کو چھوڑ دینا، روس کے صوبہ ازف کو چھوڑ دینا یا روسی اسلحہ وغیرہ ترکوں کے حوالے کرنا کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن پولینڈ کا پورا ملک مسلمانوں کو دے دینا، آئندہ ترکوں کے خلاف کبھی تلوار نہ اٹھانے کی قسم کھانا، تاج شاہی عثمانیوں کے حوالے کرنا یا تمام شمالی مسیحی صوبے ترکوں کو سونپنا ایسی شرائط تھیں جو مسیحی ملت کے لئے بے حد شرمناک اور ذلت آمیز تھیں۔ یہ تو ایک طرح سے اندلس کا انتقام تھا۔ وہی پیٹر جو خود کو فرڈینینڈ کا ہم پلہ اور اپنی ملکہ کو ازابیلہ سمجھتا تھا، مسلمانوں کے سامنے کس طرح ہتھیار ڈال دیتا...... پیٹر کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

♦ ...... ♦

---

[1] ڈاکٹر محمد عزیز مصنف دولت عثمانیہ نے یہ خط لارڈ ایورسلے (صفحہ 193) کے حوالے سے بعینہٖ نقل کیا ہے۔

(بحوالہ دولت عثمانیہ ص 329)

Marfat.com

مکافاتِ عمل

صنوبر کے درختوں پر اکا دکا چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ سورج طلوع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا لیکن صبح زیادہ دور نہیں تھی۔ دریائے پرتھ کا شفاف پانی بھاری بھر کم پتھروں سے سرٹکراتا، شور مچاتا اپنی اترائی کی جانب اڑا چلا جا رہا تھا۔ یہ ایک وسیع وادی تھی۔ دریائے پرتھ اس وادی کے بیچوں و بیچ سے گزرتا دو پہاڑیوں کے بیچوں بیچ بنے قدرتی درے میں داخل ہوتا تھا۔ یہ درہ دور تک سرسبز و شاداب تھا۔ مولڈیویا کی یہ پوٹھوہاری دھرتی بڑی حسین تھی۔ یہ تمام علاقہ عیسائی آبادی پر مشتمل تھا۔ درے میں بہتا ہوا دریا درے سے نکلتا تو ایک چھوٹے سے گاؤں کو چھوتا ہوا بحرہ اسود کی جانب رخ کر لیتا تھا۔ دریا کے کنارے پر چھوٹی سی یہ بستی چند سو نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ سب عیسائی تھے، لیکن ترک سپاہیوں کے ڈر سے گھروں میں دبک کر بیٹھتے۔ ترک فوجیوں نے اس بستی کو پہلے روز ہی گھیر لیا تھا اور تمام باشندوں کو حکم دیا تھا کہ کوئی بھی شخص تاحکم ثانی بستی سے باہر نہ نکلے۔ بستی سے کچھ فاصلے پر دریائے پرتھ کے کنارے ایک خوبصورت گرجا گھر تھا۔ پہلے روز ترک سپاہیوں نے اس گرجا گھر کا معائنہ کیا تو ماسوائے ایک بوڑھی راہبہ کے انہیں یہاں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ تب سے اب تک کوئی ترک سپاہی اس گرجا گھر کی طرف نہ آیا تھا۔ ویسے بھی دریائے پرتھ کا یہ حصہ ترکوں کے اصل پڑاؤ سے بہت دور تھا۔ ترکوں کا اصل پڑاؤ مشرقی پہاڑیوں کے عقب میں تھا۔ تیز رفتار دریا کی وجہ سے بلطہ جی اور ترک سالار اس درے کو محفوظ سمجھتے تھے۔ اس درے سے بھاگ نکلنے کے لئے روسیوں کو لازمی طور پر دریا میں داخل ہونا پڑتا تھا جو کہ ایک بے حد مشکل بات تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بلطہ جی اس طرف سے مطمئن تھے اور زیادہ تر ترک سپاہی اس طرف کا رخ نہ کرتے تھے۔

لیکن آج سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی شیراز کا گھوڑا گرجا گھر کے سامنے آ کر رکا۔ شیراز آج اس طرف کیوں آیا تھا۔ اندرونی وادی کو چھوڑ کر اور اس طویل درے کے ذریعے دریا کے کنارے کنارے چلتا ہوا وہ یہاں تک آ پہنچا۔ حالانکہ دریا کے کنارے چلتے ہوئے کئی مقامات پر وہ بہت مشکل سے بچا۔ ایک طرف ستواں پہاڑی تھی اور دوسری طرف تیز دریا۔

Marfat.com

پھر شیراز نے بلا وجہ یہ خطرہ کیوں مول لیا؟ دراصل اسے کسی حرکت کرتے ہوئے سائے کا تعاقب یہاں تک کھینچ لایا تھا۔ شیراز چاہتا تو گھوڑا تیزی سے آگے بڑھا کر مشکوک سائے کو گرفتار کر لیتا۔ لیکن وہ اس پراسرار سائے کی حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ یہ پراسرار شخص جو کوئی بھی تھا یہ بات تو پکی تھی کہ وہ عیسائیوں کا جاسوس تھا۔ کیونکہ دور پڑاؤ کو چھو کر آتا ہوا وزیائے پرتھ اسی پہاڑی درے سے ہو کر گزرتا تھا۔ شیراز حرکت کرتے ہوئے سائے سے بہت دور رہ کر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ اتنی دور کہ اس کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بھی مشکوک شخص تک نہ پہنچ سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک جگہ وہ سایہ شیراز کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب شیراز چاروں طرف نظریں گھماتا ہوا اپنے فیصلے پر پچھتا رہا تھا۔ اسے مشکوک شخص کو فی الفور گرفتار کر لینا چاہئے تھا۔ شیراز کے سامنے اس وقت سوئی ہوئی عیسائی بستی تھی۔ لیکن جہاں وہ کھڑا تھا یہاں اکلوتا گرجا گھر تھا۔

شیراز گرجا گھر کے صدر دروازے پر کھڑا کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر کسی فیصلے پر پہنچتے ہی وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا۔ اس کے دل میں کوئی ڈر نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چاروں طرف اس کی اپنی فوج پھیلی ہوئی تھی اور اسے یہاں کسی عیسائی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی شیراز نے اپنی تلوار ہاتھ میں تھام لی اور گرجا گھر کے دروازے کی جانب بڑھا۔ کچھ دیر بعد وہ گرجا گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

"ٹھک، ٹھک، ٹھک"

تلوار کے دستے سے دی گئی دستک کی آواز رات کے سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔ شیراز گرجا گھر کا معائنہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ جس شخص کے تعاقب میں یہاں آیا تھا ممکن تھا وہ اسی گرجا گھر میں ہوتا۔ یہی سوچ کر شیراز نے فی الفور گرجا گھر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ کچھ توقف کے بعد شیراز نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا۔

بستی اور چرچ کے بارے میں شیراز پہلے سے معلومات رکھتا تھا۔ وہ ایک اچھا سپاہی اور ماہر جاسوس تھا۔ لیکن آج اس سے چوک ہو گئی تھی۔ اس نے ایک مشکوک سایہ اس طرف آتے دیکھا لیکن وہ اس کا تعاقب کرنے کے چکر میں اسے کھو بیٹھا۔ شیراز کی پیشانی پر بل تھے۔ کچھ دیر بعد اسے چرچ میں کسی کی آہٹ سنائی دی۔ شاید کوئی آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کی جانب آ رہا تھا۔ شیراز مستعد ہو گیا۔ شمشیر کے دستے پر اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

Marfat.com

آنے والا کوئی بھی ہوسکتا تھا لیکن شیراز کے دل نے کہا کہ آنے والا کوئی بیمار یا بوڑھا شخص ہے جو آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ معاً شیراز کے دل میں ایک خیال آیا۔ کہیں یہ وہی بوڑھی راہبہ تو نہیں؟ جس کے بارے میں ترک سپاہیوں نے اسے بتایا تھا۔

اگلے لمحے کھٹاک کی آواز کے ساتھ چرچ کے صدر دروازے کی ذیلی کھڑکی کھلی...... وہ سچ مچ ایک بڑھیا تھی۔ اس کے بدن پر ننوں جیسا لباس تھا۔ شاید وہ کوئی تارک الدنیا راہبہ تھی۔ صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ بوڑھی راہبہ نے کھڑکی کے تاک کا سہارا لیتے ہوئے باہر کھڑے شیراز کو غور سے دیکھا لیکن شاید ابھی صبح کی روشنی اتنی نہ پھیلی تھی کہ بوڑھی راہبہ شیراز کو اچھی طرح دیکھ پاتی۔ اسی اثناء میں راہبہ کی آواز سنائی دی۔

''کون ہے...... خداوند کے گھر پر دستک دینے والا مہمان کون ہے؟...... جو اتنی صبح چرچ کی طرف آیا ہے۔''

بوڑھی راہبہ مخصوص راہبانہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ شیراز نے آگے بڑھ کر راہبہ کو مخاطب کیا۔

''میں ایک ترک سپاہی ہوں مقدس نن...... ایک مشکوک شخص کے تعاقب میں یہاں تک آیا ہوں۔ آپ خداوند یسوع مسیح کی راہبہ ہیں، آپ یقیناً دروغ بیانی سے کام نہیں لیں گی۔ کیا یہاں کوئی مشکوک شخص آیا؟''

راہبہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی۔ اس کی یہی خاموشی شیراز کا ماتھا ٹھنکانے کے لئے کافی تھی۔ بوڑھی راہبہ دل ہی دل میں ترک سپاہی سے ڈر رہی تھی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ مسلمان فوجی بڑے ظالم درندے ہوتے ہیں۔ شیراز نے راہبہ کو خاموش دیکھا تو دوبارہ سوال کیا۔ اب شیراز کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

''مقدس نن! آپ جانتی ہیں کہ یہ بستی اور یہ تمام علاقہ ترک سپاہیوں کے قبضے میں ہے اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ جنگی جاسوس کو پناہ دینا ترک افسروں کے لئے کتنے غیض وغضب کا باعث ہوسکتا ہے۔ لیکن آپ کی عمر اور بزرگی دیکھ کر میں انتہائی احترام سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے چرچ میں کسی مشکوک فرد نے پناہ تو نہیں لی؟''

''نہیں...... کسی مشکوک فرد نے پناہ نہیں لی۔ یہاں صرف مقدس باپ کے بیٹے آتے ہیں جیسے تم آئے ہو۔ موت اور زندگی خداوند کے ہاتھ میں ہے۔''

Marfat.com

بوڑھی راہبہ کی بات ذو معنی تھی۔ شیراز نے دل میں سوچا کہ چرچ کا اندر سے جائزہ لینا ہی بہتر ہوگا۔ شیراز نے راہبہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے...... آپ ایک طرف ہٹ جائیے، میں خود دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں...... تم ننگی تلوار لے کر خدا کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ گناہ ہے...... تم اگر چرچ میں آنا چاہتے ہو تو اپنی تلوار یہیں رکھ دو۔"

شیراز چونک سا گیا۔ بڑھیا نے نیم تاریک صبح میں شیراز کی چمکتی ہوئی تلوار دیکھ لی تھی۔ اور پھر وہ شیراز کو بغیر ہتھیار کے چرچ میں داخل ہونے کا مشورہ دے رہی تھی۔ یکایک شیراز کے دل میں ایک خیال آیا اور اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ اسے ایسا لگا جیسے مشکوک سایہ ازخود اسے یہاں تک لایا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہیں دشمن نے گھات نہ لگا رکھی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ چرچ میں شیراز کا سامنا ایک سے زیادہ افراد سے ہوتا۔ یوں تن تنہا چرچ میں داخل ہو جانا عقلمندی کی بات نہیں تھی۔ شیراز اپنی جگہ ٹھٹھک کر رک گیا اور اچانک کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... میں چرچ میں داخل نہیں ہوتا۔ آپ نے خدا کے جس بیٹے کو یہاں پناہ دے رکھی ہے آپ اس تک میرا ایک پیغام پہنچا دیجئے گا کہ وہ اب زندگی بھر اس چرچ سے باہر کبھی نہیں نکل پائے گا۔"

اتنا کہہ کر شیراز یک دم مڑا، اپنے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھا، اگلے لمحے وہ گھوڑے کی پشت پر تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک طرف کو اڑا چلا جا رہا تھا۔

بڑھیا کے سامنے شیراز شمال کی جانب نکل گیا۔ لیکن شیراز نے ایک چٹان کی اوٹ لیتے ہی اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ وہ چرچ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اب وہ یہیں رک کر دور سے ہی چرچ کی نگرانی کرنا چاہتا تھا۔ دراصل اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس مشکوک سائے نے چرچ میں ہی پناہ لی ہے۔

لیکن جب صبح تک چرچ سے کوئی شخص باہر نہ آیا تو شیراز کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ بوڑھی راہبہ جونہی مشکوک شخص کو شیراز کے چلے جانے کا بتائے گی وہ فرار ہونے کے لئے چرچ سے باہر نکل آئے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ شیراز مسلسل انتظار ہی کرتا رہا اور کوئی شخص چرچ سے باہر نہ آیا۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔

اس سے پہلے کہ شیراز وہاں سے ہٹتا یا دوبارہ دن کی روشنی میں چرچ کی طرف جاتا شیراز

Marfat.com

نے ایک عجیب منظر دیکھا اور وہ منظر دیکھتے ہی شیراز اپنی جگہ پتھر کی طرح سن ہو کر رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کتنی عجیب بات تھی...... حیرت کی انتہا سے شیراز کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہونقوں کی طرح پھٹی پھٹی نگاہوں سے چرچ کے دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ چرچ کے دروازے پر ابھی ابھی ایک باپردہ بگھی آکر رکی اور اس بگھی سے اترنے والی عورت کو دیکھ کر شیراز کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ وہ عورت مادام تھروشیا تھی۔

شیراز کو ایسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ وہ علاقہ جہاں ترک فوجوں کے گھوڑے دندناتے پھر رہے تھے، مادام تھروشیا کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ شیراز نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا شیراز نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے پر کاٹا۔ لیکن اسے درد کا ذرا بھی احساس نہ ہوا۔ تو گویا وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے درد کا احساس کیسے ہوتا۔ اس نے مادام تھروشیا کے بعد بگھی سے اترنے والی خاتون کو بھی دیکھ لیا تھا۔ شیراز کے انگوٹھے پر اس کے دانتوں نے زخم بنا دیا لیکن اس کے منہ سے سی تک نہ نکلی۔ ایک عجیب احساس کی لہر اس کی ہڈیوں کے گودے میں دوڑ گئی۔ دوسری خاتون کو دیکھتے ہی اسے سب کچھ بھول گیا...... وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کس کام سے یہاں آیا ہے؟ وہ ہکا بکا بھاڑ سا منہ کھولے چرچ کے سامنے رکی بگھی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تھیوڈورا تھی۔ مادام تھروشیا کی بیٹی تھیوڈورا۔ لائیسیم کی وہ ذہین اور حسین طالبہ جو پاتھے اوڈیسا کی جماعت میں بلبل کی طرح چہک چہک کر باتیں کیا کرتی تھی۔ نہ جانے کتنے دن شیراز اور تھیوڈورا نے لائیسیم کی روشوں پر ٹہلتے ٹہلتے گزار دیئے تھے۔ ہاں! وہی تھیوڈورا شیراز کے سامنے تھی۔ شیراز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا لیکن یہ سب سچ تھا، خواب نہیں تھا۔ سورج افق کی اوٹ سے پوری طرح نکل کر ایک گول تھال کی طرح مشرق میں چمکنے لگا۔ اب شیراز کا چٹان کی اوٹ میں کھڑے رہنا بے فائدہ تھا۔ وہ ہر طرف سے دیکھا جا سکتا تھا۔ شیراز نے اپنے گھوڑے کو چٹان میں ابھرے ہوئے ایک پتھر کے ساتھ باندھا اور خود ڈھیلے ڈھیلے قدم اٹھاتا بستی کی طرف بڑھنے لگا۔ چرچ کے سامنے رکنے والی بگھی میں سے مادام تھروشیا اور اس کی بیٹی ہی اتری تھی۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ کوئی محافظ نہ تھا اور نہ کوئی سپاہی۔ غالباً انہیں اس بات کا احساس تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں ہیں۔ بگھی کا کوچوان بھی

Marfat.com

اتر کر چرچ میں چلا گیا۔

اب شیراز کو چرچ کے سامنے صرف بگھی کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ شیراز مختلف پتھروں اور چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا اس طرح بستی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ چرچ کا دروازہ مسلسل اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس نے گھوڑا اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں وہ دیکھ نہ لیا جائے اور شیراز بستی کی جانب اسی لئے بڑھ رہا تھا کہ شاید اسے وہاں کوئی ترک سپاہی مل جائے۔ آخر یہ عیسائیوں کی بستی تھی اور یقیناً ترک افسروں نے اس بستی کو اپنی نظر میں رکھا ہوگا۔ لیکن چند گھنٹے قبل جب شیراز بستی کے قریب سے گزرا تھا تو اسے ترک فوج کا کوئی سپاہی دکھائی نہ دیا تھا۔ یہ علاقہ شیراز کی نگرانی میں نہیں آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیراز کو معلوم نہیں تھا کہ بستی میں کوئی ترک سپاہی اسے مل سکے گا کہ نہیں۔ مادام تھروشیا کو یوں کھلم کھلا اس بستی کی طرف آتا دیکھ کر شیراز سوچنے لگا کہ ترک فوجی افسر اپنی بالادستی کی وجہ سے اس قدر لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ وہ وادی جس میں شہنشاہ روس کا لشکر محصور تھا یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ پہاڑوں کی اس چاردیواری سے نکل کر آنے والا دریائے پرتھ چند سو قدم کے فاصلے پر ہی اس بستی کو سیراب کرتا تھا۔ اگر دشمن کی کمک یعنی آسٹروی فوج دریا کے بیچوں بیچ گزرنے کی ہمت کر لیتی تو اس کے لئے آس پاس کی پہاڑیوں پر قبضہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ شیراز دل ہی دل میں ترک افسروں پر افسوس کرنے لگا۔ یہ تو اتفاق تھا کہ اس نے مادام تھروشیا جیسی معروف عورت کو دیکھ لیا تھا اور اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ دشمن کی کمک قریب ہی کہیں موجود ہے۔ اگر وہ اتفاق سے اس طرف نہ آتا تو ترک فوج کو کبھی پتہ نہ چلتا کہ یوں ان کے پہلو میں لیٹے دریا کے بیچوں بیچ آسٹروی فوج کے دستے شہنشاہ روس کو بازیاب کروانے کے لئے آ پہنچیں گے۔ ابھی شیراز کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ مادام تھروشیا اپنے ہمراہ آسٹروی فوج کی کمک لائی ہو گی۔ البتہ اُسے یہ یقین ضرور تھا کہ چرچ کی پراسرار عمارت میں ترک فوج کے خلاف کسی سازش کا جال بنا جا رہا ہے۔

شیراز کسی جنگلی بلے کی سی پھرتی سے بستی تک پہنچ آیا۔ لیکن یہاں اسے کوئی ترک سپاہی دکھائی نہ دیا۔ شیراز کی نظریں مسلسل چرچ پر ٹکی ہوئی تھیں لیکن اب وہ چرچ کی عمارت سے بہت دور تھا۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اسے کوئی ترک دستہ اپنی مدد کے لئے نہ ملا تو مادام تھروشیا اور وہ مشکوک سایہ جس کے تعاقب میں شیراز یہاں تک آیا تھا ہاتھ سے نکل جائیں

Marfat.com

گے۔ اب شیراز کی سمجھ میں بہت سی باتیں آ رہی تھیں۔ وہ مشکوک سایہ یقیناً رات کی تاریکی میں روسی لشکر سے ہو کر آیا تھا۔ گویا دشمن دریا کے راستے بڑی آسانی سے پیغام رسانی کر رہا تھا اور بلط جی کے افسر اس صورتحال سے بے خبر تھے۔ خود شیراز کی تمام تر جاسوسی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ اس نے کبھی دریا کی طرف توجہ ہی نہ دی تھی۔ وہ مطمئن تھا کہ تیز رو دریائے پرتھ میں گھوڑا ڈالنا کسی بزدل عیسائی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن اب وہ اچھی طرح جان گیا تھا کہ دشمن نے دریا کے راستے کو ہی اپنی آخری سبیل نجات سمجھا تھا۔

شیراز ابھی یہی باتیں ہی سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر بگھی کے کوچوان پر پڑی۔ وہ چرچ سے نکل کر متلاشی نگاہوں کے ساتھ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے چرچ کے گردا گرد گھوم کر ہر طرف سے جائزہ لینے کی کوشش کی۔ شیراز کا دل دھک کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ چرچ میں پناہ لینے والے جانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مادام تھروشیا کا کوچوان چرچ سے باہر نکل کر حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ سوچ کر شیراز کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے کہ وہ فوری طور پر ان لوگوں کا پیچھا نہیں کر پائے گا کیونکہ اب اس کے پاس گھوڑا بھی نہیں تھا اور وہ بہت دور نکل آیا تھا۔ شیراز بے ساختہ ہاتھ ملنے لگا۔

♦......♦

''روفیسہ'' بیس سال پہلے ہی مقدونیا کو چھوڑ کر کہیں چلی گئی تھی۔ وہ مقدونیہ کے ایک چرچ میں نرس تھی۔ لیکن آج سے بیس سال پہلے وہ ایک گناہ کر بیٹھی تھی جس کی پاداش میں اس نے خود کو بہت بڑی سزا دی۔ اس نے اپنی پوری زندگی کو تج دیا تھا۔ روفیسہ بیس سال پہلے مقدونیا میں رہتی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مقدونیا میں یونانی سردار کارپوس نے ایک بڑی بغاوت کے نتیجے میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس عارضی بادشاہ کی ملکہ غصہ ور مادام تھروشیا ہی تھی۔ مادام تھروشیا نے گرجا گھر کی نرس روفیسہ کو اپنے شاہی محل میں بلوا کر یہ حکم دیا تھا کہ اسے بیٹا چاہیے۔ نوجوان اور حسین مادام تھروشیا جو بیس سال پہلے مقدونیا کی ملکہ کا تاج پہنتی تھی...... کارپوس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ لیکن اسے بیٹیوں سے نفرت تھی۔ وہ مقدونیا کے تاج وتخت کا وارث چاہتی تھی۔ اسی پاگل پن نے اسے ایک بھیانک کھیل کھیلنے پر اکسایا۔ اس کھیل میں سب سے بڑا کردار روفیسہ ادا کرنے والی تھی۔ نرس روفیسہ دل سے ایک نیک عورت تھی لیکن وقت کی ملکہ کے احکامات کو رد کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ روفیسہ نے ہامی

Marfat.com

بھرلی۔

مادام تھروشیا نے اپنے وقت پر ایک خوبصورت چاند جیسی بیٹی کو جنم دیا لیکن روفیسہ نے کمال مہارت سے بچے کو بدل دیا۔ مادام تھروشیا کا حکم تھا کہ کسی مسلمان کا بچہ اس کی گود میں نہ ڈالا جائے اور روفیسہ سے یہی غلطی ہوگئی تھی۔ اس نے ایک مسلمان آہن گر کا نومولود بچہ مادام تھروشیا کی بیٹی سے بدل دیا۔ کلاڈیوس مادام تھروشیا کا بیٹا نہیں تھا۔ کلاڈیوس اس مسلمان آہن گر کا بیٹا تھا۔ گویا شیراز کا بھائی۔ روفیسہ نے یہ سوچا کہ اگر مادام تھروشیا کو پتہ چلا کہ اس کی گود میں کسی مسلمان کا بچہ ڈالا گیا ہے تو وہ غصے اور اشتعال میں زمین و آسمان ایک کر دے گی۔

روفیسہ گھبرا گئی اور اس نے فی الفور مقدونیا سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کیا۔

مقدونیا کے چرچ سے نکل کر وہ مختلف شہروں اور ملکوں کے گرجا گھروں میں گھومتی رہی لیکن اس کی روح کو کہیں بھی چین نہ ملا۔ بالآخر آج سے سات سال پہلے روفیسہ کے قدم دریائے پرتھ کے کنارے اس چھوٹے سے تنہا اور ویران چرچ میں آ کر رک گئے۔ یہاں روفیسہ کی روح کو قرار ملا اور اس نے اس ویران چرچ کو آباد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب سے روفیسہ یہاں آئی تھی بستی والے بہت خوش تھے۔ ان کے چرچ میں نہ تو کوئی پادری تھا اور نہ راہبہ۔ روفیسہ چرچ میں ہی رہنے لگی۔ یہ ایک بڑے سے کمرے پر مشتمل ایک سادہ سا گرجا گھر تھا۔ چرچ کے کمرے میں ایک طرف روفیسہ نے اپنے رہنے کے لئے لکڑی کی چھوٹی سی کوٹھڑی بنالی۔ اب وہ گزشتہ سات سال سے نہ صرف اس چرچ کی دیکھ بھال کر رہی تھی بلکہ ہر اتوار کو باقاعدہ عبادت کا اہتمام ہوتا تھا اور بستی کے دیہاتی عیسائی باشندے روفیسہ سے انجیل کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

عیسائیوں کی اس چھوٹی سی بستی میں روفیسہ کی بہت عزت تھی لیکن گزشتہ کئی ماہ سے وہ بری بری خبریں سن رہی تھی۔ پہلے اسے یہ بتایا جاتا رہا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان بڑی جنگ ہونے والی ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ پیٹر اعظم کی افواج ماسکو سے چل پڑی ہیں۔ پھر کچھ روز بعد اسے معلوم ہوا کہ استنبول سے مسلمان لشکر بھی مولڈیویا کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ روفیسہ شب و روز خداوند یسوع مسیح کے آگے گڑگڑاتی اور دعا کرتی کہ......

"خداوند! انسانوں کو انسانوں کا خون کرنے سے بچا۔"

لیکن اس کی ایک دعا بھی قبول نہ ہوئی۔ اس کے برعکس دونوں لشکر روفیسہ کے نزدیک ہی

Marfat.com

ایک دوسرے کے سامنے آ گئے۔ کچھ روز پہلے اس نے ترک سپاہیوں کو دیکھا تھا جن کے دستے بستی میں گھس آئے تھے۔ ترک فوجی روفیسہ کے چرچ میں بھی دندناتے ہوئے داخل ہو گئے تھے۔ تب روفیسہ کو یہ پتہ چلا تھا کہ صلیبی افواج کو مسلمانوں نے گھیر لیا ہے اور وہ شب و روز ایک ہی دعا کرنے لگی۔

''اے مالک! انسانوں کو انسانوں کا خون کرنے سے بچا۔''

دن گزرتے گئے اور روفیسہ آئے روز نئی نئی خبریں سننے لگی۔ کسی نے کہا مسلمان سپاہی ظالم درندے ہوتے ہیں اور ایک ایک عیسائی کو چن چن کر مار دینے کا عزم رکھتے ہیں۔ روفیسہ کا دل کانپ گیا لیکن اس نے اپنی دعائیں جاری رکھیں۔ اب اس کی عمر ساٹھ سے اوپر تھی۔ بیس سال پہلے جب مادام تھرد شیا ایک حسین اور نوجوان لڑکی تھی تو روفیسہ اس وقت چالیس سال کی پختہ کار عورت تھی۔ لیکن ساٹھ سالہ روفیسہ جسمانی طور پر ابھی بالکل تندرست اور صحت مند تھی۔

گزشتہ شب روفیسہ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ تقریباً آدھی رات کے وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ روفیسہ نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا۔ اجنبی نے روفیسہ سے کہا۔

''مقدس نن! میں آسٹروی فوج کا ایک سپاہی ہوں اور شہنشاہ روس کی مدد کے لئے آیا ہوں۔ میرے ساتھ آسٹروی فوج کی کمک ہے لیکن میں نے انہیں پہاڑی گھاٹیوں میں چھپا دیا ہے۔ ہمارے پاس دریا کے سوا کوئی راستہ نہیں جہاں سے ہم آسٹروی شہنشاہ کو خفیہ طور پر نکال لائیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو میں آسٹروی شہنشاہ پیٹر دی گریٹ اور اس کی ملکہ کیتھرائن کو بحفاظت دشمن کے حصار سے نکال سکتا ہوں۔''

روفیسہ دنگ رہ گئی۔ اجنبی نے اتنی بڑی بڑی باتیں کہہ دی تھیں کہ روفیسہ جیسی معمولی عورت کے اوسان خطا ہونے لگے۔ شہنشاہِ روس؟ ملکہ کیتھرائن؟ آسٹروی فوج کی کمک؟ اور روفیسہ کی مدد؟ یہ سب باتیں گویا کسی جادوئی کہانی کا مکالمہ تھیں۔ روفیسہ گم صم کھڑی رہی تو اجنبی شخص نے پھر کہا۔

''مقدس نن! ہم بستی میں کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتے...... مسلمان فوجیوں کی تمام توجہ بستی پر ہے...... نہیں! بلکہ یہ بستی بھی ان کی توجہ میں نہیں۔ لیکن آپ کا چرچ محفوظ ترین ہے۔ ہم ملکہ اور بادشاہ کو بھیس بدل کر لائیں گے۔ میرا نام کارڈیوس ہے...... آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

میں ایک مشہور عیسائی سردار کارپوس کا بیٹا ہوں جو کبھی مقدونیا کا بادشاہ تھا۔ میں بھروسے کا آدمی ہوں۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔''

اب تو جیسے بوڑھی راہبہ کے سر پر آسمان گر پڑا...... کارپوس کا بیٹا؟ گویا مادام تھروشیا کا بیٹا؟...... وہی لڑکا اس کے سامنے کھڑا تھا جسے بیس سال پہلے روفیسہ نے اپنی حقیقی ماں کی گود سے جدا کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کا خون تھا لیکن آج ایک عیسائی سالار بن کر روفیسہ کے پاس آیا تھا...... روفیسہ چکرا گئی...... اے میرے خدا! یہ کیا ماجرا ہے؟ اے خداوند...... تُو مجھ سے میرے گناہ کا کون سا کفارہ چاہتا ہے...... یکلخت روفیسہ رونے لگی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر بوڑھی راہبہ کو سہارا دیا تو وہ کلاڈیوس سے لپٹ گئی۔ کلاڈیوس کو سینے سے لگانے لگی اور والہانہ انداز میں اس کا منہ اور سر چومنے لگی۔ کلاڈیوس نہیں جانتا تھا کہ بوڑھی راہبہ کو کیا ہو گیا۔ وہ یوں والہانہ انداز میں اس کے ساتھ کیوں لپٹ رہی ہے...... لیکن روفیسہ کے دل پر جو گزر رہی تھی وہ صرف خدا جانتا تھا۔ وہی بچہ جسے بیس سال پہلے اس نے اس کی حقیقی ماں سے جدا کر دیا تھا آج اس کی بوڑھی بانہوں میں ایک بار پھر پناہ لینے کے لئے آ گیا۔

روفیسہ کے دل نے چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت کلاڈیوس کو سب کچھ سچ سچ بتا دے۔ لیکن کلاڈیوس مضطرب تھا۔ وہ کسمسا کر بوڑھی راہبہ کی بانہوں سے نکلا اور ایک بار پھر کہنے لگا۔

''مقدس نن! ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ خدا اور مسیحیت کے لئے۔''

اب روفیسہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

''ہاں بیٹا، ہاں...... میں اپنی جان کی بازی لگا کر تمہاری حفاظت کروں گی۔ تم اندر آ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''آپ کو کچھ نہیں کرنا، سب کچھ ہم خو[د کر]یں گے۔ میرے ہمراہ کوئی ساتھی نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت روسی لشکر کی طرف جا رہا ہوں۔ مجھے دریا میں سے گزرنا ہو گا اور پہاڑی درہ عبور کر کے روسی لشکر تک پہنچنا ہو گا۔ اگر شہنشاہ اور ملکہ نے میری بات مان لی تو ہم بہت جلد شاید کل رات ہی شہنشاہ اور ملکہ کو انتہائی خفیہ طور پر اسی راستے سے نکال لائیں گے۔ ہمیں اپنے سپاہیوں کو ایک رات کے لئے چھپانا ہے تاکہ آسٹروی فوج کا وہ دستہ جو میرے ہمراہ شہنشاہ کی حفاظت کے لئے آئے گا دشمن کی نظروں میں نہ آ سکے۔ ہمیں یہ سب کچھ رات کی گہری تاریکی

Marfat.com

میں کرنا ہوگا۔ میں آپ سے یہ سب باتیں چھپا بھی سکتا تھا لیکن ایک راہبہ پر اعتماد کرنا میرے مذہب کا پہلا سبق ہے اس لئے میں نے آپ کو اپنے راز میں شریک کر لیا۔ آج میں دریا کا تمام راستہ اچھی طرح سے دیکھ لینا چاہتا ہوں تا کہ ہم جلد سے جلد شہنشاہ کو دشمن کے حصار سے نکال سکیں۔

کلاڈیوس کچھ دیر کے لئے روفیسہ کے ساتھ چرچ کے اندر آیا۔ روفیسہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ لیکن کلاڈیوس جلدی میں تھا۔ وہ روفیسہ کے پاس نہ رکا اور جس طرح اچانک آیا تھا اسی طرح اچانک واپس چل دیا۔ روفیسہ کلاڈیوس کے ساتھ دروازے تک آئی اور اس کے چلے جانے کے بعد دیر تک دروازے میں کھڑی رہی۔ وہ درے کی جانب اڑا چلا جا رہا تھا۔ روفیسہ قدرت کے اس کرشمے پر بے حد حیرت زدہ تھی۔ وہ گم صم اپنے لکڑی کے کمرے میں لوٹ آئی۔ اس کی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کارپوس کا بیٹا لشکر کی طرف گیا ہے اور جلد ہی وہ واپس آئے گا۔

روفیسہ سوچنے لگی کہ واپسی پر کلاڈیوس کو سب کچھ بتا کر اپنے من کا بوجھ ہلکا کر لے گی۔ وہ قدرت کے اس کرشمے کو تائید غیبی سمجھی اور یہی فیصلہ کر کے چرچ کے ہال میں ٹہلنے لگی کہ کلاڈیوس کے واپس آتے ہی وہ کلاڈیوس سے مادام تھروشیا کی بابت دریافت کرے گی۔

گھنٹے پر گھنٹے گزرتے چلے گئے لیکن کلاڈیوس تھا کہ واپس نہ آ رہا تھا۔ روفیسہ نے چرچ کا دروازہ مسلسل کھلا رکھ چھوڑا تھا اور پھر صبح سے کچھ دیر پہلے جب ابھی رات کی تاریکی باقی تھی، روفیسہ نے کلاڈیوس کے گھوڑے کی آہٹ سنی۔ وہ تیزی سے چرچ کے دروازے کی جانب بڑھی۔ کلاڈیوس گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ وہ بے حد گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے بڑی عجلت کے ساتھ روفیسہ سے کہا۔

''مقدس نن! بہت پریشانی کی بات ہے۔ مجھے اپنا گھوڑا ابھی چرچ میں لانا ہوگا۔ میں جانتا ہوں یہ ٹھیک نہیں لیکن اس وقت کوئی شخص میرا پیچھا کر رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں اسے ختم کر دوں۔ اگر میں نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو ہمارے اس خفیہ راستے کا ترک فوج کو پتہ چل جائے گا۔ میں جانتا ہوں وہ یہاں آئے گا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ میں اسی چرچ کی عمارت میں اسے گھیرنا چاہتا ہوں۔ وہ اکیلا ہے...... اگر آپ مجھ سے تعاون کریں تو یہ ممکن ہو سکتا ہے بصورت دیگر ہم عظیم عیسائی بادشاہ کو لشکر سے نکال نہیں پائیں گے۔ مقدس نن! یہ مسیحیت کا

Marfat.com

بہت بڑا نقصان ہوگا۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا!''

اتنا کہہ کر کلاڈیوس نے اپنے گھوڑے کی لگام تھامی اور بے جھجک چرچ کے اندر داخل ہو گیا۔ چرچ میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا گھوڑا ایک نشست کے پائے سے باندھا اور پھر بڑی تیزی سے گھوڑے کی زین کھول کر اس میں سے چمڑے کا ایک تھوبڑا نکال لیا۔ اگلے لمحے کلاڈیوس چمڑے کا تھوبڑا گھوڑے کے منہ پر کس کر چڑھا چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ گھوڑے کی خرخراہٹ یا ہنہناہٹ کی آواز باہر سنائی دے۔

بوڑھی روفیسہ ہکا بکا کھڑی کلاڈیوس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ کلاڈیوس گھوڑے کا کام ختم کر کے تیزی سے چرچ کے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب برہنہ شمشیر اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ دروازے کے ساتھ پشت لگائے مستعد انداز میں کھڑا تھا۔ اس نے تیز لہجے میں روفیسہ سے کہا۔

''مقدس نن! آپ اپنے کمرے میں چلی جائیے۔ دشمن کے دستک دینے پر آپ دروازہ کھولنے کے لئے وہاں سے چل کر آئیں گی تو اسے کوئی شک نہیں ہوگا۔ بس آپ کو یہ کرنا ہے کہ دشمن چرچ میں داخل ہونے لگے تو اس سے کہیں کہ چرچ کے احترام میں شمشیر نیام میں رکھ لے۔ بس باقی میں خود دیکھ لوں گا۔''

روفیسہ عجیب نظروں سے کلاڈیوس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے کلاڈیوس کی باتیں اچھی نہ لگ رہی تھیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ کلاڈیوس خود تو گھوڑا لے کر گھس آیا تھا لیکن اپنے دشمن کو چرچ کا احترام کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔ روفیسہ جانتی تھی کہ کسی کو دھوکے سے مارنا اچھی بات نہیں اور پھر کلاڈیوس تو چرچ کے فرش پر ہی خون بہانا چاہتا تھا۔ بوڑھی روفیسہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ دعائیں مانگنے لگی کہ کلاڈیوس کا دشمن اس کے تعاقب میں یہاں تک نہ آئے۔

لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ چند ہی ثانئے بعد چرچ کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''ٹھک، ٹھک، ٹھک!''

روفیسہ کا دل اچھل کر اس کے حلق میں آ لگا۔ کلاڈیوس ننگی تلوار لئے دروازے کے پہلو میں پوری طرح تیار کھڑا تھا۔ اس کا منصوبہ بالکل درست تھا۔ وہ اپنے تعاقب میں آنے والے شخص کو آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ اس نے روفیسہ کی طرف دیکھا جو اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی خوفزدہ نگاہوں سے کلاڈیوس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ بے بس تھی۔

Marfat.com

وہ چرچ میں ہونے والا قتل نہ روک سکتی تھی۔ اس نے دروازہ کھولنے میں تھوڑی سی دیر کی تو دستک دوبارہ سنائی دی۔

''ٹھک، ٹھک، ٹھک۔''

اس مرتبہ دستک کی آواز قدرے بلند تھی۔ کلاڈیوس کے اعصاب تن گئے۔ اب روفیہ دروازہ کھولنے جا رہی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچی اور اگلے لمحے اس نے کنڈی ہٹا دی۔

''کون ہے؟...... خدا کے دروازے پر دستک دینے والا مہمان کون ہے جو اتنی صبح چرچ کی طرف آیا ہے؟''

کلاڈیوس نے بوڑھی راہبہ کی آواز سنی۔ اگلے لمحے کلاڈیوس جیسے مارے حیرت کے اچھل پڑا۔ اس کے کانوں سے ٹکرانے والی آواز جانی پہچانی تھی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

''میں ایک ترک سپاہی ہوں مقدس نن! ایک مشکوک شخص کے تعاقب میں، میں یہاں تک آیا ہوں۔ آپ خداوند یسوع مسیح کی راہبہ ہیں، آپ یقیناً دروغ بیانی سے کام نہیں لیں گی۔ کیا یہاں کوئی مشکوک شخص آیا؟''

راہبہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ اندر کھڑے کلاڈیوس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ شیراز کی آواز پہچان چکا تھا۔ اس کے دماغ میں بے پناہ آندھیاں چل رہی تھیں۔ یہ کیسا اتفاق ہے پروردگار؟ کلاڈیوس نے دور دیوار پر لٹکی خداوند یسوع مسیح کی شبیہہ کو دیکھا۔ اس نے بحری سفر میں شیراز کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ وہ شیراز کی آواز کو کیسے بھول سکتا تھا۔ ابھی وہ اپنے دماغ میں چلنے والی آندھیوں کو سنبھال بھی نہ پایا تھا کہ اسے پھر شیراز کی آواز سنائی دی۔

''مقدس نن! آپ جانتی ہیں کہ یہ بستی اور یہ تمام علاقہ ترک سپاہیوں کے قبضہ میں ہے اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ جنگی جاسوس کو پناہ دینا ترک افسروں کے لئے کتنے غیض و غضب کا باعث ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ کی عمر اور بزرگی دیکھ کر میں انتہائی احترام سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے چرچ میں کسی مخصوص فرد نے پناہ تو نہیں لی؟''

شیراز کی بات مکمل ہوتے ہی کلاڈیوس نے بوڑھی راہبہ کی آواز سنی۔

''نہیں...... کسی مشکوک فرد نے پناہ نہیں لی۔ یہاں صرف مقدس باپ کے بیٹے آتے

Marfat.com

ہیں۔ جیسے تم آئے ہو...... موت اور زندگی خداوند کے ہاتھ میں ہے۔"
کلاڈیوس کے کان ہلکی سے ہلکی آہٹ پر بھی لگے ہوئے تھے۔ اسے شیراز کی آواز پھر سنائی دی۔
"ٹھیک ہے...... آپ ایک طرف ہٹ جائیے...... میں خود دیکھ لیتا ہوں۔"
کلاڈیوس کسی چیتے کی طرح چوکنا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں تھمی شمشیر فضا میں یوں اٹھی ہوئی تھی کہ وہ چاہتا تو دروازے میں قدم رکھنے والے شخص کی گردن پل بھر میں اڑا سکتا تھا۔ اسی اثناء میں کلاڈیوس نے بوڑھی راہبہ کی آواز پھر سنی۔
"نہیں...... تم ننگی تلوار لے کر خدا کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ گناہ ہے۔ تم اگر چرچ میں جانا چاہتے ہو تو اپنی تلوار یہیں رکھ دو۔"
بوڑھی راہبہ کی بات سن کر کلاڈیوس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ راہبہ بہت چالاک تھی۔ یکایک کلاڈیوس نے شیراز کی بات سنی تو مایوسی سے اس کا چہرہ لٹک گیا۔ شیراز کہہ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے...... میں چرچ میں داخل نہیں ہوتا...... آپ نے خدا کے جس بیٹے کو یہاں پناہ دے رکھی ہے آپ اس تک میرا ایک پیغام پہنچا دیجئے گا کہ وہ اب زندگی بھر اس چرچ سے باہر کبھی نہیں نکل پائے گا۔"
اتنا کہہ کر شیراز یکدم مڑا۔ اپنے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھا اور اگلے لمحے وہ گھوڑے کی پشت پر تھا۔ کلاڈیوس کھڑا دیکھتا رہ گیا اور شیراز کسی چھلاوے کی طرح شمالی چٹانوں میں روپوش ہو گیا۔ کلاڈیوس ہاتھ ملتا ہی رہ گیا۔ لیکن روفیسہ خوش تھی کہ چرچ میں قتل ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ شیراز سے باتیں کر کے روفیسہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ اسے اس نوجوان کی آنکھوں میں شرافت اور سچائی کی جھلک دکھائی دی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ شیراز کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ جب شیراز کا گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا بوڑھی روفیسہ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ کلاڈیوس کی جانب مڑی۔
"دیکھو نوجوان! تم نے عیسائی ہو کر بھی چرچ کا احترام نہیں کیا اور گھوڑا چرچ میں باندھ دیا۔ لیکن تمہارے تعاقب میں آنے والے نوجوان نے مسلمان ہو کر بھی چرچ کا احترام کیا اور برہنہ شمشیر لئے چرچ میں نہیں گھسا۔ میری نظر میں وہ تم سے بہتر ہے۔ تم اپنی ماں کی طرح ہو، لیکن نہیں...... تم اپنی ماں کی طرح نہیں ہو سکتے۔ تم تھروشیا کی طرح ہو...... مغرور تھروشیا۔"

Marfat.com

ایک اجنبی راہبہ کے منہ سے اس طرح کی بات اور اپنی ماں کا نام سن کر کلاڈیوس تو جیسے پاگل ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ بڑھیا کیا کہہ رہی ہے۔ وہ دیدے پھاڑے بوڑھی راہبہ کی آنکھوں اور جھریوں بھرے چہرے میں عہد رفتہ کا کوئی واقعہ دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ سنسنانے لگا۔ مقدونیہ سے اتنی دور مولڈیویا کے اس چرچ میں یہ بوڑھی راہبہ کلاڈیوس کو اس کی ماں کا طعنہ دے رہی تھی۔ کیا یہ مادام تھروشیا کو جانتی ہے؟ لیکن اس نے تو نہیں بتایا۔ کلاڈیوس نے تو صرف اپنے باپ کا نام لیا تھا جبکہ مقدس نن اس کی ماں کو ایک مغرور عورت کہہ رہی تھی۔ بوڑھی راہبہ کا مادام کے ساتھ کیا تعلق تھا؟ کلاڈیوس کو سب کچھ بھول گیا اور وہ مسلسل حیرت سے آنکھیں پھیلائے روفیسہ کو تکتا رہا۔

''مقدس نن! کیا آپ میری ماں کو جانتی ہیں؟ میرا کہنے کا مطلب ہے کیا آپ مادام تھروشیا کو جانتی ہیں؟''

روفیسہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تھروشیا کے بیٹے کو حقیقت بتا دی جائے یا چھپا لی جائے۔ وہ کلاڈیوس کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکے نے مادام تھروشیا کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اگر روفیسہ کی بات سن کر اس کا دماغ گھوم جاتا تو ممکن تھا کہ وہ بوڑھی راہبہ کی گردن پر تلوار ہی چلا دیتا۔ لیکن آج روفیسہ رکنے والی نہیں تھی۔ وہ بیس سال سے جبر اور صبر کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک ایسا راز سینے میں چھپائے اس نے دو دہائیاں گزار دی تھیں جو اس کے دل پر کسی پتھر کی سل کی طرح دھرا تھا۔ آج تو روفیسہ نے فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ اب وہ مزید برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس نے کلاڈیوس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''میں تمہاری ماں کو بھی جانتی ہوں اور مادام تھروشیا کو بھی۔''

اتنا کہہ کر روفیسہ، کلاڈیوس کے چہرے پر اپنی بات کے اثرات دیکھنے کے لئے رکی۔ لیکن کلاڈیوس نہایت الجھی ہوئی نظروں سے راہبہ کو دیکھ رہا تھا، یہ راہبہ کیا کہنے لگی تھی۔ کیا اس بڈھی عورت کا دماغ چل گیا ہے؟ یقیناً یہ پاگل ہے۔ یہ عورت دو عورتوں کا ذکر کر رہی ہے۔ کیا میں دو عورتوں کا بیٹا ہوں؟ کیا مادام تھروشیا اور میری ماں الگ الگ عورتیں ہیں؟ کلاڈیوس کی حالت غیر ہونے لگی۔ اسے سچ مچ سب کچھ بھول رہا تھا۔ اسے صرف یہی یاد تھا کہ وہ ایک پاگل راہبہ کے سامنے کھڑا اس کی بہکی بہکی باتیں سن رہا ہے۔ لیکن اس کا دل متواتر دھڑک رہا

Marfat.com

تھا۔اس کی چھٹی حس نئی خبروں کی اطلاع دے رہی تھی۔اس کا دل کہہ رہا تھا کہ بڑھیا یقیناً ایسا کچھ جانتی ہے جو کلاڈیوس نہیں جانتا۔کلاڈیوس نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”کیا مطلب...... آپ میری ماں کو بھی جانتی ہیں اور مادام تھروشیا کو بھی؟ کیا میری ماں اور مادام دو الگ الگ عورتیں ہیں؟ لیکن پہلے یہ بتایئے کہ آپ کون ہیں......اور میں کیونکر آپ کی بات کا یقین کرلوں؟“

”ہاں...... تمہاری ماں اور مادام تھروشیا الگ الگ عورتیں ہیں اور یہ بات دنیا میں صرف میں جانتی ہوں یا پھر مادام تھروشیا۔تمہاری حقیقی ماں بھی نہیں جانتی کہ تم کہاں ہو؟ زندہ بھی ہو کہ مر گئے ہو۔شاید تمہاری ماں بھی اب تک مر چکی ہوگی۔بہت وقت بیت گیا ہے، سب کچھ بدل گیا ہے۔میں شاید تمہیں دیکھنے اور تم سے ملنے کے لئے زندہ تھی۔میں اپنے سینے پر کوہ الپس کے برابر بوجھ محسوس کرتی تھی۔شب و روز خداوند سے دعا کرتی تھی کہ وہ میرے دل کا بوجھ ہٹائے۔اور پھر جب آج تم نے بتایا کہ تم مقدونیا کے عارضی بادشاہ کارپوس کے بیٹے ہو تو میں سب کچھ سمجھ گئی۔میں سمجھ گئی کہ خداوند نے تمہیں میرے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے سکون کے ساتھ مر سکوں۔آج میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔“

کلاڈیوس دروازے سے ہٹ آیا۔وہ شیراز کی بات سن چکا تھا۔شیراز نے کہا تھا...... جس کسی نے بھی چرچ میں پناہ لے رکھی ہے وہ اب یہاں سے نکل نہیں سکتا......اس کا مطلب تو یہ تھا کہ دشمن چرچ سے باہر گھات لگا کر بیٹھا ہے۔جونہی کلاڈیوس باہر نکلا، مار دیا جائے گا۔شیراز کی یہ بات بوڑھی راہبہ بھی سن چکی تھی اسے بھی یقین تھا کہ چرچ کے باہر کلاڈیوس کے لیے موت ہے اور وہ چاہتی تھی کہ کلاڈیوس پر کوئی آنچ نہ آئے۔وہ اسے زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔وہ خود کو کلاڈیوس کا مجرم سمجھتی تھی۔روفیسہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔آج کلاڈیوس اس کے سامنے تو آیا تھا لیکن ایسی صورتحال میں کہ چاروں طرف موت کی پرچھائیاں پر پھیلائے کھڑی تھیں۔خداوند! یہ کیا ماجرا ہے؟ روفیسہ نے دل میں سوچا۔

وہ کلاڈیوس کو اپنے ہمراہ لئے حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ کے نزدیک آئی۔اس نے مریمؑ اور عیسیٰؑ کی تصویروں کی طرف دیکھا۔کلاڈیوس کا بدن جیسے شل ہو گیا تھا۔اسے کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا۔وہ چاہتا تو یہ تھا کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس چوہے دان سے نکل بھاگے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔بوڑھی راہبہ نے اسے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔وہ کیا کرتا؟ یہاں سے نکل بھاگتا تو شاید

Marfat.com

پیچھے مسلمان، راہبہ کو قتل کر دیتے۔ کیونکہ راہبہ نے ایک جاسوس کو پناہ دینے کا جرم کیا تھا اور پھر...... ایک اور وجہ بھی تھی جس نے کلاڈیوس کے قدم روک رکھے تھے۔ منصوبہ کے مطابق طلوع آفتاب کے ساتھ ہی تھیوڈورا اور مادام تھروشیا یہاں آنے والے تھے۔ انہیں اس چرچ میں آ کر راہباؤں اور ننوں جیسا حلیہ اختیار کرنا تھا۔ انہیں آنے والی شب شہنشاہ روس اور ملکہ کیتھرائن کو تحفظ دینا تھا۔

یہ تمام تر منصوبہ خود مادام نے بنایا تھا۔ آج سے کئی روز پہلے جب کلاڈیوس روسی شہنشاہ سے اجازت لے کر کمک لانے کی غرض سے آسٹروی فوج کی طرف روانہ ہوا تو آسٹروی فوج میں اس کی ملاقات حسب توقع اپنی ماں کے ساتھ ہوئی۔ اس نے مادام تھروشیا کو روسی لشکر کی حالت زار اور بے بسی کے بارے میں بتایا تو تھروشیا جذباتی ہو گئی۔ کلاڈیوس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی ماں کو غمزدہ دیکھا تھا۔ مادام تھروشیا ملکہ کیتھرائن سے ملنے کے لئے ہمیشہ بے تاب رہتی تھی۔ کلاڈیوس نے جب اسے بتایا کہ ملکہ اور بادشاہ بلط جی کے شکنجے میں پھنس چکے ہیں تو تھروشیا کی حالت غیر ہو گئی۔ کلاڈیوس نے اسے بتایا کہ وہ کمک لینے کی غرض سے یہاں آیا ہے۔ مادام تھروشیا فوراً کلاڈیوس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئی۔ اس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا تھا۔

''ٹھیک ہے! ہم یہاں سے چار ہزار سواروں کا لشکر لے کر جائیں گے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ میں روس کی ملکہ اور شہنشاہ کو مسلمانوں کے چنگل سے نکالوں گی۔ کلاڈیوس! تمہیں میرے دماغ کی ضرورت ہے۔''

کلاڈیوس حسب معمول تھروشیا کے سامنے انکار نہ کر سکا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔

''لیکن تھیوڈورا کا کیا ہو گا...... آپ کو اسے یہاں لانا ہی نہیں چاہئے تھا۔ وہ مقدونیا میں محفوظ تھی۔''

''نہیں...... میں اسے کانچ کی گڑیا بنا کر نہیں رکھنا چاہتی۔ میں اسے جان بوجھ کر یہاں لائی ہوں۔ وہ آسٹروی شاہی خاندان کی بیٹی ہے۔ اور پھر مقدونیا میں وہ اکیلی کیا کرتی؟''

اسی روز مادام تھروشیا آسٹروی شہنشاہ سے روسی لشکر کی مدد کے لئے کمک منظور کروانے میں کامیاب ہو گئی۔ اگلی صبح مادام تھروشیا کی زیر سرپرستی اور کلاڈیوس کی سپہ سالاری میں تیز رفتار آسٹروی دستے مولڈیویا کی جانب روانہ ہو گئے۔ مولڈیویا کے نواح میں پہنچ کر منصوبہ کے

Marfat.com

مطابق کلاڈیوس نے سپاہیوں کو فرداً فرداً بکھر جانے کا حکم دے دیا۔ مولڈیویا کے پورے علاقے میں ترک فوجوں کا راج تھا اور کسی عیسائی کے لئے اتنا بڑا دستہ لے کر مولڈیویا میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ ہر سپاہی کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ فرداً فرداً دشمن کی نگاہ سے بچتا ہوا دریائے پرتھ کی جانب بڑھے۔ کلاڈیوس کے پاس معلومات تھیں جو اس نے اب تک مختلف سپاہیوں اور عام لوگوں سے حاصل کی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ دریائے پرتھ شمال کی جانب بہتا ہے۔ اور جس جگہ روسی لشکر محصور ہے وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی عیسائی بستی ہے۔ کلاڈیوس اپنی ماں اور بہن کے ساتھ بھیس بدل کر اس عیسائی بستی کے شمالی مضافات تک آیا تھا۔ یہیں بیابان چٹانوں کے بیچوں بیچ آسٹروی سپاہیوں کو اکٹھا ہونا تھا۔ یہ سارا منصوبہ مادام تھروشیا نے بنایا تھا۔ اور مقامات کی رہنمائی کلاڈیوس کے علاوہ چند پرانے سپاہیوں نے کی تھی۔

ویران چٹانوں اور کھائیوں میں پہنچ کر یہ لوگ اپنے سپاہیوں کا انتظار کرنے لگے۔ تمام دن اور تمام رات ایک ایک کر کے آسٹروی سپاہی ان چٹانوں میں جمع ہوتے رہے۔ انہوں نے کوئی خیمے نہ لگائے اور کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے گشت کرتے ہوئے ترک دستے خطرے کو بھانپ لیتے۔ یہاں تک کہ چٹانوں میں پہنچنے والا ہر سپاہی اپنی منزل پر پہنچتے ہی گھوڑے کے منہ پر تھوبڑا چڑھا دیتا تھا تا کہ اتنے زیادہ گھوڑوں کی خرخراہٹ اور ہنہناہٹ پیدا ہونے سے روکی جا سکے۔

کلاڈیوس اور مادام تھروشیا کو معلوم تھا کہ چھوٹی سی عیسائی بستی سے چند سو قدم باہر کی طرف ایک چرچ ہے جسے ایک بوڑھی راہبہ سنبھالتی ہے۔ مادام تھروشیا نہیں جانتی تھی کہ وہ بوڑھی راہبہ اس کی پرانی شناسا روفیسہ ہے۔ مادام نے اپنا منصوبہ اس طرح تجویز دیا کہ کلاڈیوس جو لشکر کا راستہ جانتا تھا، نصف شب کے وقت گھات کے مقام سے نکلے گا اور چھپتا چھپاتا روسی لشکر میں داخل ہوگا۔ وہ راستے کے تمام خطرات پر غور کرے گا تا کہ پیٹر اعظم اور ملکہ کیتھرائن کو محفوظ طریقے سے نکالا جا سکے۔ منصوبے کے مطابق کلاڈیوس کو بوڑھی راہبہ کے چرچ میں رکنا تھا۔ یہی جگہ تھی جہاں کچھ وقت کے لئے روسی بادشاہ اور ملکہ کو چھپایا جا سکتا تھا۔ کلاڈیوس کو پیٹر اعظم تک پہنچنا تھا اور روسی شہنشاہ اور ملکہ کو اس بات پر راضی کرنا تھا کہ وہ خفیہ طریقے سے نکلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے علاوہ یہ طے پایا تھا کہ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مادام تھروشیا اور تھیوڈورا راہباؤں کے بھیس میں اسی چرچ کی طرف بڑھیں گی۔ انہیں یہاں راہبائیں بن کر

Marfat.com

رہنا تھا، صرف ایک دن کے لئے اور صرف ایک رات کے لئے۔ اگر ملکہ اور بادشاہ مان جاتے تو انہیں رات کی تاریکی میں چرچ تک پہنچانے کا کام کلاڈیوس سنبھالتا۔ چرچ کے آس پاس اور بستی میں چند آسٹروی سپاہیوں کو چھپا دیا جاتا جو بادشاہ اور ملکہ کو درپیش کسی بھی خطرے کی صورت میں اپنی جانیں تک نثار کر دیتے۔ تھیوڈورا اور تھروشیا راہبائیں بن کر ملکہ اور شہنشاہ کو تحفظ دیتیں۔ یہ منصوبہ اگرچہ بہت اچھا تھا لیکن شاید مادام اس علاقے میں اپنے دیرینہ دشمن شیراز کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ شیراز وہ عقاب تھا جس کی نگاہوں سے بچ کر نکلنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اور وہی ہوا۔

کلاڈیوس صبح ہونے سے پہلے پہلے شہنشاہ اور ملکہ کو قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

''شہنشاہِ معظم! یہ بہت محفوظ راستہ ہے۔ دشمن کی توجہ ہر طرف ہے لیکن دریا کی طرف نہیں۔ ہم ایک طرح سے دریا کے بیچوں بیچ اور دریا کے بہاؤ کے رخ پر سفر کریں گے۔ یہ پہاڑی دریا ہے، جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر دریا کی سطح سے ابھرے ہوئے ہیں اور پھر اس وادی کو جہاں سے دریا کاٹ کر باہر نکلتا ہے، وہ ایک چھوٹا سا درہ ہے۔ تیز پانی کی وجہ سے ترکوں کی توجہ اس درے کی طرف نہیں گئی۔ درے میں دریا کے پہلو پر بالکل تنگ ایک قدرتی سا راستہ ہے، ایک گھوڑا با آسانی اس جگہ سے گزر سکتا ہے۔ آپ بالکل فکر مت کریں۔ ہم آج رات نہیں جائیں گے۔ میں نے منصوبہ مکمل کر لیا ہے۔ آج صبح میری ماں اور بہن راہباؤں کے روپ میں اس چرچ تک پہنچیں گی جو دریائے پرتھ کے کنارے ایک چھوٹی سی عیسائی بستی کے نزدیک واقع ہے۔ ہم کل رات کو یہاں سے نکلیں گے۔ ہمیں اس چرچ تک پہنچنا ہے۔ وہاں آسٹروی فوج کا ایک جنگجو دستہ چھپا ہوا ہوگا۔ ہم آپ کو بڑی آسانی سے باہر نکال سکتے ہیں۔''

لیکن پیٹر نے صاف انکار کر دیا تھا اور محصور بادشاہ نے سینے پر ہاتھ مار کر یہ کہا تھا۔

''میں اپنے لشکر کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گا۔ مجھے یہاں سے نکلنے کے لئے چھپنے چھپانے کی یا تمہارا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ میں جب چاہوں ایک زوردار دستے کے ساتھ ترک لشکر کو چیرتا ہوا یہاں سے نکل جاؤں۔ لیکن میں بزدل نہیں ہوں، میں بھاگنا نہیں چاہتا...... جنگ میں تو ایسا ہوتا ہی ہے، آج ہم ان کے زیرِ دام آ گئے اور اگر ہم بچ گئے تو کل وہ ہمارے

Marfat.com

زیر دام آ جائیں گے۔ اور تم نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں، بلطہ جی کبھی ہمارا قتل نہیں کرے گا۔ مسلمان جانتے ہیں کہ پیٹر کی موت پوری عیسائی دنیا کی بیداری ہو گی۔ میں ترکوں کو اچھی طرح جانتا ہوں، وہ مجھے مارنے کی بیوقوفی کبھی نہیں کریں گے۔ تم چاہو تو اپنے آسٹروی دستوں کو لے کر واپس جا سکتے ہو اور چاہو تو روسی لشکر کی مدد کے لئے باہر رک سکتے ہو۔ تمہارے دستوں کی بدولت ممکن ہے رسل و رسائل کا سلسلہ کھل جائے۔ تم ترکوں کے کسی بھی کمزور مقام کو ڈھونڈ کر ان پر حملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بچانے کی بجائے کسی پہاڑی چوٹی پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔ تم ہمت کرو تو ایسا ممکن ہے۔''

شہنشاہ نے کلاڈیوس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ صبح سے پہلے کلاڈیوس واپسی کے لئے چل پڑا تھا۔ اب وہ ایک نئے عزم کے ساتھ واپس لوٹ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بہت جلد شمالی پہاڑی پر قبضہ کر لے گا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ترکوں کی صرف یہی سمت کمزور تھی اور اس کے ایسا سوچنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے عیسائی بستی میں اور نہ ہی چرچ کے آس پاس کسی ترک سپاہی کو دیکھا تھا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ ترک اس طرف سے لاپرواہ ہیں اور اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ آنے والی رات وہ شمالی پہاڑی کے عین اسی مقام پر قبضہ کرے گا جہاں سے دریا گزرتا ہے۔

لیکن بدقسمتی سے کلاڈیوس رات کے عقاب شیراز کی نظروں میں آ گیا۔ شیراز اُس مشکوک شخص کا کھوج لگانا چاہتا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ شخص کون ہے اور کس ارادے سے آیا ہے؟ شیراز کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ شخص کلاڈیوس ہے اور اس کے ہمراہ آنے والے آسٹروی دستے شمال کی ویران چٹانوں میں خاموشی سے چھپے بیٹھے ہیں۔ شیراز نے اس شخص کو گرفتار کرنے کی بجائے اس کا تعاقب کیا لیکن رات کی تاریکی اور اونچی نیچی چٹانوں کی وجہ سے شیراز کوئی واضح اندازہ نہ لگا سکا کہ مشکوک شخص کہاں چھپ گیا۔

چرچ میں کلاڈیوس نے بوڑھی راہبہ کی زبان سے اپنی ماں کا نام سنا تو اس کو تمام کام بھول گئے۔ بوڑھی راہبہ نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔ اس کا بدن شل ہو چکا تھا اور اب وہ نہ باہر جا سکتا تھا اور نہ اسے اندر قرار تھا۔ بوڑھی روفیسہ کی زبان سے بیس سال پرانی کہانی سن کر کلاڈیوس کی حالت غیر ہو گئی۔ بوڑھی روفیسہ نے اسے سب کچھ بتا دیا، سب کچھ!......

بوڑھی روفیسہ نے اسے بتایا کہ وہ ایک غیر مقدونی مسلمان کا بیٹا ہے۔ اس کا باپ ایک معمولی

Marfat.com

لوہار تھا جسے مادام تھروشیا کی بغاوت کے دوران چند عیسائی اوباشوں نے معذور کر دیا تھا۔ اس کی ماں صغریٰ مجبور تھی کہ اپنا بچہ بیچ دیتی۔ مادام تھروشیا کی بیٹی کو لوہاروں کے گھر پہنچا دیا گیا اور لوہاروں کا بیٹا مقدونیا کا وارث بنا دیا گیا۔ روفیسہ نے کہا۔

''مادام تھروشیا بہت ظالم عورت تھی۔ وہ کسی کو معاف نہیں کرتی تھی۔ وہ جب غصے میں آتی تو کسی نہ کسی کا خون بہا کر ہی اسے سکون ملتا۔ وہ اپنے غلاموں کو اپنے ہاتھ سے کوڑے مارتی تھی۔ جب وہ مقدونیا کی ملکہ بنی تو اس نے مسلمان رعایا کا جینا حرام کر دیا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ میں اتنا بڑا گناہ کرنے کے بعد مقدونیا میں رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ چنانچہ میں وہاں سے چلی آئی۔ بیس سال تک میرے سینے پر تمہارا غم کسی ناگ کی طرح بیٹھا رہا جو ہر پل مجھے ڈستا رہتا تھا۔ اب تم مل گئے ہو اور میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو میرے من کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔''

کلاڈیوس اپنے حواس میں نہیں تھا۔ اسے اتنا خیال بھی نہ آیا کہ ترک سپاہی کسی بھی وقت چرچ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہ خود شیراز کی بات سن چکا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ جاننے کے بعد کہ وہ مسلمانوں کا بیٹا ہے اُس کا تمام ڈر یکلخت کافور ہو گیا۔ وہ تو صرف حیران تھا، بے حد حیران...... اُسے یقین نہ آ رہا تھا۔ اس نے راہبہ کی کہانی کے دوران کئی بار نفی میں سر ہلایا لیکن روفیسہ کی آنکھیں سچ بول رہی تھیں۔ کلاڈیوس بچہ نہیں تھا۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ شہنشاہ روس سے مل کر آ رہا ہے۔ اسے بھول گیا کہ اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ البتہ اسے اتنا یاد رہا کہ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مادام تھروشیا اور تھیوڈورا یہاں آنے والی ہیں۔ نہ جانے کیوں کلاڈیوس نے روفیسہ کو مادام تھروشیا کے بارے میں نہ بتایا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے روفیسہ کو کچھ بھی نہ بتایا تھا۔ روفیسہ کو تو ابھی یہ بھی علم نہیں تھا کہ شہنشاہ روس نے بھاگ نکلنے کے سلسلے میں کلاڈیوس کو کیا جواب دیا ہے۔ کلاڈیوس جب پہلی مرتبہ لشکر کی طرف جاتے ہوئے چرچ میں آیا تھا تو اس نے صرف شہنشاہ کو نکال لانے کے بارے میں بوڑھی راہبہ سے بات کی تھی۔ اور جب دوسری مرتبہ واپسی پر وہ چرچ میں داخل ہوا تو صورتحال ہنگامی تھی۔ وہ روفیسہ کو مادام تھروشیا یا ملکہ اور شہنشاہ کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکا۔ ترک گھڑ سوار اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ شیراز کو قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی موجودگی کی خبر ترکوں تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن یہاں تو دنیا ہی الٹ گئی تھی۔ بوڑھی راہبہ اسے بتا رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کا بیٹا ہے۔

Marfat.com

اُسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور سورج نکل آیا۔ وہ اکلوتی بگھی جس میں مادام تھروشیا آسٹروی سوار دستوں کے ساتھ یہاں تک آئی تھی، طلوع آفتاب سے کچھ ہی دیر بعد چرچ کے دروازے پر رکی۔ مادام کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ چرچ میں کیا کچھ بیت چکا ہے۔ اس کے منصوبے کے مطابق تو کلاڈیوس کو یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ کلاڈیوس تو ملکہ اور شہنشاہ کے ساتھ اگلی رات آنے والا تھا۔ اسے کیا معلوم کہ شہنشاہ نے کلاڈیوس کو نامراد لوٹا دیا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ چرچ کی راہبہ اس کی پرانی شناسا روفیسہ ہے۔ مادام تو اس تمثیل کا کردار بننے کے لئے یہاں آئی تھی جو پیٹر اعظم کو فرار کروانے کے سلسلے میں رچائی جا رہی تھی۔

مادام تھروشیا، تھیوڈورا کے ہمراہ راہباؤں کے حلئے میں بگھی سے اتری۔ بظاہر وہ ایک نیک سیرت اور نیک صورت راہبہ دکھائی دے رہی تھی جو صبح صبح چرچ میں عبادت کی غرض سے داخل ہو رہی تھی۔ جونہی مادام تھروشیا نے چرچ میں قدم رکھا تو چرچ میں بندھے گھوڑے کو دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا لگا۔ وہ ڈر گئی۔ اس نے سوچا ترکوں نے چرچ پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن گھوڑے کے منہ پر تھوبڑا چڑھا دیکھ کر مادام کا ماتھا ٹھنکا۔ ساتھ ہی اسے تھیوڈورا کی آواز سنائی دی۔

''امی جان! یہ بھیا کا گھوڑا ہے...... میرا خیال ہے بھیا یہیں ہیں۔''

اور پھر اگلے لمحے مادام تھروشیا کی نظر کلاڈیوس پر پڑ گئی۔ کلاڈیوس چرچ کے وسط میں کھڑا تھا۔ مادام کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ کلاڈیوس کو یہاں نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تو کیا شہنشاہ نے فرار ہونے سے انکار کر دیا؟ اس نے سوچا...... وہ تیزی سے کلاڈیوس کی طرف بڑھی۔

''کیا بات ہے کلاڈیوس! تم یہاں؟؟ تم تو کل آنے والے تھے، شاہِ روس اور ملکہ کے ہمراہ۔''

''زار نے بزدلوں کی طرح بھاگ نکلنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ شیروں کی طرح لڑ کر جان دے گا۔ اس لئے مجھے آج رات ہی واپس آنا پڑا۔''

''انکار کر دیا؟؟...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اتنی مشکل سے ہم نے یہ منصوبہ بنایا۔ کیا وہ خدا اور مسیحیت کا نقصان کرنا چاہتے ہیں؟ انہیں آ جانا چاہئے تھا۔''

مادام باتیں کر رہی تھی لیکن کلاڈیوس کی نگاہیں اس عورت کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جس نے اسے اپنی حقیقی ماں کی آغوش سے چھین لیا تھا۔ کلاڈیوس کے چہرے پر بدلے ہوئے

Marfat.com

تاثرات دیکھ کر مادام تھروشیا کا ماتھا ٹھنکا۔ تھیوڈورا بھی بری طرح چونک گئی۔ آج اسے اپنا بھائی بالکل مختلف دکھائی دے رہا تھا، ایک بالکل ہی بدلا ہوا شخص۔ کلاڈیوس کا چہرہ سفید پتھر کی طرح سپاٹ تھا لیکن اس کی آنکھوں میں غم کے دیے جل رہے تھے۔ ایک ایسا غم جو کسی پتھر کو بھی پگھلا سکتا تھا۔ تھیوڈورا نے اپنے بھائی کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے پانی کی بوندیں دیکھیں۔ اس کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ کچھ عجیب ضرور ہوا تھا۔ مادام تھروشیا کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ متحیر نگاہوں کے ساتھ کلاڈیوس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ چند لمحے تک کلاڈیوس کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے بعد مادام نے کہا۔

"کلاڈیوس!...... بیٹا کیا ہوا؟ تم کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہو۔"

کلاڈیوس کی نگاہیں مادام پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"خدا اور مسیحیت کا نقصان؟ ...... کیا خدا کا نقصان بھی ہو سکتا ہے؟ اگر خدا کا بھی نقصان ہو سکتا ہے تو پھر وہ خدا کس لئے ہے؟"

تھیوڈورا ایک قدم آگے بڑھ آئی۔ یکایک اسے کسی کی یاد آگئی۔ کلاڈیوس کا لہجہ بالکل انوکھا تھا۔ اس کے سینے میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ لیکن وہ بڑی سنجیدگی سے مادام کے ساتھ مخاطب تھی۔

"خدا کا نقصان تو یہ ہے کہ کسی بھوکے کے منہ سے لقمہ چھین لیا جائے۔ کسی ننگے کے بدن پر لنگوٹ بھی نہ رہنے دیا جائے۔ خدا کا نقصان تو یہ ہے کہ جنگل ویران ہو جائیں، فطرت فنا ہو جائے۔ خدا کا نقصان تو یہ ہے کہ کسی نومولود بچے کو اپنی ماں کی آغوش سے الگ کر دیا جائے۔"

تھروشیا کو اپنے بیٹے کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ لیکن تھیوڈورا اپنے بھائی کی آنکھوں میں ایک نیا انسان دیکھ رہی تھی۔ وہ انسان جو اسے اپنے محبوب شیراز کی آنکھوں میں دکھائی دیتا تھا۔ وہ کلاڈیوس کی باتیں سمجھ رہی تھیں لیکن بے حد حیران تھی۔ آخر کلاڈیوس کو کیا ہو گیا تھا؟ مادام تھروشیا نے آگے بڑھ کر کلاڈیوس کو کندھوں سے تھام لیا۔

"بیٹا! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ یہ وقت ان باتوں کا نہیں...... ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔ تمہارا گھوڑا چرچ کے اندر بندھا ہے۔ اگر بستی کا کوئی دیہاتی اس طرف نکل آیا تو چرچ میں بندھا گھوڑا دیکھ کر وہ بھڑک اٹھے گا اور مسلمانوں کی بجائے اپنے عیسائیوں کے ہاتھوں ہی

Marfat.com

قتل ہونا پڑے گا۔ پھر ترک دستے جگہ جگہ گشت کر رہے ہیں۔ تم ہوش کے ناخن لو...... اتنے مشکل حالات میں کیا قضیہ لے کر بیٹھ گئے ہو؟"

لیکن کلاڈیوس ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے اسی لہجے میں کہا۔

"اب مجھے مسلمانوں سے کوئی خطرہ ہے نہ عیسائیوں سے۔ میں تمام خطرات سے بہت دور جا چکا ہوں۔ گزشتہ رات میری زندگی کی سب سے مشکل رات تھی۔ میں نے آپ کو ہمیشہ اپنا رہبر مانا ہے، میں کسی شہنشاہ کے دربار میں اپنا تعارف کرواتا تھا تو اپنے عظیم باپ کارپوس کا نام لینے کی بجائے اپنی عظیم ماں مادام تھروشیا کا نام لیتا تھا کیونکہ میری ماں شاہی خاندان سے ہے۔ شاہی خاندان...... جس کا خون خالص ہوتا ہے، جس میں کمینگی کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ میں نے ہمیشہ اپنے نسب پر فخر کیا۔ لیکن آج مجھے معلوم ہوا کہ میری رگوں میں ایک مسلمان لوہار کا خون دوڑ رہا ہے۔ میں شاہی خاندان کا فرد نہیں ہوں، میرے لئے کبھی بھی عیسائیت مقدس نہیں رہی۔ میرے لئے ہمیشہ میرا خاندان اور میرا خون مقدس رہا ہے۔ یہی ایک دولت تھی میرے پاس جس کے سہارے میں جیتا تھا اور آج مجھ سے چھن گئی۔ اب میں کیوں کسی خدا کے لئے لڑوں؟"

مادام تھروشیا کے پیروں تلے سے چرچ کا فرش سرک چکا تھا۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی۔ اسے چکر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنی آخری حد تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا کہ حیرت کی شدت سے اس کے دیدے پھٹ جائیں گے۔ لیکن کلاڈیوس بدستور بول رہا تھا۔

"اب میرا کوئی مذہب نہیں، کوئی خاندان نہیں، کوئی گھر نہیں، کوئی نظریہ نہیں، کوئی فرقہ نہیں، کوئی جماعت نہیں۔ اب میرا کوئی لشکر نہیں، کوئی فوج نہیں...... اب میری کسی سے لڑائی نہیں، کسی سے ناراضگی نہیں...... میں خوش ہوں، بہت خوش...... شاید میں نے خود کو ڈھونڈ لیا ہے۔ اب میں صرف ایک انسان ہوں...... صرف ایک انسان۔"

تھیوڈورا کو بھی چکر آتے آتے رہ گیا۔ کیا یہ اس کا بدمزاج بھائی بول رہا تھا جو غریبوں کی بہو بیٹیوں کو اٹھواتا اور اپنے ساحلی قلعے میں ان کی عزتیں تار تار کرتا تھا؟ جو مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا؟ جو ظالم اور سفاک انسان تھا؟ تھیوڈورا کو آج کلاڈیوس کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اس کے سامنے جو شخص کھڑا تھا یہ کلاڈیوس نہیں تھا، یہ کوئی اور ہی انسان تھا۔

مادام تھروشیا کا فشارِ خون بلند ہونے لگا۔ اس کی رگوں میں کسی انجانے خوف کا زہر سرایت

Marfat.com

کر گیا۔ وہ پتھر کی طرح گنگ اپنی جگہ پر کھڑی کلاڈیوس کو حسرت ناک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تھیوڈورا ابھی تک ابہام میں مبتلا تھی۔ کلاڈیوس ایسا کیوں کہہ رہا تھا کہ وہ ایک مسلمان لوہار کا بیٹا ہے؟ وہ تو تھیوڈورا کا بھائی ہے اور یونانی سردار کارپوس کا بیٹا ہے۔ تھیوڈورا دو قدم آگے بڑھی اور کلاڈیوس کے اتنے نزدیک آگئی کہ اس کا جسم کلاڈیوس کے بدن کو چھونے لگا۔ وہ زندگی میں اپنے بھائی کے اتنے نزدیک کبھی نہ آئی تھی کیونکہ اسے اپنا بھائی پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ کلاڈیوس سے نالاں رہی تھی۔ لیکن آج تھیوڈورا کو اس کی باتیں بہت عجیب لگ رہی تھیں۔ وہ بہت بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ تھیوڈورا نے کلاڈیوس کی کلائی تھام لی۔

"بھیا! تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم نے پی رکھی ہے؟ مادام ہماری ماں ہیں۔ ہم دونوں کی ماں...... تمہیں کسی نے بہکا دیا ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ بیس سال بعد ہماری ماں بدل جائے۔"

"ایسا ہی ہوا ہے تھیوڈورا!...... آج بیس سال بعد تمہاری نہیں لیکن میری ماں اچانک بدل گئی ہے۔ میں مقدونیا کے ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا۔ میری ماں کا نام صغریٰ ہے۔ میرا باپ ایک لوہار تھا جو مادام تھروشیا کی بغاوت کے دوران جسمانی طور پر معذور ہو گیا تھا۔ میرے باپ کا نام "اعجاز الدین" تھا۔ بے شک! میں نسلاً یونانی ہوں لیکن میں عیسائی گھرانے میں پیدا نہیں ہوا۔ یہ عورت جو اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے میری ماں نہیں۔ اس عورت نے طاقت کے بل پر مجھے میرے غریب ماں باپ سے چھین لیا تھا۔ اسے بیٹیاں پسند نہیں تھیں۔ اس نے اپنی معصوم ننھی سی بچی اپنی کوکھ سے جدا کر کے پھینک دی تھی۔ مقدونیا کی نرس روفیہ نے اس بچی کو میری حقیقی ماں صغریٰ کے حوالے کر دیا کیونکہ اس وقت میری ماں کی چھاتیوں میں ایک بچے کو پرورش دینے کے لئے دودھ تھا۔ تھیوڈورا! یہ عورت کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔"

لیکن تھیوڈورا تو وہاں تھی ہی نہیں۔ اس کا دماغ تو اعجاز الدین اور صغریٰ کا نام سنتے ہی بھک سے اُڑ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شیراز کی ماں کا نام صغریٰ اور باپ کا نام اعجاز الدین تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شیراز کا باپ کبھی ایک لوہار تھا جو بعد میں معذور ہو گیا اور پھر مر گیا۔ وہ شیراز کی بہن نورین کو بھی جانتی تھی جو شیراز سے بڑی تھی اور شیراز ہر وقت تھیوڈورا کے ساتھ اپنی بہن کی باتیں کیا کرتا تھا۔

Marfat.com

اسی اثناء میں بوڑھی روفیسہ نے جونہی چرچ کے وسط میں قدم رکھا، سب کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی نزدیک آ رہی تھی۔ مادام تھروشیا کی گھورتی ہوئی نظریں روفیسہ پر ٹکی تھیں اور روفیسہ بھی مادام ہی کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھی چلی آ رہی تھی۔

بوڑھی راہبہ قریب آئی اور مادام کے سامنے آ کر رک گئی۔ مادام تھروشیا کی حالت بہت بری تھی۔ اس کے جسم کا ہر لوتھڑا کپکپا رہا تھا۔ آج اسے زندگی کی سب سے بڑی شکست ہوئی تھی۔ روفیسہ کو دیکھ کر مادام تھروشیا کو سب پتہ چل گیا۔ وہ جان گئی کہ کلاڈیوس کو روفیسہ نے ہی سب کچھ بتایا ہے۔ مادام تھروشیا پہلی نظر میں ہی کلاڈیوس کو پہچان گئی تھی۔

یکایک مادام کو ایسا لگا جیسے اچانک وہ دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی ہو۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ مایوسی دکھائی دینے لگی۔ مادام کے ہونٹ خشک اور چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ اس کی آنکھوں کے گرد یکایک سیاہ رنگ کے حلقے دکھائی دینے لگے۔ پل بھر میں نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ وہ مادام تھروشیا جو آج تک خود کو ایک جوان آسٹروی شہزادی سمجھتی تھی یکایک وہ اپنے آپ کو بوڑھا محسوس کرنے لگی۔ اسے لگا جیسے وہ کوئی شہزادی نہیں بلکہ مقدونیا کی کوئی بوڑھی اور بے سہارا بیوہ ہے۔ مادام کی نظریں روفیسہ کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ منہ سے کچھ نہ بول رہی تھی، کسی چٹان کی طرح گم صم لیکن کپکپاتے ہوئے بدن کے ساتھ مادام مسلسل روفیسہ کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔ روفیسہ نے مادام کے سامنے پہنچ کر کہا۔

"مجھے پہچانا...... میں ہی نن ہوں جو تمہاری زچگی کے وقت تمہاری دایہ بنی تھی۔ میں روفیسہ ہوں...... میں نے تمہیں پہچان لیا ہے...... تم بالکل بھی نہیں بدلی۔ اب بھی تمہاری آنکھوں میں غصہ، چہرے پر تکبر اور بدن میں غصے کی شدت سے کپکپی ہے۔ تم اس وقت بھی ایسی ہی تھی۔ میں نے تمہاری بیٹی کو مرنے نہیں دیا تھا۔ میں نے اسے اسی مسلمان عورت صغریٰ کی گود میں ڈال دیا تھا جس کی گود سے میں نے اس کا چاند سا بیٹا چھینا تھا۔ میں نے کلاڈیوس کو سب کچھ بتا کر اپنے من کا بوجھ ہلکا کر لیا ہے...... تم بھی خدا کے گھر میں کھڑی ہو، خداوند سے معافی مانگ لو۔ خداوند بہت مہربان ہے۔ وہ ایک شفیق باپ ہے...... وہ اپنے بچوں پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ تم خدا سے معافی......"

روفیسہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ اچانک ایک بہت بڑا حادثہ پیش آ گیا تھا۔ اچانک مادام تھروشیا نے اپنے سفید لباس میں ہاتھ ڈالا اور بجلی کی تیزی سے ایک لمبا چھرا نکال

Marfat.com

کر بوڑھی روفیسہ پر حملہ آور ہو گئی۔ مادام بری طرح چیخ رہی تھی۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر بوڑھی راہبہ کو گالیاں دے رہی تھی...... کتیا، رنڈی...... اور نہ جانے کیا کیا۔ وہ پے در پے وار کر رہی تھی۔

بوڑھی راہبہ تو پہلا گھاؤ کھاتے ہی فرش پر گر چکی تھی۔ لیکن مادام تھروشیا کے ہاتھ نہ رکے۔ وہ دیوانوں کی طرح وار کر رہی تھی اور اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُمڈ رہا تھا۔

''کتیا، رنڈی...... راہبہ بنتی ہے، خدا کی بیٹی بنتی ہے...... مریم کے گھر میں رہتی ہے...... تُو مسلمانوں کی جاسوس ہے...... تُو کتیا ہے...... تو سور کی......''

کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر مادام تھروشیا کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن مادام سنبھل کر نہ دے رہی تھی۔ کلاڈیوس کو یوں لگا جیسے مادام تھروشیا میں کسی سانڈ کی سی طاقت آ گئی ہے۔ وہ اتنی زور زور سے چیخ رہی تھی کہ تھیوڈورا کو چرچ کی چھت ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تھیوڈورا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ کلاڈیوس بوڑھی راہبہ کو بچا بھی نہ سکا۔ روفیسہ مر چکی تھی۔ مادام تھروشیا کے بے ہنگم واروں نے اسے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ چرچ کا فرش خون سے لت پت ہونے لگا۔ چیختی اور دھاڑتی ہوئی مادام تھروشیا کو ایک لاش پر مزید وار کرنے سے روکنے کے لئے مجبوراً کلاڈیوس کو اپنی شمشیر اٹھانی پڑی جو اس نے کچھ دیر پہلے دل گرفتہ ہو کر ایک طرف پھینک دی تھی۔ وہ اس پاگل عورت کے نزدیک آیا اور تلوار سونت کر کہنے لگا۔

''بس کرو مادام...... بس! وہ کب کی مر گئی ہے، پیچھے ہٹ جاؤ اور خنجر پھینک دو!''

کلاڈیوس کو اپنے اوپر تلوار تانے دیکھ کر مادام تھروشیا یکلخت ساکت ہو گئی۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''کک...... کک...... کلاڈ...... کلاڈیوس! تم مجھے مارو گے؟ میں نے تمہیں پالا ہے...... میں تمہاری ماں ہوں۔''

تھیوڈورا کے آنسو رکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ یہ منظر اس کے لئے روح فرسا تھا۔ وہ تیزی سے دوڑ کر کلاڈیوس کے پاس پہنچی۔

''بھیا، بھیا...... ماں کو مت مارو...... خدا کے لئے ماں کو مت مارو۔''

وہ کلاڈیوس سے لپٹ گئی۔ مادام تھروشیا نے خنجر ایک طرف پھینک دیا۔ کلاڈیوس نے اپنی تلوار پیچھے ہٹا لی اور اپنی آنکھوں سے آنسو چھپانے کے لئے اپنا منہ دوسری طرف پھیر کر کھڑا

Marfat.com

ہو گیا۔ آج کلاڈیوس کو بہت بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔

تقدیر کے تماشے بھی بہت عجیب تھے۔ دریائے پرتھ کے کنارے واقع یہ چرچ شاید اسی کہانی کا انجام دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ بوڑھی راہبہ کا بہتا ہوا لہو ایک لکیر کی صورت دروازے کی طرف سرکنے لگا۔ کلاڈیوس کے گھوڑے نے سر جھکا کر بہتے ہوئے لہو کو سونگھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے ناک پر تھوبڑا چڑھا تھا۔ وہ محض دم جھٹک کر رہ گیا۔

اچانک چرچ کے دروازے پر کھٹکا ہوا۔ مادام کسی ڈرے ہوئے جانور کی طرح پلٹی لیکن دروازے میں اپنے کوچوان کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خوف کی لہر مدھم پڑ گئی۔ وہ سمجھی تھی شاید ترک سپاہی آ پہنچے ہیں۔ اس نے خود اپنے کوچوان کو چرچ کے گرد و نواح کا جائزہ لینے کے لئے باہر بھیجا تھا۔ کوچوان جو دراصل ایک آسٹروی سپاہی تھا، چرچ میں بندھے گھوڑے اور ایک بوڑھی عورت کی لاش دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے کلاڈیوس کی جانب دیکھا لیکن کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ دنگ رہ گیا۔ اس نے حیرت بھری نظروں کے ساتھ مادام کی طرف دیکھا تو مادام تھروشیا فوراً بول اٹھی۔

"یہ مسلمانوں کی جاسوسہ تھی۔ میں نے اسے مار دیا۔ اس نے مقدونیا کے شاہی خاندان کو دھوکا دیا تھا۔ میں نے اسے مار دیا۔"

مادام تھروشیا کا انداز ہذیانی تھا۔ کوچوان سپاہی کی نظریں مادام کے اندر چھپے مجرم کو دیکھ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ کلاڈیوس کچھ کہتا، کوچوان نے تمام حالات کو نظر انداز کرتے ہوئے کلاڈیوس سے کہا۔

"شمالی چٹانوں میں قدرے مغرب کی طرف ہٹ کر ایک فوجی گھوڑا بندھا ہے۔ اس کے علاوہ دور دور تک کوئی خطرہ نہیں۔ ساری بستی عیسائیوں کی ہے۔ اور کوئی ترک فوجی آس پاس موجود نہیں۔"

کلاڈیوس نے خالی خالی نظروں سے کوچوان کی جانب دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن آنکھوں میں آنسو تھے۔ کلاڈیوس نے بائیں ہاتھ کی آستین سے آنسو پونچھے، اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور کسی سے کچھ کہے بغیر چرچ سے باہر کی جانب چل دیا۔ اپنے گھوڑے کے پاس پہنچ کر اس نے گھوڑے کے منہ سے تھوبڑا ہٹایا اور اسے لگام سے تھام کر چرچ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

تھیوڈورا اسے روکنا چاہتی تھی۔ وہ دوڑ کر کلاڈیوس کو پکارنے لگی۔

Marfat.com

"بھیا! بھیا! رک جاؤ...... خدا کے لئے ہمیں چھوڑ کر مت جاؤ۔"

لیکن کلاڈیوس نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب کلاڈیوس چرچ کا دروازہ کھول کر باہر نکل رہا تھا، اسے اپنے عقب سے تھیوڈورا کی آواز سنائی دی اور یک لخت اس کے قدم رک گئے۔

"بھیا...... شیراز تمہارا بھائی ہے اور نورین میری بہن تھی۔ شیراز کی ماں صغریٰ اب بھی زندہ ہے۔ لیکن اس کا باپ اور اس کی بہن نورین......"

تھیوڈورا اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ یکلخت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مادام تھروشیا پر تو جیسے آسمان گر پڑا۔ یہ خبر تو آج کی تمام خبروں میں سے بری تھی۔ شیراز جو اس کا سب سے بڑا دشمن تھا، جس کی بڑی بہن نورین کو مادام تھروشیا کے کہنے پر ہی کلاڈیوس نے بے آبرو کر کے قتل کر دیا تھا، اسی اعجاز الدین کا بیٹا نکلا جو کلاڈیوس کا حقیقی باپ تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ تھروشیا نے اپنی ہی بیٹی کو کلاڈیوس کے ہاتھوں قتل کروایا تھا۔ مادام تھروشیا کے جسم سے جان نکل گئی۔ اس کا تمام جوش یکلخت مردنی میں تبدیل ہو گیا۔ وہ پیلی ہو گئی۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے گر کر بے ہوش ہو جائے گی۔ اور پھر وہی ہوا، مادام تھروشیا کو ایک زوردار چکر آیا اور وہ دھڑام سے چرچ کے فرش پر جا گری۔

کلاڈیوس ابھی تک اپنے گھوڑے کی لگام تھامے چرچ کے دروازے سے باہر ہی کھڑا تھا۔ اس نے مادام تھروشیا کو گرتے ہوئے دیکھا، ایک نظر تھیوڈورا پر ڈالی اور اگلے لمحے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھیوڈورا اسے پکارتی رہی لیکن کلاڈیوس نہ رکا وہ جا چکا تھا۔

◆ ...... ◆

شیراز نے دور سے دیکھا کہ چرچ سے باہر آنے والا بگھی کا کوچوان جو کچھ دیر تک چرچ کے چاروں طرف کا جائزہ لیتا رہا، اب شمالی چٹانوں کی جانب بڑھ رہا ہے۔ شیراز کا دل دھڑک اٹھا۔ شمالی چٹانوں میں شیراز کا گھوڑا بندھا تھا۔ شیراز کو یقین ہو گیا کہ کوچوان ایک ترک سپاہی کے گھوڑے کو پہچان لے گا۔ وہ یہاں اس بستی تک کسی ترک دستے کی تلاش میں آیا تھا۔ اسے یہ پورا علاقہ ترک پہریداروں سے خالی دکھائی دیا۔ اب وہ بری طرح عثمانی فوج کے افسروں پر کڑھ رہا تھا۔ یہ پوری وادی ترک پہریداروں سے خالی تھی۔ کہیں اس وادی کو جان بوجھ کر نظر انداز تو نہیں کیا گیا؟ شیراز کے دل میں اچانک خیال آیا۔ وہ جانتا تھا کہ فوج

Marfat.com

میں عثمان پاشا اور رئیس آفندی جیسے لوگ بھی موجود ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ مادام تھروشیا کے تعلقات عثمان پاشا اور رئیس آفندی عمر پاشا کے ساتھ براہِ راست ہیں۔ اچانک شیراز کا ماتھا ٹھنکا، تو گویا یہاں کوئی سازش پروان چڑھائی جا رہی ہے۔ عیسائیوں کی بستی، دریائے پرتھ کا کنارا، مادام تھروشیا کا اچانک نمودار ہونا، رات کی تاریکی میں مشکوک سایہ اور چرچ کی بوڑھی راہبہ کا اندازِ تخاطب سب کچھ شیراز کے دماغ میں گھوم گیا تھا۔ یقیناً کوئی سازش ہو رہی تھی۔ سازش کی پریشانی کے ساتھ ساتھ شیراز کے دل میں اطمینان کی بھی ایک لہر اٹھی۔ اگر یہاں کوئی سازش ہو رہی تھی تو بہر حال اب وہ شیراز کی نظروں میں آ چکی تھی۔ شیراز نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے دیکھا، مادام تھروشیا کی بگھی کا کوچوان شمالی چٹانوں میں غائب ہو گیا تھا۔ یقیناً اس نے شیراز کا گھوڑا بھی دیکھ لیا ہو گا۔ شیراز نے سوچا۔ اب وہ بری طرح گھبرا گیا۔ اس لئے نہیں کہ اس کے دل میں کوئی ڈر تھا بلکہ اس لئے کہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مادام تھروشیا کی بگھی میں دو گھوڑے جتے تھے۔ اگر مادام تھروشیا چرچ میں چھپے مشکوک شخص کو اپنے ساتھ نکال کر لے جاتی تو شیراز کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ اب اسے پیدل ہی دشمنوں کے پیچھے جانا تھا۔

شیراز کو اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ آخر وہ اس بستی کی طرف آیا ہی کیوں تھا...... اسے چاہئے تھا کہ وہ وہیں رک کر ان لوگوں کی نگرانی کرتا اور اگر وہ لوگ وہاں سے نکلتے تو اپنے ہی گھوڑے پر ان کا تعاقب کرتا۔ اس طرح وہ جان سکتا تھا کہ مادام تھروشیا اور اس کے ساتھی کس مقام پر چھپے ہیں۔ وہ جاننا بھی یہی کچھ چاہتا تھا۔

اچانک شیراز کو بگھی کا کوچوان واپس آتا ہوا دکھائی دیا۔ شیراز کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ سخت سٹپٹا گیا۔ اسے یقین تھا کہ اب چرچ میں موجود تمام سازشی فرار ہو جائیں گے۔ شیراز کے ذہن میں یہی تھا کہ شاید چرچ میں ایک سے زیادہ سپاہی پناہ لئے ہوئے ہیں۔ شیراز نے تیزی سے بستی میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ وہ اپنے لئے کسی سواری کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔ کوئی گھوڑا جو کسی دیہاتی سے اسے مل جاتا اور وہ چرچ سے نکل بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے ان کی اصل کمین گاہ تک رسائی حاصل کر سکتا۔ وہ انتہائی اضطراب کے ساتھ اس مختصر سی بستی میں گھومنے لگا۔ لیکن بار بار اس کی نظریں چرچ کی جانب اٹھ جاتیں۔ اب کوچوان واپس آ چکا تھا اور چرچ میں داخل ہو رہا تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ بستی میں اسے کسی کے پاس گھوڑا

Marfat.com

دکھائی نہ دیا۔ تب مجبور ہو کر شیراز نے بستی کے ایک باشندے سے بات کی۔
"مجھے گھوڑا چاہئے...... ابھی اور اسی وقت...... میں ترک فوج کا سپاہی ہوں۔ اگر تم مجھے گھوڑا لا دو تو میں اپنے سپہ سالار سے تمہیں انعام دلواؤں گا۔"
بستی کا باشندہ شک آلود نگاہوں سے شیراز کو تکنے لگا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ شیراز کو بے حد جلدی تھی۔ اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔
"تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا؟ مجھے گھوڑا چاہئے...... ابھی اور اسی وقت۔"
شیراز کا ہاتھ اپنی شمشیر کے دستے پر چلا گیا اور بستی کے باشندے کی خوفزدہ نگاہیں شیراز کے ہاتھ پر۔
"میرے پاس گھوڑا نہیں ہے...... میرے پاس گھوڑا نہیں ہے...... یہاں کم لوگوں کے پاس گھوڑے ہیں اور وہ بھی نہ جانے اس وقت کہاں ہوں گے...... خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔"
وہ غیر جنگجو شخص بے حد ڈر گیا۔ شیراز کے چہرے پر مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ اچانک شیراز نے فیصلہ کیا کہ وہ دوبارہ اپنے گھوڑے تک پہنچے گا۔ وہ جگہ زیادہ دور نہیں تھی۔ شیراز کے وہاں نہ جانے کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اسے آپ وہاں گھوڑے کے موجود ہونے کا یقین نہیں تھا۔ مادام تھروشیا کے کوچوان نے یقیناً گھوڑے کو چٹان سے کھول کر ہنکا دیا ہوگا۔ شیراز کے دل میں یہ خیال تھا لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ہی گھوڑے کو ڈھونڈے گا۔ وہ اچانک پلٹا اور کسی چیتے کی طرح جستیں بھرتا ہوا شمالی چٹانوں کی طرف اڑتا چلا گیا۔ اس کی نظریں بدستور چرچ کے دروازے پر تھیں۔ یک لخت شیراز کے قدم رک گئے اور حیرت کی شدت سے اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ چرچ کے دروازے سے کلاڈیوس نکل رہا تھا لیکن فوجی گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے۔ چرچ سے گھوڑا نکلتے دیکھ کر شیراز فوراً سمجھ گیا کہ چرچ میں اکیلا کلاڈیوس ہی تھا۔ چند گھنٹے پہلے جب شیراز نے سمجھا کہ چرچ میں زیادہ لوگ ہوں گے تو وہ بات غلط تھی۔ وہ مشکوک سایہ کلاڈیوس ہی تھا۔ اور گھوڑے سمیت چرچ میں چھپ گیا تھا۔ اپنے دونوں دشمنوں کلاڈیوس اور مادام تھروشیا کو ایک جگہ دیکھ کر شیراز کو بہت خوشی ہوئی۔ گویا قدرت اس پر مہربان ہو چکی تھی۔ اس کی بہن کا قاتل اس کے سامنے تھا۔
اچانک شیراز جیسے سکتے سے باہر آ گیا۔ کیونکہ کلاڈیوس اب گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑھ

Marfat.com

لگا چکا تھا۔ شیراز بری طرح سٹپٹا گیا۔ وہ ایک گھڑسوار کے پیچھے پیدل تو نہ دوڑ سکتا تھا چنانچہ اپنا گھوڑا حاصل کرنے کے لئے وہ دوبارہ چٹانوں کی طرف دوڑنے لگا۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ تیز دوڑ رہا تھا۔ جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں دشمنوں کی نظروں سے چھپنے کے لئے اس نے اپنا گھوڑا باندھا تھا۔ لیکن شیراز کا گھوڑا یہاں نہیں تھا۔ کوچوان نے سچ مچ اسے کھول کر ہانک دیا تھا۔ شیراز پاگلوں کی طرح چٹانوں کے بیچوں بیچ دوڑنے لگا۔ ساتھ کے ساتھ وہ اپنے گھوڑے کو آوازیں بھی دے رہا تھا۔

اب چرچ کا دروازہ اس کے سامنے نہیں تھا اور اس کے دل میں یہی خوف تھا کہ کلاڈیوس کے بعد مادام تھروشیا بھی چرچ سے نکل جائے گی۔ وہ ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اپنے گھوڑے کو آوازیں دینے لگا۔ اس کی آواز خاصی بلند تھی۔ آج شیراز کے اضطراب کی حد ہو گئی تھی۔ وہ بے حد مضطرب تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُڑ کر اپنے دیرینہ دشمنوں کے تعاقب میں چلا جائے۔ وہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ وہ ہر رات گھوڑے کی پیٹھ پر گزارتا تھا لیکن آج دل میں ایک چھوٹی سی حماقت کی وجہ سے وہ اپنا گھوڑا کھو بیٹھا تھا۔ وہ چٹانوں کی بھول بھلیوں میں کافی دور تک نکل آیا۔ اور پھر اچانک اس کی نظر اپنے گھوڑے پر پڑ گئی۔ بے اختیار شیراز کی باچھیں کھل اٹھیں۔ وہ کسی چھلاوے کی طرح فضا میں چھلانگیں لگاتا ہوا اپنے گھوڑے کے پاس پہنچا اور پھر اس نے گھوڑے پر سوار ہونے اور چٹانوں سے نکلنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔

جونہی وہ چٹانوں سے باہر آیا اور اس کی نظر چرچ پر پڑی تو اس کے دل نے کہا کہ پرندے اُڑ چکے ہیں۔ اس کے دل نے کہا کہ مادام تھروشیا بھی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ کیونکہ اسے چٹانوں میں اپنا گھوڑا ڈھونڈنے میں خاصا وقت لگ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک موہوم سی امید کے سہارے شیراز چرچ کی طرف بڑھنے لگا۔

پرندے سچ مچ اُڑ گئے تھے۔ شیراز چرچ کے دروازے پر ہی گھوڑے سے اتر آیا۔ برہنہ شمشیر اس کے ہاتھ میں تھی لیکن اب اسے کوئی ڈر نہیں تھا کیونکہ اب چرچ میں اس کا کوئی دشمن منتظر نہیں تھا۔ شیراز نے سوچا کوئی بات نہیں، وہ بوڑھی راہبہ سے سب کچھ اگلوا لے گا۔ لیکن چرچ میں داخل ہوتے ہی وہ بری طرح الجھ گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔ یہ کیا ماجرا تھا؟ چرچ کے فرش پر خون؟ ...... سامنے بوڑھی راہبہ کی لاش پڑی تھی۔ شیراز چرچ میں داخل ہو گیا۔ بوڑھی راہبہ کو کسی نے بڑی درندگی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ اس کا چہرہ، آنکھیں،

Marfat.com

ناک اور پیٹ سب کچھ چھدا کٹا پڑا تھا۔ اس کا سینہ چھلنی تھا اور پیٹ سے آنتیں باہر نکل رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے راہبہ کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ راہبہ کی لاش کے قریب ہی شیراز کو وہ چھرا نظر آیا جس سے راہبہ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ ایک زنانہ طرز کا ہتھیار تھا۔ شیراز کے دل نے کہا کہ بوڑھی راہبہ مادام تھروشیا کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے۔ لیکن کیوں؟ مادام تھروشیا تو عیسائی راہبوں کو بہت مقدس درجہ دیتی تھی۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ شیراز کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ لیکن وہ مزید دیر نہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر چرچ سے باہر نکل آیا۔ اب وہ ایک مرتبہ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ اب شیراز کا رخ اس طرف تھا جس طرف سے اس نے مادام تھروشیا کی بگھی آتے دیکھی تھی۔ یقیناً مادام اسی طرف کو لوٹی ہو گی۔ شیراز نے اپنا گھوڑا اسی راہ پر ڈال دیا۔ اگلے لمحے اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

دوپہر تک شیراز، مادام تھروشیا کو تلاش کرتا رہا اور پھر اچانک ایک جگہ اسے حیرت کے سمندر میں بے پناہ غوطے کھانے پڑے۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا تھا جہاں اس کے خیال میں ایک ساتھ سینکڑوں یا ہزاروں گھوڑے باندھے گئے تھے۔ جگہ جگہ انسانوں کے رہائش پذیر ہونے کے آثار بھی دکھائی دے رہے تھے۔

شیراز کے دیدے پھیل گئے۔ اسے لگا جیسے کوئی پورا لشکر چند گھنٹے پہلے تک یہاں مقیم رہا تھا۔ ایک دو جگہ آگ کے الاؤ سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ کر شیراز نے دل میں کہا کہ وہ لوگ یا وہ لشکر ابھی یہاں سے زیادہ دور نہ گیا ہو گا۔ شیراز کا اندازہ تھا کہ کم از کم چار ہزار گھڑ سوار اس جگہ عارضی طور پر مقیم رہے تھے۔ اب شیراز کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یکلخت اسے خیال آیا کہ چار ہزار جنگجو اتنے اطمینان کے ساتھ ترک فوج کے عقب میں موجود تھے کہ وہ کسی بھی وقت کسی عثمانی حصار کو تباہ کر کے روسی لشکر کے لئے راستہ کھول سکتے تھے۔ یہ تو بڑی خطرناک بات تھی۔

شیراز نے مزید وقت ضائع کرنا حماقت جانا اور دشمن کے پیچھے جانے کی بجائے اپنے گھوڑے کی لگامیں عثمانی پڑاؤ کی جانب موڑ دیں۔ اسے دشمن کو روکنا تھا۔ ورنہ کوئی بہت بڑی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ شیراز کو کلاڈیوس اور مادام تھروشیا بھول گئے۔ اسے یاد رہا تو صرف یہ کہ عثمانی لشکر شدید خطرے کی زد میں ہے۔ شیراز کو پڑاؤ میں ملنے والی چیزوں سے اندازہ ہوا تھا کہ مادام تھروشیا کے ہمراہ آنے والے دستے آسٹروی فوج کے تھے۔ اب شیراز یہ خبر بلط جی تک

Marfat.com

پہنچانا چاہتا تھا تا کہ چاروں پہاڑیوں پر فوجوں کو مستعد کیا جا سکے اور کسی بھی اچانک حملے سے بچنے کے لئے تیار رہا جا سکے۔ خفیہ آسٹروی دستے یہاں موجود تھے۔ عثمانی فوج جیتی ہوئی جنگ ہارنے والی تھی۔ شیراز کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اپنے گھوڑے کو ایڑھ پر ایڑھ لگا رہا تھا۔ وہ آج ہی تمام کام مکمل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ نصف گھنٹے بعد وہ بلط جی کے سامنے تھا۔

◆ ...... ◆

مادام تھروشیا کا لشکر دھر لیا گیا۔ یہ لوگ زیادہ دور نہ جا سکے تھے۔ کیونکہ مادام تھروشیا نے انہیں واپس جانے سے روک دیا تھا۔ آسٹروی سالاروں نے مادام تھروشیا کے ساتھ احتجاج کیا کہ ان کا سپہ سالار کلاڈیوس جب تک نہیں آ جاتا وہ پڑاؤ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن مادام نے انہیں یہ کہہ کر ڈرا دیا تھا کہ عثمانیوں کو ہماری موجودگی کا پتہ چل چکا ہے اور تب آسٹروی ایسے ڈرے کہ اب مولڈیویا سے ہی نکل جانا چاہتے تھے۔ لیکن مادام نے انہیں ایک چھوٹے سے پہاڑی درے میں روک لیا۔

"یہاں ہم محفوظ ہیں...... یہ قدرتی پناہ گاہ ہے، ہمیں اپنے سالار کا انتظار کرنا چاہئے۔"

حالانکہ خود مادام کو کلاڈیوس کا انتظار نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کلاڈیوس اب کبھی واپس نہیں آئے گا لیکن پھر بھی اس کے دل میں ایک جھوٹی امید تھی، شاید اسے میری یاد ستائے۔ آخر میں نے اسے لاڈ پیار سے پالا ہے۔

تھیوڈورا بالکل چپ تھی۔ گم صم اور خاموش...... مادام اس سے کچھ پوچھتی تب بھی نہ بولتی۔ مادام کے حکم پر لشکر کے گرد پہرہ لگا دیا گیا۔ دشمن کے حملے کا بے حد خطرہ تھا۔ سب آسٹروی سپاہیوں کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ ہتھیار باندھ کر رہیں۔ آسٹروی لشکر کے سالاروں نے بار بار مادام سے اپنے سپہ سالار کلاڈیوس کے بارے میں پوچھا لیکن مادام نے سب کو ایک ہی جواب دیا۔

"وہ ابھی تک روسی لشکر سے ہی واپس نہیں آیا۔"

بعض آسٹروی سالار تھیوڈورا کی خاموشی کو شک کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ لیکن انہیں زیادہ سوچنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس وقت سہ پہر ڈھل رہی تھی جب شیراز کے شاہین بیوقوف مادام تھروشیا کے لشکر تک آ پہنچے۔ آخر ایک تنگ سے درے میں چھپ کر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مسلمان درے میں ہر طرف سے داخل ہوئے اور

Marfat.com

اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے آسٹروی جنگجوؤں کے ساتھ ٹکرا گئے۔ آسٹریا کے یہ سپاہی مایہ ناز شمشیر زن تھے۔ چنانچہ تنگ سے درے میں میدانِ کارزار سج گیا...... دونوں طرف کے تلوار باز ایک دوسرے پر جھپٹ جھپٹ کر وار کرنے لگے اور رزم گاہ کی مٹی خون لتھڑنے لگی۔

شیراز کی نگاہیں مسلسل کلاڈیوس کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آج وہ اس شاندار معرکے میں کلاڈیوس کے ساتھ پچھلے سارے حساب چکانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار مسلسل یلغار کرتا ہوا عیسائیوں کی صفوں کو چیرنے لگا۔ مسلمان عیسائیوں کے مقابلے میں کم تھے۔ شیراز تیز رفتاری کے ساتھ یہاں پہنچنا چاہتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے صرف بارہ سو سواروں کو اپنے ہمراہ لیا۔ آسٹروی زمین پر تھے اور مسلمان گھوڑوں پر...... موت کو اپنے سامنے دیکھ کر آسٹروی سپاہی اپنی جان بچانے کی غرض سے لڑنے لگے۔ چنانچہ جلد ہی ان کے پاؤں میدان میں جم گئے اور وہ ڈٹ کر مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے لگے۔

شیراز کے سپاہیوں کو گھوڑوں سے اترنا پڑ رہا تھا کیونکہ آسٹروی پیدل سپاہی ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹ کر انہیں زمین پر گرانے لگے تھے۔ درے کی اونچی پہاڑیوں میں شمشیریں ٹکرانے کی گونج عجیب طرح کا ساز پیدا کر رہی تھی۔ یہ لوہے سے لوہا ٹکرانے کی بازگشت تھی۔ ساتھ میں چیخ و پکار، آہیں، سسکیاں اور کراہیں مل کر اس درے کو انتہائی پراسرار بنا رہی تھیں۔ شیراز مسلسل تلوار چلا رہا تھا۔ اسے ابھی تک اپنے گھوڑے سے گرانے میں کوئی کامیاب نہ ہوا تھا۔

سورج مغرب کی طرف جھکنے لگا۔ شیراز کی بے چین نگاہیں ہر شخص کو کلاڈیوس سمجھ رہی تھیں لیکن کلاڈیوس اسے نظر نہ آیا۔ یہاں تک کہ شیراز کی نگاہ مادام تھروشیا پر جا پڑی۔ مادام تھروشیا خود اپنے دستوں کی قیادت کر رہی تھی۔ وہ ایک گھوڑے کی پشت پر سوار چیخ چیخ کر احکامات صادر کر رہی تھی۔ شیراز نے اپنے پہلوؤں میں موجود ترک سپاہیوں سے کہا۔

''اس عورت کو زندہ گرفتار کرنا ہے اور یہ کام تم لوگ کرو گے، میں نہیں۔ مجھے کلاڈیوس سے لڑنا ہے۔ اس فوج کے سپہ سالار کلاڈیوس سے۔''

شیراز کی بات سنتے ہی ترک افسر مادام تھروشیا کی طرف لپکے۔ لیکن ان کے راستے میں آسٹروی فوج کی دیوار حائل تھی۔

اب شیراز آسٹروی پیادوں کے بیچوں بیچ اکیلا رہ گیا۔ معاً اس کے دل میں خیال آیا اور وہ

Marfat.com

اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس کی تلوار بدستور حرکت میں تھی اور اس نے لڑتے لڑتے اپنے مدمقابل سے پوچھا۔

"کلاڈیوس کہاں ہے؟...... تمہارا بزدل سردار۔ اسے کہو شیراز تمہیں بلا رہا ہے۔ جاؤ...... اُسے میرے پاس بھیجو، جاؤ۔"

شیراز نے مدمقابل کو زیر کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔ اب وہ جس کسی کے ساتھ بھی پنجہ آزمائی کر رہا تھا اس سے یہی بات کہہ رہا تھا لیکن کسی نے شیراز کو نہ بتایا کہ کلاڈیوس لشکر میں نہیں ہے۔ اب شیراز گھوڑے پر سوار نہیں تھا۔ وہ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا آسٹروی لشکر کی طرف بڑھنے لگا۔

مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا۔ غروب آفتاب سے پہلے ہی جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ آدھے سے زیادہ عیسائی فوجی مارے جا چکے تھے اور باقی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی۔ شیراز کے حکم پر مسلمانوں نے بھی ہتھیار روک لئے۔ میدانِ جنگ میں ہر طرف عیسائیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ شیراز ابھی تک کلاڈیوس کو ہی ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ وہ اوندھی پڑی ہوئی لاشوں کے چہرے گھما گھما کر دیکھتا رہا لیکن کلاڈیوس اسے کہیں نظر نہیں آیا۔

اب مسلمان سپاہی مالِ غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ پندرہ سو کے قریب آسٹروی فوجیوں کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک طرف کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ان کے بارے میں فیصلہ شیراز کو کرنا تھا۔ قیدیوں کی قطار میں سب سے آگے مادام تھروشیا سر جھکائے کھڑی تھی۔ مادام تھروشیا پر نظر پڑی تو شیراز چونک سا گیا کیونکہ یکایک اسے اپنی ہم جماعت تھیوڈورا کا خیال آیا۔ تھیوڈورا کہاں تھی؟ تھیوڈورا شیراز کو کہیں نظر نہ آئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دونوں بہن بھائی کہیں چلے گئے تھے۔

اب شیراز نے کلاڈیوس کو ڈھونڈنا ترک کر دیا اور مادام کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف دونوں فریقین کے فوجی قطاروں میں کھڑے تھے۔ عیسائی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور مسلمان برہنہ شمشیروں کے ساتھ۔ شیراز لاشوں کے اوپر سے گزرتا ہوا مادام تھروشیا کے بالکل سامنے آرکا۔ مادام نے سر اٹھایا اور شیراز کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ شیراز نے مادام سے سوال کیا۔

"تمہاری بیٹی اور بیٹا کہاں ہیں؟"

Marfat.com

مادام کچھ نہ بولی۔ آج شیراز کو وہ وہی مادام دکھائی دے رہی تھی جسے اس نے پہلے روز ایک حادثے کے موقع پر دیکھا تھا۔ مادام کی بگھی نے ایک طالبہ کو کچل دیا تھا اور وہ ہجوم کے بیچوں بیچ سہمی سمٹی کھڑی تھی۔ شیراز نے پھر پوچھا۔

"کلاڈیوس اور تھیوڈورا کہاں ہیں؟...... اگر تم میری بہن کے قاتل کو میرے حوالے کر دو تو میں تمہیں تمہاری بیٹی کی زندگی واپس کر دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں مادام کہ تھیوڈورا کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

مادام کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے شیراز سے ایک عجیب سوال کر دیا۔

"تمہاری بہن کیسی تھی؟ وہ کتنی بڑی ہو گی؟ تم سے بڑی! خوبصورت بھی ہو گی، میری طرح۔ جیسے میں جوانی میں خوبصورت تھی۔ وہ کیسے چلتی تھی؟ کیسے باتیں کرتی تھی؟ تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا تھا؟ نورین؟...... نہیں! یہ نام اچھا نہیں۔ میں اپنی بیٹی کا نام کلاڈیہ رکھوں گی۔ میری ننھی بچی...... کہاں ہے؟ کہاں ہے...... کہاں ہے میری بچی...... کہاں ہے...... میری بچی لا کر دو...... ہاں، ہاں...... میری بچی لا کر دو...... تمہاری ماں کے پاس ہے میری بچی۔ وہ رو رہی ہے...... وہ دیکھو...... وہ...... میں اس کی آواز سن رہی ہوں...... وہ رو رہی ہے...... وہ مجھے بلا رہی ہے۔"

شیراز کو یقین ہو گیا کہ مادام تھروشیا اپنا دماغی توازن کھو چکی ہے۔ وہ کبھی ہنس رہی تھی تو کبھی رو رہی تھی۔ نہ جانے کون سی بچی کو یاد کر رہی تھی۔ شیراز پُر تاسف نظروں سے مادام کو دیکھنے لگا۔ وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"وہ دیکھو میری بچی مجھے بلا رہی ہے...... میں آ رہی ہوں میری بچی! رومت، میں آ رہی ہوں...... میں آ رہی ہوں میری جان! میں نے تمہیں بہت رلایا...... اب نہیں رلاؤں گی۔ دیکھو میں آ رہی ہوں۔"

مادام تھروشیا اچانک اپنی جگہ سے اچھلی اور اپنے نزدیک کھڑے ایک ترک سپاہی کی کمر بند سے لٹکا خنجر نکال لیا...... اس سے پہلے کہ شیراز یا دوسرے لوگ کچھ سمجھتے، مادام دو دھاری خنجر اپنے پیٹ میں گھونپ چکی تھی۔ وہ آخر دم تک یہی کہتی رہی......

"میری بچی! رومت...... میں آ رہی ہوں۔"

Marfat.com

مادام تھروشیا مرگئی۔ لیکن شیراز کچھ نہ سمجھ پایا۔ شیراز اس کی ایک بات بھی نہ سمجھ پایا۔ وہ کچھ دیر تک افسوس بھری نگاہوں سے مادام کی لاش کو دیکھتا رہا اور پھر زنجیروں میں جکڑے آسٹروی افسروں کی جانب بڑھ گیا۔

"مادام تھروشیا کی بیٹی تھیوڈورا اور اس کا بیٹا کلاڈیوس کہاں ہیں؟ تم میں سے جو بتائے گا اسے چھوڑ دیا جائے گا اور باقی سب کو قتل کر دیا جائے گا۔"

آسٹروی افسر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور پھر اگلے لمحے تقریباً سب ہی شیراز کو بتانے کے لئے تیار تھے۔ شیراز کو بتایا گیا کہ کلاڈیوس روسی لشکر کی جانب گیا لیکن لوٹ کر نہ آیا اور مادام تھروشیا کی بیٹی چند محافظوں کے ساتھ آسٹریا کی طرف روانہ کر دی گئی ہے۔ آج دوپہر کے وقت ہی تھیوڈورا کو حفاظت کے نقطہ نظر سے مادام تھروشیا نے آسٹریا کی طرف بھیج دیا ہے۔ ہم لوگ یہاں رک گئے۔ کیونکہ ہم ترکوں کے شمالی حصار پر حملہ کرنے والے تھے۔ ہمیں صرف اپنے سپہ سالار کا انتظار تھا۔

غروب آفتاب کے بعد شیراز نے کوچ کا حکم دیا اور تیز رفتار عثمانی دستہ پندرہ سو جنگی قیدیوں کے ہمراہ بلط جی کے پڑاؤ کی طرف لوٹنے لگا۔

♦ ...... ♦

انہیں جنگل میں رات آ گئی تھی۔ یہ ان کے سفر کی پہلی رات تھی۔ پانچ مردوں میں اکیلی تھیوڈورا بہت ڈر رہی تھی۔ بے شک سب آسٹروی عیسائی فوجی تھے لیکن ان کی نظروں میں تھیوڈورا کی نسوانیت کے لئے احترام نہیں تھا۔ بے شک وہ تھیوڈورا کو بھی مادام مادام کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے لیکن تھیوڈورا مطمئن نہ تھی۔ وہ ایک انتہائی حسین دوشیزہ تھی۔ وہ مادام تھروشیا کی حقیقی بیٹی تھی۔ پورے لائیسیم میں کوئی لڑکی بھی تھیوڈورا کی ہم پلہ نہ تھی۔ تھیوڈورا کی مسحور کر دینے والی آنکھیں اور اپنی ماں سے ورثے میں ملا انتہائی متناسب بدن ان پانچ عیسائی سپاہیوں کے شعلہ ہوس کو ہوا دے رہا تھا۔ آج کا سورج طلوع ہی آلام و مصائب کے ساتھ ہوا تھا۔ آج صبح دریائے پرتھ کے چرچ میں جو کچھ ہوا، تھیوڈورا اسے بھلا نہ پائی تھی۔ تھیوڈورا کی ماں مر چکی تھی۔ لیکن تھیوڈورا اس بات سے بے خبر تھی۔ وہ آخری مرتبہ اپنی ماں کو آسٹروی دستوں کے ساتھ ایک چٹانی پڑاؤ میں چھوڑ آئی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا محبوب شیراز جواب ایک بہادر عثمانی افسر تھا، آسٹروی دستوں کو نہ صرف تلاش کر لے گا بلکہ چند

Marfat.com

گھنٹوں میں ہی ان پر قابو پالیگا۔

تھیوڈورا کے محافظ سپاہی بھی مادام تھروشیا کی خودکشی سے بے خبر تھے۔

انہوں نے الاؤ روشن کر دیا۔ ایک بڑا خیمہ نصب کیا گیا اور اس خیمے کے عین سامنے تھیوڈکرا کے لئے ایک الگ چھوٹا سا مضبوط خیمہ لگایا گیا۔ دو دو پہریداروں کو رات بھر جاگ کر تھیوڈورا کے خیمے کے گرد پہرہ دینا تھا تا کہ مادام تھروشیا کی بیٹی انتہائی سکون کی نیند سو سکے۔ جبکہ پانچوں سپاہیوں کا سالار پہریداروں میں شامل نہیں تھا۔ اسے رات بھر سونا تھا تا کہ اگلی صبح تیز رفتار سفر کے لئے خود کو تیار کر سکے۔

نہ جانے کیوں تھیوڈورا کا دل بہت ڈر رہا تھا۔ شاید یہ اس کے ساتھ پیش آنے والے دن بھر کے واقعات کا اثر تھا۔ وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کر رہی تھی۔ آج اس کا بھائی اس سے بچھڑ گیا تھا۔ وہ جیسا بھی تھا، برا یا بھلا لیکن تھیوڈورا نے ہمیشہ اسے بھائی ہی سمجھا تھا۔ کلاڈیوس آج چرچ سے ایسے نکلا تھا جیسے آنکھ سے آنسو نکل جاتا ہے، کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔ ابھی وہ کلاڈیوس کے صدمے سے باہر نہ آپائی تھی کہ ماں نے اسے آسٹریا جانے کا حکم دے دیا۔ تھیوڈورا کے لئے آسٹریا میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو مقدونیا میں رہنا چاہتی تھی۔ اس نے ماں سے لاکھ کہا کہ وہ مقدونیا جانا چاہتی ہے، اُس نے ماں کو بتایا کہ فکر کی بات نہیں۔ وہ اپنے باپ جیسے استاد پاتھے اوڈیسا کے ہاں رہ لے گی۔ لیکن مادام بضد تھی کہ تھیوڈورا آسٹریا کے شاہی محل میں جا کر رہے۔ اسی طرح کی بہت سی بے چینیاں اس کے دل میں کروٹیں لے رہی تھیں۔ مقدونیا میں اسے امید تو تھی کہ کبھی نہ کبھی شیراز سے مل پائے گی۔ وہ شیراز سے پیار کرتی تھی، اس نے لائیسیم میں شیراز کے سامنے اپنی محبت کا کبھی اظہار نہ کیا تھا لیکن شیراز کے بچھڑ جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے محبوب کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ شیراز اس کا دوست تھا۔ اور ایسا دوست کہ جس کے ساتھ وہ اپنے ذہنی اپچ پر رہ کر بات کر سکتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے تھے۔

خیمے میں لیٹی اکیلی تھیوڈورا اپنے حالات پر آنسو بہا رہی تھی۔ آج دن بھر وہ روتی رہی تھی۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ایک لمحے کے لئے بھی اس کے آنسو نہ رکے تھے۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ کانچ کی وہ گڑیا آنسوؤں کی شکل میں پگھلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اکیلی تھی، پانچ مردوں اور بیابان جنگل میں بالکل اکیلی۔ دن بھر روتے رہنے کی وجہ سے اس

Marfat.com

کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ بستر میں منہ چھپائے روتی ہوئی تھیوڈورا کی آنکھ لگ گئی۔ گویا اس کے دل کے سمندر میں اٹھنے والی آنسوؤں کی موجوں کو قرار آ گیا۔ شاید فرشتوں نے اسے لوریاں دی تھیں لیکن آدھی رات کے وقت اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ شاید کھٹکے کی آواز تھی۔ تھیوڈورا نے چہرے سے کمبل ہٹا کر دیکھا تو مارے خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ تھیوڈورا کے خیمے میں سپاہیوں کا سردار موجود تھا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی اور اس کے قدم بری طرح ڈول رہے تھے۔ تھیوڈورا سمجھ گئی کہ وہ یقیناً برے ارادے سے اس کے خیمے میں آیا تھا۔ تھیوڈورا کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ اب اسے بیابان جنگل میں کون بچانے کے لئے آ سکتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کو پکارنے لگی۔ شرابی افسر بری طرح ڈول رہا تھا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا اور کسی گینڈے کی طرح گھٹے ہوئے جسم کا مالک شخص تھا۔ تھیوڈورا کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے اس نے نشے کی حالت میں خیمے سے باہر کی طرف منہ کر کے کہا۔

"ہاں ہاں...... میں نے سن لیا...... تم سب کی باری آئے گی۔ لیکن میرے بعد...... پہلے میں اور پھر تم چاروں...... آج رات ہم عیاشی کریں گے...... ہاہاہا!"

وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ نشے میں غرق سانڈ جیسا آسٹروی سپاہی تھیوڈورا کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تھیوڈورا کسی چڑیا کے بچے کی طرح بستر میں ہی پیچھے سے پیچھے سمٹنے لگی۔ اچانک سانڈ رک گیا اور اپنی جگہ پر جھولتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر ہم تمہیں مار دیں اور مادام سے یہ کہہ دیں کہ تمہیں دشمنوں نے قتل کر دیا۔ دشمن زیادہ تھے لہٰذا ہم بچا نہیں پائے تو تمہاری ماں کو یقین کرنا پڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ تم اپنا جسم آج رات کے لئے ہمیں دے دو تو ہم تمہیں بخیر و عافیت آسٹریا تک پہنچا دیں گے۔ لیکن تم اگر اپنا نازک اندام بدن ہم سے دور رکھو گی تو ہم زبردستی کریں گے اور آخر میں تمہاری جان لے لیں گے۔ نہ تم رہو گی نہ ہمیں کوئی خطرہ ہو گا...... میں بھوکا ہوں میری جان! میں پیاسا ہوں میری جان! مجھے پیاس بجھانے دو۔"

تھیوڈورا کا بدن خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگا۔ اسے یقین ہو گیا کہ آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ یہی سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ آبرو برباد ہونے سے پہلے ہی کیوں نہ جان دے دے۔ تھیوڈورا نے خودکشی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے آج تک اپنا

Marfat.com

جسم محض اس لئے محفوظ رکھا ہوا تھا کہ وہ اسے شیراز کی امانت سمجھتی تھی۔ وہ شیراز کے علاوہ کسی اور کا ہاتھ اپنے پاکیزہ وجود پر برداشت نہ کر سکتی تھی۔

تھیوڈورا تیزی سے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگی، یہ دیکھنے کے لئے کہ اگر بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو وہ بھاگ نکلنے کی کوشش کرے۔ لیکن اُسے تمام راستے مسدود دکھائی دیئے۔ خیمے کے باہر چاروں آسٹروی سپاہی بے چین اور مضطرب کھڑے تھے کہ کب ان کا سردار اپنی ہوس مٹا کر باہر آئے اور وہ اپنی درندگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اندر جائیں۔ تھیوڈورا کے بھاگنے کا سچ مچ کوئی راستہ نہیں تھا۔ چنانچہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس نے اپنا خنجر نکال لیا۔ اس سے قبل وہ اس سانڈ جیسے آدمی کے خوف سے خنجر نکالتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ حالانکہ یہ لمبا خنجر شروع سے ہی تھیوڈورا کے لباس میں چھپا تھا۔ تھیوڈورا کے ہاتھ میں چمکتا ہوا لمبا خنجر دیکھ کر سانڈ ٹھٹک گیا۔ وہ کچھ دیر تک تھیوڈورا کو کھڑا گھورتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میری ننھی سی گڑیا یہ کھلونا تمہارے لئے ٹھیک نہیں۔ غلطی سے لگ گیا تو ریشم جیسا ملائم جسم کٹ جائے گا۔ یہ مجھے دے دو، شاباش! اچھے بچوں کی طرح بات مانو۔''

تھیوڈورا یک لخت خنجر دونوں ہاتھوں میں پکڑے اپنے بستر پر اٹھ کھڑی ہوئی اور ہذیانی انداز میں چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

''خبردار...... میرے نزدیک مت آنا...... ورنہ میں اپنے آپ کو مار دوں گی۔ اپنی جان لے لوں گی۔ خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو...... نکل جاؤ یہاں سے ذلیل کمینے انسان! میری ماں نے تم پر اعتماد کیا اور تم؟...... تم انسان نہیں جانور ہو...... خبردار، دور رہو مجھ سے۔''

سانڈ جیسا شخص قدم بہ قدم آگے بڑھنے لگا۔ وہ لڑکی کو محض چند گھنٹے مرنے نہیں دینا چاہتا تھا بعد میں وہ خودکشی بھی کر لیتی تو تب بھی ٹھیک تھا۔ لیکن ابھی تک اسے لڑکی کے جسم کی ضرورت تھی۔ وہ کسی لاش کے ساتھ جنسی ہوس پوری نہ کر سکتا تھا۔ سپاہیوں کا سردار بڑی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

تھیوڈورا نے خنجر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر یوں اوپر اٹھا لیا کہ اگلے لمحے وہ ایک ہی وار میں اسے اپنے پیٹ میں گھسیڑ سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو گالوں پر لکیریں بناتے ہوئے نیچے زمین پر گر رہے تھے اور وہ فلک شگاف چیخوں کے ساتھ بار بار کہہ رہی تھی۔

Marfat.com

"خبردار...... میرے نزدیک مت آنا...... ورنہ میں خود کو ماردوں گی۔ خبردار میرے نزدیک مت آنا ورنہ میں اپنی جان لے لوں گی۔"

سانڈ نما سپاہی ایک بار پھر رک گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی شراب کی بوتل میں سے آخری گھونٹ پیا اور بوتل ایک طرف پھینک دی۔

"لڑکی! تم میری بات مان لو تو فائدے میں رہو گی...... کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہاری لاش کے ساتھ اپنی جنسی ہوس پوری کروں؟ کیا تم اپنی لاش کی بے حرمتی چاہتی ہو؟ اچھا چلو خنجر پھینک دو...... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں کچھ نہیں کہوں گا۔"

اتنا کہہ کر سانڈ نما شخص نے تھیوڈورا کو ایک عجیب دھوکا دیا۔ اس نے تھیوڈورا کے عقب میں یوں اچانک چونکتی ہوئی نگاہ دوڑائی جیسے لڑکی کے پیچھے اس نے کوئی اور شخص دیکھ لیا ہو۔ وہ لڑائی بھڑائی کا ایک عام ساحربہ تھا۔ تھیوڈورا اس کی چال میں آ گئی اور کسی خوفزدہ غزال کی طرح تڑپ کر اپنے پیچھے دیکھنے لگی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب سانڈ نما شخص نے تھیوڈورا کی نازک کلائیوں کو اپنے لوہے جیسے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اس کی گرفت گویا آہنی ہتھکڑیوں کی گرفت تھی۔ اب تھیوڈورا خود کو نہ مار سکتی تھی۔ وہ بری طرح چلانے اور کسمسانے لگی۔ سانڈ نما شخص نے اس کی نازک کلائیاں مروڑ کر خنجر اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور تھیوڈورا کو اٹھا کر بستر پر پٹخ دیا۔ اگلے لمحے وہ خود بھی تھیوڈورا کے اوپر تھا...... بالکل ایسے جیسے کوئی نازک سی چڑیا کسی گدھ کے نیچے آ گئی ہو۔ تھیوڈورا کی فلک شگاف چیخیں پورے جنگل کو لرزا رہی تھیں۔ لیکن سانڈ نما بدبخت شخص خوبصورت تھیوڈورا کے حسین جسم کو بری طرح نوچ رہا تھا۔

تھیوڈورا کی چیخیں باہر کھڑے پہریدار سن رہے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی شراب کی بوتلیں تھیں اور وہ بڑی بے چینی سے اپنی باری کے منتظر تھے۔ اچانک باہر کھڑے پہریداروں کو دوڑتے ہوئے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ چاروں سپاہیوں نے اپنی تلواریں سونت لیں۔ اگلے لمحے ایک چھلاوہ ان کے سامنے تھا۔ تاریکی کے پردے سے نکلنے والا یہ پراسرار گھڑسوار کون تھا جو اچانک بجلی بن کر ان چاروں پر جھپٹا تھا اور اس نے آنِ واحد میں چاروں میں سے دو کے سر اُڑا دیئے۔ قتل ہونے والوں کی دلدوز چیخ فضا میں گونجی تو خیمے کے اندر سانڈ نما شخص کے ہاتھ رک گئے۔ وہ تھیوڈورا کو بے آبرو کرنے کے بہت ہی قریب تھا کیونکہ وہ تھیوڈورا کے جسم سے اس کا لباس چیتھڑوں کی

Marfat.com

شکل میں اڑا چکا تھا۔ تھیوڈورا کی رانیں مشعل کی روشنی میں برہنہ دکھائی دے رہی تھیں لیکن ابھی وہ اپنا لباس نہ اتار پایا تھا کہ اسے قتل ہونے والے سپاہیوں کی چیخ سنائی دی۔ باقی کے دو سپاہی حملہ آور کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرانے کی آواز سن کر سانڈ نما شخص بھی پھرتی سے اٹھا اور اپنی تلوار سونت کر خیمے سے باہر کی جانب چل دیا۔ تھیوڈورا کی آبرو بچ گئی تھی۔ تھیوڈورا نے جس خدا سے دعا کی تھی اسی خدا نے آسمان سے ایک فرشتہ بھیج دیا تھا۔

اب پراسرار گھڑ سوار اپنے گھوڑے سے اتر کر لڑ رہا تھا۔ اس نے ایک اور سپاہی کو بھی قتل کر دیا تھا لیکن اب سپاہیوں کا سردار اس کے مدمقابل تھا۔ پراسرار مددگار نے اپنا چہرہ نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اب سانڈ نما سردار اپنی تلوار بازی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اس کا تمام ترنشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اس کے سر سے جنسیت کا بھوت بھی اتر چکا تھا۔ اب تو اس کے سر پر صرف غصہ سوار تھا۔ بے جا مداخلت پر غصہ۔ وہ پراسرار گھڑ سوار کو جان سے مار دینا چاہتا تھا۔ اسی اثناء میں نقاب پوش مددگار نے سانڈ نما شخص کے آخری ساتھی پر ایسا عجیب وار کیا کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ اجنبی یقیناً کوئی ماہر تلوار باز تھا۔ اب مقابلہ ایک اور ایک کا تھا۔

سانڈ نما سردار کی تلوار اجنبی نقاب پوش کے وار سہتے ہوئے احتجاج کرنے لگی۔ ٹن ٹن ٹن! یہاں تک کہ اس پر ایک ایسا وار پڑا کہ وہ درمیان سے کٹ کر دو ہو گئی۔ اب شرابی سردار، نقاب پوش کے سامنے بے بس تھا۔ اس نے یکدم اپنے ہاتھ میں پکڑی آدھی شمشیر نیچے پھینک دی اور دونوں گھٹنے زمین پر ٹیک کر گویا ہار ماننے کا اعلان کر دیا۔

"مجھے معاف کر دو بہادر نقاب پوش! مجھے مت مارو...... خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔"

تب اجنبی نقاب پوش نے مزید وار روک دیئے اور ایک ہاتھ سے اپنے چہرے کا نقاب اوپر اٹھا دیا۔ نقاب پوش کا چہرہ دیکھتے ہی شرابی سردار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کے منہ سے صرف ایک ہی لفظ نکلا۔

"سپہ سالار......!"

لیکن کلاڈیوس نے اسے معاف نہ کیا۔ کلاڈیوس نے اس کی گردن اڑانے سے پہلے اپنی بہن کو دیکھ لیا تھا۔ شاید کلاڈیوس اسے معاف کر دیتا، اس نے اپنے وار بھی اسی لئے روک لئے تھے لیکن اچانک تھیوڈورا خیمے سے باہر نکل آئی۔ کلاڈیوس نے حیرت سے تھیوڈورا کو چاندنی روشنی میں دیکھا اور اسے پہچانتے ہی ساری بات سمجھ گیا۔ کلاڈیوس کا غصہ یکدم آسمان سے

Marfat.com

باتیں کرنے لگا۔ اسے پتہ ہی اب چلا تھا کہ عزت لوٹنے والے اس کی بہن کو بے آبرو کر رہے تھے۔ غصے کی شدت سے کلاڈیوس کا بازو فضا میں بلند ہوا اور ایک ہی وار میں اس نے شرابی سردار کا سر کاٹ کر دور پھینک دیا۔ سردار کا دھڑ دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر گرا تو کلاڈیوس نے اپنی پوری شمشیر اس کے دھڑ میں گھسیڑ دی۔ اس نے پانچوں کو مار دیا۔ آج کلاڈیوس بروقت نہ پہنچتا تو تھیوڈورا کی آبرو لٹ جاتی۔ آج کلاڈیوس نے اپنے پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا تھا۔ تھیوڈورا تڑپ کر دوڑی اور دوڑ کر اپنے بھائی کے سینے سے آ لگی۔

''بھیا! بھیا!...... میرے پیارے بھیا!''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے اپنا نیم برہنہ جسم کمبل میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کلاڈیوس اس کے دل کی دھڑکن کو اپنے سینے پر کسی دستک کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ نہ جانے کیا سوچ کر کلاڈیوس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تھیوڈورا نے سر اٹھایا اور کلاڈیوس کو روتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگی۔

''نہیں بھیا نہیں...... میں بالکل بچ گئی...... بال بال بچ گئی بھیا! اگر تم نہ آتے تو آج میری پاکیزگی لٹ جاتی۔ بھیا تم آ گئے...... تم آ گئے بھیا! خدا نے تمہیں بھیجا اور میں بچ گئی۔''

کلاڈیوس نے اطمینان کی سانس لی اور کہا۔

''شکر ہے خداوند نے میری توبہ قبول کر لی...... میں نے زندگی بھر جو گناہ کیے آج ان کے کفارے کا دن تھا۔ اگر میں تمہاری عزت نہ بچا پاتا تو شاید مجھے خودکشی کرنا پڑتی۔ تم بچ گئی، اس کا مطلب ہے میرا کفارہ قبول ہو گیا۔''

تھیوڈورا مسکرا رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر اپنے بھائی کے سینے سے لگ گئی۔

''بھیا! میں آسٹریا نہیں جانا چاہتی تھی۔ میں مقدونیا جانا چاہتی تھی لیکن ماں نے ان ناپاک آدمیوں پر بھروسا کر لیا۔ مجھے زبردستی آسٹریا کے لئے روانہ کر دیا۔ آج تم نہ آتے تو......''

''اب میں آ گیا ہوں نا...... اب تم محفوظ ہو۔ ہم مقدونیا ہی جائیں گے۔ میں خود شیراز سے شرمندہ ہوں...... میں نے اس کی بہن کو بے آبرو کر کے قتل کیا ہے۔ میں اس کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں اپنے بھائی سے نہیں مل سکتا۔ میں اس سے کیسے ملوں؟ میں نے نورین کی عزت کو تار تار کیا ہے، یہی سوچ کر میں مقدونیا جانا چاہتا ہوں کہ پہلے اپنی ماں سے ملوں گا۔ تم نے شیراز کا گھر دیکھا ہے نا! تم مجھے مقدونیا لے چلو، تم مجھے شیراز کا گھر دکھاؤ۔

Marfat.com

میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں...... میں اسے بتاؤں گا کہ میں شیراز کا بڑا بھائی ہوں۔ تم میرا ساتھ دینا...... وہ ماں ہے، شاید اس کی ممتا میرا گناہ معاف کر دے۔ وہ مجھے معاف تو کر دے گی نا؟''

کلاڈیوس، تھیوڈورا کا سر اپنے سینے سے ٹکائے آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا۔ تھیوڈورا سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔ اس نے کلاڈیوس کی بات سنی تو سسکیوں کے ساتھ ہی کہنے لگی۔

''ہاں بھیا ہاں...... وہ تمہیں ضرور معاف کر دے گی۔ وہ شیراز کی ماں ہے، وہ ایک عظیم ماں ہے۔ سچ مچ مقدونیا جائیں گے، ہم شیراز کے گھر جائیں گے۔ تم جانتے ہو نا بھیا! میں شیراز سے پیار کرتی ہوں...... میں اسی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔''

♦......♦

Marfat.com

ملاقات

سلطان احمد ثالث کی تخت نشینی ینی چری کی بغاوت کا نتیجہ تھی۔ اس لئے تخت پر آنے کے بعد اس نے بہت کچھ انعامات واکرام دے کر باغیوں کو راضی کیا اور ان کے مطالبہ پر مفتی فیض اللہ آفندی کے قتل کی اجازت دے دی۔ مفتی موصوف کا جرم یہ تھا کہ وہ اس فوج کی خودسری کے مخالفت تھے۔ لیکن یہ خون جلد رنگ لایا اور سلطان نے قابو پانے کے بعد ینی چری سے پورا قصاص لیا اور ان کے بہت سے افسروں کو قتل کروا دیا۔ لیکن اس نے احمد پاشا صدر اعظم کو، جو باغیوں کا منتخب کردہ تھا، معزول کر دیا اور اس عہدہ پر اپنے بہنوئی داماد حسن پاشا کو مامور کر دیا۔ لیکن سازشوں نے حسن پاشا کی صدارت کو بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہنے دیا اور وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد متعدد اشخاص صدر اعظم مقرر ہوئے اور تھوڑے عرصہ بعد علیحدہ کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس عہد کے ابتدائی پندرہ سالوں میں بارہ صدر اعظم یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیٹر اعظم کی خارجی پالیسی کی طرف جیسی توجہ کرنی چاہئے تھی دولت علیہ نہ کر سکی اور روس کی طاقت بڑھتی ہی چلی گئی۔

1700ء میں روس اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، پیٹر اس پر دیانت داری کے ساتھ قائم نہ تھا۔ وہ اپنی سلطنت کے جنوبی صوبوں میں جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ احمد ثالث نے تخت نشینی کے بعد پیٹر کو اس امر کی شکایت لکھ بھیجی لیکن سلطنت کے اندرونی اختلال کی وجہ سے جو ینی چری کی سرکشی کے باعث شروع میں پیدا ہو گیا تھا، وہ کسی جنگی مظاہرہ کے لئے تیار نہ تھا۔ روس بھی سویڈن سے قوت آزمائی کر رہا تھا اور دولت عثمانیہ سے کوئی نئی جنگ چھیڑ دینا اس کی مصلحت کے بھی خلاف تھا۔ چنانچہ 1705ء میں دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک نیا معاہدہ ہوا اور جنگ کچھ دنوں کے لئے پھر ملتوی ہو گئی۔ تاہم دولت علیہ روس کی نقل وحرکت سے غافل نہ تھی اور بحر اسود کے ساحل پر پیٹر جو قلعے تعمیر کروا رہا تھا ان کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ پیٹر کی زیادہ تر توجہ سویڈن کی جانب تھی جس کا فرمانروا "چارلس دوازدہم" نہایت بہادری کے ساتھ روس کی پوری طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ترکوں کو چارلس کے ساتھ بہت ہمدردی تھی لیکن روس کے ساتھ جو معاہدہ ہو چکا تھا اس کی وجہ سے وہ چارلس کی مدد کرنے سے معذور تھے۔

Marfat.com

8 جولائی 1709ء کو پلٹوا (Paltowa) کے مقام پر چارلس کو سخت شکست ہوئی اور اس نے بھاگ کر سلطنت عثمانیہ کی حدود میں پناہ لی۔ سلطان احمد ثالث نے اس کا استقبال شاہانہ احترام کے ساتھ کیا لیکن اس کی حمایت میں پیٹر سے جنگ شروع کر دینے پر تیار نہ ہوا۔ البتہ جب پیٹر نے یہ خواہش ظاہر کی کہ چارلس کو پناہ نہ دی جائے تو سلطان نے صاف جواب دے دیا کہ آئین شرافت کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور پیٹر کی دھمکیوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

پلٹوا کے معرکے کے بعد پیٹر نے لیونیا (Livonia) کو فتح کیا جس سے بحر بالٹک میں داخل ہونے کی راہ کھل گئی۔ اس کے بعد وہ دولت علیہ کی طرف متوجہ ہوا اور بحر اسود میں دخل حاصل کرنے کے لئے کریمیا پر حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ ازف کے قلعہ اور بحر ازف کے شمال مشرقی ساحل پر اس کا قبضہ پہلے سے تھا۔ اس نے تگنوگ اور دوسرے قلعوں کو جن سے کریمیا پر زد پڑتی تھی، مضبوط کر لیا تھا۔ سلطان، پیٹر کی ان جنگی تیاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں سلطنتوں کے تعلقات چارلس کے قیام کی وجہ سے اور زیادہ کشیدہ ہو گئے۔ وہ برابر سلطان کو روس سے جنگ کرنے کے لئے ابھار رہا تھا۔ سلطان پر ابتدا میں اس کی ترغیبوں کا اثر نہ پڑا لیکن جب خانِ کریمیا نے آستانہ میں حاضر ہو کر ان تمام خطرات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو پیٹر کی تیاریوں نے پیدا کر دیئے تھے تو بالآخر اس نے مجبور ہو کر 28 نومبر 1710ء کو روس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ 25 فروری 1711ء کو پیٹر کی طرف سے بھی ماسکو کے سب سے بڑے کلیسا میں ترکوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا۔ اس نے اس جنگ کو ایک مذہبی جنگ قرار دیا جس کا مقصد یورپ سے ترکوں کو نکال دینا تھا۔ روسی علم کے ایک جانب صلیب کی تصویر بنی ہوئی تھی اور دوسری جانب یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے...... "خدا اور مسیحیت کے لئے"۔

مئی 1711ء میں صدر اعظم بلطہ جی محمد پاشا عثمانی فوجوں کے ساتھ مولڈیویا کی طرف روانہ ہوا جس کا امیر دولت علیہ سے غداری کر کے پیٹر سے مل گیا تھا اور پیٹر اس کی مدد سے بلقان کی سلافی قوموں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف ابھار رہا تھا۔[1]

چنانچہ پیٹر بھی اپنی فوج لے کر مولڈیویا میں داخل ہوا۔ روسی فوج کی تعداد عثمانیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی تاہم پیٹر اپنے جوش میں آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ دریائے پرتھ کو عبور کر کے اس کے ساحل پر خیمے نصب کر دیئے۔ وہاں پہنچ کر اسے اپنی غلطی معلوم ہوئی کیونکہ

---

[1] سوانح پیٹر اعظم از اسٹیفن گریہم، مطبوعہ لندن 1929ء ص 198

Marfat.com

اس کے ایک بازو پر دریائے پرتھ اور دوسرے پر ایک وسیع دلدل تھی اور سامنے کی پہاڑیوں پر بلط جی محمد پاشا اپنی فوجوں کے ساتھ قابض تھا۔ روسی فوج عثمانی توپوں کی زد میں آ چکی تھی جن سے بچ کر دریا عبور کرنا ممکن نہ تھا۔ پیٹر کو اپنے سپاہیوں کی ہلاکت اور اپنی گرفتاری کا پورا یقین تھا۔ اس موقع پر اس نے جو خط روسی سینٹ (مجلس قومی) کے نام ماسکو روانہ کیا تھا اس سے اس کی بیچارگی اور مایوسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ جھوٹی خبر سے فریب کھا کر اور اپنی کسی غلطی کے بغیر میں خود کو اس حالت میں پاتا ہوں کہ ترکی فوج نے مجھے خود میرے ہی لشکر میں بند کر رکھا ہے۔ ہمارے سامانِ رسد کی فراہمی منقطع کر دی گئی ہے اور ہمیں ہر لمحہ ہلاک یا قید ہو جانے کا خطرہ ہے۔ بجز اس کے کہ خدا کسی غیر متوقع طریقہ پر ہماری مدد کر دے۔ اگر میں ترکوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاؤں تو پھر تم مجھے اپنا زار اور فرمانروا نہ سمجھنا اور نہ میرے کسی حکم کی پرواہ کرنا جو میری طرف سے تمہارے پاس پہنچایا جائے خواہ تم میرے خط کو پہچان ہی کیوں نہ لو۔ بلکہ خود میری آمد کے منتظر رہنا۔ اگر میں یہاں ہلاک ہو جاؤں اور تمہیں میری وفات کی تصدیق شدہ اطلاع ملے تو اس وقت تم میرا جانشین اس شخص کو منتخب کر لینا جو تم میں سب سے زیادہ اہل ہو[1]"

پیٹر اور اس کی فوج کی حالت ایسی ہی تھی۔ روسی تمام تر ترکوں کے رحم و کرم پر تھے۔ اگر ترک چاہتے تو انہیں قتل کر ڈالتے یا گرفتار کر لیتے۔ ایسے نازک وقت میں جب خود پیٹر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور وہ مایوس ہو کر اپنے خیمے میں پڑا ہوا تھا، اس کی بیوی کیتھرائن نے کمال ذکاوت اور دانش مندی سے ایک ایسی راہ نکالی جس سے پیٹر اور اس کی فوج کو سلامتی کے ساتھ روس واپس چلے جانے کا موقع مل گیا۔ اس نے اپنے تمام زیورات اور جو کچھ نقد لشکر جمع ہو سکا سب اکٹھا کر کے صدر اعظم کے نائب کے پاس عثمانی لشکر میں بھیجا اور درخواست کی کہ صلح کی گفتگو کے لئے جنگ چند دنوں تک ملتوی کر دی جائے۔ نائب کی سفارش سے صدر اعظم بلط جی محمد پاشا اس گفتگو کے لئے راضی ہو گیا۔ پیٹر کے حریف چارلس دوازدھم کا نمائندہ پونیا ٹوسکی اور خانِ کریمیا اس لشکر میں موجود تھے اور دونوں نے اس نادر موقع پر جب کہ پیٹر ان کی مٹھی میں آ چکا تھا، صلح کرنے کی شدید مخالفت کی۔ لیکن صدر اعظم نے ان کی مخالفت کے باوجود ایسی شرائط

---

[1] لارڈ ایور سلے۔ ص 193

Marfat.com

پر صلح کر لی جو اس کی دانست میں سلطنت عثمانیہ کے لئے نہایت مفید تھیں۔ چنانچہ 21 جولائی 1711ء کو صلح نامہ مرتب ہو گیا۔ صلح نامے میں دفعات درج کرنے سے پہلے یہ الفاظ لکھے گئے۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلامی فوج نے زار روس کو اس کی تمام فوجوں کے ساتھ دریائے پرتھ کے قریب گھیر لیا ہے اور زار نے صلح کی درخواست کی ہے۔ اور اسی کی درخواست پر مندرجہ ذیل دفعات مرتب اور منظور کی جاتی ہیں۔

1) زار نے قلعہ ازف اور اس کے ملحق علاقوں سے اپنا قبضہ اٹھا لینا منظور کیا اور ان کو اسی حالت میں سلطنت عثمانیہ کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا جس حالت میں اس نے ان پر قبضہ کیا۔

2) زار نے منظور کیا کہ اس کا نیا شہر تگنروگ جو بحر ازف کے کنارے واقع تھا، نیز اس علاقہ کے بعض دوسرے قلعے جو اس نے تعمیر کرائے تھے سب مسمار کر دیئے جائیں اور پھر کبھی تعمیر نہ ہوں۔ علاوہ بریں کمینسکی میں اس نے جو توپیں، فوجی سامان اکٹھے کئے تھے وہ سب باب عالی کو دے دیئے جائیں۔

3) زار نے معاہدہ کیا کہ آئندہ وہ اہل پولینڈ یا ان قزاقوں کے معاملات میں جو پولینڈ یا خان کریمیا کے محکوم ہیں، دخل نہ دے گا اور ان کے علاقوں سے روسی فوجیں ہٹا لے گا۔

4) چوتھی دفعہ میں تجارت کو آزاد قرار دیا گیا لیکن یہ شرط رکھی گئی کہ آئندہ کوئی روسی سفیر قسطنطنیہ میں مقیم نہ ہو گا۔ کریسی لکھتا ہے کہ اس شرط کی وجہ غالباً وہ سازشیں تھیں جو روس یونانیوں اور دولت علیہ کی دوسری عیسائی رعایا سے کرتا رہتا تھا۔

5) اہل روس ان مسلمانوں کو آزاد کر دیں جن کو انہوں نے دورانِ جنگ یا جنگ سے قبل گرفتار کر لیا ہے۔

6) شاہ چارلس کو روس سے ہو کر اپنے ملک سویڈن جانے کی اجازت دی گئی اور زار نے معاہدہ کیا کہ راستہ میں اس سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے گی۔ اس دفعہ میں اس امر کی بھی سفارش کی گئی کہ روس اور سویڈن باہم صلح کر لیں۔

7) باب عالی کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا کہ آئندہ وہ اہل روس کو کوئی نقصان نہ

Marfat.com

پہنچائے گا اور اسی طرح اہل روس کی طرف سے یہ معاہدہ ہوا کہ وہ سلطان کی رعایا اور ماتحتوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں گے۔[1]

♦ ...... ♦

جب اس صلح نامہ کی خبر قسطنطنیہ پہنچی اور معلوم ہوا کہ پیٹر اس طرح قبضے میں آ کر صاف نکل گیا تو سلطان سخت برہم ہوا۔ بلط جی محمد پاشا واپسی پر صدارت کے عہدے سے فارغ کر دیئے گئے اور ان کے نائب عثمان پاشا اور رئیس آفندی عمر پاشا...... جن کے متعلق خیال تھا کہ یہ صلح انہی کی کوششوں سے عمل میں آئی ہے، کو سلطان نے قتل کروا دیا۔ اس نے صلح نامے کو منظور کرنے سے بھی انکار کر دیا اور روس سے پھر جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن بعض وزرائے سلطنت اور زیادہ تر سفیر برطانیہ سرسٹن کے مشورہ سے سلطان جنگ سے باز رہا۔[2]

شیراز کو بلط جی کی معزولی سے سخت دھچکا لگا تھا۔ وہ بلط جی کی بے حد عزت کرتا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ سلطان نے بلط جی جیسے دانا شخص کو حکومت سے علیحدہ کر دیا تو شیراز نے بھی علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جنگ سے واپسی پر شیراز کو حکومت کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ رہی۔ چنانچہ اس نے اپنی مستقل رہائش کے لئے مقدونیا کے مضافات کو پسند کیا۔ اسی شہر میں اس کا گھر تھا اور انہی مضافات میں کھیلتے کودتے وہ جوان ہوا تھا۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد شیراز کئی روز تک سفر میں ہی رہا تھا۔ اسے افرازون کے جزیرے سے صوفیہ کو واپس لانا تھا جو اب اس کی دلہن بنی افرازون کی بیٹیوں کے ساتھ انہی کے جزیرے پر مقیم تھی۔ شیراز نے تیز رفتار سفر کیا اور وہ اپنے سسر کپتان الفانسو اور اپنی بیوی صوفیہ کو لے کر استنبول چلا آیا۔

استنبول میں کپتان الفانسو اور صوفیہ کو ان کے گھر چھوڑ کر شیراز کوہ بلقان کی جانب چلا گیا۔ یہاں طاہرہ تھی۔ شیراز کے جانثار شہید ساتھی سکندر پاشا کی بیوہ طاہرہ۔ کوہِ بلقان کی جانب جاتے ہوئے شیراز کا دل بہت رنجیدہ تھا۔ انہی پہاڑیوں میں پہلی مرتبہ شیراز نے زندگی کا دوسرا روپ دیکھا تھا۔ تمام راستے وہ خالص پاشا اور سکندر پاشا کو یاد کرتا رہا۔ شہروز اور زریاب بھی اسے بہت یاد آئے۔ بار بار اس کی آنکھوں میں نمی آ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ طاہرہ کو سکندر کی موت کی خبر کس طرح سنائے گا۔ یہ ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔ کبھی وہ سوچتا کہ یہاں سے

---

[1] وار دین میں دیا گیا مضمون "دولت عثمانیہ" سے لیا گیا ہے، جلد اول ص نمبر 226 تا 231۔

[2] دولت عثمانیہ۔ ص 332

Marfat.com

واپس چلا جائے اور سکندر کی شہادت کی خبر کپتان الفانسو کے ذریعے کو وہ بلقان بھیجے لیکن پھر اس نے اپنے دل پر پتھر رکھا اور اپنا سفر جاری رہنے دیا۔

آج وہ خالص بابا کے گاؤں میں ایک عرصے بعد داخل ہو رہا تھا۔ گاؤں کے باہر اونچی نیچی چٹانوں میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر شیراز کو تسلی ہوئی کہ سردار خالص پاشا کی بستی ابھی آباد ہے۔ نہ جانے کیوں غم کے باوجود اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگنے لگی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ گاؤں کی گلیوں سے گزرتے ہوئے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ وہ طاہرہ اور اس کے بوڑھے ماں باپ کا سامنا کیسے کرے گا...... سکندر چند راتوں کے لئے ہی دولہا بنا تھا۔ شیراز کے دل پر گھونسے پڑ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں وہ اپنے آپ کو سکندر کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ بالآخر سکندر کا گھر آ گیا۔ شیراز گھوڑے سے اترا اور اس نے ڈرتے ڈرتے دروازے پر دستک دی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور دیواروں کے سائے لمبے ہو کر گلیوں کے عرض کو پاٹ چکے تھے۔ شیراز دستک دے کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی تمام تر توجہ دروازے کی جانب تھی اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ معاً دروازہ چرچرایا اور کھل گیا۔ سامنے سکندر کھڑا تھا۔

سکندر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ لیکن شیراز کی حیرت آسمانوں سے بھی بلند تھی۔ دونوں بالکل ساکت و جامد کھڑے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ گویا کسی فرشتے نے ان کی جانیں نکال لی ہوں۔ شیراز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ سکندر بہت کمزور تھا۔ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد اور آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ پہلی نظر میں تو شیراز اسے پہچان بھی نہ پایا تھا۔ آخر سکندر کو کیا ہوا تھا؟ دونوں ساکت و جامد کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، یہاں تک کہ کئی لمحے گزر گئے۔ بالآخر شیراز اپنی جگہ سے اچھلا اور سکندر کے سینے سے جا لگا۔ سکندر نے بھی پورے ولولے کے ساتھ اسے بھینچ لیا۔ اب دونوں دوست ہنس بھی رہے تھے اور رو بھی رہے تھے۔ وہ بار بار ایک دوسرے کو چھوڑتے، ایک دوسرے کا چہرہ تکتے اور پھر سے بغل گیر ہو جاتے۔ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا۔ پھر شیراز نے پوچھا۔

''ارے سکندر! یہ تمہیں کیا ہو گیا...... تم تو بالکل بیمار دکھائی دے رہے ہو۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ، تمہیں کیا ہوا؟ تمہارا چہرہ ہلدی کی طرح زرد کیوں ہے؟''

سکندر مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ شیراز کو جواب دیا۔

''اب تو میں ٹھیک ہوں۔ چلتا پھرتا ہوں، دروازے تک بھی آ جاتا ہوں اور کبھی کبھی باہر گلی

Marfat.com

میں بھی نکل جاتا ہوں۔ بحر اسود کے طوفان میں میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ پھر نہ جانے کیسے مشرقی بحر اسود کے ایک مچھیرے نے میری جان بچالی۔ وہ مجھے اپنی کشتی میں ڈال کر اپنے گھر لے گیا جہاں ان لوگوں نے میرا علاج کیا اور میں ایک لمبا عرصہ ان کے اندرونی کمرے میں بیمار پڑا رہا۔ اس مچھیرے کے بچوں نے مجھے پیار سے ''دودو میاں'' کہنا شروع کر دیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ پہلے میں گھر لوٹا ہوں۔ اب تو پہلے سے بہت بہتر ہوں۔''

اچانک شیراز کے ذہن میں جھماکا ہوا...... کہیں سکندر اسی جزیرے پر تو نہیں تھا جہاں یہ لوگ کچھ وقت کے لئے پناہ گزین ہوئے تھے؟ شیراز کو یاد آیا اس جزیرے پر پہلے روز ملنے والے بچوں نے شیراز اور اس کے ساتھیوں کو روک کر کہا تھا۔

''کیا تم ہمارے دودو کو لینے آئے ہو؟ ہم اپنا دودو تمہیں نہیں دیں گے۔''

ہاں، وہ ایک بچی تھی۔ ایک چھوٹی سی بچی جس نے یہ الفاظ کہے تھے۔ قدرت کے اتفاق پر شیراز دنگ رہ گیا۔ وہ سکندر کے قریب جا کر پلٹ آیا لیکن انہیں سکندر کے زندہ ہونے کی خبر نہ مل سکی۔ سکندر اور شیراز اندر گھر میں داخل ہوئے تو شیراز کی نظر سب سے پہلے اپنی ماں پر پڑی اور شیراز کی حیرت ایک خوشگوار چیخ میں بدل گئی۔

''امی جان!...... آپ یہاں؟''

لیکن صغریٰ تو رو رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے دوڑی اور شیراز کے سامنے آ کر رک گئی۔ صغریٰ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کو زندہ اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنے دونوں ہاتھ شیراز کے چہرے پر پھیرنے شروع کر دیئے جیسے شیراز کے ہونے کا یقین حاصل کرنا چاہتی ہو۔ وہ والہانہ انداز میں شیراز کے رخساروں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور آنسو تھے جبکہ زبان آپ ہی آپ تھرک رہی تھی۔

''میرا بیٹا!...... میرا بچہ!...... میرا شیراز!...... میرا شیراز آ گیا!...... ارے دیکھو میرا بیٹا آیا ہے...... ارے طاہرہ جلدی سے باہر آؤ...... دیکھو شیراز آیا ہے۔''

اور پھر اچانک جیسے وہ پھوٹ پڑی۔ اس نے شیراز کو اپنی بانہوں میں بھر لیا اور زور زور سے رونے لگی۔ مدتوں بعد ماں کے سینے سے لگ کر شیراز کو یوں لگا جیسے مشکلات کے تمام بادل چھٹ گئے ہوں۔ جیسے من کی مضطرب موجوں کو قرار آ گیا ہو۔ آج شیراز مدتوں بعد ایک عجیب طرح کی طمانیت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہو کر سکندر کی

Marfat.com

طرف دیکھا۔ سکندر کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اتنے میں طاہرہ بھی آ گئی۔ وہ سکندر کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ شیراز نے طاہرہ کو دیکھا تو یکلخت مسکرانے لگا۔ اسی اثناء میں سکندر کی آواز سنائی دی۔

''ماں جی کو میں نے یہاں بلوالیا۔ میں نے اپنا آدمی بھیجا تھا۔ مجھے تمہارے بارے میں کچھ کچھ معلومات ملی تھیں۔ مجھے یہ پتہ چل گیا تھا کہ تم دریائے پرتھ کے کنارے بلط جی کے لشکر میں ہو، تب میں نے سوچا کہ ماں جی کو یہیں بلوالوں۔ مجھے یقین تھا کہ تم فاتح بن کر آؤ گے شیراز! دکھ کا دور گزر چکا ہے...... ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے میں مایوس ہو گیا تھا۔ پھر یہاں آیا اور طاہرہ کو دیکھا تو میرے زندہ رہنے کی آرزو جاگ اٹھی اور میں چلنے پھرنے لگا۔ لیکن آج تمہیں صحیح سلامت دیکھ کر میں محسوس کرتا ہوں کہ اب میں بالکل تندرست ہو گیا ہوں۔''

آج شیراز بہت خوش تھا۔ زندگی میں اتنی ساری خوشیاں اس نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ وہ اپنی ماں سے تو الگ ہو ہی نہ رہا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد کھانے کے دستر خوان پر شیراز نے اپنی کہانی سب کو سنائی اور آخر میں کہا۔ ''میں اس ساری داستان کو کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر رقم کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں بہت سے لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں یہ سب کے سامنے آئے۔''

سب مسکرا مسکرا کر شیراز کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ رات کو سونے سے پہلے شیراز نے سکندر سے کہا۔ ''اب میں کھیتی باڑی کرنا چاہتا ہوں۔ میں جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتا۔ اور پھر بلط جی جیسے شخص کو سلطان نے معزول کر دیا ہے۔ میرے لئے اب ترکی فوج میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں ذہنی طور پر ایک فلسفی ہوں، سپاہی نہیں۔ یہ تو حالات نے مجھے ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ تلوار اٹھائے بغیر بات نہیں بنتی تھی۔ میں مقدونیا کے مضافات میں ہی تھوڑی سی اراضی خرید کر باقی ماندہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ شاید اس طرح میں کچھ لکھ سکوں۔''

سکندر کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں جناب!...... کیا تم ہمارے ساتھ نہیں رہو گے؟ میں تو خوش تھا کہ اب ہم ہمیشہ اکٹھے رہیں گے۔''

''نہیں سکندر! مقدونیا یہاں سے دور نہیں، ہم ہمیشہ اچھے دوستوں بلکہ رشتہ داروں کی طرح ملتے رہیں گے۔''

شیراز اور سکندر باتوں میں مصروف تھے کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا

Marfat.com

تھا۔ سکندر نے آواز دی۔ ''کون ہے...... آجاؤ!''

آنے والی صغریٰ تھی۔ اس نے کمرے میں آتے ہی سکندر سے کہا۔

''بیٹا! اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بھی یہیں سو جاؤں؟ اب شیراز آگیا ہے تو دوسرے کمرے میں نیند نہیں آرہی۔''

سکندر تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''ماں جی! آپ ٹھیک کہتی ہیں...... یہی ایک دو راتیں ہی تو ہیں جو یہ آپ کے ساتھ سوئے گا۔ ورنہ پھر تو ساری عمر بیوی کے کمرے میں ہی سوئے گا۔''

صغریٰ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس نے دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا اور پھر ہنستے ہنستے کہنے لگی۔

''ہاں ہاں...... تم ٹھیک کہتے ہو۔ ویسے ایک بات بتاؤں، میں آئی ہی اپنی بہو کی باتیں سننے کے لئے ہوں۔ آج میں شیراز کو سونے نہیں دوں گی، اس سے کہوں گی مجھے میری بہو کی ساری باتیں بتائے۔''

شیراز ہنس رہا تھا۔ ''امی جان! ایک دو دن کی ہی تو بات ہے، پھر ہم سارے اکٹھے رہیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ کپتان الفانسو بھی ہمارے ساتھ مقدونیا آجائیں۔''

سکندر نے شیراز کی بات سنی تو پہلے حیرت کا اظہار کیا اور پھر منہ بسورتے ہوئے کہنے لگا۔

''کپتان تمہارے ساتھ آنے والا نہیں، تم دیکھ لینا۔ وہ آبنائے باسفورس کے کنارے کو چھوڑنا پسند نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ اس کا وفادار ملازم سائمن ہے، وہ تمہارے ساتھ آنے والا نہیں۔''

شیراز بھی یہی سوچ رہا تھا۔ وہ کپتان کا مزاج جانتا تھا۔ دیر تک شیراز، سکندر اور صغریٰ باتیں کرتے رہے اور آدھی رات کے قریب کہیں جا کر وہ سو گئے۔

شیراز نے چند روز بلقان میں قیام کیا اور پھر آئندہ ہمیشہ ملنے کا وعدہ کر کے بلقان سے استنبول کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس بار شیراز کے ہمراہ اس کی ماں بھی تھی۔ ہفتہ بھر پہلے جب وہ اسی راستے کو وہ بلقان کی جانب آرہا تھا تو اس کا دل کتنا رنجیدہ تھا اور آج وہ سوچتا تھا تو اسے یوں لگتا تھا جیسے دنیا کی سب طاقتیں اس کے پاس آگئی ہوں۔ ہاں یہ سچ تھا...... کیونکہ آج اس کی ماں اس کے ساتھ تھی۔ شیراز نے پیار بھری نظروں سے اپنی ادھیڑ عمر ماں کے چہرے کی جانب دیکھا اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگا۔

◆......◆

Marfat.com

تین ماہ بعد شیراز ایک ماہر دہقان بن چکا تھا۔ وہ اپنی زندگی کی کہانی بھی لکھ رہا تھا اور اپنے کھیتوں میں فصلیں بھی اگا رہا تھا۔ صوفیہ اس کے ہمراہ تھی اور دونوں مل کر دن بھر پھولوں کی کیاریاں سجاتے، سبزیاں کاشت کرتے اور گہری گہری باتیں کرتے رہتے۔ صوفیہ بھی جلد ہی ماں بننے والی تھی۔ وہ شیراز کے ساتھ بے حد خوش تھی۔ وہ اپنی ساس اور شوہر کے ساتھ اس چھوٹی سی جنت میں شب و روز اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتی رہتی۔ سرسبز کھیتوں کے بیچوں بیچ ان کا ایک کھلا مکان تھا جس میں گائے بھینسیں اور بکریاں تک موجود تھیں۔ کچے صحن میں دن بھر مرغیاں کٹ کٹ کرتی رہتیں اور صوفیہ انہیں دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی رہتی۔ صوفیہ نے یہاں آنے کے بعد مصوری پھر سے شروع کر دی تھی۔ اب وہ دیوی اور دیوتاؤں کی تصویریں نہیں بناتی تھی۔ اب وہ انڈے سے نکلتے ہوئے مرغی کے بچوں اور کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے بیلوں کی جوڑی کو کینوس پر اتارتی تھی۔ ہر ہفتے لائیسیم کے پاتھے اوڈیسا ان کے گھر آتے تھے اور وہ دونوں اپنے استاد کی خوب دل کھول کر خدمت کرتے۔

زندگی کے شب و روز یونہی گزرتے جا رہے تھے کہ ایک دن صغریٰ کی نظر دور سے آتے ہوئے ایک گھڑ سوار پر پڑی۔ نہ جانے کیوں اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے چھاج سے زیتون کے دانے چھان رہی تھی۔ زیتون کے صاف ستھرے دانے ایک برتن سے دوسرے برتن میں منتقل کرتے ہوئے وہ ایک آدھ دانہ منہ میں ڈال کر چبانے لگتی۔ وہ اپنے گھر سے باہر ایک کھلے چبوترے پر بیٹھی زیتون کے دانے صاف کرنے میں مصروف تھی کہ اس نے ایک اجنبی گھڑ سوار کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ صغریٰ کے ہاتھ رک گئے۔ اسے فوراً شیراز کا خیال آیا لیکن یہ سوچ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ شیراز تو آج گھر پر نہیں تھا۔ آج وہ مقدونیا تک گیا تھا، اپنے استاد پاتھے اوڈیسا کے گھر تک۔

صغریٰ گھبرا گئی۔ صوفیہ گھر کے اندر تھی۔ گویا دونوں عورتیں وسیع کھیتوں میں بنے اکلوتے مکان میں اکیلی تھیں۔ صغریٰ اب اپنی جنت میں کسی کی مداخلت نہ چاہتی تھی۔ گزشتہ غموں کی وجہ سے اس کے دل کو ہمیشہ ایک دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔

تنومند گھڑ سوار کو اپنی جانب آتا دیکھ کر صغریٰ کے دل میں یہی خیال آیا کہ کہیں وہ کوئی دشمن نہ ہو...... کہیں وہ مادام تھرو شیا کا بیٹا کلاڈیوس نہ ہو جس نے اس کی چاند جیسی بیٹی کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا کر بے دردی سے ہلاک کر دیا تھا۔ صغریٰ نے چھاج ایک طرف رکھ دیا اور اپنی جگہ اٹھ کر

Marfat.com

کھڑی ہوگئی۔اس نے صوفیہ کو آواز دے کر بلانا چاہا لیکن یہ سوچ کر رک گئی کہ صوفیہ جوان ہے، اس کے ہونے والے پوتے کی ماں بننے والی ہے، اسے اجنبی کے سامنے نہ بلانا ہی بہتر ہوگا۔ لیکن صغریٰ کے اپنے ہاتھ اور پاؤں بری طرح پھولنے لگے تھے۔

اب اجنبی گھڑسوار نزدیک آچکا تھا۔ یہ ایک شیراز کے قد سے ملتا جلتا خوبرو نوجوان تھا۔ وہ صغریٰ کے سامنے آکر گھوڑے سے اترا لیکن اس کی نگاہیں صغریٰ پر ہی ٹکی رہیں۔ یہ کلاڈیوس تھا...... زندگی میں پہلی بار اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ کلاڈیوس کی کیفیت بہت عجیب ہوگئی۔ نہ جانے وہ کون سا احساس تھا جو اس کے قلب وجاں میں سرایت کر رہا تھا...... آج وہ اپنی حقیقی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے صغریٰ کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ اسے صغریٰ کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں نظر آئیں۔ کلاڈیوس کی رگوں میں اس کا لہو ایک نئی طرز کی ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ گھوڑے کو وہیں کھڑا چھوڑ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مٹی کا چبوترا چڑھنے لگا۔ صغریٰ کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ شیراز نے اپنی کہانی میں کلاڈیوس کا جو حلیہ بتایا تھا، اس شخص کا بھی بالکل وہی حلیہ تھا۔ صغریٰ نے سمجھا کہ آج موت اس کے سر پر آ پہنچی ہے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ دنیا میں اس کا کوئی اور بیٹا بھی ہے۔ بیس بائیس برس پرانی یادیں وہ بھلا چکی تھی۔

کلاڈیوس اپنی ماں کے سامنے آکر رک گیا۔ اس کا سینہ جذبات سے لبریز تھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔ وہ بڑی بیتابانہ نظر سے اپنی ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ کلاڈیوس کو دل میں فخر ہونے لگا کہ جس عورت نے اسے جنم دیا وہ کتنی عظیم تھی۔ کلاڈیوس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ کر ڈری ہوئی صغریٰ اپنے آپ میں الجھ گئی...... یہ کیا ماجرا ہے؟...... اس نے سوچا۔ یہ لڑکا دشمن نہیں ہوسکتا۔ اس کی آنکھوں میں صرف آنسو ہی نہیں، میرے لئے بے پناہ محبت کے جذبات بھی ہیں۔ دل کے کسی کونے میں اسے ممتا بھری ایک ٹیس جاگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے جذبات کو نہ سمجھ سکی لیکن اس کا خوف یکدم کافور ہوگیا۔ اس نے بڑے شفیق لہجے میں نوجوان سے پوچھا۔ ”کون ہو تم بیٹا...... اور کس سے ملنے آئے ہو؟“

کلاڈیوس تو جیسے تڑپ گیا۔ صغریٰ نے اسے بیٹا کہہ کر پکارا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں میں رکے آنسو ٹپ ٹپ نیچے گر گئے۔ وہ بھرائے ہوئے گلے کے ساتھ بولا۔

”آہ!...... ماں...... میری ماں......“

صغریٰ کچھ نہ سمجھ سکی۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے کچھ کچھ ہو رہا تھا۔ کچھ ایسا جسے وہ سمجھ نہ پا رہی

Marfat.com

تھی۔اس کے بدن کا ہر ہر ریشہ مچلنے لگا تھا۔اس لڑکے نے اسے ماں کیوں کہا؟ بلا کسی وجہ ہی صغریٰ کا دل بھر آیا...... اس کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس لڑکے کو سینے سے لگا لے۔لیکن ایک اجنبی نوجوان کو وہ سینے سے کیسے لگا سکتی تھی؟ اس نے اپنے چہرے پر بے پناہ حیرت طاری کرتے ہوئے نوجوان سے پھر پوچھا۔

''تم کون ہو؟...... اور اس طرح کیوں کھڑے ہو؟''

''میں آپ کا کھویا ہوا بیٹا ہوں...... آج سے برسوں پہلے کسی نے مجھے آپ کی کوکھ سے جدا کر دیا تھا...... میں آپ کا خون ہوں...... اعجاز الدین لوہار کا پہلا بیٹا۔''

صغریٰ کی حالت دیکھنے کے لائق تھی۔وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ایسا تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔اس کی زبان گنگ ہو گئی اور ہونٹ بے آواز تھر کنے لگے۔صغریٰ نے فی الفور چبوترے پر اُگے پیڑ کے تنے کا سہارا لیا۔اسے یوں لگا جیسے وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکے گی۔اتنے سال بعد آج اچانک اس کا گم شدہ بیٹا کیسے لوٹ آیا تھا؟ کیا یہ کوئی فرشتہ تھا؟ اس نے سر اٹھا کر کلاڈیوس کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ یہ لڑکا اس کا اپنا لختِ جگر ہے۔وہ اپنے آپ کو مزید نہ روک سکی۔حالانکہ وہ زبان سے خاموش تھی۔لیکن اس کا بدن بول رہا تھا۔

یکا یک اس کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں۔وہ آگے بڑھ کر اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگانا چاہتی تھی لیکن اتنے برسوں کی اجنبیت بیچ میں دیوار بن کر حائل ہو گئی۔اس نے اپنے بڑھتے قدم روک لئے۔کلاڈیوس دو قدم مزید آگے بڑھ آیا۔اب وہ صغریٰ کے بالکل قریب تھا اور ہاتھ بڑھا کر اپنی ماں کو چھو سکتا تھا۔اب کلاڈیوس کا چہرہ صغریٰ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔وہ اس کے چہرے میں اپنے مرحوم شوہر کی ایک ایک نشانی صاف دیکھ رہی تھی۔کلاڈیوس نے پھر کہا۔

''ماں...... کیا اپنے بڑے بیٹے کو اس کے حصے کا پیار نہیں دو گی؟ میں تمہارا بیٹا ہوں ماں...... نورین تمہاری بیٹی نہیں تھی۔تم تو جانتی ہو ماں!...... جانتی ہو نا؟''

اب صغریٰ خود کو مزید نہ روک سکتی تھی۔اس نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں ہاں میرے بچے! میں کیسے بھول سکتی ہوں...... مجھے سب یاد ہے۔تم کہاں تھے اتنے سال...... کہاں تھے تم؟''

صغریٰ کے ہاتھ بڑی تیزی سے کلاڈیوس کے رخساروں کو چھو رہے تھے۔اور پھر یکدم صغریٰ

Marfat.com

نے کلاڈیوس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ کلاڈیوس کو یوں لگا جیسے دنیا کے دہکتے جہنم میں اچانک کسی ٹھنڈے سائبان کی چھاؤں میسر آ گئی ہو۔ جیسے اس کے دہکتے ہوئے دل پر کسی نے ٹھنڈے پانی کی پھوار چھڑک دی ہو۔ جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے کسی آرام دہ بستر پر محو استراحت ہو...... جیسے جگر کے چھالوں پر کسی نے برف رکھ دی ہو۔ جیسے اس کے سارے دُکھ یک لخت ختم ہو گئے ہوں۔ کلاڈیوس کے سینے سے ایک لمبی سانس نکلی اور پھر وہ اگلے لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ بالکل ایک سال کے بچے کی طرح بلک رہا تھا۔ صغریٰ بار بار اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی، اس کا ماتھا، سر، گردن، کندھا اور کان چومتی اور پھر رونے لگتی۔

آج کلاڈیوس زندگی میں پہلی بار رو رہا تھا...... یوں پھوٹ پھوٹ کر تو وہ مادام تھروشیا کے پالنے میں بھی نہ رویا ہو گا۔

صوفیہ کے کانوں تک ایک روتے اور بلکتے ہوئے مرد کی صدا پہنچی تو مارے حیرت سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اگلے لمحے وہ دوڑتی ہوئی گھر سے باہر آ رہی تھی۔ صوفیہ نزدیک پہنچی تو اس نے سنا، صغریٰ کہہ رہی تھی۔

''تم کہاں تھے بیٹا؟...... آج تک تم کہاں تھے؟...... مجھے اپنے بارے میں بتاؤ!...... تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا؟...... تم مجھ تک کیسے پہنچے؟''

نوجوان پر نظر پڑتے ہی صوفیہ کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی...... یہ تو کلاڈیوس تھا۔ وہ اسے اچھی طرح سے جانتی تھی۔ وہ کلاڈیوس کو کیسے بھول سکتی تھی۔ بحر اسود میں آنے والے طوفان کے بعد اسی نے سب سے پہلے بے ہوش تیرتے ہوئے کلاڈیوس کو دیکھا تھا۔ ان لوگوں نے کلاڈیوس کی جان بچائی اور صوفیہ نے بڑے پیار سے اس کی تیمارداری کی تھی۔ صوفیہ کلاڈیوس کو کیسے بھول سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کلاڈیوس اس سے محبت کرتا ہے...... یہی سوچ کر صوفیہ ڈر گئی کہ کہیں کلاڈیوس اسے حاصل کرنے کی غرض سے تو نہیں آیا۔ اسے کلاڈیوس کا دھوکا یاد تھا جب جزیرے پر محض صوفیہ کو حاصل کرنے کے لئے کلاڈیوس نے احسان فراموشی کی تھی۔ نہ جانے کیوں صوفیہ کا ہاتھ اپنے پیٹ پر جا رکا، بالکل ایسے جیسے اپنے بچے کو وہ کلاڈیوس کے قہر سے بچانا چاہتی ہو۔ لیکن کلاڈیوس خود کسی بچے کی طرح بلک رہا تھا۔ صوفیہ کچھ نہ سمجھ پائی کہ ایسے موقع پر وہ کیا کرے۔ کبھی اس کے دل میں آتا کہ اندر سے شمشیر اٹھا لائے اور کلاڈیوس کا سر کاٹ دے...... اور کبھی وہ سوچتی کہ روتے ہوئے کلاڈیوس کو دلاسہ دے اور اس سے پوچھے کہ کیا ہوا

Marfat.com

کلاڈیوس! تم کیوں رو رہے ہو؟

اسی اثناء میں کلاڈیوس کی نظر بھی صوفیہ پر پڑ گئی لیکن اس نے کسی حیرت کا اظہار نہ کیا جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو کہ صوفیہ یہیں پر ملے گی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو فضا میں کچھ عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ اسے صغریٰ نے بھی محسوس کیا اور حیرت سے دونوں کا منہ تکنے لگی۔ صوفیہ نے زیر لب کلاڈیوس کا نام لیا۔

''کلاڈیوس!''

صوفیہ کی زبان سے اجنبی نوجوان کا نام سن کر صغریٰ گرتے گرتے بچی۔ تو یہ کلاڈیوس تھا جسے وہ اپنا بڑا بیٹا سمجھ کر اپنی برسوں کی پیاس بجھا رہی تھی...... کلاڈیوس؟...... کلاڈیوس تو مادام تھروشیا کا بیٹا تھا...... صغریٰ کی معصوم بیٹی کا قاتل...... اسی اثناء میں اسے صوفیہ کی آواز پھر سنائی دی۔

''کلاڈیوس! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تم جانتے نہیں کہ شیراز تم سے کتنی نفرت کرتے ہیں...... بلکہ ہم سب تم سے کتنی نفرت کرتے ہیں...... کیا تم مرنے کے لئے یہاں آئے ہو؟...... میں چاہوں تو ابھی تمہارا سر کاٹ کر پھینک دوں لیکن میں اپنے پاک کھیتوں کو تمہارے گندے خون سے آلودہ نہیں کرنا چاہتی۔ تم چلے جاؤ...... میں کہتی ہوں تم ابھی اور اسی وقت چلے جاؤ۔''

لیکن کلاڈیوس اپنی جگہ سے نہ ہلا...... البتہ اس نے اپنا سر جھکا لیا اور مجرموں کے سے لہجے میں کہنے لگا۔

''میں قتل ہونے کے لئے ہی تو آیا ہوں...... میں اپنے گناہوں کی سزا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں اتنی درخواست کروں گا کہ میرے خون کو گندا مت کہو...... میرا خون گندا نہیں۔ کیونکہ میرے جسم میں میری اس عظیم ماں کا خون دوڑ رہا ہے جو تمہارے شوہر شیراز کی بھی ماں ہے۔ مجھے سب پتہ چل چکا ہے۔ دریائے پرتھ کے کنارے ایک چرچ میں اچانک ایک بوڑھی راہبہ میرے اور میری پرورش کرنے والی ماں یعنی مادام تھروشیا کے سامنے آ گئی۔ آپ لوگوں کو تو شیراز نے سب کچھ بتایا ہو گا...... کیا شیراز نے چرچ کے فرش پر بوڑھی راہبہ کی لاش نہیں دیکھی تھی؟ وہ روفیہ تھی، بوڑھی روفیہ جس نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ مادام تھروشیا اپنی ذلت برداشت نہ کر سکی اور اس نے بے گناہ راہبہ کو قتل کر دیا۔ تب سے میں نے عیسائیت کو چھوڑ دیا۔ میں اور میری بہن مہینوں سے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ہم آپ لوگوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔

Marfat.com

میں اپنی حقیقی ماں سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا جس کی کوکھ سے میں نے جنم لیا تھا۔ پندرہ بیس روز قبل جب ہم پاتھے اوڈیسا کے پاس آئے تو ہمیں آپ لوگوں کے بارے میں پتہ چل گیا۔ لیکن پاتھے نہیں چاہتے تھے کہ میں شیراز کے سامنے آؤں۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں شیراز مجھے قتل نہ کر دے۔ لیکن میں تو قتل ہونا چاہتا تھا...... اپنے گناہ کی سزا چاہتا ہوں۔ پاتھے اوڈیسا نے ہمیں اتنے دن تک روکے رکھا۔ آج انہوں نے شیراز کو اپنے گھر بلا لیا اور مجھے یہاں بھیج دیا۔ کیونکہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ میں مزید انتظار نہ کر سکتا تھا۔ آج میری ماں مجھے مل گئی۔ اب مجھے کوئی ڈر نہیں...... صوفیہ! تم میرے بھائی کی بیوی ہو اور چھوٹے بھائی کی بیوی، بہو جیسی ہوتی ہے۔ تم مجھے جو چاہو سزا دے دو، میں اُف نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اپنے گناہ کا یہی کفارہ چاہتا ہوں۔"

صغریٰ اور صوفیہ ہکا بکا کھڑی کلاڈیوس کی باتیں سن رہی تھیں۔

◆ ...... ◆

"وہ تمہارے بغیر نہیں جی سکتی۔ اس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو تمہی کو اپنے قریب پایا...... تمہیں یاد ہے لائیسم میں وہ کس قدر تمہارے نزدیک تھی...... تم کیسے بھول سکتے ہو؟ تم بھی تو دل ہی دل میں اسے چاہتے تھے۔ کیا تم نہیں چاہتے تھے؟...... شیراز! بے شک تم شادی شدہ ہو لیکن کیا اس کو بے سہارا چھوڑ دیا جائے؟ تمہارے بغیر وہ اسلام قبول کر چکی ہے...... اس کا بھائی بھی اسلام قبول کر چکا ہے شیراز! کلاڈیوس بالکل بدل گیا ہے۔ میں تمہیں ان دونوں کی پوری کہانی سنا چکا ہوں...... کیا تم نے چرچ کے فرش پر بوڑھی راہبہ کی لاش نہیں دیکھی تھی؟ اسے مادام تھروشیا نے قتل کیا تھا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ تھیوڈورا تو ہر وقت روتی رہتی ہے، منہ سے کچھ نہیں کہتی اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں تم سے بات کروں۔ میں اپنے طور پر تم سے بات کر رہا ہوں...... تم تھیوڈورا کو سہارا دو، اسے تمہاری ضرورت ہے۔ وہ ایک لائق لڑکی ہے۔"

پاتھے اوڈیسا ایک گھنٹے سے مسلسل بول رہا تھا۔ اس نے شیراز کو اپنے گھر بلوایا تھا اور کلاڈیوس کی کہانی حرف بہ حرف شیراز کو کہہ سنائی تھی۔ شیراز کے دل پر ایک کے بعد ایک بجلی گرتی رہی۔ جب اسے پتہ چلا کہ کلاڈیوس اس کا حقیقی بھائی ہے جبکہ نورین مادام تھروشیا کی حقیقی بیٹی تھی تو شیراز کا بدن سن ہو گیا...... کچھ دیر تک اسے کچھ بھی سجھائی نہ دیا تھا۔ اس کی ماں نے کبھی اس راز پر سے پردہ نہ اٹھایا تھا۔ صغریٰ کو تو اُسی روز سے چپ لگ گئی تھی جب اس کا پہلا بیٹا اس

Marfat.com

سے چھین لیا گیا تھا۔ درمیان کا سارا عرصہ وہ بہت کم بولتی تھی۔ شیراز نے اپنی ماں کو زیادہ بات کرتے ہوئے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور پھر نورین کی موت کے بعد تو وہ اکثر خلاؤں میں گھورتی رہتی۔ شیراز کو پاتھے اوڈیسا کی باتوں پر یقین آ گیا اور وہ قدرت کے اس کرشمے پر دنگ رہ گیا کہ قدرت نے اس کی بہن کو رسوا نہیں کیا تھا بلکہ کلاڈیوس کے ہاتھوں بے آبرو ہونے والی معصوم نورین مادام تھروشیا کی بیٹی تھی۔

شیراز کو اچانک مادام تھروشیا کا آخری وقت یاد آ گیا۔ تب شیراز کے ذہن میں بہت سی گرہیں کھلنے لگیں۔ چرچ میں ہلاک ہونے والی راہبہ کے پاس جو خنجر پڑا تھا وہ ایک زنانہ ہتھیار تھا۔ یقیناً بوڑھی راہبہ نے مادام تھروشیا کا بھانڈا پھوڑ دیا ہوگا۔ شیراز پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ پاتھے اوڈیسا نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ آخر میں پاتھے اوڈیسا نے ا... کہی جسے سن کر شیراز بے حد بے قرار ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پا... تھا۔

”آج میں نے تمہیں اپنے گھر اس لئے بلوایا تا کہ کلاڈیوس کو تمہارے ... بھیجـ ... میں نہیں چاہتا تھا کہ تم دونوں کا آمنا سامنا ہو۔ شیراز! وہ تمہارا بھائی ہے...... وہ بالکل بدل چکا ہے...... تمہیں یقین نہ آئے تو تھیوڈورا سے پوچھ لو۔“

شیراز کے دل میں خوف تھا کہ کہیں کلاڈیوس اس کی ماں یا بیوی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ لیکن پاتھے اوڈیسا اسے بار بار تسلی دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ شیراز کے اپنے دل میں بھی کلاڈیوس سے ملنے کی آرزو پیدا ہونے لگی۔ کلاڈیوس کے لئے شیراز کے جذبات کو نرم ہوتا دیکھ کر پاتھے اوڈیسا کو تسلی ہوئی اور وہ مسکرانے لگا۔

”ہاں...... اب ٹھیک ہے...... اب تم مطمئن ہو...... اب تم کلاڈیوس کا خون نہیں کرو گے۔“

اتنا کہہ کر پاتھے اوڈیسا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم یہیں رکو...... میں لائیسیم کی سب سے ہونہار طالبہ اور تمہاری دوست تھیوڈورا کو یہاں بھیجتا ہوں، تمارے پاس!“

(ختم شد)

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com